اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادر علمی پیش کش

آثار التنزیل

جلد اوّل

پچیس مضامین

ضرورة القرآن	خصوصیات القرآن	صداقت القرآن	فضائل القرآن	نزول القرآن
جمع القرآن	کتابت القرآن	ترتیب القرآن	احرف القرآن	خطابات القرآن
حفظ القرآن	لسان القرآن	ترجمة القرآن	تجوید القرآن	قراءت القرآن
اسلوب القرآن	سور القرآن	ایمان القرآن	مقام القرآن	علوم القرآن
حقائق القرآن	تلاوت القرآن	اعجاز القرآن	نسخ فی القرآن	تاثیر القرآن

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادر علمی پیش کش

آثار التنزیل

جلد اوّل

پچیس مضامین

ضرورۃ القرآن	خصوصیات القرآن	صداقت القرآن	فضائل القرآن	نزول القرآن
جمع القرآن	کتابت القرآن	ترتیب القرآن	احرف القرآن	حفاظت القرآن
حفظ القرآن	لسان القرآن	ترجمۃ القرآن	تجوید القرآن	قرات القرآن
اسلوب القرآن	سور القرآن	ایمان القرآن	مقام القرآن	علوم القرآن
حقائق القرآن	تلاوت القرآن	اعجاز القرآن	نسخ فی القرآن	تاثیر القرآن

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

نام کتاب ———— آثار التنزیل جلد اوّل
مصنف ———— ڈاکٹر علامہ خالد محمود
کتابت ———— محمد حفیظ الحق صدیقی خانیوال
ناشر ———— دار المعارف لاہور
صفحات ————
تعداد ————
قیمت ————
ممالک یورپ ————

ملنے کے پتے

دفتر دار المعارف ۲/۱ دیو سماج روڈ سنت نگر لاہور
جامعہ ملیہ اسلامیہ توحید پارک نزد امامیہ کالونی لاہور
پتہ انگلینڈ : اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر

حکیم الاسلام حضرت مولانا القاری محمدؒ طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی چھتیس ٣٦ سال پہلے کی ایک تحریر

نمبر ٥٨٧

دفتر دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور

مورخہ ٩-٤-١٩٨٤ء

آثار التنزیل مولفہ مولانا خالد محمود صاحب کیسی کتاب ہے؟

اس سوال کا پہلا جواب یہ ہے کہ وہ مولانا خالد محمود صاحب کی تالیف ہے جو تصنیف و تالیف کی لائن کے معروف اور علمی دُنیا کے جانے پہچانے مُصنّف ہیں قدر الشہادۃ قدر الشہود کے اصول پر مُصنف کی علمی قدر و منزلت تصنیف کی قدر و منزلت کا کھلا نشان ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کتاب کے عنوانات کو پڑھ لیا جائے عنوان مضمون مضمون کا ترجمہ ہوتا ہے اور ترجمہ اور عنوان ہی سے صاحب مضمون کی فقاہت و ذکاوت واضح ہو جاتی ہے علماء کا مسلمہ مقولہ ہے فقہ البخاری فی تراجمہ بخاری کا تفقہ اور علمی عمق ان کے ابواب و تراجم اور عنوانات میں مخفی ہے جو اُنہوں نے احادیث پر قائم کئے ہیں اور حدیث کا عطر نکال کر

ترجمہ میں پیش کرنا ہے۔

جس کتاب کے تراجم وعنوانات ضرورۃ القرآن نزول القرآن تدوین القرآن ارض القرآن سُوَر القرآن لسان القرآن اسلوب القرآن ترتیب القرآن اورحفاظت القرآن وغیرہ ہوں اس سے اندازہ کرلیا جائے کہ قرآنی علوم کے مختلف پہلوؤں پر مصنف کی کتنی گہری نظر ہے۔ بہرحال یہ الواب اور مصنف دونوں اس زیرِنظر کتاب کی قدرومنزلت کے گواہ ہیں اس لئے مُستفیدین کے حق میں آثارالتنزیل سے استفادہ اوراس کے شوق ورغبت کے دروازے کھل جانے چاہئیں اورانہیں علوم قرآن کے ان جامع اورگہرے پہلوؤں کو سامنے لانے کے لئے اس موقرکتاب کا مُطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ کتاب کی وہ قدروقیمت جو اس کے مصنف اورتصنیفی عنوانات سے اجمالاً سامنے آئی تھی۔ مطالعہ کے بعد تفصیل اوربصیرت کے ساتھ سامنے آجائے۔

علماء کرام اورمدارس کے منتھی طلبہ کے لئے اوریونیورسٹیوں کے جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے اس کتاب کا مُطالعہ بہت مُفید ہوگا۔ دُعا ہے کہ حق تعالیٰ اس کتاب کونافع اورمقبول فرمائے۔

محمّد طیّب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۶—۴—۱۳۸۴ھ

فہرست مضامین

ضرورت القرآن ۳۳

ہدایت فطرت ہدایت حواس اور ہدایت عقل کے بعد ہدایت الٰہی کی ضرورت ۳۳
ہر چیز پر زندگی کی راہیں کھول دیں ۳۳
حیوان ہدایت حواس تک ساتھ چلا ۳۴
ہدایت عقل کی راہ میں انسان اکیلا رہ گیا ۳۴
شرف انسانی کی آخری منزل تخمینات ۳۴
آسمانی ہدایت پر تمام ملتوں کا اتفاق ۳۴
انسان جوہر عقل کی وجہ سے ہی مکلف ٹھہرا ۳۵
عقل خود کیا ہے؟ تجربات کا خلاصہ ۳۵
اطمینان کی دولت آسمانی ہدایت میں ہی ہے ۳۵
دائرہ کائنات کو نقطہ یقین اسی سے ملتا ہے ۳۵
حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شہادت ۳۵
مذہب کے بغیر دل کہیں اطمینان نہیں پاتے ۳۵
عقل کی ساری جولانیاں محسوسات میں ختم ۳۵
طور نبوت طور عقل کے ماوراء ہے ۳۶
مادیات اور تجربات کائنات کا صرف مادہ ہیں ۳۶
مادہ کائنات کے لیے روح کائنات درکار ہے ۳۶
انسانی زندگی کا قیام غذا سے ہے ۳۷
مادی علوم کی بے اعتدالی میں طریق علاج ۳۷
حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی شہادت ۳۸
شرعی علوم بمنزلہ دوا ہیں ۳۸
علوم عقلیہ اور شرعیہ میں تعارض نہیں ۳۸
تجرباتی معلومات کو وحی کی پیاس ۳۹
قرآن کریم روح کائنات ہے ۳۹
حواس ادراک میں کبھی غلطی بھی کرجاتے ہیں ۴۰
کائنات کا ارتقاء اپنے اعلیٰ کی تلاش میں ۴۰
حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسمؒ کی شہادت ۴۱
قرآنی ہدایت کا دائرہ عمل کہاں تک؟ ۴۱
۱۔ صرف قرآن ہی دست بُرد سے محفوظ ہے ۴۲
۲۔ چودہ سو سال اس میں کوئی فرق پیدا نہ کرسکے ۴۳
۳۔ قرآن زمانہ قبل از تاریخ میں مستور نہیں ۴۳
۴۔ مسیحی صدیوں کی ابتداء میں انجیل کا حال ۴۳
۵۔ پولس نے عقیدہ تثلیث اور کفارہ ایجاد کیے ۴۴
۶۔ حضرت مسیح کی انجیل کسی کے پاس نہیں ۴۴

خصوصیات القرآن ۴۷

۱۔ قرآن کریم کا نزول تدریجاً ہوا ۴۷
۲۔ یہ کتاب مفصّل اتری، مفصل ساتھ رہا ۴۷
۳۔ قرآن کی ایک اپنی سرکاری زبان ہے ۴۷
۴۔ قرآن میں کسی بات کی کمی نہیں رہی ۴۷

۵. قرآن میں سب منابع علم کی چابی دھری ہے ۴۸
۶. قرآن اپنا رشتہ پہلی کتابوں سے جوڑتا ہے ۴۸
۷. قرآن کی بات دوطرفہ نہیں ہوتی ۴۹
۸. قرآن ابدی کتاب ہے کسی نسخ کی زد میں نہیں ۴۹
۹. قرآن سے دکھی دلوں کو شفا ملتی ہے ۴۹
۱۰. قرآن سب کے دلوں میں آخرت کی فکر پیدا کرتا ہے ۴۹
قرآن کے کچھ مسائل صرف علماء کے سمجھنے کے ہیں ۴۹
غیر علماء ان ابواب قرآن میں کیا کریں؟ ۴۹
کس درجے کے علماء پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ ۴۹
پیغمبر کا منصب صرف قرآن پہنچانا نہیں ۵۰
سبیلِ رسول کے ہوتے مختلف راہوں پر نہ چلو ۵۰
سبیلِ رسول کے ساتھ سبیل المؤمنین کی بھی پیروی ۵۰

صداقت القرآن ۵۳

قرآن کے اندر اس کی صداقت کے نقوش ۵۳
آسمانی کتاب الٰہی صفات کا پتہ دے ۵۳
علمِ الٰہی میں اس کا کوئی شریک نہیں ۵۳
قرآن کریم کی مختلف اخبارِ غیبیہ ۵۴
ایک ناتواں اور بے سہارا انسان کا عروج ۵۴
(۱) مکہ والوں کو ان کے خطرناک انجام کی اطلاع دیدی گئی ۵۴
۲. غلبہ رسالت کا دوسرا اعلان ۵۵
۳. غلبہ رسالت کا تیسرا اعلان ۵۵
۴. حضورؐ کو بتلانا کہ یہ تجھے نکال دیں گے ۵۶
(۲) جنگِ بدر کی پیشگوئی ۵۶
(۳) مکہ سے نکلتے ہی پھر آنے کا اعلان کر دیا گیا ۵۸
(۴) مکہ کے بعد مدینہ کے مخالفین کی پسپائی ۵۹
(۵) قرآن کریم کا غیر معمولی جذب و عمل ۶۰
۱. قرآن کریم کے پہلے مجذوب؛ حفاظِ کرام ۶۰
عرب کے امّی کی پیش کش ۶۱
لکھنا پڑھنا پڑھے لکھے لوگوں کا کام ہے ۶۱
۲. آنحضرت پر قرآن کریم کا حسی اثر ۶۲
وحی اترتے وقت سردی میں پسینہ ۶۴
وحی اترتے وقت کلام کا ثقل اور بوجھ ۶۵
وحی اترتے وقت چہرے کی رنگت ۶۵
۳. قرآن کا سریع الاثر انقلاب ۶۷
عرب قبل القرآن ۶۷
عرب بعد القرآن ۶۸
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں دونوں دوروں کا ذکر ۶۹
اخلاقی بزرگیوں کی تکمیل ۶۹
پوری دنیا کو ایک نظام میں لانے کی دعوت ۷۰
۴. پہلی کتابوں میں قرآن کی صداقت کے نشان ۷۱
۵. پیرایہ فطرت میں آسمانی آواز ۷۳
علم کے دس فطری تقاضے ۷۴
۶. امارت فقیری کے پیرہن میں ۷۴
قرآن اپنے پیرووں کو گھروں سے نکالتا نہیں ۷۴

اناجیل میں کھلے تضاد کی ایک مثال ۷۵
۷. قرآن دین و دنیا کی تقسیم نہیں بناتا ۷۶

فضائل القرآن ۷۷

قرآن کریم مخلوق نہیں اور اس پر فنا نہیں ۷۷
۱. انسانوں اور خدا کے مابین وصل و ربط ۷۸
۲. واحد الہامی کتاب جس کی زبان زندہ ہے ۷۸
۳. واحد الہامی کتاب جو ایک کتاب کہلا سکتی ہے ۷۹
۴. واحد الہامی کتاب جو ہر جگہ اصل زبان میں ہے ۷۹
۵. واحد الہامی کتاب جو لاکھوں کو زبانی یاد ہے ۸۰
۶. واحد الہامی کتاب جس میں ایک جملہ انسانی کلام کا نہیں ۸۰
۷. واحد الہامی کتاب جو حضورؐ سے متواتر منقول ہے ۸۱
۸. واحد الہامی کتاب جس کی نظیر لانے سے دنیا عاجز ہے ۸۱
۹. واحد الہامی کتاب جو عبادت اور سیاست کی جامع ہے ۸۲
۱۰. واحد الہامی کتاب جس نے دنیا میں انقلاب برپا کیا ۸۲
۱۱. واحد الہامی کتاب جس نے پہلی کتابوں کو منسوخ کیا ۸۳
۱۲. واحد الہامی کتاب جس نے اپنا پورا تعارف کرایا ۸۵
۱۳. واحد الہامی کتاب جس کی تعریف غیروں نے بھی کی ۸۷
۱۴. واحد الہامی کتاب جو دورِ تاریخ میں اتری ۸۷
۱۵. واحد الہامی کتاب جس نے پہلے مذہبی پیشواؤں کو عزت بخشی ۸۷
بائبل میں پہلے انبیاء کا ذکر دلآزار پیرائے میں ۸۸
ویدوں میں خدا کے پہلے بھیجے ہوؤں کا ذکر ۸۹

فضائلِ قرآن آنحضرتؐ کی زبان سے ۹۴
فضائلِ قرآن صحابہ کرامؓ کی زبان سے ۹۷
قرآن غیبی خبروں کے مخزن کے طور پر ۹۸
قرآن دلوں کو نرم کرنے کا سبب ۹۹
قرآن سے زہر کے اثر کو دور کرنا ۹۹
قرآن سے جادو کے اثر کو دور کرنا ۱۰۰
فضائلِ قرآن محدثین کی نظر میں ۱۰۱

نزول القرآن ۱۰۳

قرآن مجید لوحِ محفوظ میں ۱۰۳
قرآن مجید پہلے آسمان پر لیلۃ القدر میں اترا ۱۰۳
قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے اترا ۱۰۴
تنزیل اور انزال میں فرق ۱۰۵
وحی الٰہی کا تحمل ۱۰۶
اللہ ہی جانتا ہے کہاں اس کی رسالت اترے ۱۰۶
وہ جسے چاہتا ہے رسالت دیتا ہے ۱۰۶
نبوت کو کسبی ماننے والا زندیق ہے ۱۰۶
حضورؐ کی پچھلی زندگی آئندہ زندگی کے لیے سند بنی ۱۰۷
ساحر کے الزام پر نضر بن حارث کا جواب ۱۰۷
نوعِ بشری میں نورِ ملکی ودیعت ہوا ۱۰۹
پہلی وحی اقرأ کے الفاظ ہی میں ۱۰۹
حضرت خدیجہؓ سے اپنی طبعی حالت کا ذکر ۱۰۹

خدیجہؓ کا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جانا ۱۰۹

تین سال تک وحی میں فترت ۱۱۰

سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات ۱۱۰

کیفیت نزول وحی کی ۱۱۰

۱. فرشتہ نبی کے دل پر نزول کرے ۱۱۱

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا بیان ۱۱۲

شیخ اکبر ابن عربی کا بیان ۱۱۲

۲. نزول وحی کی دوسری کیفیت ۱۱۳

کوہِ طور پر وحی ۱۱۳

معراج کی رات اللہ سے ہمکلامی ۱۱۳

۳. نزولِ وحی کی تیسری کیفیت ۱۱۳

اللہ کے انسان سے ہمکلام ہونے کی تین صورتیں ۱۱۳

حدیث میں صرف دو صورتوں کا ذکر کیوں؟ ۱۱۳

سلسلہ وحی کی اختتام پذیری ۱۱۵

۱. حضرت صدیق اکبرؓ کا اعلان انقطاع وحی ۱۱۵

۲. حضرت فاروقِ اعظمؓ کا اعلان انقطاع وحی ۱۱۵

وحی کی حقیقت ۱۱۶

جسے شریعت میں وحی کہا جائے ۱۱۶

وحی اور الہام میں فرق ۱۱۷

دونوں حصول علم کا غیبی ذریعہ ہیں ۱۱۷

وحی میں مبدء یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے ۱۱۷

الہام ایک وجدان سا محسوس ہوتا ہے ۱۱۷

وحی ایک روشن برہان کے درجہ میں ہے ۱۱۸

الہام کے علوم ظنی ہوتے ہیں ۱۱۸

نبی کا الہام بجز صواب کے نہیں ہوتا ۱۱۸

نبی کا الہام اوروں کے لیے حجۃ قاطعہ نہیں ۱۱۸

وحی میں ایک تحدی ہوتی ہے (دعویٰ) ۱۱۸

وحی کے وجود پر مشاہدہ سے استدلال ۱۱۸

وحی اترتے وقت حضورؐ کی حالت ۱۲۰

حضرت عبادہ بن صامتؓ کا بیان ۱۲۱

صفوان بن یعلیٰ کی شہادت ۱۲۱

حضرت امام غزالیؒ کا بیان ۱۲۲

وحی کی آواز ۱۲۲

اللہ کی آواز بے چون و بے مثل ۱۲۲

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی شہادت ۱۲۳

وادیٔ سینا میں خدا کی آواز سنی گئی ۱۲۳

یہ فرشتہ وحی کے پروں کی آواز تھی ۱۲۳

شاہ نظام الدین اولیاءؒ کی ایک یاد ۱۲۳

شیخ فریدالدین عطارؒ سے ایک معارضہ ۱۲۳

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کا جواب ۱۲۳

وحی رسالت اور وحی قرآن میں فرق ۱۲۴

وحی رسالت وحی قرآن سے عام ہے ۱۲۴

وحی رسالت کے عام ہونے پر قرآن کی پہلی شہادت ۱۲۵

وحی رسالت کے عام ہونے پر قرآن کی دوسری شہادت ۱۲۶

وحی رسالت کے عام ہونے پر تیسری شہادت ۱۲۶

وحی رسالت کے عام ہونے پر چوتھی شہادت ۱۲۷

جمع القرآن ۱۲۹

وحی اُترتے ہی آپ کو وہ حصہ قرآن یاد ہو جاتا ۱۲۹
جبریل کے پڑھنے کے ساتھ آپ بھی آہستہ پڑھتے ۱۲۹
اللہ نے آپ کو زبان کے حرکت دینے سے روکا ۱۲۹
اللہ تعالیٰ نے قرآن کو جمع کرانا اپنے ذمہ لے لیا ۱۲۹
اللہ نے آپ کو جمع قرآن کی تسلی دی ۱۲۹
آداب قرآن میں سے ہے کہ ایک پڑھے دوسرا سُنے اور خاموش رہے۔ ۱۳۰
جمع و تدوین صرف حفظ کی صورت میں نہ تھی آپ ساتھ ساتھ لکھواتے بھی رہے۔ ۱۳۱
قرآن میں قرآن کے کتاب ہونے کی شہادتیں ۱۳۱
حضرت خالد بن سعید نے سب سے پہلے بسم اللہ لکھی ۱۳۲
حدیث میں قرآن کے کتاب ہونے کی شہادتیں ۱۳۲
لسانِ رسالت سے قرآن کے دیکھ کر پڑھنے کا ثبوت ۱۳۳
قرآن ساتھ لے کر دشمن کے علاقے میں نہ جاؤ ۱۳۳
قرآن کو بغیر وضو نہ چھونے کا ثبوت ۱۳۳
حضرت جابرؓ کی روایت کہ سیاہی کیسے خشک کرو ۱۳۴
نزولی ترتیب لوح محفوظ کی ترتیب سے مختلف ہے ۱۳۴
قرآن کو اس کے اصلی ترتیب پر لکھواتے رہے ۱۳۴
حضرت جبریل کا البقرہ کا آیت نمبر بتانا ۱۳۵
کاتبینِ وحی اٹھتیس ۳۸ تھے ۱۳۵
زید بن ثابتؓ کے بعد دوسرے نمبر پر معاویہؓ رہتے ۱۳۵
صاحب مشکوٰۃ کی شہادت ۱۳۶
حافظ ابن کثیر کی شہادت ۱۳۶
حضورؐ کے عہد میں پورا قرآن لکھنے والے ۱۳۶
حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۱۳۶
انصار میں پورا قرآن لکھنے والے پانچ تھے ۱۳۷
حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا پورا قرآن جمع کرنا ۱۳۸
حضرت عبداللہ بن عمرؓ کاتبِ وحی ۱۳۸
حضرت لبیدؓ شاعر کاتبِ وحی ۱۳۸
حضورؐ قرآن لکھا کر سنتے بھی تھے ۱۳۸
سارا قرآن لکھا جانے کے باوجود یکجا نہ ہوا ۱۳۹
عہد نبوی میں قرآن کن چیزوں پر لکھا جاتا رہا ۱۴۰
ادیم، عسیب، لخفہ، کتف، قتب ۱۴۰
قرآن پاک عہد صدیقی میں ایک شیرازے میں آیا ۱۴۱
حضرت عثمانؓ نے اس کی متعدد نقلیں کرائیں ۱۴۲
حضرت عمرؓ نے قدیم نسخہ حضرت حفصہؓ کے سپرد کیا ۱۴۴
خلافتِ فاروقی میں قرآن کریم کی اشاعت ۱۴۵
معلموں اور قاریوں کی تنخواہیں مقرر کی گئیں ۱۴۵
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی فوج میں تین سو حافظ ۱۴۶
احرف سبعہ کی ضمنی بحث ۱۴۷
حضرت عثمانؓ جامع آیات القرآن ۱۴۸
ایک قرآن پر جمع کرنے کا اہتمام ۱۴۸
حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی تجویز ۱۴۸
قرآن کا مرکزی نسخہ بالآخر ایک قرار پایا ۱۴۹

حضرت عثمانؓ نے علاقوں میں اس کی نقول بھجوائیں ۱۴۹
شام کا نسخہ ساتویں صدی تک دیکھا گیا ۱۴۹
خونِ شہید کے قطروں والا نسخہ مدینہ والا تھا ۱۵۰
مؤرخ عبدالملک نے آٹھویں صدی میں یہ نسخے دیکھے ۱۵۰
مرزا احمد سلطان گورگانی کی غلط بیانی ۱۵۰
ابن قتیبہ کا بیان کہ وہ مصحف موجود رہا ۱۵۱
علامہ ابوعبید قاسم بن سلام کی شہادت ۱۵۱
اجماع العوام علی مصحف الامام ۱۵۲
دوسرے نسخوں میں تفسیری نوٹ بھی تھے ۱۵۳
حضرت عثمانؓ نے ان کے کھرچ دینے کا حکم دیا ۱۵۳
مُحرَّق حرف یحرق سے بھی ہو سکتا ہے ۱۵۴
یحرقون انیابھم غیظاً و حنقاً ۱۵۴
امام محمدؒ کا فتویٰ کہ قرآن جلانا جائز نہیں ۱۵۵
قرآن کو غیر قرآن کے اختلاط سے بچایا جائے ۱۵۶
رفعِ اختلاف کا ایک اور انداز ۱۵۶
قاضی عیاض کا بیان کہ حروف دھو لیے گئے تھے ۱۵۷
حضرت علیؓ کا حضرت عثمانؓ سے کامل اتفاق ۱۵۸
حضرت عثمانؓ پر تمام علماء کا اجماع ۱۵۸
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اختلاف قرآن میں نہ تھا تفسیری نوٹوں کا تھا۔ ۱۶۰
حافظ ابن کثیر کی شہادت ۱۶۰
امام موسیٰ کاظمؒ کا فتوےٰ ۱۵۷
حضرت علی مرتضیٰؓ حضرت عثمانؓ کی تائید میں ۱۵۸
تیس پاروں میں تقسیم عہد حجاج میں ہوئی ۱۶۱

کتابتِ قرآن

کتابتِ قرآن ۱۶۳
قرآن کی مکتوبیت لوحِ محفوظ میں ۱۶۳
لوحِ محفوظ میں الفاظ کی ایک ادا ہے ۱۶۴
حضرت عثمانؓ کے رسم الخط کی توقیف ۱۶۴
ائمہ اربعہ اس کی پابندی کے قائل رہے ۱۶۴
حافظ ابن ہمام کی شہادت ۱۶۵
ائمہ سلف کی شہادتیں ۱۶۵
لوحِ محفوظ کی کتابت میں انسانوں کی عملی رعایت ۱۶۶
کاتبین وحی کے مختلف پیرائے ۱۶۶
مختلف لغات والے عرب ایک ہوئے ۱۶۷
قرآن کی اولین کتابت خط کوفی میں ۱۶۷
حضرت علیؓ کے لکھے قرآن پر ڈاکٹر اقبال کی شہادت ۱۶۷
قراء سبعہ میں سے تین کوفہ کے تھے ۱۶۸
کوفہ کی علمی منزلت ۱۶۸
سعودی عرب میں کوفہ کی سند ۱۶۸
امام عاصم کوفی کی سند چار صحابہؓ سے ۱۶۹
علاماتِ وقف و ضبط ۱۶۹
پارہ اور ربع و نصف کے نشان ۱۶۹
قرآن کریم میں پہلے نقطے نہ تھے ۱۷۱
قرآن کریم میں رکوع کے نشانات ۱۷۰
اعراب اور علامات ۱۷۱

علامات اور قرأت میں فرق ۱۷۲
آیات کی گنتی کی علامات اور وقف و وصل ۱۷۲

ترتیب القرآن ۱۷۵

جمع کی عملی صورت خدا نے اپنے ذمہ لی تھی ۱۷۵
عہد نزول کی ترتیب واقعات میں دور نہیں ۱۷۵
دورِ اول میں قرآن کو ایک مصحف میں نہ رکھنے کی وجہ ۱۷۶
جامعین قرآن اس میں کسی تبدیلی کے مجاز نہ تھے ۱۷۷
ترتیب آیات جبریل بتاتے تھے ۱۷۸
حضورؐ کی کاتبین وحی کو ہدایت ۱۷۹
حضرت عثمانؓ کا بیان ۱۸۲
حضورؐ کا مختلف آیات کی نشاندہی فرمانا ۱۷۹
ترتیب آیات توقیفی ہے اس پر تواتر ہے ۱۷۹
آیات وسور کا نظم و تعارف ۱۸۲
حضورؐ کا قرآن ختم کرنے کا طریق بتلانا ۱۸۲
ترتیب نزولی اور ترتیب رسولی میں فرق ۱۸۳
ترتیب سُوَر بھی لوحِ محفوظ کے مطابق ہے ۱۸۵
سبع طوال اور حوامیم مفصل اپنی ترتیب میں ۱۸۶
بسم اللہ کی قرآنیت میں کوئی شبہ نہیں ۱۸۶
قرآن کی پہلی سات سورتوں کی ترتیب ۱۸۷
بنی نوعِ انسان کے لیے دو طرح کے فتنے ۱۸۸
موجودہ ترتیب حضورؐ کی طرف سے ہے ۱۸۹
ایک حدیث میں سبع طوال اور مئین کا ذکر ۱۹۰

حضورؐ کا نماز میں پہلی سورتیں ترتیب سے پڑھنا ۱۹۰
قرآنی سورتوں کی دوسری منزل ۱۹۱
قرآنی سورتوں کی تیسری منزل ۱۹۳
آخری سورتوں کے اتساق کی ایک جھلک ۱۹۴
موجودہ ترتیب کے الٰہی ہونے پر قرآن کی دوسری شہادت ۱۹۵
حضرت علیؓ کے ہاں بھی یہی ترتیب اصلی ترتیب تھی ۱۹۶
فقہاء کے نزدیک بھی ترتیب سور کا لحاظ ضروری ہے
نماز میں بعد کی سورت پہلے پڑھنا مکروہ ہے ۱۹۷

احرف القرآن ۱۹۹

قرآن کی ابتدائی دعوت اہل مکہ کے لیے تھی ۱۹۹
سبعہ احرف سے قرآن ایک قبیلے کی آواز نہ رہا ۱۹۹
حافظ ابن قتیبہ کا بیان ۲۰۰
حدیث سبعہ احرف کی شرح ۲۰۱
یہ حدیث اکیس صحابہؓ سے مروی ہے ۲۰۲
حدیث کی شرح میں کہے گئے اقوال ۲۰۲
۱. سات لغات مراد ہیں ۲۰۲
۲. سات قسم کے مضامین مراد ہیں ۲۰۲
اختلاف حروف میں تضاد و تنافی نہیں ۲۰۲
عربی میں حروف کے چھ معنی ۲۰۳
قرآن کریم میں حرف کنارے کے معنی میں ۲۰۳
حدیث میں حروف الفاظ کے معنی میں ۲۰۴
سات حروف کا مورد و مصداق ۲۰۴

امام نووی کی شہادت	۲۰۴
احرف سبعہ کی وسعت کیا ہمیشہ کے لیے؟	۲۰۵
اب ہی ایک ہی قرأت قرآن ہے	۲۰۵
صحابہؓ کا اختلافِ قرأت قاریوں کی قراآت نہیں۔	۲۰۶
قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانیؒ کی شہادت	۲۰۶
قاری فتح محمد صاحب مہاجر مدنیؒ کی شہادت	۲۰۶
امت میں قرأتِ قرآن کیسے جاری ہوئی	۲۰۷
قرآن اس امت میں متواتر طبقاتی ہے	۲۰۷
مصاحفِ عثمانیہ سے پہلے کی تلاوتِ قرآن	۲۰۷
مصاحف عثمانیہ پر اجماع کے بعد وہ رعایت نہ رہی۔	۲۰۸
اختلافِ قرأت میں دو باتیں ملحوظ رہیں	۲۰۸
شیعہ اختلافِ قرأت کے قائل نہیں ہیں	۲۰۹
اختلافِ قرأت سات امور سے باہر نہیں	۲۰۹
کیا کبھی قرأت میں الفاظ کی کمی بیشی ہوئی؟	۲۱۱
کیا یہ تغیر الفاظ تواتر کے ساتھ مروی ہے	۲۱۱
حدیث سبعہ احرف تواتر کے ساتھ منقول ہے۔	۲۱۱
قاضی ابو بکر باقلانی کی شہادت	۲۱۲
امام طحاوی کے ہاں احرفِ سبعہ کی شرح	۲۱۳
محقق جزری کی رائے	۲۱۴
پہلی آسمانی کتابیں حرف واحد پر ہی تھیں	۲۱۴
سر ولیم میور کا تبصرہ	۲۱۵
کیا احرف سبعہ نے آئندہ قراآت پر اثر ڈالا	۲۱۶
احرف سبعہ سے قراآت سبعہ کی راہیں نکلیں	۲۱۶
سات یا دس قراآت احرف سبعہ نہیں ہوئیں	۲۱۷
علامہ عینیؒ کا بصیرت افروز بیان	۲۱۷
حافظ جزری کا بصیرت افروز بیان	۲۱۸
علامہ انور شاہؒ کا بصیرت افروز بیان	۲۱۹
کیا احرف سبعہ موجود رہے یا اٹھا لیے گئے؟	۲۲۰
اختلافِ قرأت میں شیعہ نقطہ نظر	۲۲۱
اختلافِ قرأت تسلیم نہ کرنے کی روایات	۲۲۱
اختلافِ قرأت تسلیم کرنے کی روایات	۲۲۲
دو طرح کی روایات میں شیعہ اصل الاصول	۲۲۳
علامہ طبرسی یہاں تقیہ کر گئے ہیں	۲۲۴
قاری فتح محمد صاحبؒ کی طرف سے اس کی تحسین	۲۲۴
حفاظت القرآن	۲۲۵
قرآن کریم کا اعلان کہ باطل کو اس میں راہ نہیں	۲۲۵
حفاظت قرآن بوجہ پیغمبر آخر الزمان	۲۲۶
تورات کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمہ نہ لی تھی۔	۲۲۷
ایک یہودی کا اسلام قبول کرنا	۲۲۸
سفیان بن عیینہ کا قرآن سے استدلال	۲۲۸

آسمانی نوشتے تبدیل نہیں ہوتے ۲۲۸
لاتبدیل لکلمات اللہ کے معنی مراد ۲۲۹
کلماتِ الٰہیہ کا پہلا اطلاق ۲۲۹
۱. معلوماتِ الٰہیہ ۲۲۹
کلماتِ الٰہیہ کا دوسرا اطلاق ۲۳۰
۲. خدائی فیصلے جو نتائجِ اعمال ہوں ۲۳۰
کلماتِ الٰہیہ کا تیسرا اطلاق ۲۳۱
کلامِ الٰہی جو احکام و اخبار پر مشتمل ہو ۲۳۱
نسخ کا مفہوم ۲۳۱
احکامِ الٰہی حسبِ تقاضا مختلف ہو سکتے ہیں ۲۳۲
بائیبل کا حوالہ ۲۳۲
اخبار میں تبدیلی نہیں ہو سکتی ۲۳۲
لاتبدیل لکلمات اللہ کی ایک اور تفہیم ۲۳۳
کیا آسمانی نوشتوں میں تحریف ممکن ہے ۲۳۴
لاتبدیل لکلمات اللہ کی ایک اور تفہیم ۲۳۴
کلام اللہ اور کتاب اللہ ۲۳۴
کتاب اور کلام میں فرق ۲۳۵
ہر وحی عربی میں اُترتی رہی پھر جبریل اس کا ترجمہ کرتے اور نبی سے وہ بات کہتے ۲۳۵
تحریف بائیبل پر بائیبل کی اپنی شہادت ۲۳۶
قرآن پاک کی ابدی حفاظت اللہ نے ذمہ لی ہے ۲۳۶
آیت حفاظت کفار کی تہدید میں اُتری ۲۳۷
آیت حفاظت پر ملا خلیل قزوینی کا اعتراض ۲۳۹
ضمیر مرجع کی جنس کی طرف لوٹے ۲۴۰
تحریف معنوی سے حفاظت ۲۴۲
تحریف معنوی پر ایک اور سوال ۲۴۳
اسلام ایک زندہ مذہب ہے ۲۴۴
قرآن پر تحریف کا الزام ۲۴۵
مخالفین کے تین مغالطے ۲۴۵
۱. تفسیری نوٹوں سے متن میں ایہام تحریف ۲۴۶
۲. منسوخ التلاوت آیات سے ایہام تحریف ۲۴۶
۳. اختلاف قرأت سے ایہام تحریف پیدا کرنا ۲۴۷
مخالفین سے فیصلہ کن گذارش ۲۴۸
تحفظ قرآن کے عملی اسباب ۲۴۸
۱. عہد صدیقی میں متفرق دستاویزات یکجا کیے گئے ۲۴۹
۲. عہد فاروقی میں تراویح ایک امام کے پیچھے ۲۴۹
۳. عہد عثمانی میں قرآن سرکاری تحفظ میں ۲۴۹
۴. عہد علوی میں قرآن کا خوارج سے معنوی تحفظ ۲۴۹
۵. حضرت زیدؓ کی ہر دور میں شمولیت ۲۴۹
علوم قرآن کے پہلے دور کے محافظ ۲۴۹
حفظ کے ذریعے قرآن کی حفاظت ۲۵۰
حفظِ قرآن فرض کفایہ ہے ۲۵۰
قرآن ناظرہ پڑھنے پر بشارت ۲۵۰
قرآن بھلا دینے کو سب سے بڑا گناہ کہا گیا ۲۵۰
جو آسانی سے نہ پڑھ سکے اسے دو اجر ۲۵۰

حفظُ القرآن

معانی الفاظ کے قالب میں ۲۵۱

دیگر تحریرات میں صرف معانی مطلوب ۲۵۲

قرآن میں معانی کے ساتھ الفاظ کی بھی تلاوت ۲۵۲

قرآن میں حافظوں کا کوئی ذکر نہیں ہے ۲۵۲

تلاوت کے دو طریقے ۲۵۳

زبانی تلاوت اور دیکھ کر تلاوت ۲۵۳

ایک حرف قرآن کی تلاوت بھی مستوجب ثواب ہے ۲۵۳

قرآن پڑھنے میں مہارت رکھنے والے ۲۵۳

حفظ قرآن کے لیے جمع قرآن کے الفاظ ۲۵۴

حدیث میں حفظ قرآن کے لیے مختلف الفاظ ۲۵۴

جمع قرآن۔ حملِ قرآن۔ ختم قرآن ۲۵۵

حفظ قرآن کی سنت اپنے تاریخی تسلسل میں ۲۵۶

حضورؐ کی قرآن یاد کرنے کی ترغیبات ۲۵۷

سات احادیث ۲۵۸

حروفِ مقطعات پر بھی ثواب کا وعدہ ۲۶۰

قرآن کی تلاوت محض معانی کے لیے نہیں ۲۶۰

دو شبہوں کا ازالہ ۲۶۱

حفظِ قرآن کا محسوس فائدہ ۲۶۱

یقین کی دولت قرآن سے ہی ملتی ہے ۲۶۲

قرآن یاد کرنے کے لیے حدیث کے مختلف الفاظ ۲۶۳

قرآن یاد کرنیوالے کو حافظ نہ کہنے کی وجہ ۲۶۴

حافظ قرآن کے درجاتِ ارتقاء ۲۶۴

پورے قرآن کے ختم کی فضیلت ۲۶۵

لِسانُ القرآن

علم کی اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی ۲۶۷

قرآن اپنے الفاظ میں بھی معجزہ ۲۶۷

قرآن کی اپنی زبان عربی ہے ۲۶۷

یہ محض ایک اُمّی کا کام نہیں ۲۶۸

الزام کہ اس کے پسِ پردہ کوئی اور ہے ۲۶۸

اس کے الفاظ حضورؐ کے قلب مبارک پر ۲۶۹

قرآن ترتیبِ الفاظ اور معنی کا نام ہے ۲۷۰

علامہ شامی کی شہادت ۲۷۰

صاحبِ ہدایہ کی شہادت ۲۷۱

علامہ ابن ہمام کی شہادت ۲۷۱

قرآن کو غیر عربی میں لکھنا زندقہ ہے ۲۷۲

ابن قدامہ حنبلی کی شہادت ۲۷۲

قرآن عربی میں ہی پڑھا جائے ۲۷۲

علامہ قرطبی مالکی کی شہادت ۲۷۳

ترجمہ کرنے کے لیے شرائط ۲۷۳

ایک غلط فہمی کا ازالہ ۲۷۳

نماز پڑھنے میں علم کا اجمالی درجہ ۲۷۴

خطبہ جمعہ کو اردو میں لانے کی کوشش ۲۷۴

عربی مبین سے مراد ۲۷۵

متولیانِ کعبہ ہر خطرے سے محفوظ ۲۷۵
حضرت عثمانؓ کی کاتبانِ قرآن کو نصیحت ۲۷۶
توارد لغات کی ایک صورت ۲۷۶
قرآن کی عربیت عربی مبین ہے ۲۷۷
قرآن کے قریب کرنیوالی دوسری زبانیں ۲۷۷
کسی زبان کو عربی حروف سے خالی کر دیا گیا ۲۷۸
گجراتی کے حروفِ تہجی بھی عربی حروف نہیں ۲۷۹

ترجمۃ القرآن

قرآن کے مشکل مقامات ترجمے سے نہیں سمجھے جا سکتے ۲۸۰
قرآن کا اپنا اعلان کہ اسے صرف عالم سمجھتے ہیں ۲۸۰
صحیح ترجمہ کی پانچ شرائط ۲۸۱
شیخ عبدالحق کی تین شرطیں ۲۸۱
تراجم القرآن۔ چھ فارسی ترجمے ۲۸۲
قرآن حکیم کے بیس اردو ترجمے ۲۸۳
شاہ ولی اللہ کا فتویٰ جواز ترجمہ قرآن ۲۸۵
علماء ہند ترجمہ قرآن کے حق میں ۲۸۵
عربی سیکھنا تمام قوموں پر فرض ہے ۲۸۵

تجوید القرآن

تجوید کا لفظی معنی سنوار کر پڑھنا ۲۸۹
اصول فقہ کی رو سے ترتیل واجب ہے ۲۸۹
صحابہؓ کی قرآن کو صحیح پڑھنے کی محنت ۲۹۰
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ۲۹۰
تجوید کی ابتداء خود آنحضرتؐ سے ۲۹۰
علامہ نسفی کی ترتیل کی تفسیر ۲۹۱
حضرت انس بن مالکؓ کی شہادت ۲۹۱
حضورؐ کی مزامیر داؤد کی پسندیدگی ۲۹۱
حافظ ابن جوزی کی شہادت ۲۹۲
قرآن میں سند یافتہ چار صحابہؓ ۲۹۲
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہلے نمبر پر ۲۹۲
ترتیل کے لغوی اور شرعی معنی ۲۹۳
حضرت شاہ عبدالعزیز کے سات نکات ۲۹۳
قرآن خوش الحانی سے پڑھنا مسنون ہے ۲۹۵
حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ۲۹۵
حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی روایت ۲۹۵
حضرت علی المرتضیٰؓ کی روایت ۲۹۵
حضرت ابن عباسؓ کی روایت ۲۹۵
حضرت حسن بصری اور امام مجاہد ۲۹۶
عبید الملیکی کی حضورؐ سے روایت ۲۹۶
تجوید قرآن باقاعدہ فن کی صورت میں ۲۹۶
حافظ ابن الجوزی کا بیان ۲۹۷
تجوید کے پہلے سات ائمہ ۲۹۷
کوفہ میں قرآن کی محنت زیادہ رہی ۲۹۷
کوفہ کے دار الفضل ہونے کی شہادت ۲۹۸
پہلے سات قاریوں کے علاوہ تین اور ۲۹۸

دوسرے دور کے قراء کرام	۲۹۸
تیسری صدی کے قراء کرام	۲۹۹
چوتھی صدی کے قراء کرام	۳۰۰
پانچویں صدی کے قراء کرام	۳۰۰
چھٹی صدی کے قراء کرام	۳۰۱
ساتویں صدی کے قراء کرام	۳۰۲
آٹھویں صدی کے نامور قراء	۳۰۳
علم قراءت ہر دور میں مسلسل رہا ہے	۳۰۳
نویں صدی کے نامور قاری علامہ سیوطی	۳۰۳
دسویں صدی کے نامور قاری علامہ قسطلانی	۳۰۳
دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری	۳۰۳
فنِ قراءت میں امام کی چودہ شرطیں	۳۰۴
علماء ہند کی فن تجوید کی خدمات	۳۰۵
قراءت کی دس کتابوں کا تعارف	۳۰۵
پاکستان میں فنِ تجوید کی خدمات	۳۰۶
۱. قاری عبدالمالک کے شاگرد	۳۰۶
۲. قاری محی الاسلام عثمانی کے شاگرد	۳۰۶
قاری عبدالمالکؒ کے نامور شاگرد	۳۰۷
قاری اظہار احمد تھانوی کے شاگرد	۳۰۸
روایت حفص کے خلاف ایک آواز	۳۰۸

قراءت قرآن

انسان فطرۃً نغمہ پسند ہے	۳۰۹
قرآن کا صوتی حسن و جمال	۳۰۹
قرآن کے صوتی حسن نے فطرت کے ایک بڑے خلا کو پورا کیا	۳۱۰
سورۃ القیامہ کی نو آیتوں کا حسن	۳۱۱
قیل من کے بعد کا سکتہ	۳۱۱
سورۃ التکویر کی آیات کا ترنم	۳۱۲
سورۃ التین کی آیات کا ترنم	۳۱۲
زحزح کی آواز بہت دور سے گئی	۳۱۲
سورۃ ابراہیم سے ایک مثال	۳۱۳
قرآن کا ہر لفظ اور حرف متبرک ہے	۳۱۳
دال کے صوتی حسن کا ایک دلآویز نقشہ	۳۱۴
قاری صاحبان کے لیے اصولی ہدایت	۳۱۵
عام مسلمانوں کے لیے ایک مشورہ	۳۱۵

اسلوب القرآن

قرآن پاک کا سٹائل کیا ہے؟	۳۱۷
نظم یا نثر یا کچھ اور؟	۳۱۷
قرآن کے شعر ہونے کی قرآن سے نفی	۳۱۸
اس کے تکرار سے انقباض نہیں ہوتا	۳۱۸
اس کی ترتیب قانون کی کتابوں کی نہیں	۳۱۹
نرالے اسلوب میں نرالی ترتیب	۳۱۹
نئے اسلوب پر ایک پرانی شہادت	۳۲۰
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بانتہا کو پا گئے	۳۲۱
اسلوب قرآن پر ایک اور سوال	۳۲۱

حضورؐ کے دَور کے عربی ادیب ۳۲۱
حماد الروایہ اور خلفِ احمر کا عمل ۳۲۲
تکرار فی القرآن پر ایک سوال ۳۲۳
تکرار قصص کی ایک اور وجہ ۳۲۴
قرآن کا اسلوب نصیحت ۳۲۵
قرآن کا اسلوب تمثیل ۳۲۶
امام رازی کا ایمان افروز بیان ۳۲۷
حضرت شیخ الہند کا ایمان افروز تبصرہ ۳۲۸
صحابہؓ کس طرح معیارِ حق ٹھہرائے گئے ۳۲۹
قرآن کے اسلوب میں مؤثر مضمون بندی ۳۳۰

سور القرآن

لوحِ محفوظ میں مختلف صحیفے ۳۳۱
مصحف کے معنی ۳۳۱
سورت ایک غیر اصطلاحی معنی میں ۳۳۲
قرآن کی سورتوں میں تقسیم توقیفی ہے ۳۳۳
دس سورتوں کا ذکر گیارہویں سورت میں ۳۳۳
حضورؐ نے مختلف مواقع پر سورتوں کے نام لیے ۳۳۳
امام ابوبکر الانباری کا بیان ۳۳۳
شانِ نزول اور مواقع التنزول ۳۳۴
مکی اور مدنی سورتوں کی اصطلاحی حدود ۳۳۵
علامہ شامی کی فیصلہ کن بات ۳۳۵
ترتیب میں سورتوں کی تفصیل ۳۳۵
مکی اور مدنی سورتوں کے مضامین میں چار بنیادی فرق ۳۳۶
بعض سورتیں دو دو دفعہ نازل ہوئیں ۳۳۷
قرآن پاک کے فواتح ۳۳۸
سورتوں کے شروع ہونے کے دس انداز ۳۳۸
سورتوں کے فواتح اور متقاطع میں فرق ۳۳۹
سورتوں کی تقسیم طوالت کے پہلو سے ۳۳۹
سبع طوال. مبئین. مثانی. مفصل ۳۴۱
سورتوں کی ترتیب نزول ۳۴۱

ایمان القرآن

قسم عام طور پر تعظیم کے لیے ۳۴۲
قسم شروع سے انسانی سوسائٹی میں ۳۴۲
۱. اپنے اوپر کسی ذاتِ عالی کی گرفت کا اقرار ۳۴۲
۲. کسی آفاقی حقیقت پر اپنے عقیدے کی پختگی ۳۴۲
قسم بارادہ شہادت ۳۴۳
عربوں کا عام ذوق قسم ۳۴۳
مدعی گواہ پیش نہ کرے تو مدعی علیہ قسم کھائے۔ ۳۴۳
اللہ کی گواہی فرشتوں کی اور اہلِ علم کی ۳۴۴
اللہ کی اپنے رب ہونے کی قسم ۳۴۴
سورج. چاند اور زمانے کی قسم ۳۴۴
بندے اور خدا کی قسموں میں فرق ۳۴۴

اللہ کی قسموں کے مقسم بہ	۲۴۵	خاص. عام. مشترک. ماؤل	۳۵۵
اللہ کی اپنی برگزیدہ مخلوق کی قسم	۲۴۵	نصوص قرآن کے چار پیرائے	۳۵۶
مخلوقات کے موالید ثلثہ	۲۴۵	عبارت النص. دلالت النص	۳۵۷
حضرت علامہ عثمانی کا بصیرت افروز بیان	۲۴۶	اشارۃ النص. اقتضاء النص	۳۵۷
قرآن کریم سے سولہ قسموں کی نشاندہی	۲۴۹	کلام کی صحت کا عقلی معیار	۳۵۹
جمادات میں کوہِ طور اور کعبہ کی قسم	۲۵۰	قرآن پاک علم کے ماخذ کے طور پر	۳۵۹
نباتات میں انجیر اور زیتون کی قسم	۲۵۰	اصول فقہ میں قرآن علم کا پہلا ماخذ	۳۶۰
حیوانات میں جہاد کے گھوڑوں کی قسم	۲۵۰	اصول فقہ اور اصول مناظرہ میں فرق	۳۶۰
فجر وعصر کے وقتوں کی قسم	۲۵۰	حضرت عمرؓ کی نصیحت کہ استدلال قرآن سے نہ کرنا	۳۶۱
حضورؐ کا قسم کھانے میں عربوں والا ذوق	۲۵۰	حضرت علیؓ کی نصیحت کہ استدلال قرآن سے نہ کرنا	۳۶۱

مقامِ قرآن

علوم القرآن

کلام نفسی اور کلام لفظی	۲۵۱	۱. آیاتِ احکام، ۲. آیاتِ کلام، ۳. آیات نظام	۳۶۳
قرآن کے لفظی معنی	۲۵۱	تذکیر بالاء اللہ میں مشاہدات سے استدلال	۳۶۳
قرآن کا مصداق لفظ اور معنی دونوں	۲۵۲	تذکیر بایام اللہ میں تاریخی وقائع سے استدلال	۳۶۳
غلط پڑھنے کو تحریف نہیں کہتے	۲۵۲	تذکیر بما بعد الموت میں وحی کی طرف احتیاج	۳۶۳
قرآن ایک ہی ہے جو پڑھا جاتا ہے	۲۵۲	آیات علم کلام	۳۶۴
صحیفہ فطرت کو دوسرا قرآن نہیں کہہ سکتے	۲۵۲	فرقِ باطلہ کی تردید خطابی انداز میں	۳۶۴
حضورؐ بھی مخلوق تھے دوسرا قرآن نہ تھے	۲۵۳	اس موضوع کے ممتاز اہل علم متکلمین	۳۶۴
کسی جعلی کتاب کو قرآن نہیں کہا جاسکتا	۲۵۳	شاہ ولی اللہ کے ہاں علوم قرآن کی تقسیم	۳۶۴
الفاظ قرآن کی وسعت اور مختلف قراآت	۲۵۳	۱. احکام از قسم واجب. مستحب. مکروہ اور حرام	۳۶۴
قراآت متواتر بھی ہیں اور شاذ بھی	۲۵۳	۲. مناظرہ ــ چار گمراہ فرقے	۳۶۴
الفاظ قرآن کی تقسیم	۲۵۴	۳. تذکیر بالآء اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے	۳۶۴

۴. تذکیر بایام اللہ، تاریخ کے حوالے سے ۳۶۵
۵. تذکیر بما بعد الموت، موت کے بعد کیا ہوگا؟ ۳۶۵
علومِ قرآن کا پیرایہ بیان اپنا ہے ۳۶۵
قرآن سے جو علم کے چشمے پھوٹے ۳۶۵
قرآن بیان کرنیوالوں کے اپنے اپنے میدان ۳۶۶
مفسرین کی مختلف جماعتیں اور انکی خدمات ۳۶۶
الفوز الکبیر سے ان کی تفصیل ۳۶۶
شاہ ولی اللہ پر خصوصی فیضِ الٰہی ۳۶۷
شاہ ولی اللہ کی مجتہدانہ شان ۳۶۸

عالمی حقائق قرآن کی روشنی میں

کائنات کی سترہ حقیقتیں ۳۶۹
تیرہ امور پر مضارب بن کی ابراہیم کے سوالات ۳۷۰
مولانا محمد حسن محدث فیض پوری کے چار نکات ۳۷۰
قرآن میں :-
۱. خیر الامور اوسطھا کی نشاندہی ۳۷۱
۲. من جھل شیأً عاداہ کی نشاندہی ۳۷۲
۳. اس کے شر سے بچو جس پر تم نے احسان کیا ۳۷۳
۴. خبر دیکھنے کے برابر نہیں۔ قرآن کی رو سے ۳۷۳
۵. حرکت میں برکت۔ قرآن کی رُو سے ۳۷۳
۶. جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ قرآن کی رو سے ۳۷۴
۷. مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ ڈسا نہیں جاتا ۳۷۵
۸. جو ظالم کی مدد کرے وہ بھی اس سے ظلم اٹھائے گا۔ ۳۷۵
۹. سانپ سے سانپ ہی پیدا ہوتا ہے ۳۷۵
۱۰. دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں ۳۷۶
۱۱. جاہل کی خوشحالی اور عالم کی بے کسی ۳۷۶
۱۲. حلال بقدرِ ضرورت ہی ملتا ہے ۳۷۶
۱۳. دو کمزور راوی مل کر ایک قوت بنتے ہیں ۳۷۷
۱۴. عصرِ حاضر کا ایکسرے سسٹم ۳۷۸
۱۵. بجلی کی ایک نوعیت مخصوصہ ۳۷۸
دھواں اڑانے کا انسانی مرض ۳۷۸
یوم تأتی السماء بدخان مبین کے عدد بحساب ابجد ایک ہزار نکلے ۳۷۹
تم طبقہ طبقہ آسمان کی طرف چڑھو گے ۳۷۹
دنیا کے بعد برزخ کے طبقہ میں جانا ہے ۳۸۰

تلاوتِ قرآن

قرآن کی تلاوت خود ایک عمل ہے ۳۸۱
تلاوتِ قرآن سے ارتقاء درجات ۳۸۲
قرآن کا ماہر نیک فرشتوں کے ساتھ ۳۸۲
دو آیتیں بھی جان لے تو ایک دولت پالے ۳۸۲
ایک ایک حرف پر درجات ۳۸۳
دیکھ کر پڑھنا اور بھی آگے کا درجہ ہے ۳۸۳
خوش آوازی سے پڑھنا اور بھی آگے ۳۸۳

آنحضرتؐ سے دو حدیثیں ۲۸۴
تلاوت سے رزق میں برکت آتی ہے ۲۸۴
ذکرِ آنحضرت سے غفلت دور ہوتی ہے ۲۸۵
قرآن کی سفارش سے مغفرت کا ملنا ۲۸۵
قرآن پڑھنے سے حاجات پوری ہوتی ہیں ۲۸۵
قرآن پڑھنے سے بیماروں کو شفا ملتی ہے ۲۸۶
قرآن پڑھنے کا ثواب مرحومین کو بھی پہنچتا ہے ۲۸۶
قرآن کو گانے کے طرز پر نہ پڑھا جائے ۲۸۶
قرآن کو عرب کے لہجوں میں پڑھو ۲۸۶
قرآن کے مقابل کونسا لفظ ہے؟ فقہاء ۲۸۷
قراء الفاظ قرآن پر شوکت کے خیمے لگاتے ہیں ۲۸۷
بے عمل قاریوں کے بارے میں حدیث میں پیشگوئی ۲۸۸
حسنِ صوت اور گانے میں فرق ۲۸۸
گانے میں لہجہ مقصود اور دوسرے قواعد تابع ۲۸۹
تحسینِ صوت میں قواعد مقصود ہیں ۲۸۹
قرآن پاک میں ایک شعر کا سا بیان ۲۸۹
ثم اقررتم وانتم تشهدون ۲۸۹
ثم انتم هؤلاء تقتلون ۲۸۹

اعجازُ القرآن

معجزہ کیا ہے؟ ۲۹۱
کائنات کی عادت عام اور خاص ۲۹۱
کائنات میں ہونے والے امور ۲۹۲
۱. وقائع عادیہ ۳۹۲
۲. صنائع عادیہ ۳۹۳
۳. قدرتِ الٰہیہ ۳۹۳
تختِ سلیمان اور ہوائی جہاز میں فرق ۳۹۴
معجزہ اور استدراج میں فرق ۳۹۴
خدائی کام اور خدائی کلام ۳۹۵
انکشافات اور ایجادات ۳۹۵
قرآن کا مثل لانے کا چیلنج ۳۹۶
مخالفین کے پانچ شبہات ۳۹۶
قرآن کے نُو وجوہِ اعجاز ۳۹۸
ترکیبِ کلمات کی پانچ مثالیں ۴۰۰
نرالا اسلوب ۴۰۲
نئے اسلوب پر ایک سوال ۴۰۳
۱. مقاصد میں وجہِ اعجاز ۴۰۴
۲. اخبار بالمغیبات ۴۰۶
رومیوں کے مغلوب ہونے کی خبر ۴۰۷
۳. اثرات میں وجہِ اعجاز ۴۰۸
۴. تحفظ میں شانِ اعجاز ۴۰۹
ایک دلچسپ سوال ۴۰۹
قرآن کے آنحضرت کے تصنیف نہ ہونے کے شواہد ۴۰۹
۱. حضورؐ کا نہ لکھ سکنا ۴۱۰
۲. جملہ اصناف علم کا احاطہ ۴۱۰

۳. تلاوتِ قرآن کا خود آنحضرت ﷺ پر اثر	۴۱۲
۴. کاتبین سے کسی اور ترکیب سے لکھوانا	۴۱۳
علامہ انور شاہ کے بیان کردہ وجوہِ اعجاز	۴۱۴
۱. مفردات میں	۴۱۴
۲. ترکیب کلمات میں	۴۱۴
۳. مقاصد میں	۴۱۵
۴. حقائق میں	۴۱۵
علامہ رحمت اللہ کیرانوی کے بیان کردہ وجوہِ اعجاز	۴۱۵
مفاد دارین پر نظر	۴۱۵
۱. اللہ کی صفاتِ کاملہ کا بیان	۴۱۵
۲. اللہ رب العزت کی تنزیہ	۴۱۵
ستائیس وجوہِ اعجاز	۴۱۶
حکیم الاسلام قاری محمد طیب کے بیان کردہ وجوہ اعجاز	۴۱۸
۵. کلام کا مرتبہ متکلم کے مرتبے سے	۴۱۸
۶. متکلم میں کون سی صفات دیکھی جاتی ہیں	۴۱۸
۱. عقل وفہم ۲. علم وخبر	۴۱۹
۳. منصب ومقام ۴. صدق وصفا	۴۱۹
۵. تاثیر وتصرف	۴۲۰
۱. ذاتِ باری تمام کمالات کی اصل ہے	۴۲۰
۲. عقل وفہم خدا کی پیدا کردہ ہیں	۴۲۱
۳. علم وخبر کی انتہا اسی پر ہے	۴۲۱
پانچ قرآنی شہادتیں	۴۲۱
۴. منصبِ عالی اسی ایک کا ہے	۴۲۲
آٹھ قرآنی شہادتیں	۴۲۲
۵. ساری سچائیوں کا مخزن اسی کی ذات	۴۲۳
تین قرآنی شہادتیں	۴۲۳
۶. تاثیر وتصرف کا حقیقی سرچشمہ	۴۲۳
۷. کلامِ خداوندی سے بڑھ کر کوئی کلام نہیں	۴۲۴
۸. قرآن کریم میں کلام کے یہ پانچوں معیار	۴۲۴
۹. یہ صرف کلام نہیں حکمت بھی ہے	۴۲۵
پانچ قرآنی شہادتیں	۴۲۵
۱۰. قرآن جملہ دوائر حیات میں ہدایت بخشتا ہے	۴۲۵
پانچ قرآنی شہادتیں	۴۲۵
۱۱. قرآن پاک ابدی سچائیوں کا حامل ہے	۴۲۷
پانچ قرآنی شہادتیں	۴۲۷
قرآن کریم کی شانِ اعجاز	۴۲۸
سب دنیا اس کے آگے تھک کر رہ گئی	۴۲۸
قرآن: صفاتِ خداوندی کے ذکر میں	۴۲۸
صفات میں کہاں ایک حد آتی ہے	۴۲۹
انسانی افعال کی تنگ دامانی	۴۲۹
قرآن کریم کے مختلف وجوہِ اعجاز	۴۳۰
عظیم کلام کے تحمل کے لیے بڑا حوصلہ چاہیے	۴۳۰
مہبط وحی کی شان وعظمت	۴۳۱
اس کو سمجھنے والوں کا ذہنی معیار	۴۳۱
چار قرآنی شہادتیں	۴۳۲
راسخین فی العلم کون ہیں؟	۴۳۲

آنحضرتؐ نے ان کی خبر دی ۴۳۳

نسخ فی القرآن

نسخ قرآن و حدیث دونوں میں ۴۳۵
نسخ کیا ہے؟ ۴۳۵
نسخ کی وجہ علم الٰہی میں تغیر نہیں ۴۳۵
نسخ کے دو مفہوم ۴۳۶
کسی حکم کو سرے سے ختم کرنا ۴۳۶
۱۔ معراج کی رات ۵۰ نمازوں کا نسخ ۴۳۶
۲۔ بیت المقدس کے قبلہ ہونے کا نسخ ۴۳۶
۳۔ مالی وصیت کا نسخ ۴۳۷
۴۔ اپنے سے دس گنا لشکر سے لڑنا ۴۳۸
قانون کا اپنا ایک ارتقا ہے ۴۳۸
۵۔ حدیث میں زیارت قبور سے منع کرنے کا نسخ ۴۳۹
(۲) کسی حکم کے عموم کا نسخ ۴۳۹
۱۔ مطلقات کی عدت کبھی لازم بھی نہیں ہوتی ۴۳۹
حاملہ عورتوں کی عدت اس حکم میں نہیں ۴۴۰
زنا کی تہمت پر اسّی دُرّے ۴۴۰
لعان کی صورت میں یہ حکم نہ لگے گا ۴۴۰
۲۔ مطلق خون کی حرمت کا بیان ۴۴۱
دوسرے مقام میں اس پر مسفوح کی قید ۴۴۱
نسخ کی دوسری قسم میں دو اہم باتیں ۴۴۲
کیا تخصیص عام یا تقیید مطلق بھی نسخ ہیں؟ ۴۴۲
۱۔ متعلقہ آیات کے تقدم و تاخر کی بحث ۴۴۲
۲۔ مؤخر آیت کتنا عرصہ بعد نازل ہوئی؟ ۴۴۲
۳۔ پہلی آیت کا فقہی حکم اب کس درجہ میں رہے گا ۴۴۲
شیخ الفقہ علامہ خضری بیگ کا بیان ۴۴۲
نسخ میں علم الٰہی میں ہرگز تغیر نہیں ۴۴۳
نسخ میں عیسائیوں کا اختلاف ۴۴۳
حضرت عیسیٰ کی آمد پر بعض احکام تورات منسوخ ۴۴۴
نئے عہد نامے سے پرانے عہد کے احکام منسوخ ۴۴۴
تہذیبی ارتقا سے قانون میں تدریج ۴۴۵
نسخ، تخصیص اور بدا کے فروق ۴۴۶
ملا نظام الدین کا رسالہ عَلَم الہُدیٰ ۴۴۶
طوسی اور کراجکی کے بیانات ۴۴۶
بَدا اور نسخ میں اشتباہ کا ازالہ ۴۴۷
عقیدہ بدا کا تاریخی پس منظر ۴۴۷
یہود کا انکارِ نسخ ۴۴۸
نسخ اور بدا ایک طور پر نہیں ۴۴۸
نسخ فی الاحکام اور نسخ فی الاخبار ۴۴۹
کتاب مقدس میں نسخ کے شواہد ۴۵۰
اسلامی احکام میں سختی نہیں ۴۵۲
قرآن میں نسخ کے دلائل ۴۵۳
نسخ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ۴۵۸
نسخ کی جامع اصطلاحی تعریف ۴۵۹
نسخ السنۃ بالسنۃ ۴۶۰

پہلے نماز میں باہمی کلام کرسکتے تھے	۴۶۲
امرِ رسالت میں آخری سے سند چلے	۴۶۲
نسخ القرآن بالحدیث کی بحث	۴۶۳
نسخ القرآن بالقرآن	۴۶۴
تخصیص لانے کی مختلف راہیں	۴۶۵
منسوخ آیات کی تعداد میں اختلاف	۴۶۶
ناسخ و منسوخ کے اختلاف کا پس منظر	۴۶۷
قرآن کریم کی آیت وصیت	۴۷۲
آیتِ وصیت پر عمل کرنے کی باقی صورتیں	۴۷۳
منسوخ التلاوت آیات کا حکم	۴۷۳
وحی متلو اور غیر متلو دونوں میں نسخ	۴۷۴
۱. آیت وصیت منسوخ	۴۷۵
۲. بیوہ عورت کا سال کا نفقہ	۴۷۵
۳. بیس، ہزار پر غالب آئیں؟	۴۷۵
۴. حضورؐ سے مشورہ لینے سے پہلے صدقہ	۴۷۶
۵. پوری رات قیام کی پابندی نہ رہی	۴۷۶

تاثیر القرآن

تلاوت کے غیر معمولی اثرات	۴۷۷
قرآن کی اپنی شہادت کہ اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں	۴۷۷
۱. پہلی حکایت	۴۷۷
صحابہؓ حبشہ کے دربار میں	۴۷۷
۲. دوسری حکایت	۴۷۸
ستر آدمیوں کا ایک وفد حضورؐ کی خدمت میں	۴۷۸
قرآن کی شہادت کہ ان کے آنسو بہہ نکلے	۴۷۸
۳. تیسری حکایت	۴۷۸
جنوں کی آسمانی خبریں رُک گئیں	۴۷۸
جنوں نے قرآن سنا اور ایمان لے آئے	۴۷۹
۴. چوتھی حکایت	۴۷۹
ملا علی قوشجی کی روم میں ایک یہودی سے گفتگو	۴۷۹
۵. پانچویں حکایت	۴۸۰
حضرت جبیر بن مطعمؓ نے حضورؐ سے سورۂ طور سنی	۴۸۰
ان لفظوں کا اثر ہوا اور آپ ایمان لے آئے	۴۸۰
۶. چھٹی حکایت	۴۸۰
حضرت عمرؓ کا قرآن سنتے اثر قبول کرنا	۴۸۰
۷. ساتویں حکایت	۴۸۱
حضرت عثمان بن مظعونؓ کا قبول اسلام	۴۸۱
سورۂ نحل کی آیات کیسے ان کے دل میں اتریں	۴۸۱
۸. آٹھویں حکایت	۴۸۲
ابو عبید لغوی کی ایک اعرابی سے گفتگو	۴۸۲
وہ سورۃ الحجر کی آیت ۹۴ سن کر سجدے میں گر پڑے	۴۸۲
۹. نویں حکایت	۴۸۲
عتبہ بن ربیعہ سورۃ حم سجدہ سنتے ہی بے ہوش ہوگیا	۴۸۲

یہ کلام نہ شعر ہے نہ کہانت ۴۸۳
۱۰۔ دسویں حکایت ۴۸۳
ابن المقنع نے سورۃ ہود کی ایک آیت سُنی اور مدہوش ہوگیا۔ ۴۸۳
حضرت نوحؑ کو سلامتی سے کشتی سے اُتارا گیا ۴۸۳
خود آنحضرتؐ پر قرآن پڑھنے کا اثر ۴۸۳
۱۱۔ ایک ہی آیت پر صبح کردی ۴۸۴
دوسروں سے قرآن سننے کا شوق ۴۸۴
قرآن کریم سے بدنی بیماریاں بھی دور ہونے لگیں ۴۸۵
حضرت ابوسعید الخدریؓ کی روایت ۴۸۶
قرآن کا سانپ کے زہر پر غلبہ ۴۸۶
حضرت ابوبکر صدیقؓ کی قرآن سے دم کرنے کی تلقین ۴۸۶
سورۃ یٰسین سے سکرات میں نرمی ۴۸۶
قرآن کریم کے پانچ حقوق ۴۸۷
تصدیق۔ ادب و احترام۔ تذکر و تدبر
اس پر عمل۔ تبلیغ۔ تبلیغ (آگے پہنچانا)

آثار التنزیل جلد دوم کے ابواب

ایک قرآن ـــ آداب القرآن ـــ ارض القرآن ـــ امثال القرآن
اصطلاحات القرآن ـــ اصحاب القرآن ـــ قصص القرآن ـــ تراجم القرآن
تفسیر القرآن ـــ علاج بالقرآن ـــ لغات القرآن ـــ مضامین القرآن
ربط آیات القرآن ـــ چند غیر مسلم مستشرقین کی آراء

مقدمہ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

چالیس سال پہلے کی بات ہے جب مرے کالج سیالکوٹ میں مسلمان طلبہ کا احتجاج شدت اختیار کر گیا کہ پنجاب یونیورسٹی میں جب ایک نئے مضمون کا اجرا عمل میں آچکا ہے تو اسے یہاں بھی لایا جائے۔ یہ مضمون اسلامیات کا تھا جسے بعد میں کا نام دیا گیا۔ پنجاب یونیورسٹی میں اس شعبہ کے سربراہ علامہ علاؤ الدین صدیقی تھے۔

کالج کی مسیحی انتظامیہ کو طلبہ کا یہ جائز مطالبہ تسلیم کرنا پڑا اور ۱۹۵۰ء میں پہلی مرتبہ اس قدیم مسیحی ادارے میں اسلام بطور ایک مضمون کے داخل ہوا اور قرعہ فال اس عاجز کے نام پڑا کہ اسلامیات یہاں ایک آپشنل مضمون کی حیثیت سے پڑھائے۔ ڈگری کلاس کے آپشنل نصاب میں قرآن کا تعارف نکتہ اول تھا اور ازاں بعد حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت اور سیرت سے مسلمان طلبہ کو متعارف کرانا تھا۔

کالج کے طلبہ نے کالج کے اوقاتِ تعلیم میں اس مضمون کی تدریس پر اکتفا نہ کی بلکہ خارجی اوقات میں قرآن کریم کے تعارف پر ہفتہ وار لیکچرز کا اہتمام کیا جس میں وہ طلبہ بھی بآسانی شریک ہو سکتے تھے جن کا یہ مضمون نہ ہوا اور پھر یہ بھی ان کی خواہش تھی کہ ان لیکچرز کو صرف آپشنل حدود میں نہ رکھا جائے۔ قرآن کریم کا یہ تعارف کے درجے میں ہو۔ یہ ہفتہ وار پروگرام مرتب کیا گیا اور بیانات کا یہ سلسلہ آٹھ ماہ تک چلتا رہا۔ کئی طلبہ اسے قلمبند بھی کرتے رہے اور کئی پہلوؤں سے سوال و جواب بھی ہوتے رہے۔ آثار التنزیل انہی لیکچرز کی ایک تحریری دستاویز ہے جو ترمیم و اضافہ کی راہوں سے گذر کر مرتب ہوئی ہے۔ عام ضرورت کے پیشِ نظر اسے ایک مختصر صورت میں پہلے شائع کر دیا گیا اور اب یہ تاریخی دستاویز اپنے تمام اطراف و جوانب کو سمیٹتی ہوئی ایک مفصل صورت میں آپ کے سامنے ہے۔

پہلے چار اڈیشنوں تک نسخ فی القرآن، احرف القرآن، علوم القرآن اور ربط آیات کے عنوان اس میں نہ تھے۔ اور احقر ہر دفعہ ارادہ کرتا رہا کہ اس اڈیشن میں انہیں ۰ ،ر لایا

لایا جائے۔ تاہم راقم الحروف کو وہ فرصت میسر نہ آسکی جو اس کام کی متقاضی تھی، ہر کام اپنے ایک وقت کا رہین ہے اور وہ گھڑی یہ تھی کہ چالیس سال کے بعد آثار التنزیل اپنی مکمل صورت میں جلوہ گر ہو

اس طویل خاموشی کی وجہ احقر کا ۱۹۶۶ء میں انگلینڈ چلا جانا رہا۔ احقر نے وہاں ۱۹۷۴ء میں اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر کے نام سے ایک تعلیمی اور تصنیفی ادارہ قائم کیا۔ وہیں اس ادارہ نے نظر ثانی کی جلا پائی۔ الحمد للہ کہ اب قرآن کی یہ خدمت اپنی تفصیلی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ اگر اس میں کوئی فروگذاشت پائیں یا کسی حوالے میں پوری بات نہ دی گئی ہو یا کہیں کاتب کی جولانی قلم کام کر گئی ہو تو احقر کو اس سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ اگلے اڈیشن میں ان مقامات میں اصلاح کی جا سکے۔

ان لیکچرز میں احقر کی یہی کوشش رہی کہ قرآن کے تعارف میں طلبہ کے ذہن کو ان تعبیرات سے پاک رکھا جائے جو اسلام کے چودہ سو سالہ سرمایہ علم میں نہیں ملتیں۔ ہر نئی چیز میں ایک لذت اور دلچسپی تو مل جاتی ہے لیکن ان جدید تعبیرات، کو ایک سلسلہ نہیں کہہ سکتے۔ سلسلہ وہی ہے جو مسلسل چلا آئے۔ اسلام ایک پرانا دین ہے جو زندگی کے تمام جدید تقاضوں میں بھی راہنمائی کرتا ہے لیکن ہم تاویلات جدیدہ سے اسے اپنے ماضی سے کاٹ نہیں سکتے۔ اسلام کی جدید تعبیرات صحیح بھی ہوں تو صرف جزئیات کا حکم رکھتی ہیں، کلیات میں صرف وہی امور ہیں جنہیں امت چودہ سو سال سے لے کر چلی ہے۔ علماء امت اسلام پر اتنا کام کر چکے ہیں کہ ان سے ملحد متنورین کے بغیر کوئی مستغنی نہیں رہ سکتا۔ ان کی کوششیں صحیح تھیں اور خدا نے ان کوششوں کو شرف قبولیت بخشا ہے اس کا ظہور آج بھی ہمارے سامنے ہے کہ لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان ان اعیانِ امت اور اکابر اسلام پر جان دیتے ہیں۔

ہم ایک بحرِ بے پایاں کے کنارے کھڑے ہیں جس طرح پانی کا فوارہ آفتاب کی کرنوں سے مختلف رنگ پیدا کرتا ہے لیکن دیکھنے والوں کی اپنی اپنی جہت ہوتی ہے اسی طرح آسمانی تجلّیات قلب رسالت پر ہمیشہ نئے نئے رنگ میں اُترتی رہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی جماعت تیار کی جنہیں آپ نے اپنے فیضانِ تربیت سے اس فوارہ

کی طرح اُچھلتا کیا جس میں آفتاب کی کرنیں مختلف جہات سے اُتر رہی ہوں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے عہد کے لوگوں کو اس امت کا خیر امّت کہا اور فرمایا کہ اب تمہیں دنیا کی قوموں کے لیے بطور پیشوا آگے کیے گئے ہو جو تم کہو معروف ہے اور جس سے تم روکو وہ منکر ہے اور تمہیں یہ مقام ایمان باللہ کے صدقہ سے ملا ہے۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله۔ (پ آل عمران ۱۱۰)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے سامنے لائے گئے تمہارا امر معروف اور تمہاری روک منکر سے ہے اور تم اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہو۔

قرآن کریم کا تعارف اور اس کا فہم و ادراک عقل و فلسفہ سے نہیں لفظوں کے زیر و بم سے نہیں اپنے آسمانی دعووں سے نہیں ذات رسالت اور خیر امت سے وابستہ ہے اور اور اس کے لیے ان دلوں کی ضرورت ہے جو تقوےٰ و طہارت کی راہ سے علم کی جلا پائے ہوئے ہوں اور ان کی روحانی پاکیزگی نفس کی اَنا اور کج فہمی کے زنگ کو دھو چکی ہو۔ فہم قرآن کا یہ درجہ نہ صرف ایک اثر بخشتا ہے بلکہ اس سے ایک لذت بھی ملتی ہے یہ لذت بھی دراصل روح القدس کا پَرتو ہے جس سے ضمیر روشن ہو جاتا ہے اور علم ترقی کرتا ہے۔

قرآن کریم محض ایک ضابطہ حیات ہوتا تو قانونی جزئیات اور ان کی منطقی تنقیحات زندگی کے مختلف گوشوں کو اُجاگر کرنے کے لیے کافی تھیں اور اگر یہ صرف ضابطہٴ اخلاق ہوتا تو انسان کا نفسیاتی تجزیہ زندگی کے تاریک خاکوں میں بے شک رنگ بھر دیتا۔ لیکن قرآن کریم کا موضوع انسان ہے اور وہ بھی بایں طور کہ یہ اللہ رب العزت کی عبدیت کا مظہر کامل ہے۔ یہ عبدیت نظامِ حیات اور دار آخرت دونوں کو شامل ہے اور حاوی ہے۔ اسلامی اخلاق معاملات اور نظامِ حیات کو بہتر بناتے ہیں اور عقائد و اعمال آخرت کو سنوارتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ عقائد و اعمال کا اثر انسان کے معاملات پر بھی پڑتا ہے۔ یہ صحت عقائد اور حسنِ اعمال کا وہ دینی ثمرہ ہے جو انسان کو آخرت سے پہلے یہیں مل جاتا ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں نظامِ حیات اعمالِ آخرت کے تابع نظر آتا ہے مگر جو لوگ اسلام

کو فلسفہ زندگی سمجھتے ہیں اور اسے اپنی عقل (گو وہ نارسا ہی کیوں نہ ہو) اور تجربہ کی راہنمائی میں سوچتے ہیں وہ اعمالِ آخرت کو نظامِ حیات کے تابع سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اسلام محض ایک نظام نہیں ایک دین ہے جو علو چاہتا ہے۔ کسی دوسرے نظریہ اور تجربہ کی ماتحتی قبول نہیں کرتا۔ احقر نے اسی ذہن و فکر سے مرے کالج کے طلبہ کے سامنے قرآن کے مختلف پہلوؤں پر لیکچرز دیئے اور طلبہ کے سامنے اسلام کو اس طرح پیش کیا گویا یہ محض ایک ضابطہ عمل نہیں ایک عملی راہ ہے۔ ایک حرکت ہے جو تقریباً چودہ سو سال پہلے خیر امت سے شروع ہوئی تھی۔ قرآن کریم متعدد مقامات پر اسلام کو ایک راہ کہتا ہے۔ صراطِ مستقیم ایک راہ ہی تو ہے جو پہلے انعام یافتہ لوگ چل چکے۔ قرآن کریم اسے سبیل المومنین بھی کہتا ہے۔ یہ وہ راہ ہے جس پر دورِ اوّل کے مومن چلے اور ان کی راہ کو چھوڑ کر چلنا اپنے آپ کو وہاں لے جانا ہے جو ایک بڑا بُرا ٹھکانہ ہے۔

کیا قرآن امت میں ایک تسلسل سے چلا ہے؟

قرآن پاک کا اس کتاب میں تعارف مختلف جہات سے کرایا گیا ہے۔ یہ مضامین پاک و ہند کے مختلف جرائد میں بھی اپنے اپنے طور پر کئی دفعہ چھپے ہیں۔ قارئین ان میں ایک بات بڑے امتیاز سے محسوس کریں گے کہ ان میں قرآن کریم کا کسی پہلو سے اس طرح تعارف نہیں کرایا گیا کہ ہم نے اس کے خارجی اثرات سے یکسر آنکھیں بند کر لی ہوں اور صرف اس کے کسی داخلی مضمون میں گم ہو کر کوئی بات کہیں قرآن پاک کے کسی حصہ کو اپنے خیالات کی روشنی میں نکھار کر سامنے لانا اور بات ہے اور یہ سمجھنا کہ قرآن کے اس حصہ کو اب تک چودہ سو سال میں امت نہ سمجھ پائی تھی یہ بالکل ایک دوسری سمت ہے۔ اس میں قرآن پاک ایک تسلسل سے چلتا آپ کو کہیں نظر نہ آئے گا۔ یہ نظریہ اسے ایک تسلسل سے چلا آنے والا ماخذ علم تسلیم کرنے میں ایک سنگ گراں ہے۔

اس زمانے میں کئی عاشقانِ قرآن ایسے بھی اُٹھے جو قرآنی مطالب کو سرے سے ایک نئی تفہیم مہیا کرنے میں بڑے جوش سے آگے بڑھے ہیں اور وہ برملا کہتے ہیں کہ اب تک قرآن اپنے صحیح معانی و مفاہیم میں صحیح نہیں سمجھا گیا۔ تہذیب جدید کے متوالے ان کے گرد حب علی کے

جذبہ سے نہیں بغضِ معاویہؓ کے جوش میں جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ اس طبقے کی علماء کے خلاف ایک اپنی تربیت ہے جو تاریخ کے مختلف موڑوں میں مختلف ناموں سے ظہور میں آتی رہی ہے۔

راقم الحروف کا تعلق بھی زیادہ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں اور یونیورسٹی طلبہ سے رہا ہے ان کے ذہن کو پڑھتے ہوئے راقم الحروف نے سمجھا کہ اگر ہم قرآن کو امت کے ساتھ ایک تسلسل سے چلنے والے ماخذ علم کے حیثیت سے پیش نہ کرسکیں تو امتِ مسلمہ قرآن سے یکسر بے گانہ ہو کر رہ جائے گی کہ یہ محض ایک علمی خزانہ ہے جب کوئی چاہے اس کی چمک دیکھ لے۔ یہ ہرگز ایک راہ نہیں جسے سبیل المومنین کہا جائے اور وہ امت میں چودہ سو سال سے ایک تسلسل سے چلی آرہی ہو اور وہ ان تمام لوگوں کے لیے راہِ ہدایت رہی جو اس سے ڈرنے والے رہے۔ اور یہ قرآن کے منطوق کے خلاف ہے جو اپنے کو ھدی للمتقین کہتا ہے کہ یہ ایک راہ ہے جس پر خدا سے ڈرنے والے ہمیشہ سے چلتے آرہے ہیں۔

آثار التنزیل میں طلبہ کو قرآن کے داخلی اور خارجی مباحث میں اتنا علمی مواد ملے گا کہ اس مبحث میں وہ پھر کوئی تشنگی محسوس نہ کریں گے۔ بشرطیکہ اسے وہ ایک طالبعلمانہ نظر سے پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔ ایک ترتیب سے چلیں اور پورے موضوع کا مطالعہ فرمائیں۔ ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید۔

ایک گذارش

ہم نے اس کتاب میں احادیث و آیات اور عربی عبارات کے ترجموں میں آزاد ترجمے کو جگہ دی ہے اور اس میں لفظی اور فنی رعایت نہیں رکھی ہم نے ان عبارات کا مفہوم اور حاصل زیادہ ملحوظ رکھا ہے۔ یہ ترجمے آج کل اس جہت سے زیادہ سہل سمجھے جاتے ہیں اور طلبہ انہیں پسند کرتے ہیں۔

ایک معذرت

قرآن کریم کے یہ مختلف مباحث جو آپ کو آثار التنزیل میں ملیں گے یہ ایک کتاب کے مختلف پیرے اور فصلیں نہیں ہیں بلکہ یہ عناوین مستقل مضامین ہیں جو ایک پورے موضوع کے طور پر طلبہ کے سامنے لائے گئے ہیں. انہیں ایک موضوع کے تحت ایک جامعیت دینے کے لیے ضرورت تھی کہ ان میں بعض وہ باتیں بھی آسکیں جو کسی دوسرے عنوان کے تحت بھی دی جا چکی ہیں یہ تکرار ذہنوں پر بار نہ گزرے۔ قرآن کریم میں بھی بعض مضمون کئی کئی شکلوں میں سامنے لائے گئے ہیں. قرآن کریم نے ولقد صرفنا فی ھٰذا القرآن للناس من کل مثل میں اسی بار بار دہرانے کی نشاندہی کی ہے. پھر صحیح بخاری کو دیکھئے کئی احادیث کئی ابواب میں بہ تکرار لائی گئی ہیں اور وہ وہاں اپنے موضوع کو مکمل کرتی ہیں. سو تکرار ہر جگہ عیب نہیں ہوتا۔

قرآن کریم کے اس تعارف کے ساتھ ہمیں حدیث اور سنت کی بھی پہچان چاہیئے راقم الحروف نے اس کے لیے آثار الحدیث دو جلدوں میں شائع کی ہے. حدیث اور سنت میں تقریباً وہی فرق ہے جو سننے اور سمجھنے میں ہے. مجتہدین امت نے کتاب وسنت کی روشنی میں اسلام کی قانون سازی کی ہے اور اس طرح اسلام کا فقہ مرتب ہوا ہے۔ اس موضوع پر احقر آثار التشریع کے نام سے ایک فکری دستاویز پیش کر چکا ہے۔ یہ آثار التنزیل. آثار الحدیث اور آثار التشریع ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں. اللہ رب العزت توفیق عطا فرمائیں تو احسان کے موضوع پر بھی آثار الاحسان کے نام سے ایک کتاب سامنے لائی جا سکے۔

یہ بات محض اس لیے گذارش کی ہے کہ طلبہ یہ نہ سمجھیں کہ اسلام کے تعارف کے لیے فقط قرآن کافی ہے۔ ایسا نہیں اسلام زندگی کی ایک پوری راہ ہے جو سنت کے بغیر اور کتاب وسنت میں اجتہاد وتشریع کے بغیر اور پھر اس اسلام کو دل میں اتارے بغیر کسی رہرو کے آگے نہیں کھلتی. اللہ رب العزت کے حضور میں دعا ہے کہ وہ آثار التنزیل کو اور قبولیت بخشے اور اس خدمت کو ان تمام حضرات کے باقیات صالحات میں جگہ دے جن کی ہمت اور اعانت سے یہ نادر علمی تحفہ اب آپ کے سامنے ہے۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادر علمی پیشکش

آثار التنزیل

جلد اوّل

پچیس مضامین

ضرورۃ القرآن	خصوصیات القرآن	صداقت القرآن	فضائل القرآن	نزول القرآن
جمع القرآن	کتابت القرآن	ترتیب القرآن	احرف القرآن	حافظات القرآن
حفظ القرآن	لسان القرآن	ترجمۃ القرآن	تجوید القرآن	قرات القرآن
اسلوب القرآن	سور القرآن	ایمان القرآن	مقام القرآن	علوم القرآن
حقائق القرآن	تلاوت القرآن	اعجاز القرآن	نسخ فی القرآن	تاثیر القرآن

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

پرتوِ حُسنت نگنجد در زمین و آسماں   در حریمِ سینہ حیرانم کہ چُوں جا کردہ ای

تعارُفِ قرآن

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝

عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝

یہ قرآن ہے اُتارا ہُوا پروردگارِ عالم کا۔ اسے بروح الامین لے کر اُترے ہیں

آپ کے دل پر تاکہ آپ ڈر سنانیوالوں میں سے ہوں۔ یہ عربی مُبین میں ہے

اور یہ ہے (اصُولاً) پہلی کتابوں میں بھی۔ (پ ۱۹ : الشعراء : ع ۱۲)

"یہ کتاب اللہ مضبوط حُجت اور دائمی معجزہ ہے جس میں تمام حکمتیں بھری ہوئی ہیں پوشیدہ بھی ظاہر بھی، کُلّی بھی جُزئی بھی۔ کسی پہچاننے والے نے ان کو پہچان لیا تو اسے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں نظر آنے لگیں۔

اس میں اللہ کے جمال و کمال کے لشکر گھوم رہے ہیں۔ اللہ کے عُلُوم و اسرار کے سمندر موجیں مار رہے ہیں اور اللہ کے جلال و عظمت کی تلواریں کام کر رہی ہیں۔"

(سید احمد کبیر رفاعیؒ)

ضرورت القرآن

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

ضرورت مند کون ہے جس کو قرآن کی ضرورت ہے؟ اس کی ضرورت انسان کو ہے جو اشرف المخلوقات ہے اور ہدایت فطرت، ہدایت حواس اور ہدایت عقل کی منزلوں سے گزرتے ہوئے اپنی ضرورات میں اب کسی آسمانی ہدایت کا منتظر کھڑا ہے اس کے پاس پہلے کیا ہے جسے وہ پائے ہوتے ہے اور اب وہ کسی چیز کا ضرورت مند ہے جہاں تک اس کی عقل کی پرواز نہیں آج کے موضوع میں اسی ضرورت کا بیان ہے۔

اللہ رب العزت نے جس طرح ہر چیز کو وجود بخشا اس کی شان ربوبیت نے اسی طرح اس پر زندگی کی راہیں کھول دیں۔ بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ پینے لگتا ہے اور پرندوں کے بچے انڈے سے نکلتے ہی اُڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ طبع حیوانی کا یہ فطری اقتضاء زندگی کی ہر حرکت میں اپنا کام کرتا ہے اور یہی وہ فطری ہدایت ہے جو ہر شئے کے لیے وجدان بنتی ہے۔

ربنا الذی اعطیٰ کل شیء خلقہ ثم ھدیٰ ۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۵۰ ع ۲)

ترجمہ۔ ہمارا پروردگار ہے جس نے ہر چیز کو وجود بخشا اور پھر اس پر زندگی کی راہیں کھول دیں۔

زندگی کی اس "ابتدائی ہدایت" میں انسان اور حیوان سب برابر ہیں "ہدایت حواس" تک بھی حیوان نے انسان کا ساتھ دیا اور ہر ذی روح نے زندگی کے استفادہ میں اپنی استعداد کے مطابق حواس خمسہ سے کام لیا۔ لیکن اس کے بعد جب "ہدایت عقل" کی منزل آئی تو اس میدان میں انسان اکیلا رہ گیا۔ اس ہدایت نے انسان کو باقی حیوانات پر امتیاز بخشا اور اس کے سامنے فکر و نظر کی راہیں پوری وسعتوں کے ساتھ کھول دیں۔ یہ وہ جوہر عقل ہے جو دنیا کے ہر معاملہ میں امتیاز پیدا کرتا ہے اور یہ انسان کے اندر کی وہ Search light

ہے جو زندگی کی ہر ضرورت میں اسے شعور بخشتی ہے اور اسی کی بدولت انسان ہر شعبہ حیات میں "اشرف المخلوقات" کہلاتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہدایتِ فطرت، ہدایتِ حواس اور ہدایتِ عقل کے بعد انسانی ارتقاء کے لیے کیا کوئی اور چوتھا درجہ بھی ہے یا انسان کی ساری زندگی اس تیسرے درجہ ہدایت میں ہی محدود و مصروف رہ جائے گی؟ دیکھنا یہ ہے کہ شرفِ انسانی کی آخری منزل محض تجربات اور تخمینات ہی ہیں یا انسان کو انسانیت کی تکمیل کے لیے کوئی نقطہ یقین بھی ملے گا۔ قرآن کی ضرورت کیا ہے؟ اس کا جواب اس پہلے سوال کے سمجھنے پر موقوف ہے یہی احساسِ ضرورت کبھی ضرورتِ دین کے نام سے، کبھی ضرورتِ وحی کے عنوان سے اور کبھی احتیاجِ رسالت کے الفاظ سے سامنے آتا ہے اسی حقیقت کو ہم یہاں ضرورت القرآن سے پیش کر رہے ہیں۔

جہاں تک اس چوتھے درجے کی ضرورت کا تعلق ہے اس کی تائید تمام اَدیان و مذاہب نے یک زبان ہو کر کی ہے اور اس آسمانی ہدایت کی ضرورت پر دنیا کی تمام ملتیں بلا اختلاف متفق ہیں۔ دُنیا کے ننانوے فیصدی انسان کسی نہ کسی عقیدے یا مذہب سے ضرور وابستہ ہیں۔ یہ اس حقیقت کی مشترکہ شہادت ہے کہ انسانی وجدان نے محض عقل کی پرواز کو ناکافی سمجھ کر ہمیشہ آسمانی راہنمائی کی تلاش کی ہے۔

زندگی کی پابندیاں اسی جوہرِ عقل کے باعث ہیں

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ انسان "جوہرِ عقل" کی وجہ سے ہی مکلف ہوا ہے اور مجنون یا فاتر العقل سے تکلیفاتِ شرعیہ کا کوئی مطالبہ نہیں ہے لیکن دیکھنا ہے عقل خود کیا ہے؟ یہ تاریخی تجربات کا وہ خلاصہ ہے جس نے ہر نئے انکشاف پر ہمیشہ ایک نئی کروٹ لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی پرواز محسوسات سے ماوراء اور ظن و تخمین کے دائرے سے آگے کبھی بڑھنے نہیں پائی۔ حالات کے تغیرات اور انسانی تجربات کا یہ ارتقاء کائنات کے علم میں اضافہ تو کر سکتا ہے لیکن اس سے نوعِ انسانی کو کوئی نقطۂ یقین میسر نہیں آسکتا۔ سینکڑوں

فلسفی حیرت کی اسی دلدل میں سرگرداں رہے لیکن اطمینان کی دولت آسمانی ہدایت کے سوا اور کہیں سے میسر نہ آئی :۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ۔ (پ۱۳ الرعد ۲۸)

ترجمہ ۔ آگاہ رہو کہ دل اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے مطمئن ہوتے ہیں ۔

حاصل کلام اینکہ اگر اس چوتھے درجہ ہدایت کا وجود تسلیم نہ کیا جائے تو انسانیت بالکل ناقص رہ جاتی ہے اور دائرہ کائنات کو نقطۂ یقین کبھی میسر نہیں آسکتا عقل ہر لحظہ تغیر پذیر ہے اور یہ صرف ایمان کی دولت ہی ہے ۔ جو انسانیت کو شرفِ تکمیل بخشتی ہے امامِ ربانی شیخ احمد سرہندیؒ لکھتے ہیں :۔

مقصود آنست کہ بہ نسبت معتقدات یقینی و اطمینانی حاصل کنند کہ ہرگز بہ بتشکیک زائل نہ گردد بایراد شبہ باطل نہ شود چہ پائے استدلال بے تمکین بود " الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ۔ [1]

ترجمہ ۔ مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے عقائد میں یقین اور اطمینان کا ایسا درجہ حاصل ہو جائے کہ کوئی شک ڈالنے والا ان میں تزلزل پیدا نہ کر سکے اور نہ کسی شبہ پیدا کرنے سے اس کی عمارت گر پڑے ۔ استدلال محض کے پاؤں بہت کمزور ہوتے ہیں اور استدلال کا عادی کسی بات پر ٹھہر نہیں سکتا ۔ یہ محض اللہ کا ذکر ہے جس سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے ۔

اس یقین یابی کے لیے مذہب کی ضرورت انتہائی شدید ہے اور ظاہر ہے کہ اس سرچشمہ ہدایت کے طور پر قرآن کے آبِ زلال سے زیادہ نتھرا ہوا پانی اور کسی گھاٹ پر میسر نہیں آتا ۔ پس کائنات کو قرآن کی اشد ضرورت ہے اور یہی وہ نور ہے جس کی روشنی میں زندگی کی راہیں معین ہو سکتی ہیں ۔

(۲) عقل کی ساری جولانیاں محسوسات کے ادراک اور انہی سے نئے نئے نتائج اخذ کرنے تک محدود ہیں ۔ ہم اپنے گرد و پیش جو کچھ دیکھتے یا سنتے ہیں عقل اسی میں اپنا تصرف

---

[1] مکتوبات جلد ۱ ص ۳۴۳

کرتی ہے اور اسی سے احکام حاصل کرتی ہے۔ یہ امر کہ محسوسات کی سرحد سے آگے آگے کیا ہے؟ عقل کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں آکر تمام فلسفیوں کے پاؤں لڑکھڑا گئے اور عقل عاجز ہو کر رہ گئی۔ الّا یہ کہ حقائق کو محسوسات میں ہی منحصر سمجھ لیا جائے اور ظاہر ہے کہ کوئی صاحبِ دانش اتنی بڑی غلطی کے ارتکاب کے لیے تیار نہ ہوگا۔ پس اس سے چارہ نہیں کہ ہم اس چوتھے درجہ ہدایت کا تجسّس کریں اور ایک آسمانی نظامِ ہدایت کا واضح الفاظ میں اقرار کرلیں۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:۔

چنانچہ طورِ عقل ورائے طورِ حس است کہ آنچہ بحس مدرک نہ شود عقل ادراک آں می نماید ہم چنیں طورِ نبوت ورائے طورِ عقل است آنچہ بعقل مدرک نشود بتوسّل نبوت دراں درک مے آید۔[۱]

ترجمہ: جس طرح ہدایت حس کے آگے آگے ہدایت عقل کا درجہ ہے کہ جن چیزوں کا ادراک حواس نہیں کر سکتے عقل انہیں بھی پالیتی ہے (گو یہ محسوسات میں ہی تصرف کرنے سے ہوتا ہے) اسی طرح ہدایت عقل کے آگے ہدایت نبوت کا درجہ ہے کہ جس بات کو ہم عقل سے دریافت نہیں کر سکتے، اُسے نورِ نبوت کے ذریعہ معلوم کر سکتے ہیں۔

حاصل اینکہ عقل کا دائرہ اپنی پوری وسعتوں کے باوجود پھر بھی محدود ہے اور انسانی ارتقاء کی سرحدیں معین نہیں پس اس ارتقاء کے لیے ہدایت عقل سے آگے ایک اور چوتھے درجے کی ضرورت ہے۔ اندریں صورت ضرورتِ وحی سے چارہ نہیں اور اسی کی بدولت انسانی ارتقاء لازوال ہے۔ روحانیت کے چشمے خشک ہو جائیں تو عقل کے باغیچوں میں خاک اُڑنے لگتی ہے۔

(۳) مادی علوم اور تجرباتی نظر و فکر اس کارگاہِ کائنات کا مادہ ہیں۔ پس جس طرح مادہ کی زندگی روح سے وابستہ ہے اس "مادہ کائنات" کے لیے بھی "روح کائنات" لازمی ہے۔ روحانی علوم کے چشمے ہی کائناتی ارتقاء کو زندگی بخشتے ہیں اور مادہ کائنات اسی

---

[۱] مکتوبات جلد ۳ صفحہ ۴۷

سے اپنی زندگی پاتا ہے۔

انسانی زندگی کا قیام غذا سے ہے

عالم اکبر (کائنات) کی طرح عالم اصغر (انسان) کی زندگی بھی کھانے کی غذا پر قائم ہے جس کے لیے وہ اپنی بساط کے مطابق پوری احتیاط برتتا ہے بایں ہمہ کبھی کبھی بے اعتدالی ہو جاتی ہے اور پھر دوا کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ پس غذا اور دوا دونوں اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں۔ پھر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ فساد مزاج کی اس حالت میں غذا ضرر دینے لگے غذا اور دوا کے اس تصادم میں زیادہ احترام پھر دوا کا ہوتا ہے اور ایک ماہر معالج یہی تجویز کرتا ہے کہ غذا میں پرہیز کی جائے۔

مادی علوم کی بے اعتدالی میں اصلاح کا قدم

ٹھیک اسی طرح مادی اور روحانی علوم کا حال ہے۔ مادی علوم بمنزلہ غذا اور روحانی علوم بمنزلہ دوا ہیں۔ جس طرح غذا کے باوجود دوا کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ تجرباتی علوم کے ساتھ روحانی علوم کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اس ضرورت کے وقت مادی دائرہ حیات کا استغراق اور ضرر پہنچاتا ہے پس مصلحت اس میں ہے کہ مادی علوم اور روحانی علوم کے تصادم میں وہی طریق کار اختیار کیا جائے جو ہم نے غذا اور دوا کے تصادم میں اختیار کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ آخری فتح روحانی علوم کی ہی ہوگی اور اس آسمانی ہدایت کا حق ہے کہ سب مادی اور تجرباتی علوم اس کے خادم ہو کر رہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) احیاء العلوم کی تیسری جلد میں لکھتے ہیں:۔

ان العلوم العقلية كالاغذية والعلوم الشرعية كالادوية و
الشخص المريض يستضر بالغذاء متى فاته الدواء فكذلك
امراض القلوب لا يمكن علاجها الا بالادوية المستفادة من
الشريعة وهي وظائف العبادات والاعمال التي ركبها الانبياء

صلوات اللہ علیہم لاصلاح القلوب فمن لایداوی قلبہ المریض بمعالجات العبادۃ الشرعیہ واکتفی بالعلوم العقلیۃ استضربھا کما یستضر المریض بالغذاء [۱]

ترجمہ۔ تجرباتی علوم بمنزلہ غذا اور روحانی علوم بمنزلہ دوا ہیں جو شخص مریض ہو اگر اسے دوا نہ ملے تو غذا سے اسے اور بھی تکلیف ہوتی ہے یہی حال دل کے امراض کا ہے کہ ان کا علاج شریعت کی تجویز کردہ دواؤں کے سوا کسی طرح ممکن نہیں۔ شریعت کی دوائیں عبادات و اعمال کے وہ وظائف ہیں جنہوں نے انبیاء کرام کے ہاتھوں سے ترکیب پائی ہے پس جو شخص دل کا مریض ہے اور طب شرعی کے مطابق اس کا علاج نہیں کرتا اور تجرباتی علوم کو ہی اپنے حق میں کافی سمجھتا ہے وہ اسی طرح ہلاک ہوگا جس طرح کہ مریض (دوا نہ ملنے کی صورت میں) غذا سے اور تکلیف اُٹھاتا ہے۔

علومِ عقلیہ اور علومِ شرعیہ میں کوئی تعارض نہیں

شاید یہاں کسی کے ذہن میں یہ خطرہ گزرے کہ علومِ عقلیہ اور علومِ شرعیہ میں کوئی حقیقی تعارض ہے جو علومِ شرعیہ کو ترجیح دینے کا سوال پیدا ہو رہا ہے ایسا نہیں ہے ہماری یہ مراد ہرگز نہیں۔ علومِ شرعیہ سب فطرت کے مطابق ہیں اور ان کا کوئی پہلو بھی عقلِ سلیم سے تصادم نہیں رکھتا لیکن تجرباتی علوم چونکہ خود تغیر پذیر ہیں اس لیے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ ہماری عقل کسی ایسی حقیقت تک پہنچنے سے قاصر رہے جس کی خبر ایسے ذرائع نے دی ہو کہ جھوٹ یا غلط فہمی کو ان میں کوئی دخل نہیں۔ اس صورت میں یا تو یہ ہوتا ہے کہ وہ حقیقت ہماری عام عقلوں سے بالاتر ہوتی ہے کیونکہ کسی بات کا "خلافِ عقل" ہونا اور بات ہے اور بالائے عقل ہونا اور بات ہے۔ یہ ہماری اپنی غلطی ہے کہ بالائے عقل کو خلافِ عقل

---

[۱] احیاء العلوم جلد ۳ صـ

سمجھ لیں حقیقت یہ ہے کہ نقل صحیح اور عقل سلیم میں کوئی تصادم نہیں. بشرطیکہ نقل صحیح کا مبدا شریعت نبوت اور کوئی آسمانی ہدایت ہو۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ مذکورہ بالا عبارت کے متصل بعد لکھتے ہیں :-

وظن من يظن ان العلوم العقلية مناقضه للعلوم الشرعيّة وان الجمع بينهما غير ممكن ظن صادر عن عمى فى عين البصيرة نعوذ بالله منه. [1]

ترجمہ. جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ علوم عقلیہ اور علوم شرعیہ میں کوئی تصادم ہے اور یہ کہ دونوں میں تطبیق ممکن نہیں ان کا یہ گمان محض اس وجہ سے ہے کہ ان کی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہیں. ہم اس سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔

تجرباتی معلومات کی زمین میں بارانِ وحی کی پیاس

حاصل اینکہ جس طرح غذا کے ساتھ دوا کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اس طرح دُنیا کے تجرباتی معلومات کی زمین آسمانی باران ہدایت کی شدید محتاج ہے. تجرباتی علوم مادہ کائنات ہیں تو علوم شریعت روحِ کائنات کا حکم رکھتے ہیں. قرآنِ عزیز یہی روحِ کائنات ہے جو زندگی کی تاریکیوں کو روشنی بخشتا ہے اور ہمیں اس کی اشد ضرورت ہے۔

وكذلك اوحينا اليك روحًا من امرنا. (پ۲۵ شوریٰ ۵۲)

ترجمہ. اور اسی طرح (اے محمدؐ!) ہم نے تمہاری طرف اپنے حکم سے روح کو نازل کیا۔

(۴) کائنات کا ادراک ہم اپنے حواس سے کرتے ہیں. چھوٹے اور بڑے یا شیریں اور تلخ کا امتیاز ان حواس سے ہی ہوتا ہے. لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حواس ادراک میں غلطی کرنے لگتے ہیں. طویل فاصلے سے بڑی چیزیں بھی چھوٹی دکھائی دیتی ہیں اور صفراوی مزاج

---

[1] احیاء العلوم جلد ۳ صہ

شیریں کو بھی تلخ بتاتا ہے۔ اس صورت میں ہدایت عقل اور تجرباتی علوم ہماری راہنمائی کرتے ہیں اور حواس کی غلطیوں سے ہمیں باخبر رکھتے ہیں پھر کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ یہ حواس شدت کے عالم میں جذبات کی شکل اختیار کر لیں۔ اس صورت میں عقل کی راہنمائی بھی مؤثر نہیں رہتی اور عقل اور جذبات کی کشمکش میں فتح ہمیشہ جذبات کی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جوہر عقل مغلوب ہو جاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب انسان کو کوئی سہارا چاہیئے۔

یہ واقعات زبانِ حال سے پکارتے ہیں کہ ہدایت عقل سے آگے ایک اور راہنمائی کی بھی ضرورت ہے جو اسی طرح "ایمانی جذبات" کی تربیت کرے جس طرح حواس "طبعی جذبات" کی پرورش کرتے ہیں تاکہ جب عقل اور جذبات کے درمیان مذکورہ بالا کشمکش ہو تو عقل کی درماندگی کے وقت انسان ان ایمانی جذبات کا سہارا لے سکے جو طبعی جذبات کو فوراً کچل کر رکھ دیتے ہیں۔ تاریخ ادیانِ عالم اس امر کی قوی شہادت ہے کہ پھر آخری فتح ایمانی جذبات کی ہی ہوتی ہے۔

ے بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

کائنات کا ارتقاء اپنے سے اعلیٰ کی تلاش میں

حاصل اینکہ "ہدایت عقل" کے آگے انسان ایک آسمانی روشنی کی تلاش میں ہے۔ اور اس کی اسے ضرورت ہے اور حقیقت میں یہی ربانی ہدایت ہے کہ اس کے بعد اور کسی ہدایت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

قل ان ھدی اللہ ھو الھدی وامرنا لنسلم لرب العالمین۔

(پ الانعام ۷۱)

ترجمہ۔ کہہ دیجئے کہ ربانی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے اور ہم مامور ہیں کہ اس ذات کے سامنے سر جھکا دیں جو تمام کائنات کی پرورش کرنیوالا ہے۔

(۵) کائنات کی ہر چیز اپنے موجود رہنے کی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور رکھتی ہے۔ اس قانون

فطرت پر جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ ہر ادنیٰ چیز محض اس لیے ہے کہ اپنے سے اعلیٰ چیز پر قربان ہو جائے۔ جمادات میں عمارت اینٹ سے بالا درجہ رکھتی ہے اب اس اعلیٰ چیز کو تکمیل بخشنے میں اینٹ کی شکل وصورت خواہ کتنی ہی تبدیل کرنی پڑے یہ سب مراحل اینٹ کے بکار آنے کی شہادت دیں گے کوئی اسے بے کار جانا تصور نہیں کرے گا کیونکہ ادنیٰ اپنے سے اعلیٰ پر قربان ہو رہا ہے۔ لہلہاتے ہوئے کھیت اور پکے ہوئے پھل اگر انسان کے کام آجائیں تو سب کہتے ہیں کہ بکار آئے اور اگر وہیں کھڑے کھڑے سوکھ جائیں تو ہر شخص انہیں ضائع شمار کرے گا۔ حیوانات عامہ بھی اسی طرح اپنے سے اعلیٰ مخلوق "انسان" کے کام آرہے ہیں اور ہر ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہو کر اپنے مقصد وجود کو پورا کر رہا ہے۔ جمادات۔ نباتات اور حیوانات اگر اپنی اپنی جگہ موجود نہ ہوں تو انسان کا نظامِ حیات نہیں چل سکتا لیکن اگر انسان نہ ہو تو ان چیزوں کی زندگی برابر چلتی رہے گی۔ کائنات کی یہ رفتار صاف بتلاتی ہے کہ یہاں سب کچھ انسان کے لیے ہے مگر انسان ان میں سے کسی کے لیے نہیں بس اس کا وجود کسی اور ذات کے لیے ہوگا جو اس سے بھی اعلیٰ اور ہر اعلیٰ سے اعلیٰ ذات ہے۔

فذالکم اللہ ربکم فاعبدوہ۔ (پ۱۱ یونس ۳۲)

ترجمہ۔ پس اللہ تمہارا پروردگار ہے سو تم اس کی عبادت کرو۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسمؒ فرماتے ہیں:۔

"زمین سے لے کر آسمان تک جس چیز پر سوائے انسان کے نظر پڑتی ہے وہ انسان کے کار آمد نظر آتی ہے پر انسان ان میں سے کسی کے کام نہیں آتا دیکھئے زمین، پانی، ہوا، آگ، چاند، سورج، ستارے اگر نہ ہوں تو ہمارا جینا محال یا دشوار ہو جاتے اور ہم نہ ہوں تو اشیائے مذکورہ میں سے کسی کا کچھ نقصان نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس درخت، جانور وغیرہ مخلوقات اگر نہ ہوتے تو ہمارا کچھ نہ کچھ حرج ضرور ہوتا کیونکہ کچھ نہیں تو اشیاء کبھی کسی مرض ہی کی دوا ہو جاتے ہیں پر ہم کو دیکھئے کہ ہم ان کے حق میں کسی مرض کی دوا نہیں مگر جب ہم مخلوقات میں سے کسی کے کام کے نہیں تو بالضرور اپنے خالق

کے کام کے ہوں گے۔ لہ

پس جب انسان کا مقصدِ وجود ہی اپنے خالق کے کام آنا ہے تو اس رستے کی تلاش از بس ضروری ہوئی اس رستے کا نام قرآن اور قانونِ اسلام ہے اور اسی ضرورت کو "ضرورت القرآن" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اوحی الیّ ھذا القراٰن لانذرکم بہ ومن بلغ۔ (پ الانعام ۱۹)

ترجمہ۔ یہ قرآن مجید میرا اس لیے اُتارا گیا ہے کہ تمہیں اور ان تمام کو جن تک یہ پہنچے (بے کار زندگی گذارنے سے) ڈراؤں۔

حاصل اینکہ اگر قرآن نہ ہو تو انسانیت کا رُخ اپنے "مافوق" کی بجائے "ماتحت" کی طرف مُڑ جاتا ہے اور یہ وہ طریق زندگی ہے جو قانونِ فطرت اور "بقاء النفع" کے فطری اصُولوں سے صریح طور پر متصادم ہے پس قرآن کا انکار دوسرے لفظوں میں فطرت سے ٹکر لینا ہے اور اس کی ضرورت کا احساس دینِ فطرت کی صحیح ترجمانی ہے۔

ان مراتبِ خمسہ سے یہ حقیقت پُوری طرح واضح ہے کہ انسان عقل سلیم اور سلامت فکری کے باوجود ایک وسیع تر نظامِ ہدایت کا شدید محتاج ہے لیکن یہاں اس امر کی وضاحت نہیں ہو سکی کہ کیا ضروری ہے کہ وہ وسیع تر نظامِ ہدایت قرآن ہی ہو اور اس کے دلائل کیا ہیں کہ قرآن کے سوا کسی اور آسمانی راہنمائی میں انسانیت کی نجات نہیں؟ یہ مضمون ان مراتبِ خمسہ میں ضمنی طور پر لپٹا ہوا ہے۔ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ اصالتًا اس کے کچھ شواہد ہمارے سامنے ہوں۔

(۱) جتنی کتابیں "آسمانی نظامِ ہدایت" کی ترجمان بیان کی جاتی ہیں ان میں صرف قرآن ہی ہے جس کا اپنے متعلق یہ دعوے ہے کہ وہ ہر زمانے کی دست بُرد سے پُوری طرح محفوظ ہے قرآن کے سوا اور کوئی "آسمانی کتاب" اپنے متعلق یہ دعوے نہیں کرتی۔ یہ دعوے واقعات کے ساتھ کہاں تک ہم آہنگ ہے؟ یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ ہم صرف یہ بتا رہے ہیں کہ واقعات کی شہادت تو درکنار اور کوئی کتاب سرے سے اس ابدی تحفظ کا

لہ حجۃ الاسلام ص۴ طبع دہلی

دعوے ہی نہیں کرتی. پس جو کتابیں اپنے وجود کو بقا نہیں بخش سکیں وہ مُردہ قوموں کو ہمیشہ کی زندگی کس طرح دے سکیں گی. کائنات اس "آسمانی نظامِ حیات" کے لیے ایک ایسے سرچشمہ علم کی محتاج ہے جو ہر فتنے سے محفوظ اور زمانے کی ہر دستبرد سے مامون ہو ظاہر ہے کہ اس باب میں کوئی کتاب قرآن پاک کی شریک و سہیم نہیں.

(۲) الہامی کتابوں میں صرف قرآن پاک ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کی ابتدائی صورت اس کی سینکڑوں سال بعد کی صورت کے ساتھ پُوری طرح مطابق ہے اور تورات اور انجیل کے اب بھی ایسے نسخے ملتے ہیں جو ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہوتے. ان کتابوں کے چہرے مسخ کیے جا چکے ہیں اور آج ان میں وہ نورُ نہیں ملتا جو کسی تاریک زاویہ حیات کو روشن کر سکے ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان کتابوں کا اگر یہ دعوےٰ بھی ہوتا کہ وہ اَبدی طور پر محفوظ ہیں تو بھی بعد کے واقعات اس کی تائید ہرگز نہ کرتے اور تحریف انجیل پر تو مسیحی شہادتیں بھی اس کثرت سے ملتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند ان کا انکار نہیں کر سکتا.

(۳) قرآن کے سوا اور جتنی کتابیں اس مطلوبہ آسمانی نظامِ ہدایت کی ترجمان کہی جاتی ہیں جیسے ویَد (ہندوؤں کی کتابیں) اوستا (پارسیوں کی کتاب) تورات (یہودیوں کی کتاب) اور انجیل (عیسائیوں کی کتاب) وغیرہ. یہ سب "زمانہ قبل از تاریخ" کے پردوں میں مستور ہیں یعنی ان کی ابتداء ایسے زمانے سے تعلق رکھتی ہے جب سرمایۂ علم کے لکھنے اور واقعات کو محفوظ رکھنے کا کوئی طریق موجود نہ تھا اور تاریخ نے ابھی جمعُ تدوین کے پہلے زینے پر بھی قدم نہیں رکھا تھا. الہامی کتابوں میں صرف قرآن پاک ہی ایک ایسی کتاب ہے جو زمانۂ تاریخ سے تعلق رکھتی ہے اور جو اپنے داعی سے لے کر اب تک سند متصل متواتر سے منقول ہوتی چلی آ رہی ہے ویدوں کے متعلق تو یہ بھی واضح طور پر معلوم نہیں کہ یہ کن کن بزرگوں پر اُترے اور یہ کہ اُن کا زمانہ کون کون سا تھا. اوستا معدوم ہونے کے مدتوں بعد ایک شخص ورگ دراز کے خواب کی زبانی یادداشت بتائی جاتی ہے اور الواح تورات کے تحفظ پر بھی تاریخ کی کوئی قطعی شہادتیں ہمیں میسر نہیں آئیں. انجیل مقدس کے متعلق بھی یہی بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنے پہلے دور میں ہی حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں جمع نہیں ہو سکی. اور ایک واضح صورت میں ڈھلنے کی بجائے

چار اور شخصوں کی عبارات میں منتقل ہوئی جن میں سے دو صحابی بیان کیے جاتے ہیں اور باقی دو کو تو صحابی بھی تسلیم نہیں کیا جاتا.

حضرت مسیح کے بعد ابتدائی تین صدیوں میں ایک سو سے زائد انجیلیں پائی جاتی تھیں ان میں سے چار کو لے لیا گیا اور باقی چھوڑ دی گئیں. پھر ان چار میں بھی ترمیم کا سلسلہ مدتوں چلتا رہا. ان چار میں سے وہ کون سی ہے جس کی آواز حضرت عیسیٰ لگاتے تھے تو ان پادری صاحبان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں.

موجودہ چار انجیلوں میں سے دو انجیل متی اور انجیل یوحنا حضرت عیسی کے صحابہ متی اور یوحنا نے ترتیب دیں. مشہور عیسائی عالم جرجیس البنانی نے لکھا ہے کہ متی نے اپنی انجیل بیت المقدس ۳۹ء میں بیٹھ کر ترتیب دی تھی. انجیل یوحنا کی تالیف ۶۵ء میں بیان کی جاتی ہے. یوحنا حضرت مسیح کا شاگرد تھا. انجیل مرقس اور لوقا تابعین کی تالیف ہیں. مرقس اور لوقا نے حضرت مسیح کا زمانہ نہیں پایا مرقس پطرس صحابی کے شاگرد تھے لیکن مرقس نے اپنی انجیل میں اس حصہ کو نہیں لیا جس میں حضرت مسیح کے نام سے پطرس کی تعریف وضع کی گئی ہے. لوقا انطاکیہ کے طبیب تھے انہوں نے مسیحیت کا سبق پولوس سے لیا تھا اور پھر پولوس کے زیر اثر اپنی انجیل ترتیب دی تھی. الوہیت مسیح تثلیث اور کفارہ کی بدعت کا اصل موجد یہی پولوس Paul تھا. لوقا کی انجیل میں بیس سے زیادہ مقامات کا انجیل متی پر اضافہ ہے.

انجیل یوحنا گو حضرت یوحنا حواری کے نام سے مرتب ہے مگر یہ دراصل مدرسہ اسکندریہ کے ایک طالب علم کی تالیف ہے اسے یوحنا کی طرف نسبت کر لے کا مقصد الوہیت مسیح کے عقیدے کو حضرت مسیح کے زمانے سے متصل کرنا تھا.

اس بات کے کھل جانے پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل ہمارے پاس موجود نہیں جس سے ہم ہدایت عقل کی درماندگی کے بعد کچھ آسمانی روشنی لے سکیں اور یہ جو چار انجیلیں ہمارے پاس موجود میں وہ ان مصنفین کی اپنی تصنیفات ہیں جن کے ناموں سے ان اناجیل نے شہرت پائی ہے. ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس وقت مختلف مذاہب نے جن جن کتابوں کو خدا کے نام سے پھیلا رکھا ہے ان میں صرف قرآن ہے جو عہد حاضر سے چودہ سو سال پیچھے تک لائق اعتماد متصل سند

سے جارہا ہے اور حقیقت میں اس وقت یہی ایک کتاب ہے جس کو بلا تردد اور بلا تامل وقت
کی آسمانی آواز کہا جا سکتا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں کچھ وہ خصوصیات بھی نقل کر دیں جو قرآن کریم کی ہیں اور
کوئی اور دوسری کتاب اس میں قرآن کے ساتھ لگا نہیں کھاتی۔

C4

خصوصیات القرآن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

(۱) یہ کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تدریجاً اُتری اور نہ کوئی آسمانی کتاب تدریجاً نہیں آئی ــــ یہ کیوں ؟ یہ اس لیے کہ حسب ضرورت اور حسب موقع پر وہ آیات اُتریں اس کے پیش نظر ان کا سمجھنا اور عمل میں لانا آسان ہو جائے ــــ جونہی آپ پہلی وحی کے بعد غارِ حرا سے نکلے آپ کی حیاتِ طیبہ اور قرآن کی آیاتِ نازلہ ساتھ ساتھ چلتی رہیں اور دونوں کی منزل ایک ہی وقت میں جا کر رُکی۔ اب قرآن سمجھنے میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہ رہے گا اور اس کے علمی نشان کے ساتھ ہی اس کا عملی نقش ساتھ اُبھرے گا۔

(۲) یہ کتاب مفصّل ہے :۔

وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصّلا۔ (پ الانعام آیت ۱۱۴)

ہر مفصّل کو مفصِّل کی ضرورت ہوتی ہے اس کتاب مفصّل کا مفصِّل ساتھ ساتھ رہا۔ خود قرآن کریم میں اس مفصِّل کا ذکر ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے جو ان ایمان لانے والوں کو خدا کی کتاب پڑھائے گا۔

یعلمھم الکتاب والحکمۃ (پ آل عمران ۱۶۴)

(۳) قرآن کریم کی ایک اپنی سرکاری زبان ہے اور وہ عربی ہے۔ یہ کسی دوسری زبان کا لباس نہیں پہن سکتا کیونکہ یہ لفظاً بھی معجزہ ہے اور ترجمے کے الفاظ ظاہر ہے کہ خدا کے نہ ہوں گے عام انسانوں کے ہوں گے۔ ہاں اس کا ترجمہ کرنا جائز ہے آپ اسے علماً دیکھ سکتے ہیں مگر عبادۃً اسے عربی میں ہی پڑھا جائے گا۔

(۴) بنی نوعِ انسان کی دینی راہنمائی کے لیے ہر بات اس میں موجود ہے :۔

ما فرّطنا فی الکتاب من شیءٍ (پ الانعام ۳۸)

اہل کتاب قرآن کے اس دعوے کو رد کرنے کے لیے نئے مسائل کی ایک لمبی فہرست سامنے رکھ دیتے ہیں کہ بتاؤ ان کا جواب قرآن میں کہاں ہے[1]؟ ہم کہتے ہیں انہیں قرآن کی کلیدی آیات میں دیکھو جن سے علم کا نیا باب کھلتا ہے قرآن کریم کی ان کلیدی آیات کو ساتھ لے کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب میں اللہ رب العزت نے اس کتاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی. یہاں جو بھی اجمال ہے آپ کی سنت میں اس کی پوری تفصیل ہے۔

(۵) یہ واحد کتاب ہے جس میں دوسرے منابع علم کی کلید موجود ہے:۔

۱۔ انفس و آفاق میں غور کرنے انسان پکار اٹھتا ہے:

ربنا ما خلقت ھذا باطلاً۔ (پ۴ آل عمران ۱۹۱)

انسان کو کائنات کا جو علم حاصل ہوگا اس کے لیے یہ آیت کلید ہے۔

۲۔ فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل (پ۲۶ الاحقاف ۳۵) میں آنحضرتؐ کو تمام اولوالعزم پیغمبروں کے مجموعی موقف صبر پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا اور پیغمبروں کا یہ مجموعی موقف قرآن پاک میں کہیں یک جا مذکور نہیں. اس میں آنحضرتؐ استقرار فرمائیں گے۔ اولئك الذین ھدی اللّٰه فبھداھم اقتدہ (پ۷ الانعام ۹۰) میں بھی استقرار کی کلید ہاتھ میں نہیں ہوگی.

۳۔ اس امت کے لیے ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا بھی ایک کلیدی آیت ہے. اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول بھی کلیدی آیات میں سے ہے۔

(۶) اور کوئی آسمانی کتاب نہیں جو اپنا تعلق پہلی کتابوں سے جوڑے. قرآن کریم پہلی کتابوں کی اصولاً تصدیق کرتا ہے. (مصدقا لما بین یدیہ) اور ان کے باقی رہنے والے مسائل کو اپنے دامن میں لیتا ہے (مھیمناً علیہ) اور انہیں بطور کتاب منسوخ قرار دیتا ہے۔

---

[1] مثلاً زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے کہ اتنا مال ہو تو زکوٰۃ لازم آئے گی. نیز شرح زکوٰۃ کیا ہے. قرآن کریم نے جان کی دیت بتلادی اعضار کی دیت نہیں بتلائی۔ نماز کا حکم تو دیا مگر یہ نہ بتلایا کہ فلاں نماز کی فرض رکعات کتنی ہیں. حج کا حکم دیا مگر یہ نہ بتایا کہ ایک طواف کے کتنے چکر ہوں گے۔

(۷) بنی نوعِ انسان کے جملہ اختلافات میں قرآن کریم ایک قول فیصل ہے۔

انه لقول فصل وما هو بالهزل. (پ۳۰ الطارق ۱۴)

اس کی بات دوطرفہ نہیں ہوتی اس میں ایک واضح درجے کا فیصلہ ملے گا۔

(۸) یہ کتاب ایک ابدی کتاب ہے جسے آئندہ کوئی کتاب منسوخ نہ کر سکے گی۔ انسانی ہاتھ اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی نہ کر سکیں گے اور محنت سے یاد کرنے والوں کے سینوں اور دل و دماغ میں یہ کتاب کلی طور پر محفوظ ہو سکے گی۔

(۹) اس کتاب کے مضامین اور پیرایہ بیان سے پریشان اور آزردہ دل لوگوں کو سکون و اطمینان اور دکھی دلوں کو شفا ملتی ہے:

یا ایها الناس قد جاء تکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور (پ۱۱ یونس ۵۷)

(۱۰) یہ کتاب نصیحت پکڑنے والوں اور آخرت کی فکر پیدا کرنے کے لیے تو بیشک آسان ہے

ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر. (پ۲۷ القمر ۱۷)

لیکن اس کے کلیات اور امثال و عبر کو عالموں کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ پاتا۔

وتلك الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون. (پ۲۰ العنکبوت ۴۷)

سوال:

اب غیر عالم ان ابواب قرآن میں کیا کریں۔ وما یعقلها سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عوام علماء کے سمجھانے سے بھی ان کو سمجھ نہیں پاتے؟

جواب:

وہ بے شک نہ سمجھ پائیں ان کا انہیں جاننا ضروری نہیں لیکن ان پر ان کا عمل ضرور مطلوب ہے۔ سو وہ ان میں عالموں کی تقلید کریں اور ان کے بتلانے سے ان پر عمل کریں۔

سوال:

عالموں کے کئی درجے ہیں۔ یرفع الله الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت۔ (پ۲۸ المجادلہ ۱۱) سو کس درجے کے عالموں کے فیصلے پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

جواب:

وہ راسخون فی العلم ہیں جن کے قول کو اللہ تعالیٰ نے سراہا ہے:۔

والرّاسخون فی العلم یقولون اٰمنّا بہ کل من عند ربّنا۔ (پ۳ آل عمران۷)

امّت میں پیروی صرف مجتہدین کی ہو سکتی ہے ہر عام عالم اس درجے میں نہیں کہ قرآن کریم کا لفظ الّا العالمون اس پہ صادق آ سکے۔

سوال:

قرآن کریم اپنے لانے والے سے صرف اسے لینے کا حکم دیتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ۔ اوراس سے یہ کتاب لے لو یا اس پیغمبر کی اپنی راہ کو بھی دوسروں کے لیے لائقِ پیروی قرار دیتا ہے؟

جواب:

ہاں! قرآن سبیل رسول کو اپنانے کا حکم بھی دیتا ہے:۔

قل ھٰذہ سبیلی ادعوکم الی اللہ انا ومن اتّبعنی۔ (پ۱۳ یوسف ۱۰۸)

ترجمہ: آپ کہہ دیں یہ میری راہ ہے تمہیں اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں میں اور جو میرے پیرو ہیں۔

وانّ ھٰذا صراطی مستقیمًا فاتّبعوہ ولاتتّبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ (پ۸ الانعام ۱۵۳)

ترجمہ: اور یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پہ چلو اور مت چلو اور رستوں پر کہ وہ تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گے۔

ان آیات کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ہی اطاعتِ خداوندی کا تقاضا پورا ہوتا ہے۔

سوال:

قرآن پاک پہ عمل کرتے ہوئے کیا پیغمبر اسلام کی پیروی کافی نہیں۔ قل ھٰذہ سبیلی میں تو صرف حضورؐ کی راہ پہ چلنا بتایا گیا ہے۔ کیا سبیلِ رسُول کے ساتھ کسی اور سبیل کی پیروی بھی ضروری ہے؟

جواب:

ہاں! قرآن پاک میں سبیل رسول کے ساتھ اس دورِ اوّل کے مومنین (صحابہ) کو بھی

واجب الاتباع ٹھہرایا گیا ہے اور سبیل رسول کے ساتھ سبیل المؤمنین کی پیروی کو ہی اسلام بتایا گیا ہے:۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولّه ما تولّیٰ ونصله جهنم وساءت مصیرًا۔ (پ۵ النساء ۱۱۵)

ترجمہ۔ اور جو مخالفت کرے اللہ کے رسول کی بعد اس کے کہ ہدایت اس کے سامنے کھل چکی اور وہ سبیل مومنین کے خلاف چلے ہم اسے پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور اسے جہنم رسید کریں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ سبیل رسول کے ساتھ سبیل مومنین کی پیروی بھی ضروری ہے اور اسی سے قرآنی تعلیمات کا عملی نقشہ قائم ہوتا ہے۔

سبیل رسول اور سبیل امت ساتھ ساتھ چلے

علم اسی وقت پیچیدہ مخدوش اور منجمد ہوتا ہے جب کوئی عمل اس کے ساتھ ساتھ نہ چلے۔ قرآن کریم اپنے آغاز سے ہی عمل رسالت کے پہلو بہ پہلو چلا اور امت بھی عمل رسالت کے ساتھ ساتھ اس طرح باعمل چلی کہ آئندہ آنے والے مسلمانوں کے لیے سبیل رسول اور سبیل المؤمنین ایک ایسا معیار قائم ہوا کہ آئندہ آنے والے اسلام کے قافلے سب اسی راہ پہ چلنے کے پابند ٹھہرائے گئے۔

ظاہر ہے کہ سبیل رسول اور سبیل المؤمنین کے تسلسل عمل سے قرآن کریم کا کوئی گوشہ کسی معرض خفا میں نہ رہے گا۔ سو یہ کتاب کسی پہلو سے ایک پیچیدہ اور منجمد کتاب نہ رہی یہ کہنا بھی صحیح نہ رہا کہ اسلام میں علم کا ماخذ صرف کتاب اللہ اور سبیل رسول ہیں سبیل المؤمنین کو بھی ساتھ رکھا گیا۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولّه ما تولّی ونصله جهنم وساءت مصیرا وهكذا اجماع الامة اذا اجمعت علیٰ شیٔ فهو الحق الذی لاشك فیه لانها لا تجتمع علیٰ ضلالة۔ [۱]

---

[۱] کتاب التمہید جلد ۴ صفحہ ۲۶۷

ترجمہ۔ اور وہ چلے سبیل المؤمنین کے خلاف ہم پھیر دیں گے اسے جدھر وہ پھرا اور پہنچائیں گے اسے جہنم میں اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے اور اسی طرح اجماعِ امّت ہے امت جب کسی بات پر جمع ہو جائے تو وہ ایسا حق صریح ہے جس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ امّت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہو سکے گی۔

جس طرح خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات برحق ہے ناممکن ہے کہ اس میں کوئی غلطی راہ پائے سبیل المؤمنین بھی ایک برابر کی راہنمائی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ چلنا امت پر فرض ٹھہرتا ہے۔ اجماعِ امّت کبھی باطل پر نہیں ہو سکتا جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :-

آية محكمة وسنة قائمة وفريضة عادلة [1]

یہ فریضہ عادلہ مسلمانوں کے لیے اسی درجہ میں لازم ٹھہرا جس درجہ میں وہ دو پہلے سو علم تین ہیں :-

۱۔ آیت محکمہ ۲۔ سنّت قائمہ اور ۳۔ فریضہ عادلہ

آنحضرتؐ نے جب فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں تو اسے لفظ فیکم (تم میں) سے واضح فرمایا۔ سو صحابہؓ جو اس وقت کے مومنین تھے اور ان کی یہی راہ سبیل المؤمنین تھی وہ کتاب وسنّت کے امین ٹھہرائے گئے۔ سو یہ امین وہ طبقہ ہیں جن کو ساتھ لے کر چلنا علم کا تیسرا ماخذ ٹھہرا۔ اسے ہی فریضہ عادلہ کہا گیا ہے۔

---

[1] کتاب التمہید جلد ۴ صـ ۲۶۶ وسنن ابن ماجہ صـ

صداقت القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

قرآن کریم کو نازل ہوئے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا مگر آج بھی اس میں وہی تازگی ہے جو آج سے صدیوں پہلے دنیا کی قوموں نے اس میں محسوس کی تھی اس کے خارجی تعارف میں ہم صداقتِ رسالت کی روشنی میں چلے اس کے داخلی تعارف میں ہم نے اس کی معجزانہ شان دیکھی. اب آئیے اس میں بھی ذرا غور کریں کہ اس کی صداقت کے نقش اس کے اندر سے کس طرح دکھائی دیتے ہیں. ہو سکتا ہے کہ یہ دوسری قوموں کے لیے بھی ایک سامان دعوت اور اپنوں کے لیے مزید طمانیت کا موجب ہو.

آسمانی کتاب الٰہی صفات کی آئینہ دار ہونی چاہیئے

ہر کتاب میں مصنف کے نظریات اور تجربات کی جھلک ہوتی ہے آسمانی کتاب میں علاقائی خدوخال نہیں الٰہی علم کی آفاقی جھلک ہونی چاہیئے. قرآن کریم گو عرب میں اُترا ایک عربی پیغمبر پر اُترا عربی زبان میں اُترا لیکن اس میں ہر باب زندگی میں الٰہی علم کی آفاقی جھلک موجود ہے. قرآن کریم میں کہیں علاقائی رنگ نہیں ملتا. علاقائی لحاظ کے باوجود اس میں ہر جگہ آفاقی رنگ غالب نظر آتا ہے.

علمِ الٰہی میں اس کا کوئی شریک نہیں

علم الٰہی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ذاتی اور عطائی کے فرق سے بھی، خالق اور مخلوق کے علم میں کہیں برابری نہیں ہو سکتی. خدا کی سی وسعتِ علمی اگر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی مانی جائے تو یہ شبہ جھٹ کھٹکے گا کہ قرآن کریم آپ کی اپنی تخلیق نہ ہو—اس کا آفاقی پیرایہ بیان کبھی اس کے آسمانی کتاب ہونے کی دلیل نہ بن سکے گا. اللہ رب العزت کی وسعتِ علمی اس ایک کے سوا کسی میں نہیں. وہی ہے جو دلوں کے وسوسوں اور دلوں کی دھڑکنوں کو بغیر اس کے کہ ان کا کوئی اظہار کرے اندر سے جانتا اور پہچانتا ہے اب کتاب پاک میں جو غیبی خبر ملے گی وہ اس کے کتاب الٰہی ہونے کی دلیل ہوگی. کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہیں یہ دعوےٰ نہ تھا کہ میں غیب جانتا ہوں.

اس کے برعکس آپ ﷺ اعلان کے مکلف ٹھہرائے گئے :۔

قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون۔

(پ ۲۰ النمل ۶۵)

ترجمہ۔ آپ اعلان کردیں کہ جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ غیب کو نہیں جانتا ماسوائے اللہ کے اور وہ نہیں جانتے کہ کب اُٹھائے جائیں گے۔

قرآن کریم کی اخبار غیبیہ

علم الٰہی کا ظہور قرآن کریم میں مختلف صورتوں میں ہوا ہے :۔

① مشرکین کہیں آپس میں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف کوئی تدبیر کرتے اور قرآن کریم اُسے بھی ظاہر کر دیتا۔

② منافقین اندر کفر چھپا کر اوپر سے اظہار اسلام کرتے اور اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع فرما دیتے۔

③ مسلمانوں کے اپنے دائرہ میں اگر کہیں کبھی راز کی بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دیتے۔

④ جو امور اس وقت کے نہیں آئندہ کسی دور میں کھلنے والے تھے قرآن میں مذکور ہوئے اور جب ان کا وقت آیا تو وہ اسی طرح ظاہر ہوئے جیسا کہ پہلے سے کہا گیا تھا۔

⑤ کافروں کے کچھ ایسے حالات کی خبر دی جن کا خلاف بظاہر وہ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے نہ کیا اور ہوا وہی جو قرآن کریم میں پہلے سے کہا گیا تھا۔

قرآن کی ان اخبار غیبیہ کا اب تک کوئی انکار نہیں کر سکتا یہ اس کی صداقت کی ایک اندر کی شہادت ہے۔

ایک ناتواں اور بے سہارا انسان کا عُروج

مکّہ میں ایک شخص نہایت گمنامی میں پیدا ہوا۔ پیدا ہونے سے پہلے وہ یتیم ہو چکا تھا۔ ماں بھی اسے زیادہ پیار نہ دے سکی۔ کوئی خاندانی جاگیر یا جائداد نہ تھی جو اسے کچھ آگے لا سکے۔ عمر پچاس سے زائد تھی جب اسے اپنا شہر چھوڑنا پڑا۔ رات کا مسافر غاروں میں رُکتا چھپتا۔ صرف ایک ساتھی کو ساتھ

لیے مدینہ پہنچتا ہے اور پھر گنتی کے چند سالوں میں اس عروج پر آجاتا ہے کہ ان مکہ والوں کو اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں. ان تمام حالات اور ایک ناتواں و بے سہارا انسان کے اس طرح عروج پہ آنے کی بات اگر قرآن کریم میں پہلے سے کہی گئی تو کیا یہ قرآن کریم میں علم الٰہی کی جھلک نہیں اپنی طرف سے کوئی شخص ان حالات میں ایسی بات پہلے سے کہہ سکتا ہے ؟

صداقتِ قرآن کی اس بحث میں ہم قرآن پاک کی یہاں چند خبریں عرض کیے دیتے ہیں :-

① مکہ والوں کو قرآن کریم کی آیتوں کو جھٹلانے کے خطرناک انجام سے اس طرح مطلع کیا گیا اور پھر ویسا ہی ہوا جیسا کہ کہا گیا تھا. آپ مکہ میں تھے جب یہ آیت اُتری اور کفار کو متنبہ کیا گیا تھا :-

ولقد اھلکنا القرون من قبلکم لما ظلموا وجاءتھم رسلھم بالبیّنٰت وما کانوا لیؤمنوا کذالک نجزی القوم المجرمین. (پ۱۱ یونس ۱۳)

ترجمہ. اور بے شک ہم ہلاک کر چکے بہت سی قوموں کو تم سے پہلے جب وہ ظلم پر آ گئے اور آ رہے تھے ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر. اور وہ ہرگز ایمان لانے میں نہ تھے. ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں گنہگار قوموں کو.

غلبہ رسالت کا دوسرا اعلان

آپ مکہ میں اپنی مشکلات میں تھے کہ وحی اُتری اور آپ کو بتایا گیا :-

کتب اللہ لاغلبنّ انا ورسلی. (پ۲۸ المجادلہ ۲۱)

ترجمہ. اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آکر رہیں گے.

غلبہ رسالت کا تیسرا اعلان

ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ۝ انھم لھم المنصورون ۝ وانّ جندنا لھم الغالبون ۝ (پ۲۳ الصافات ۱۷۱ تا ۱۷۳)

ترجمہ. اور بے شک ہماری بات اپنے بندوں کے بارے میں جو رسول ہوئے ہو چکی ہے کہ بے شک وہ منصور ہوتے ہیں اور ہمارا یہ لشکر غالب آکر رہتا ہے.

آخری فتح اور کامیابی مخلص بندوں ہی کے لیے ہے باعتبار حجت و برہان کے بھی ــــ اور باعتبار ظاہری تسلط اور غلبہ کے بھی ــ ہاں شرط یہ ہے کہ جُند (فوج) فی الواقع جُند اللہ ہو ــــ ابھی چند روز انہیں کچھ نہ کہیں صبر کے ساتھ ــ آپ ان کا حال دیکھتے رہیں۔

(علامہ عثمانیؒ)

آنحضرتؐ کو خبر کہ یہ تجھے مکّہ سے نکال دیں گے

وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منها واذًا لا یلبثون خلفک الا قلیلًا۔ (پ۱۵ بنو اسرائیل ۷۶)

ترجمہ۔ اور وہ تو چاہتے تھے کہ تجھے اس زمین سے نکال باہر کریں پھر وہ بھی تیرے پیچھے نہ ٹھہر سکیں گے مگر ایک قلیل مدت۔

سرداران مکّہ نے آپ کو مکّہ سے نکالنے کا ارادہ نہ کیا تھا قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا آپ کو پہلے سے بتلا یا گیا کہ وہ تجھے قتل نہ کرسکیں گے تجھے نکلنا ہوگا وہ تجھے نکالنے پر لے آئیں گے ــــ اس کی خبر خود نکالنے والوں کو بھی نہ تھی ــ مگر اس کے باوجود حضورؐ وہاں سے نکلے اور ان سب دشمنوں کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے ــ قرآن کریم نے اس سب عمل کی خبر پہلے سے آپ کو دے رکھی تھی ــ کیا یہ قرآن کے خدائی کلام ہونے کا نشان نہیں؟

② جنگِ بدر کی فتح کی پیشگوئی

غزوۂ بدر مسلمانوں کی پہلی جنگ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نئے نئے مدینہ آئے تھے اور سلطنت اسلامی بالکل ابتدائی دور میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی ناکامی اور اس کی آسمانی پکڑ کا ذکر کیا کہ کیا تمہارے کفار ان سے بڑھ کر ہیں کہ ان پر کوئی اُفتاد نہ آئے گی ــــ اور ساتھ ہی بتلادیا کہ کافروں کی جمعیت ٹوٹے گی اور یہ اُلٹے پاؤں واپس ہوں گے۔

ولقد جاء ال فرعون النذر ہ کذبوا بایاتنا کلها فاخذناهم اخذ عزیز مقتدر ہ اکفارکم خیر من اولئکم ام لکم براءة فی الزبر ہ

ام یقولون نحن جمیع منتصر ہ سیھزم الجمع و یولّون الدّبر ہ

(پ۲۷ القمر ۴۵)

ترجمہ۔ اور بے شک فرعون والوں کے پاس ڈرانے والے آئے انہوں نے ہماری سب آیات کو جھٹلا دیا۔ پھر ہم نے پکڑا جیسے کوئی زبردست پکڑتا ہے۔ اب جو تمہارے منکر ہیں کیا وہ ان (پہلے کافروں) سے بہتر ہیں؟ یا تمہارے لیے کتابوں میں کوئی گارنٹی آئی ہے؟ ــــ اب شکست کھائے گا یہ ان کا لاؤ لشکر اور بھاگیں گے یہ پیٹھ پھیر کر۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے بہت تعجب ہوا کہ یہ کمزور اور مٹھی بھر مسلمان اتنے زبردست دشمن کا کیسے مقابلہ کرلیں گے۔ پھر جب میں نے بدر کے دن حضورؐ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سُنا تو میں نے محسوس کیا کہ آج وہ دن آگیا ہے جب یہ پیشگوئی اپنے مورد پر کھلے گی۔ پھر سورۃ الدخان میں یہ پیشگوئی دوسرے الفاظ میں اُتری اور اس کا مصداق بھی ظاہر ہوا:۔

یوم نبطش البطشۃ الکبریٰ انا منتقمون۔ (پ۲۵ الدخان ۱۶)

ترجمہ۔ جس دن ہم پکڑیں گے بڑی پکڑ بے شک ہم بدلہ لینے والے ہیں۔

فلمّا اصابتھم الرفاھیۃ عادوا الٰی حالھم حین اصابتھم الرفاھیّۃ فانزل اللّٰہ تعالٰی یوم نبطش البطشۃ الکبریٰ انا منتقمون ـــ قال یعنی بدر۔[1]

ان لوگوں سے یہ انتقام اللہ تعالیٰ کب لیں گے؟ فرمایا بدر کے دن۔

یہ آیات مکہ میں نازل ہو چکی تھیں مگر صحابہؓ کو اس بات کی خبر کہ عنقریب تمہارے ہاتھوں مکہ کے بڑے بڑے سردار مارے جائیں گے حضورؐ نے مدینہ منورہ آکر دی۔ اب ان پیشگوئیوں کے ظاہر ہونے کا وقت آگیا تھا۔ آپؐ نے بدر کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے بتا دیا تھا کہ فلاں فلاں سردار فلاں فلاں جگہ قتل ہوگا اور کل اُبوجہل کی لاش فلاں جگہ پڑی ملے گی۔

پھر وقت آیا کہ دُنیا نے دیکھا کہ جو کچھ قرآن کریم نے کہا تھا وہ حرف بحرف پُورا ہوا اور

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۱۴

مکہ کے بڑے بڑے سردار مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

کیا یہ قرآن کی کھلی صداقت نہیں کہ نئی بستی بسانے والے مٹھی بھر مسلمانوں نے عرب میں یہ انقلاب آفریں جنگ لڑی اور بتادیا کہ وہ اللہ کے وعدے پر کھڑے ہیں اور یہ کہ اللہ اپنے وعدے کو کبھی بلا اسباب بھی پورا کرتا ہے اسباب اس کے ماتحت ہیں وہ اسباب کے ماتحت نہیں ہے۔

(۳) نکلتے وقت پھر آنے کا اعلان پہلے کر دیا گیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے نکلے تو اس سے پہلے آپ کو پھر آنے کا یقین پہلے دلایا جا چکا تھا آپ کی واپسی پھر سے آنا پہلے مذکور ہوا اور نکلنا بعد میں ــــ یہ اس یقین کا ترجمان ہے کہ آخری فتح پھر آپ کی ہوگی۔

وقل رب ادخلنی مدخل صدقٍ واخرجنی مدخل صدقٍ واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقاً۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۰)

ترجمہ۔ اور آپ کہیں اے رب مجھے داخل کر سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کی سی مدد ــــ اور آپ کہہ دیں آیا ہے حق اور نکل بھاگا جھوٹ ــــ بے شک جھوٹ ہے ہی بھاگنے والا۔

بعض مفسرین نے اسے اس طرح بیان کیا ہے کہ یہاں داخلے سے مراد مدینہ منورہ میں داخلہ ہے کہ اے اللہ جہاں مجھے پہنچانا ہے نہایت آبرو خوبی اور خوش اسلوبی سے پہنچا اور مجھے یہاں مکہ سے نکلنا بھی آبرو و خوبی اور خوش اسلوبی سے میسر آئے اس صورت میں بھی داخلہ مدینہ پہلے مذکور ہے اور مکہ سے نکلنا بعد میں ــــ سو بایں طور بھی یہ اس بات کی خبر ہے کہ آپ کے لیے ہر نئی منزل پہلے سے بہتر ہوگی اور یہ بات پہلے سے قرآن کریم میں کہہ دی گئی تھی۔

ما ودعک ربک وما قلی ٥ وللاٰخرة خیرلک من الاولی۔ (پ۳۰ الضحیٰ)

ترجمہ۔ تجھے تیرے رب نے چھوڑ نہیں دیا نہ وہ تجھ سے بیزار ہوا اور تیرے لیے ہر بعد کی گھڑی پہلے سے بہتر ہوگی۔

مکہ کی زندگی میں جب مسلمان نہایت بے کسی اور ناتوانی کی حالت میں تھے اس وقت اس فتح و کامرانی اور شاندار مستقبل کی خبر دینا اور اس کا کھلا بیان کیا صداقتِ قرآن پر ایک کھلی دلیل نہیں؟

④ مکّہ کے بعد مدینہ کے مخالفین کی پسپائی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے تو وہاں دو اسماعیلی قبائل اوس اور خزرج اور اسرائیلی قبائل بنو قینقاع بنو نضیر اور بنو قریظہ آباد تھے۔ اوس اور خزرج دونوں مسلمان ہو گئے اور اسرائیلیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امن سے رہنے کا معاہدہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی تبلیغ جاری رکھی اور انہیں آخرت کی پکڑ سے برابر ڈراتے رہے۔ ایک دن آپ نے بنو قینقاع کے بازار میں ایک جلسہ کیا اور سچے دین کی دعوت دی اور فرمایا اگر تم نے سچ قبول نہ کیا تو تم بھی مکہ والوں کی طرح تباہی اور ہلاکت میں گر دو گے [1]

اس وعظ نے یہودیوں میں جلتی پر تیل کا کام دیا وہ پہلے سے مسلمانوں کی اس بہار پہ سخت نالاں اور پریشان تھے۔ اب انہیں حضورؐ سے کھلے بندوں توتو اور میں میں کا موقع مل گیا یہودیوں اور مسلمانوں کے اس اٹھتے تنازعہ میں قرآن کریم نے خبر دی۔

قل للذین کفروا ستغلبون و تحشرون الی جھنم و بئس المھاد۔

(پ۳ آل عمران ۱۲)

ترجمہ: آپ کافروں سے کہہ دیں عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور تم جہنم لے جائے جاؤ گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو خبر دی گئی کہ تم ان یہودیوں کے مقابلہ میں بھی جیتو گے اور وہ عنقریب مغلوب کیے جائیں گے۔

عنقریب سے مراد کیا ہے؟ بہت جلدی — ابھی اس جلسے کو زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ یہودیوں نے اپنے بازار میں ایک غریب مسلمان کو قتل کر دیا اور معاہدہ کی کوئی پروا نہ کی۔ بس پھر کیا تھا، معاہدہ ٹوٹ گیا اور اس کے ٹوٹنے کا وبال بھی انہی کے سر آیا۔

---

[1] رواہ ابن کثیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صـ

مسلمان بنو قینقاع کے محلے میں گئے تو یہ لوگ اپنے گھروں میں محصور ہو گئے اور جو قلعے انہوں نے بنا رکھے تھے ان میں مورچہ بند ہو گئے۔ یہ واقعہ بقول علامہ ابن خلدون جنگِ بدر سے صرف دو تین ماہ بعد کا ہے۔

مسلمانوں نے پندرہ روز تک محاصرہ قائم رکھا اور سولہویں دن یہودیوں نے اپنے قلعوں کے دروازے کھول دیئے اور وہ پیشگوئی جو قرآن کریم میں ان کے مغلوب ہونے کی کی گئی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سرداروں کو سزائے موت نہ دی لیکن مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور وہ خیبر جاکر آباد ہوئے اب ان کی تمام قوت خیبر میں جمع ہوئی۔

قرآن پاک کی مذکورہ بالا خبر کا اتنا جلد پورا ہونا صداقتِ قرآن کا ایک کھلا نشان ہے کہ جو کچھ کہا ہو کر رہا۔

قرآن کریم کا غیر معمولی جذب وعمل

قرآن کریم باوجودیکہ ایک کتاب ہے اور الٰہی کلام ہے جو انسانی زبان پر دن رات اترتا ہے مگر اس میں ایک عجیب جذب وعمل ہے جس کو مجذوب بھی نہ پا سکے اور معمول بھی نہ سمجھے اور یہ اس کی ایک غیر شعوری انجذابی تاثیر ہے۔

اس کے پہلے مجذوب وہ حفاظ کرام ہیں جو اس کی چند سطروں پر پہرہ وفا دینے کے لیے بیٹھے مگر پھر پوری کتاب یاد کر کے دم لیا۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ عمل مشقت آخر کس لیے ہے :۔

(۱) کیا دینی نقطہ نگاہ سے اسے یاد کرنا فرضِ عین ہے ؟ نہیں۔

(۲) غیر عرب مسلمانوں کے لیے جو اس کی زبان نہ سمجھیں اسے لفظاً لفظاً یاد کرنا کیا کوئی آسان کام ہے ؟ نہیں۔

(۳) جس کتاب میں بہت سے متشابہ ہوں جس کے الفاظ ملتے جلتے ہوں اسے یاد کرنا کیا کوئی آسان کام ہے ؟ نہیں

(۴) کیا حافظ کے لیے اس منزل کے تمام ہونے پر دنیا میں کوئی قومی انعام یا اعزاز موعود ہے ؟ نہیں۔

⑤ حفظ مکمل ہونے پر کیا اس کی روز روز کی مشقت ختم ہو جاتی ہے؟ نہیں ساری عمر اسے دہراتے رہنا ہوتا ہے۔

اتنی محنت اگر وہ کسی اور کاروبار پر لگائے یا دنیوی علوم پر لگائے تو کیا کچھ نہیں کما سکتا اور اور کون سا احساس پا نہیں سکتا — ان تمام حالات پر نظر رکھنے کے باوجود والدین جو بچے حفظِ قرآن کے لیے مدارس میں داخل کراتے ہیں ان کی تعداد ہر بڑے شہر میں سینکڑوں سے متجاوز ہے — ہر مدرسہ میں سب سے زیادہ تعداد انہی مجذوبین کی ہوتی ہے جنہیں قرآن اپنے غیر معمولی جذب و عمل سے اپنی طرف کھینچتا ہے۔

اس کے پیچھے کوئی دنیوی غرض نہیں یہ قرآن کریم کی ایسی کشش ہے کہ لاکھوں انسان یہاں مستقبل میں کوئی روشنی دیکھے بغیر اس کی طرف کھچے چلے آتے ہیں اور دن بدن ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے — کیا یہ قرآن پاک کی صداقت کا کھلا نشان نہیں؟ — فاعتبروا یا اولی الابصار۔

عرب کے اُمّی کی پیشکش

کتاب لکھنا اور پھر ایک نظریاتی کتاب لکھنا کوئی ایسا کام نہیں جو ہر نو آموز اور نوگرفتار کر سکے اس کے لیے سالوں کا تجربہ اور ایک پورا سازگار ماحول درکار ہوتا ہے جن لوگوں کو کبھی کسی موضوع پر قلم اٹھانا پڑا، وہ جانتے ہیں کہ پہلے بمشکل مسودہ تیار ہوتا ہے پھر اسے صاف لکھ کر مبیضہ بناتے ہیں، پھر لکھنے والے کے اپنے بدلتے خیالات اسے حک و اضافہ اور تبدیل و ترمیم کے بہت مشکل گذار رستوں میں لے جاتے ہیں تب کہیں جا کر کسی کتاب کے نقوش چمکتے ہیں — ظاہر ہے کہ ان تمام راہوں سے کوئی امّی نہیں گزر سکتا، خصوصاً جب کہ اس کی عمر نصف صدی کے قریب پہلے سے پہنچ چکی ہو۔

لکھنا پڑھنا ہمیشہ پڑھے لکھے لوگوں کا کام ہوتا ہے اور وہی ہیں جو اپنے قلم و کاغذ کو سنبھال سکتے ہیں، آنحضرتؐ اگر کسی درسگاہ میں لکھنا پڑھنا سیکھے ہوتے پھر بھی ان مخالفین کے لیے اس حک و اضافہ اور تبدیل و ترمیم کے مراحل دیکھنے کے یہ دیکھنے کا یارا نہ تھا کہ آپ اسے

(اس کلام کو) خود ترتیب دے رہے ہیں چہ جائیکہ آپ امی ہو کر ایک ایسا کلام لکھوا رہے ہیں جس میں کوئی سطر حک و اضافہ کی منزل سے نہیں گزرتی۔

ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورًا نهدی به من نشاء من عبادنا۔ (پ۲۵ شوری ۵۲)

ترجمہ۔ اور آپ نہ جانتے تھے کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان۔ لیکن کیا ہے ہم نے اسے ایک روشنی۔ راہ بتلاتے ہیں ہم اسے جسے چاہیں اپنے بندوں میں سے۔

وما کنت تتلوا من قبله من کتابٍ ولا تخطه بیمینك اذًا لارتاب المبطلون ۔ بل هو ایات بینٰت فی صدور الذین اوتوا العلم۔

(پ۲۱ العنکبوت ۴۸)

ترجمہ۔ اور آپ اس سے پہلے کوئی لکھا نہ پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے کچھ لکھ سکتے تھے ایسا ہوتا تو یہ جھٹلانے پر شک میں پڑ سکتے تھے بلکہ یہ تو آیتیں ہیں صاف صاف ان لوگوں کے سینہ میں جو علم دیئے گئے۔

پھر یہ کتاب ایک ایسے اسلوب style میں پیش ہوئی کہ اس اسلوب کی کوئی کتاب پہلے کہیں دیکھی نہ گئی تھی۔ یہ اس سٹائل کی پہلی اور آخری کتاب ہے۔ بصورت ظہور کیا خود اس کتاب کے الہامی ہونے کا نشان نہیں۔ قرآن کریم کی صداقت کا اس سے بڑا نشان اور کیا ہوگا؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

آنحضرتؐ پر قرآن کا حسی اثر

اپنے ترتیب دیئے ہوئے کلام کا اپنے اوپر کبھی کوئی حسی اثر نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب قرآن پڑھتے تو آپ پر خود اس کلام کا وہ اثر ہوتا کہ دیکھنے والے ایک لمحہ کے لیے اس تصوّر کو راہ نہ دے سکتے تھے کہ یہ کلام آپ کا اپنا بنایا ہوا ہوگا ایک پوری کی پوری رات آپؐ نے ایک آیت پر اسے بار بار پڑھتے گزار دی :۔

ان تعذّبھم فانّھم عبادك وان تغفرلھم فانّك انت العزیز الحكیم ۔[1] (پ۷ المائدہ ۱۱۸)

ترجمہ۔ اگر تو انہیں عذاب دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر تُو انہیں بخش دے تُو قوت رکھنے والا ہے اور حکمت والا۔

(۱) ایک دفعہ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو فرمایا مجھے قرآن سُناؤ آپ نے سُورۃ نساء پڑھنی شروع کی۔ جب حضرت عبداللہؓ اس آیت پر پہنچے :۔

فکیف اذا جئنا من كلّ امّة بشھید وجئنا بك علی ھٰؤلاء شھیدًا۔

(پ۵ النساء ۴۱)

ترجمہ۔ پھر کیا حال ہوگا جب بُلائیں گے ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اور بُلائیں گے آپ کو ان لوگوں پر گواہ۔

تو آپؐ نے فرمایا نہیں رُک جاؤ۔۔ اور آپ کے آنسو جاری تھے :۔

فاذا عیناہ تذرفان۔[2]

ترجمہ۔ اور آپ کی دونوں آنکھیں آنسو گرا رہی تھیں۔

(۲) تہجد کے وقت آپ اکیلے سوتے تھے عام طور پر پاس کوئی نہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ رات کے وقت حضرت مطرف بن عبداللہ بن الشخیرؓ آپ کے پاس سے گزرے۔ آپؓ کیا دیکھتے ہیں کہ آپؐ کا سینہ رونے کے باعث جوش مار رہا ہے جیسے دیگچی میں پانی اُبلتا ہو :۔

کان یصلّی ولجوفه ازیز کازیز المرجل من البکاء۔[3]

ترجمہ۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے رونے سے آپ کے سینہ سے ایسے آواز آرہی تھی جیسے ہنڈیا اُبل رہی ہو۔

(۳) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں ایک رات آپؐ اٹھے وضو فرمایا اور نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ آپ کہتی ہیں :۔

فلم یزل یبکی حتی بلّ حجرہ ۔ وکان جالسًا فلم یزل یبکی حتّی بلّ لحیته ۔ ثم بکی حتی بلّ الارض۔[4]

---

[1] رواہ النسائی مشکوٰۃ صہ ۱۰۷ [2] صحیح بخاری جلد ۶ صہ ۶۵۹ [3] رواہ ابوداؤد جلد صہ [4] ترغیب جلد ۲ صہ ۳۷۲

قیام میں اس قدر روئے کہ آپ کے آنسو سینہ مبارک پر بہہ گئے جلسہ فرمایا تو اس میں بھی روئے پھر سجدہ فرمایا تو سجدہ میں بھی اسی قدر روئے پھر سر اٹھایا اور مسلسل روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی، حضرت بلال حبشیؓ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لیے بُلایا، آپؓ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو جاری ہیں. عرض کی یا رسول اللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرما چکا آپؐ نے فرمایا کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں. آج کی رات مجھ پر یہ آیۃ اُتری ہے:۔

ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار الآیۃ (پ۴ آل عمران ۱۹۰)

آپ نے فرمایا اس شخص کا کیسے بھلا ہوگا جس نے اس آیت کو پڑھا اور اس میں غور و فکر نہ کر سکا۔[1]

کلام الٰہی کا آپ پر حسًا یہ اثر ہو رہا ہے کہ یہ کلام اللہ کا ہے آپ کا اپنا بنایا ہوا نہیں۔ اپنے تالیف کردہ کلمات کبھی اپنے آپ پر یہ اثر نہیں چھوڑتے خصوصًا جب کہ اس کے پیچھے جھوٹ کا مجرمانہ احساس ہو. کیا اس قسم کے واقعات صداقتِ قرآن کے کھُلے نقوش نہیں؟ ــــ آنکھوں والو عبرت حاصل کرو۔

وحی اُترتے وقت سردی میں پسینہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی مجمع عام میں بھی وحی آجاتی ــ سخت سردی کا موسم ہوتا تو اس میں آپ کے رخسار پر پسینے کے قطرے نظر آنے لگتے. ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کہتی ہیں:۔

لقد رایتہ ینزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنہ وان جبینہ لیتفصد عرقًا[2]

ترجمہ میں نے آپ کو سخت سردی کے دن میں وحی اُترنے کی حالت میں دیکھا. وحی کی حالت جاتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا.

---

[1] رواہ ابن حبان فی صحیحہ [2] صحیح البخاری جلد ص

کیا یہ صداقتِ قرآن حقانیتِ وحی اور صدقِ رسول کے کھلے نشانات نہیں؟ پسینے کی آمد غیر اختیاری ہوتی ہے خصوصاً جب کہ گرمی کا موسم نہ ہو۔ تصنع اور بناوٹ سے تو پسینہ نہیں اُتارا جا سکتا۔

وحی اُترتے وقت کلام کا ثقل اور بوجھ

کلام کا ثقل و بوجھ خود آپ کے بدن مبارک کو متاثر کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو تیار کر رکھا تھا انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً اور وحی سے آپ کا وزن اس قدر بڑھ جاتا گویا یہ بدن پہاڑ ہو۔ ایک دفعہ آپ کا سر مبارک حضرت زید بن ثابتؓ کی ران پر تھا کہ وحی آنا شروع ہو گئی۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں:۔

کادت فخذی ان ترض۔[1]

ترجمہ۔ قریب تھا کہ میری ران بوجھ کے دباؤ سے ٹوٹ جاتی۔

حضرت ام المومنینؓ کہتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُونٹنی پر جا رہے تھے کہ وحی نازل ہونا شروع ہو گئی اُونٹنی بوجھ تلے دب کر بیٹھ گئی اور اسے کئی لوگوں نے دیکھا۔[2]

وحی اُترتے وقت چہرے کی رنگت

صفوان بن یعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد یعلیٰ نے حضرت عمرؓ سے عرض کی کہ جب کبھی آنحضرتؐ پر وحی آئے مجھے بھی وہ موقع دکھلا دیں۔ پھر ایسا اتفاق ہوا آپ مقام جعرانہ میں تھے کہ آپ پر وحی نازل ہونے لگی حضرت عمرؓ نے ایک کپڑے سے آپ کے چہرے کو ڈھانپ دیا اور یعلیٰ کو اشارہ کیا آگے آؤ ___ وہ آگے نکلے اور انہوں نے اپنا سر اس چادر میں داخل کیا جو حضورؐ کے چہرے پر تھی۔ آپ کہتے ہیں:

فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محمر الوجہ وھو یغط ثم سری عنہ۔[1]

ترجمہ۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کا چہرہ سُرخ ہو رہا ہے اور آپ خراٹے لے رہے ہیں پھر یہ کیفیت آپ سے جاتی رہی۔

---

[1] رواہ البخاری [2] رواہ البخاری دیکھئے معارف القرآن جلد ۸ صہ ۵۸۶

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

جب وحی کا نزول شروع ہوتا تھا تو پہلے ایک آواز گھنٹی کی سی آپ سُنتے تھے پھر اسی آواز میں بدون اعتماد خارج کے حرف اور کلمے خارج ہونے لگتے تھے اور وہ آواز تیز اور تند اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تاثیر کرتی تھی کہ آپ کے حواس ظاہری اور باطنی بالکل اس عالم سے منقطع ہو کے اس عالم کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور ایسی حالت آپ پر ظاہر ہو جاتی تھی جس طرح روح بدن سے کھنچتی ہے اور بدن کے تمام اعضاء کی روحیں کھنچ کے دماغ کی طرف جو فہم اور حافظہ کی قوت کا محل ہے چڑھ جاتی تھیں.... آپ کو پیشانی مبارک پر پسینہ آجاتا تھا اور آپ بے ہوش ہو جاتے تھے.... وحی نازل ہونے کے وقت اگر آپ اونٹ یا گھوڑے یا کسی اور جانور پر سوار ہوتے تھے تو وہ جانور گر پڑتا تھا مگر ایک اونٹنی خاص آنحضرتؐ کی جس کا نام عضباء اور قصواء تھا وہ گرتی نہ تھی لیکن اپنے پاؤں کو ٹیڑھا کر کے زمین پر ٹیک دیتی تھی اور گرتی نہ تھی.... اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی آنے کے وقت کسی کی ران پر تکیہ دیئے ہوئے تھے تو اس ران کے ٹوٹنے کا خوف ہوتا تھا اور آپ کا چہرہ مبارک سُرخ ہو جاتا تھا اور دَم چڑھنے لگتا تھا اس طرح سے اس کی آواز معلوم ہوتی تھی۔[2]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۰۸ جلد ۲ ص ۷۴۵ [2] تفسیر فتح العزیز ص ۳۱۸

قرآن کا سریعُ الاثر انقلاب

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ قرآن کریم کے انقلابی اثر کو دیکھنے کے لیے ملک عرب کے دو پہلے اور پچھلے دوروں پر نظر کریں۔

(۱) عرب قبل القرآن اور

(۲) عرب بعد القرآن

یہ بعد کی دنیا اگر واقعی ایک نئی دنیا ہے تو یہ قرآن کے سریع الاثر انقلاب کے باعث ہے

عرب قبل القرآن

عرب میں کوئی ملکی نظام نہ تھا۔ ملک میں ایک نظام باہمی ربط و اتحاد کے بغیر کبھی عمل میں نہیں آسکتا۔ عرب باہمی اختلافات اور باہمی تفوق کے احساس میں اتنے گھرے ہوئے تھے کہ وہ اپنے ہاں کوئی نظام قائم نہ کر سکتے تھے۔ قبائل کے اپنے اپنے حلقے اور ان کے اپنے اپنے سردار تھے عرب ایک محدود سا ملک تھا اس کے اردگرد کے عرب ممالک اردن عراق مصر شام فلسطین اور امارات ان دنوں عرب ممالک نہ تھے ابھی وسیع عرب دُنیا نہ بنی تھی۔

عرب میں کوئی ایک تعلیمی نظام نہ تھا۔ آس پاس کے علاقوں میں یہ لوگ اُمیّین (اَن پڑھ) کے نام سے مشہور تھے۔ مدینہ منورہ میں آباد یہودی قبائل انہیں اُمیین کہہ کر ذکر کرتے تھے اور خود یہ اہلِ کتاب (پڑھے لکھے) سمجھے جاتے تھے۔

نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی ۔۔۔۔ نہ یُونان کے علم و فن کی خبر تھی

پھر یہ کوئی زراعتی ملک نہ تھا۔ ایک وادِ غیرذی زرع ریگستان تھا نہ کوئی معدنی دولت تھی بنجر زمین تھی بڑے بڑے صحرا تھے جن میں بادِ سموم چلتی تھی جس میں اُونٹ تک اپنے نتھنے ریت میں چھپا لیتے تھے۔ اس وقت کسی کو علم نہ تھا کہ آئندہ یہ زمین کتنی معدنی دولت اُگلے گی اور کس طرح یہاں پٹرول کی نہریں دریافت ہوں گی۔

ان کے پاس صرف ریگستان کا جہاز (اُونٹ) تھا جن سے آبادیاں اِدھر اُدھر منتقل ہوتیں

اور کہیں تاجر سفر کرتے۔

بات بات میں یہ لڑ پڑتے اور سالہا سال ان کی جنگیں رہتیں۔ مدینہ کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج تھے اور دونوں ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے ان کے آپس میں قریب ہونے کا تصور تک پیدا نہ ہو سکتا تھا۔

اعتقادی جہالت اس درجہ بڑھی کہ پتھر کے بُتوں کی پرستش کرتے مختلف تھانوں پر ان کے نام کی قربانیاں کرتے۔

جانوروں کو بتوں کے نام پہ چھوڑتے اور اُڑتے پرندوں سے شگون لیتے تھے۔

اذا کان الغراب دلیل قوم — سیھدیھم طریق الھالکین

معاشرت اس قدر تباہ تھی کہ کئی لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے۔ عورت کا معاشرے میں کوئی مقام نہ تھا نہ وہ اپنے باپ کی وارث ہو سکتی تھی نہ خاوند کی۔ اسے ہمیشہ دوسرے درجہ کا شہری سمجھا جاتا تھا۔

بس ایک زبان تھی جس پر انہیں ناز تھا۔ اپنے سوا باقی ساری دنیا کو وہ عجمی کہتے تھے۔ شعر ان کا فکری شعور تھا اور حافظہ ان کا بلا کا ہوتا تھا۔ شراب ان کا نشہ تھا اور اسی حالت میں ہی وہ دُھت رہتے تھے۔

عرب بعد القرآن

اب عرب بعد القرآن کا جلوہ بھی دیکھیئے:۔

عرب جو اپنی پوری تاریخ میں اتحاد نا آشنا تھے اب ایک قوم ہو گئے۔ جو آپس میں دشمن تھے مدینہ سے لے کر مکہ تک سب ایک جان ہو گئے۔ قرآن کریم نے عرب کی اس بدلی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے:۔

واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم
فاصبحتم بنعمتہ اخواناً وکنتم علی شفا حفرۃٍ من النار فانقذکم
منھا۔ (پ ۴ آل عمران ۱۰۴)

ترجمہ۔ اور تم نعمتِ الٰہی یاد کرو جو تم پر ہوئی تم پہلے آپس میں دشمن تھے اللہ تعالیٰ
نے تمہارے دل جوڑ دیئے تو اس نعمتِ الٰہی سے تم بھائی بھائی بن گئے تم جہنم
کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے اس نے تمہیں وہاں سے کھینچ نکالا۔

قرآن کریم سے ان کو علم کی وہ دولت ملی کہ انہوں نے عرب کے پورے مضافات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہاں باقاعدہ علمی ادارے قائم ہو گئے اور افراد اور قوموں میں انصاف کرنے کے لیے عدالتیں قائم ہوئیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان دونوں دوروں کا مقابلہ کرتے ہیں۔

قد اتیٰ علینا زمان لسنا نقضی ولسنا هنالك ثم ان الله عزوجل قدر علینا
ان بلغنا ما ترون فمن عرض له منکم قضاء فلیقض بما فی کتاب اللہ[1]

ترجمہ۔ ہم پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ ہم عدالتیں قائم نہ کرتے تھے اور نہ ہم
اس کے اہل تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ہماری قسمت بدلی ہم اس مقام پر آئے کہ
تم دیکھ رہے ہو سو جب کبھی تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو فیصلہ قرآن
کریم سے کرنا۔۔۔ الحدیث۔

غور کیجئے جنہوں نے کبھی کوئی سلطنت نہ کی تھی وہ جہاں بان اور جہاں آرا ہوئے۔

غرض میں کیا کہوں تم سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں دار و جہاں گیر و جہاں بان و جہاں آرا

جہاں بیٹیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں وہاں بیٹی گھر کی عزت بنی۔ باپ کی شفقت ٹھہری اللہ تعالیٰ نے خود حضرت خاتم النبیینؐ کی نسل کو بیٹی سے باقی رکھا۔ عورت کو معاشرے میں ایک مقام ملا اسے پردے کی عزت دی گئی جس سے اشراف کی عورتیں پہچانی جاتی ہیں اسے باپ کی جائداد میں وارث قرار دیا گیا۔ آئندہ اس پر اپنے نان و نفقہ کی ذمہ داری نہ ہوتی تھی۔ اس لیے اسے لڑکے سے نصف حصہ دیا گیا۔ یہ وہ فطری رعایات تھیں جن کی طرف قلوب و اذہان بڑی جلدی سے کھچے چلے آتے۔ اخلاق سوز چیزیں شراب اور جوئے کو یکسر حرام ٹھہرایا گیا۔ مال و جان اور عزت ایک دوسرے کے لیے لائق تکریم ٹھہرائے گئے۔ حضرت خاتم النبیینؐ نے کھلا اعلان فرمایا کہ میری

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۰۵

بعثت اخلاقی بزرگیوں کی تکمیل کے لیے ہوئی ہے۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔

اور یہ بھی فرمایا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے جہاں یہ ذمہ داری بیان کی کہ آپ ان لوگوں پر قرآن کی آیتیں پڑھیں وہاں یہ ذمہ داری بھی آپ کے سپرد ہوئی کہ ایک ایسی قوم بنائیں جن کے دل پاک ہو چکے ہوئے ہوں — ایسا کیوں؟ یہ اس لیے کہ قرآن بے شک ایک عظیم کتاب ہے وحی الہٰی ہے مگر اس کے ساتھ اٹھنے والی ایک قوم چاہیئے جو اسے لے کر دنیا میں قرآنی انقلاب قائم کرے یہ عرب بعد القرآن کی حالت ہے۔ اب ذرا آگے چلیں اور دیکھیں کہ اس قوم نے کس وسعت جرأت اور ہمت سے اس دنیا کی جغرافیائی سرحدیں عبور کیں اور دنیا میں ایک خلافت کا نظام قائم کیا۔

قرآن کا پوری کائنات کو ایک نظام میں لانا

قرآن کریم نے بنی نوع انسان کی غایت آفرینش خلافتِ ارضی بیان کی ہے۔

واذ قال ربك للملئكة انی جاعل فی الارض خلیفه۔ (پ البقرہ)

ترجمہ۔ اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں زمین میں ایک خلیفہ بناؤں گا۔

اس زمین پر جہاں جہاں خدا کی خدائی کا چرچا ہے ضروری ہے کہ انسان خدا کی نیابت میں (جو خلافت کا حاصل ہے) وہاں قرآنی معاشرہ قائم کرے۔ پوری دنیا کو ایک نظام میں لانے کا تصور یہی قرآن کا نظریۂ خلافت ہے یہ تصور اس وقت دیا گیا جب دنیا قبائل علاقوں اور ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عرب میں ایک ایسی قوم تیار کرلی جو علم کا نور اور تزکیۂ قلب کی دولت رکھتی تھی تو اس قوم نے (مذہب کی اشاعت کے لیے نہیں) دنیا سے ظلم کا خاتمہ کرنے اور دادرا ایک اللہ کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے) انسانوں کی حکمرانی توڑنے کے جغرافیائی سرحدوں کو عبور کرنا چاہا اور بڑی ہمت اور استقامت سے وہ اس دشوار گزار گھاٹی کو عبور کر گئے۔

عرب کی یہ نوزائیدہ سلطنت دنیا کی دو عظیم متمدن سلطنتوں روم اور ایران سے بیک وقت ٹکرائی اور قیصر و کسریٰ کی یہ دو عظیم سلطنتیں اس نئی قوم کے آگے سرنگوں ہو گئیں۔ دیکھتے دیکھتے مسلمان یمن فلسطین عراق اور مصر و شام پر اپنا پرچم لہرانے کے لیے ان ممالک میں جا پہنچے اور خلافت کی وسعت سپین سے آگے جنوبی فرانس تک جا پہنچی۔ پھر ان ممالک میں مسلمانوں نے بادشاہی نہیں کی خدا کی نیابت میں خلافت کے ماتحت ممالک کو غلام ہونے کا تصور نہیں دیا امت مسلمہ کے ممبر ہونے کا یقین دلایا۔ خلافت کی بناء پر مسلمانوں کا عقیدہ مملکت یہ تھا۔

ہر ملک ملکِ ما است   کہ ملک خدائے ما است

مسلمان دنیا میں پہلی قوم ہے جس نے پوری دنیا کو ایک نظام میں لانے کا پروگرام پیش کیا یہ نظامِ عمل Code of life دنیا کو کس نے دیا؟ قرآن نے

صداقتِ قرآن کی اس سے زیادہ روشن دلیل اور کیا ہو گی کہ اس نے پوری دنیا کو ایک وحدت کا شعور دیا انسان کو زندگی کا شعور دیا اور مذہب کو صرف آخرت کی نجات کے لیے نہیں دنیا میں بھی اسے ایک باعزت اور باآبرو زندگی کا درجہ دیا اسے زندگی کا سبق (درسِ حیات) اور لائحہ عمل کہا — قرآن نے اس تصور کو ختم کرنے کے لیے کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دے اور جو بادشاہ کا ہے وہ بادشاہ کو دے   ایک عہد ساز کام کیا

پہلی کتابوں میں قرآن کی صداقت کے نشان

قرآن کریم میں پہلی کتابوں کے حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے نشانات میں ایک نشان یہ دیا گیا تھا۔

یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم (پ الاعراف ۱۵۷ کا جزو)

ترجمہ۔ وہ پیغمبر قوموں کے بوجھ اتارے گا اور وہ طوق (غلامی کے) جو ان پر ڈالے گئے انہیں اُتارے گا۔

قوموں کے بوجھ اتارنا اور انسانی غلامی کے طوق جو اُن کے گلے میں پڑے ہوئے تھے۔ انہیں کھولنا اسی پیغمبر کا کام ہو سکتا ہے جس کی رسالت بین الاقوامی ہو۔ پوری زمین پر اس کی عدالتیں

قائم ہوں اس کی آواز ممالک کے صرف اندر تک نہیں جزیروں تک پہنچے اور اس کے پاس ایک شریعت ہو جسے وہ نافذ کرے۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس بین الاقوامی شان کے پیغمبر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوئے ہیں جن کا دعوے ہے کہ آپ عرب و عجم اور ہر کالے گورے، اسود و احمر کی طرف بھیجے گئے ہیں اور للعالمین نذیراً آپ سب جہانوں کے لیے نذیر بن کر آئے

موجودہ بائبل جس شکل میں بھی ہے اس میں حضور کی رسالت کے یہ جلی نقوش جلی طور پر لکھے ہیں :۔

دیکھو! میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں، میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے میں نے اس پر اپنی روح ڈالی وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا وہ راستی سے عدالت کرے گا اور ماندہ نہ ہو گا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک عدالت کو زمین پر قائم نہ کر لے جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے۔

اندھوں کی آنکھ کھولے اور اسیروں کو قید سے چھڑائے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانے سے چھڑائے۔

اے سمندر پر گزرنے والو اور اس میں بسنے والو! اے جزیرو اور ان کے باشندو خداوند کے لیے نیا گیت گاؤ۔ زمین پر سر تا سر اسی کی ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد گاؤں اپنی آوازیں بلند کریں سلع کے بسنے والے گیت گائیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں وہ خدا کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اس کی ثنا خوانی کریں [1]

اس پیشگوئی میں یہ امور ملحوظ رکھیں :۔

---

[1] یسعیاہ باب ۴۲ ورس ۱۰

(۱) قیدار کا لفظ یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے صاحبزادے کا نام ہے۔

(پرانا عہد نامہ تواریخ ۱-۲)

اب آپ خود فیصلہ کریں قیدار کے آباد گاؤں شام میں ہوسکتے ہیں یا عرب میں جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مسکن بنا تھا۔

(۲) سلع بھی مدینہ منورہ میں معروف پہاڑ ہے۔

(۳) عدالت کو پوری زمین پر قائم کرنا یہ وہ تصور خلافت ہے جو اسلام نے دیا۔

یہ ایک بین الاقوامی نبوت کی خبر ہے۔ سمندروں پر سے گزرنا اور جزیروں کو آواز دینا کسی ایسے نبی کا کام نہیں ہوسکتا جو کسی ایک قوم یا کسی ایک نسل کے لیے بھیجا گیا ہو۔

پرانا عہدنامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بین الاقوامی نبوت کی اور عرب کے صحرازاروں کی بنو قیدار کی بستیوں کی، سلع پہاڑی کی، روئے زمین کی عدالتوں کی اور بستے جزیروں کی خبر دیتا ہے اور قرآن بتاتا ہے کہ قوموں کے بوجھ حضور خاتم النبیینؐ نے ہلکے کیے اور غلامی کے طوق اُن کے گلوں سے آپ نے اُتارے ایک بین الاقوامی دعوت دی اور تاریخ نے اس کی حرف بحرف تصدیق کی۔ کیا یہ قرآن کریم کی صداقت کے کھلے نشانات نہیں؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

یہ پہلی قوموں کی رو سے صداقت قرآن اور صدق رسالت کی خبریں ہیں — لیکن کن کے لیے جن کا دل ہو اور وہ ادھر کان لگا دے اور وہ خود اس پر گواہ ہو۔

صرف قرآن پیرایہ فطرت میں آسمانی آواز ہے

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے اور اس نے کائنات کو جو فطرت بخشی اس کے مطابق وہ یہاں اپنے بندوں کی زندگی چاہتا ہے۔ سو آسمانی کتاب وہی ہونی چاہیئے جو فطرت کے ان تقاضوں کے مطابق ہو۔ ہم یہاں ان کا ایک مختصر خاکہ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔

(۱) اس کی تعلیم ممکن العمل ہو امکانِ بشری سے باہر نہ ہو۔

(۲) اس کی تعلیم قانونِ فطرت کے مطابق ہو خلاف فطرت نہ ہو۔

(۳) اس کی تعلیم عقل انسانی سے ہم آہنگ ہو خلاف عقل نہ ہو۔

(۴) اس کے داعی اور اس کے ساتھیوں کا خود اس تعلیم پر پُورا عمل ہو۔
(۵) اس کا داعی جو لوگوں کو گناہوں سے بچنے کو کہے خود معصوم ہو۔
(۶) اس کی دعوت اور عمل میں قول و فعل کا تضاد نہ ہو۔
(۷) اس کا داعی خصائلِ حمیدہ اور صفاتِ پسندیدہ کا حامل ہو۔
(۸) فضائل چہار گانہ حکمت عدالت شجاعت اور عفت رکھتا ہو۔
(۹) اس کے داعی کا علم فراست کو اور عمل سخاوت کو پہنچا ہوا ہو۔
(۱۰) جتنا عروج ملتا جائے اتنا اور خدا کے آگے جھک جائے۔

یہ دس فطری تقاضے ہیں جو بنی نوعِ انسان کو قرآن کے گرد جمع کر رہے ہیں۔ پہلے ہندوستان کی پوری آبادی ہندو تھی۔ جب اسلام یہاں آیا اور یہاں کے لوگوں نے پیرایۂ فطرت میں یہ آسمانی آواز سُنی تو وہ بلا تردّد ادھر کھچے چلے آئے — یہ کیوں ؟ یہ اس لیے کہ ویدوں کی تعلیم فطرت کے تقاضوں کے مطابق نہ تھی ان کا فلسفہ مذہب لوگوں کو نفس کشی اور سادھوؤں کی سی زندگی پر لانا تھا۔ بدھوؤں کا مذہب بھی لوگوں کو بدھو بنانا تھا۔ عیسائیوں کی مذہبی تعلیم بھی رہبانیت (ترک دنیا) پر مبنی تھی۔

مذاہب کی اس کشمکش میں قرآن کی فطری دعوت کو دیکھیے کس طرح امارت کو فقیری کے پیرہن میں جگہ دی ہے ؎

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی — سماتی کہاں اس فقیری میں میری
یہ اعجاز ہے اک صحرا نشین کا — بشیری ہو آئینہ دار نذیری

اَب آپ دیکھیں کہ موجودہ انجیل کیا انسان کو وہ زندگی مہیا کرتی ہے جو فطرت کے ان تقاضوں کے مطابق ہو اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ جو یہاں گزری اپنے پیرایۂ عمل میں انسانوں کو کھینچتی ہے یا انہیں اپنے گھروں سے نکالتی ہے۔

ہماری بیان کردہ شرائط مذکورہ بالا میں پہلی شرط کو پھر سے دیکھیں اور پھر انجیل متی کی پانچویں اور چھٹے باب سے ان آیتوں کو پڑھیں :-

پس اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے۔ (باب ۵ آیت ۲۹)

میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ (باب آیت ۳۹)

اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے اور نہ اپنے بدن کا کہ کیا پہنیں گے۔ (باب ۶ آیت ۲۵)

اب آپ ہی سوچیں کیا یہ آسمانی آوازیں فطرت کے اس نظام کے مطابق ہیں جس پر خدا نے دنیا کو وجود بخشا۔ عیسائی پادری صلیبی جنگوں میں ان آیتوں کو چھپاتے پھرتے تھے اور کہتے تھے ان پر عمل کر کے کوئی کہاں زندہ رہ سکے گا۔ یہ صرف قرآن ہے جو انسان کو زندگی کا حق دیتا ہے۔ اور ایک باآبرو زندگی کا درس دیتا ہے۔

کھُلے تضاد کی ایک مثال

یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں نہیں بلکہ میں تلوار چلانے آیا ہوں۔

(انجیل متی باب ۱۰ آیت ۳۴)

یسوع نے اس سے کہا اپنی تلوار کو میان میں کر لے کیونکہ جو تلوار کو کھینچتے ہیں سب تلوار سے ہلاک کیے جائیں گے۔ (باب ۲۶ آیت ۵۲)

موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں زنا کی سزا رجم تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہہ چکے تھے:۔

یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں..... پس جو کوئی ان میں سے چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا..... وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔

(انجیل متی باب ۵ آیت ۱۷-۱۸)

پھر جب خود آپ کے پاس حد مارنے کا ایک کیس لایا گیا تو دیکھئے آپ نے کس طرح اس عمل سے پہلو تہی کی:۔

فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی.... یسوع نے کہا جو تم میں سے بے گناہ ہو وہی اس کے پہلے پتھر مارے..... ایک ایک کر کے

نکل گئے اور یسوع اکیلا رہ گیا اور عورت وہیں بیچ میں رہ گئی.... یسوع نے کہا میں بھی تجھ پر (تورات کا) حکم نہیں لگاتا پھر گناہ نہ کرنا۔
(انجیل یوحنا باب۸ آیت ۳-۱۳)

کچھ اندازہ کریں کیا اس کتاب میں قول وفعل کا کھلا تضاد نہیں ؟

یہ صرف قرآن کریم ہے کہ اس کے جملہ احکام لائق عمل ہیں اور جس پر یہ کلام مقدس نازل ہوا وہ سب سے بڑھ کر اس پر عمل کرنے والا تھا بلکہ بقول حضرت ام المومنینؓ آپ کی زندگی ہی قرآن تھی. یاد رکھیئے یہ صرف قرآن ہے جو فطرت کے مطابق ایک آسمانی آواز ہے اور ایک لائقِ عمل

قرآن دین و دنیا کی تقسیم نہیں بتاتا

قرآن یہ نہیں کہتا کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو یہ دین و دنیا کی تقسیم ہے اور بادشاہت خدا کے بالمقابل ہے یہ کھلا شرک ہے۔

اسلام دنیا کا مقابلہ دین سے نہیں آخرت سے کرتا ہے دین دنیا سے جدا نہ رہنا چاہیئے دنیا اور آخرت دو جہاں ہیں اور دین دونوں پر حاوی اور دونوں کو شامل ہے جب دنیا کے سلطنتی امور دین سے خالی رہ جائیں تو اس سے بڑی بربریت اور کیا ہوگی۔

؎ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

قرآن کریم نے انسانوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں اچھائی کا طالب بتایا۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف کعبہ میں ہر شوط (چکر) کے آخر یہ دعا مانگتے. حجر اسود کے سامنے آتے یہ مومن کی دعا کا نقطہ عروج ہے۔

قرآن کی صداقت کا یہ نہایت روشن پہلو ہے کہ اس نے دنیا کی زندگی کو بھی ایک آبرو بخشی اور موت کو انسانی زندگی کی انتہا نہیں بتلایا یہیں سے آخرت میں بہتر انجام پانے کی نیکیوں کی راہ بتلائی۔ اس سے زیادہ ہم صداقت قرآن پر اور کیا کہہ سکتے ہیں. فضائل قرآن کو بھی ساتھ ملالیں تو قرآن کی روشنی اور چمکے گی۔

فضائل القرآن

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :۔

یہی تو ایک چیز ہے جو ہمارے سامنے ہے ہمارے کان اسے سنتے ہیں اور ہماری ایمانی نبضیں اس کے ساتھ چلتی ہیں اور وہ مخلوق نہیں اور جو کچھ ہمارے ارد گرد ہے وہ مادہ ہو یا روح زمان ہو یا مکان جواہر ہوں یا اعراض وزن ہو یا حجم نبات ہوں یا جماد رنگ ہوں یا ڈھنگ پھول ہوں یا پھل ستارے ہوں یا سیارے زمین ہو یا آسمان سب مخلوقات ہیں۔ صرف قرآن کریم جسے ہم دیکھتے بھی ہیں مگر وہ مخلوق نہیں سنتے بھی ہیں مگر وہ مخلوق نہیں خالق کے کن کہنے سے یہ سب کائنات بنی سو اس کا کلمہ کن خود کیسے مخلوق ہو سکتا ہے کائنات تو اس کن کہنے کا نتیجہ ہے سبب cause اور نتیجہ effect میں فرق سامنے رکھیے۔

انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں مخلوق سے پردے میں ہے نہ عام کان اسے سن سکتے ہیں نہ یہاں کی آنکھیں اسے دیکھ پاتی ہیں نہ ہمارے حواس اس کا ادراک کرتے ہیں۔ وہ جہاں بھی نظر آتا ہے اپنی صفات کے جلووں میں اور جہاں بھی پہچانا جاتا ہے اپنی قدرت کے پردوں میں — حضرت علی المرتضیٰؓ نے بجا فرمایا۔

عرفت ربی — بفسخ العزائم۔

انسان کو جو کچھ اس دنیا میں نظر آتا ہے یا سنائی دیتا ہے یا انسان اسے محسوس کرتا ہے سب مخلوق ہے صرف ایک چیز ہے جو مخلوق نہیں۔ وہ ہمارے سننے میں آتا ہے دل کی دھڑکنیں اسے محسوس کرتی ہیں مگر وہ مخلوق نہیں وہ اللہ کا کلام ہے۔

قیامت کا زلزلہ دنیا کی ہمہ گیر تباہی ہے یہ صرف مخلوقات پر آئے گی قرآن اس کی زد میں نہ ہوگا قرآن کے الفاظ پہلے اٹھا لیے جائیں گے اوراق خالی رہ جائیں گے اور ان میں کچھ نظر نہ آئے گا — آج ہم اس کے اختصاصات فضائل اور کمالات واثرات کا کچھ ذکر کرنے کے لیے جمع ہیں

اور مخلوق سے قرآن کا حق بیان ہی کیا ہو سکتا ہے۔

عمرم تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ماہمچنیں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

① انسانوں اور خدا تعالیٰ کے مابین وصل و ربط

اللہ تعالیٰ کی ذات باقی اور ہمیشہ رہنے والی ہے اور انسان فانی اور ہر دم تغیر پذیر ہے اللہ تعالیٰ غنی اور مالک و مختار ہے اور انسان ہمہ تن محتاج۔ وہ ذات قدیم ہے اور یہ حادث —— اب باقی و فانی میں جوڑ لگے تو کیسے غنی و محتاج میں ربط آئے تو کیسے —— دیوار بھی اشتہار قبول نہیں کرتی جب تک درمیان میں کوئی چیز اسے جوڑنے والی نہ ہو حالانکہ دونوں جسمانی چیزیں ہیں اور دونوں ٹھوس۔

باقی و فانی اور غنی و محتاج میں تو نسبت تباین ہے اس خلیج کو کون پاٹ سکتا ہے ؟ اللہ رب العزت نے خود اس کا انتظام فرمایا ہے۔ اپنے بندے پر اپنا کلام اُتارا — اس کے منہ میں اپنا بول ڈالا —— وہ قرآن ہے جو مخلوق کو خالق سے جوڑ سکتا ہے اور انسانوں کو خدا سے ملاتا ہے اور اسے اس سے ملنے کی خبر دیتا ہے۔ باقی و فانی میں یہی ایک جوڑ ہے۔

② واحد الہامی کتاب جس کی زبان زندہ ہے

اس وقت جو الہامی کتابیں مختلف مذاہب میں الہامی مانی جاتی ہیں ان میں قرآن کریم واحد کتاب ہے جس کی زبان زندہ ہے۔ تورات کی زبان عبرانی تھی Hebrew عبرانی دنیا کے کسی حصے میں نہیں بولی جاتی۔ انجیل کی زبان یونانی تھی اب وہ بھی دنیا کے کسی حصے میں نہیں بولی جاتی۔ جو بولی کسی کو سمجھ میں نہ آئے اسے dead language کہتے ہیں۔ اوستا Avesta ۔۔۔ ایک مردہ زبان ہے دنیا میں کہیں بولی نہیں جاتی۔ زبور سریانی ۔ ب ی ن ی وہ بھی نہیں بولی نہیں جارہی۔ ویدوں کی زبان سنسکرت بھی دنیا کے کسی حصہ میں بولی نہیں جارہی۔ پہلے بھی یہ صرف سنتوں saints کی بولی تھی اسے دوسرے بول نہ سکتے تھے۔ کِرت بولی کو کہتے ہیں سَنس کِرت

کا معنی ہے سُنسوں کی زبان۔ وید سنسکرت میں ہیں انہیں صرف برہمن ہی پڑھ سکتے تھے۔

قرآن واحد الہامی کتاب ہے جس کی زبان دنیا میں ایک زندہ زبان ہے اور وہ ایک ملک میں نہیں دنیا کے کئی ملکوں میں بولی جاتی ہے۔

۳ واحد الہامی کتاب جو ایک کتاب کہلا سکتی ہے

یہودیوں کے پاس ایک تورات نہیں پرانا عہدنامہ Old testament. ہے جس میں تورات کے ساتھ اور بیسیوں صحیفے موجود ہیں وہ ایک کتاب کے پیرو نہ رہے۔ عیسائیوں کے پاس ایک انجیل نہیں New Testament ہے جس میں چار انجیلیں اور کئی خطوط ہیں۔ جب عیسائیوں کو کہا جاتا ہے کہ وہ انجیل پیش کرو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پڑھتے تھے وہ اپنی ایک کتاب پیش نہیں کر سکتے۔ متی مرقس لوقا اور یوحنا نے حضرت مسیح کے جو حالات اور کلمات جمع کیے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی حدیثیں ہیں۔ یہ ان کی صحاح اربعہ اپنی مرکزی آسمانی کتاب انجیل مسیح کے بغیر ہیں جس طرح مسلمانوں کے پاس صحاح ستہ کے علاوہ قرآن مجید ہے ان کے پاس صحاح اربعہ کے ساتھ کوئی ایک آسمانی کتاب نہیں۔

ہندوؤں کے پاس بھی چار وید ہیں۔ رگ وید۔ رام وید۔ یجر وید۔ اتھر وید — یہ چار کتابیں ہیں ایک کتاب نہیں کتنی تعجب خیز یہ بات ہے کہ ایک امت اور ایک قوم کے پاس ایک آسمانی کتاب نہ ہو۔ نہ ان کے مذہبی اعمال کسی ایک آسمانی رہنما کے گرد جمع ہوں۔ قرآن کریم واحد الہامی کتاب ہے جو ایک پیغمبر پر اتری ایک کتاب کہلا سکتی ہے اور ایک امت بنا سکتی ہے۔

۴ واحد الہامی کتاب جو ہر ملک میں اصل زبان میں پڑھی جاتی ہے

قرآن کریم واحد الہامی کتاب ہے جو دنیا کے ہر ملک اور ہر خطے میں، عربی جاننے والوں میں اور نہ جاننے والوں میں اپنی اصل زبان میں برابر پڑھی جا رہی ہے۔ مسلمان جہاں بھی ہیں وہ نماز عربی زبان میں پڑھتے ہیں۔ ان کی اذانیں عربی میں ہوتی ہے۔ اسلام میں داخلہ عربی کلمے کے ذریعہ ہوتا ہے انگلینڈ اور امریکہ میں اناجیل انگریزی میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ اپنی عبادتگاہوں churches میں

انگریزی میں عبادت کرتے ہیں۔ انجیل ان کے ہاں اپنی اصلیت کھو چکی ہے۔ ہندو پرارتھنا ویدوں کی اصل زبان میں نہیں۔ ہندی میں ہوتی ہے۔ مسلمان قرآن کریم کے تراجم کو translation of the Quran کہنے میں قرآن نہیں سمجھتے۔ قرآن صرف وہی ہے جس کا لفظ لفظ وحی ہے اور وہ عربی میں ہے۔

⑤ واحد الہامی کتاب جو لاکھوں انسانوں کو یاد ہے

ہر قوم کو اپنی مذہبی کتاب سے بہت عقیدت ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو جو عقیدت قرآن کریم سے ہے وہی عقیدت عیسائیوں کو اناجیل سے ہوگی، ہندوؤں کو اپنے ویدوں سے ہوگی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا ہندو نہ ملے گا جسے کوئی ایک وید زبانی یاد ہو، کوئی ایسا سکھ نہ ملے گا جسے کوئی حصہ گرنتھ زبانی یاد ہو، کوئی ایسا عیسائی نہ ملے گا جسے کوئی ایک انجیل زبانی حفظ ہو۔ اس کے برعکس دنیا کے ہر خطے میں سینکڑوں مسلمان ایسے ہیں جو قرآن مجید عربی زبان میں پورا یاد کیے ہوئے ہیں۔ اور اسلامی ممالک میں تو ایسے لوگ لاکھوں پائے جاتے ہیں جو قرآن کریم کے حافظ ہوں۔

پھر مسلمانوں میں ایک ایسا مہینہ آتا ہے جس میں ان حفاظ کرام کا عملی امتحان ہوتا ہے۔ جب وہ پورا رمضان تراویح میں اپنے اس حفظ کا مظاہرہ کرتے ہیں اور پیچھے کھڑے ہونے والوں میں بھی حفاظ ہوتے ہیں جو اس کی کسی بھول پر اسے روکتے ہیں — سو قرآن پاک واحد الہامی کتاب ہے جو اپنی اصل زبان میں لاکھوں انسانوں کو حفظ ہے۔ گو وہ عربی زبان والے نہ ہوں۔

⑥ واحد الہامی کتاب جس میں ایک جملہ انسانی کلام کا نہیں

جس طرح اناجیل اربعہ میں مؤلف اناجیل اپنی زبان میں بات کرتے ہیں اور حضرت مسیح علیہ کی تعلیمات اور ان کے حالات احادیث کی صورت میں بیان کرتے ہیں تورات پرانے عہد نامے کی پہلی پانچ کتابوں کو کہتے ہیں ان کا مصنف حضرت موسیٰ کو بتایا جاتا ہے ان میں بار بار آتا ہے موسیٰ نے کہا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح پرانے مصنفین اپنے نام سے کتاب کو شروع کرتے تھے اس کے برعکس قرآن پاک میں ایک جملہ انسانی کلام کا نہیں پایا جاتا۔ یہ سارے کا سارا کلام الہٰی ہے بے شک یہ سورتوں

میں منقسم ہے مگر ہر سورت کلامِ الٰہی ہے۔ پارہ نمبر اوپر علیحدہ لکھا جاتا ہے اور رکوع کے نشانات حاشیے پر ہوتے ہیں۔ یہ بے شک کلامِ الٰہی نہیں مگر چوکھٹے کے اندر جو عبارت ہے وہ ہمہ تن کلامِ الٰہی ہے۔

⑦ واحد الہامی کتاب جو پیش کرنیوالے سے متواتر منقول ہے

قرآن کریم کو دنیا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا اور آپ سے سینکڑوں لوگوں نے اسے پڑھا اور سُنا پھر ان سینکڑوں سے لاکھوں انسانوں نے اسے پڑھا اور سُنا اور اس وقت سے لے اب تک کہ چودھویں صدی کا اختتام ہے ہر دور میں اتنے لوگوں نے اسے اتصال سے پڑھا اور سُنا کہ کسی مستشرق اور غیر مسلم کو بھی اس سے انکار نہیں کہ یہ وہی کتاب ہے جسے اس پیغمبر عرب نے روشناس کرایا تھا۔

اس کے برعکس موجودہ اناجیل اپنے مصنفین سے تواتر کے ساتھ منقول نہیں۔ وید اپنے دیوتاؤں سے تواتر کے ساتھ منقول نہیں۔ اوستا زرتشت سے تواتر کے ساتھ منقول نہیں تورات پر کیسے گمنامی کے دور گزرے یہ کسی صاحبِ علم سے پوشیدہ نہیں۔ دنیا میں واحد الہامی کتاب جو اپنے پیش کرنے والے سے متصل اور متواتر طور پر منقول چلی آرہی ہے صرف قرآن ہے۔

⑧ واحد الہامی کتاب جس کی نظیر لانے سے دُنیا عاجز ہے

نزولِ قرآن کے وقت سے ہی قرآن کا یہ دعوےٰ چلا آرہا ہے کہ اگر یہ کلام انسانی اختراع ہے تو تم ایک ایسی سُورت بنا لاؤ۔ تاریخ گواہ ہے کہ کوئی اس کی مثل کلام نہ لا سکا، ورنہ مسلمانوں کے مخالف کسی حلقہ مشرکین میں اس کی شہرت ہوتی۔ قریش مکہ سب عرب عرباء تھے اور اس زمین میں بڑے بڑے شعراء تھے۔ اپنے ادب و بلاغت پر انہیں ناز تھا۔ بایں ہمہ سب کے سب قرآن کریم کی نظیر لانے سے عاجز رہے۔

اور تو اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرایہ بیان بھی قرآن کریم کے سٹائل کا نہ تھا جس نے مسلمانوں کے حدیث لٹریچر پر نظر کی اور پھر اس نے قرآن کریم کو بھی دیکھا۔ اس نے خود اعتمادی سے

کہاکہ یہ دو پیرائے کسی ایک زبان سے نکلے نہیں ہو سکتے۔ آگے چل کر اعجاز القرآن میں ہم اس پر ادر بحث کریں گے۔

⑨ واحد الہامی کتاب جو عبادت اور سیاست کی جامع رہی

دیگر الہامی کتابیں اپنے پیش کرنے والوں کے نزدیک صرف الہٰی ربط کا سامان ہیں جو بندے کو خدا کے ساتھ ہوتا ہے یہ تعلق عبادت ہے اور اسی پر یہ مضمون مرتب ہوتا ہے کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دے اور جو بادشاہ کا ہے وہ بادشاہ کو دے دو۔ دین و دنیا کی یہ تقسیم اسلام کے سوا ہر مذہب میں موجود ہے۔

اس کے برعکس قرآن کریم جس بندے کو عبدیت کی دہلیز پر لاتا ہے اسے خدا کے آگے جھکاتا ہے اسی طرح وہ بندہ کی تدبیر منزل اور مدنی سیاست اور دائرہ معاشرت میں انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔ خلافت اور ریاست کے پورے آداب بتلاتا ہے۔ عبادت اور سیاست میں خطِ متارکہ کا قائل نہیں۔

مستشرق نکلسن لکھتا ہے :۔

Islam allows no distinction between church and state; it is impossible to treat with the politics apart from religion.

The literary history of Arabs.

ترجمہ۔ اسلام عبادت گاہ کو سیاست سے فاصلے پر رکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔

⑩ واحد الہامی کتاب جو تاریخ میں انقلاب آفرین رہی

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہد نبوت کن حالات میں ختم ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات وادیٔ تیہ میں ہوئی جہاں ان کی قوم اپنے چالیس سالہ دورِ حرمان کو پورا کر رہی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف انہیں سولی کی سزا دینے کے لیے مقدمہ چل رہا تھا کہ ان کا عہد نبوت ختم ہو گیا۔ یہ حالات کس قدر انقلاب آفرین ہوں گے یہ آپ خود اندازہ کر لیں لیکن قرآن کریم نے اپنی دعوتِ انقلاب سے چند گنتی کے سالوں میں عرب کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور خلافتِ راشدہ

میں دیکھتے دیکھتے تمام قریب کے ممالک میں اسلام کا جھنڈا لہرایا گیا ___ سو یہ واحد الہامی کتاب ہے جو ایک قلیل امت میں سحر انگیز حد تک انقلاب آفریں رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کتاب کے بارے میں فرمایا :-

ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقوامًا ویضع بہ اٰخرین۔[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو اٹھاتا ہے اور کچھ قوموں کو بٹھاتا ہے۔

(۱۱) واحد الہامی کتاب جس نے پہلی کتابوں کو منسوخ کیا

وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقًا لما بین یدیہ من الکتاب و مھیمنًا علیہ۔

(پ ۶ المائدہ ۴۸)

ترجمہ۔ اور ہم نے اتاری آپ کی طرف کتاب سچائی کے ساتھ یہ تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے تھیں اور ان کی یہ نگہبان ہے۔

اس کتاب کو پہلی کتابوں کا مصدق بتلا کر اسے ان کا نگہبان ٹھہرایا جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کتابوں کے اب وہی مضامین باقی رہنے والے ہیں جن کا تکفل یہ کتاب کرلے باقی سب منسوخ۔ فرماتے ہیں ہم جو چاہیں منسوخ کریں اور جو چاہیں بھلا دیں۔ اب پہلے لوگوں کے پاس اصل کتابیں نہیں رہیں :-

یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عند اللہ فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون۔ (پ ۱ البقرہ ۷۹)

ترجمہ۔ وہ اپنے ہاتھوں کتابیں لکھ لیتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے۔

ماننسخ من اٰیۃٍ او ننسھا نأت بخیر منھا۔ (پ ۱ البقرہ ۱۰۶)

ترجمہ۔ جو آیت ہم منسوخ کردیں یا اسے بھلا دیں ہم اس کے بدلے اس سے بہتر لے آتے ہیں۔

---

[1] رواہ مسلم عن عمر بن الخطابؓ عن النبیؐ

حضرت یوسف علیہ السلام خدا کے پیغمبر ہیں حضورؐ کی رسالت کے دور میں ان کی بھی پیروی نہیں چل سکتی حضرت موسےٰ علیہ السلام اپنے وقت کے پیغمبر برحق ہیں مگر اس دور میں ان کی پیروی کی بھی اجازت نہیں وہ خود بھی اگر تشریف لے آتے تو انہیں حضورؐ کی پیروی پہ چلنا پڑتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

والذی نفسی بیدہ لو اتاکم یوسف وانا فیکم فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم۔ [1]

ترجمہ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تمہارے پاس یوسف علیہ السلام آجائیں اور میں تم میں موجود ہوں تم ان کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کا مطالعہ کر رہے تھے حضورؐ نے دیکھا تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا :-

لو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی رواہ احمد والبیھقی عن جابرؓ [2]

ترجمہ۔ اگر موسیٰ بھی (اس دنیا میں) زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی سے چارہ نہ تھا۔

لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیا و ادرک نبوتی لاتبعنی۔ [3]

ترجمہ۔ اگر موسیٰ تمہارے پاس آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو تو تم سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔ وہ خود بھی (یہاں) زندہ ہوتے اور میرا دورِ نبوت پالیتے تو میری پیروی کرتے۔

اس کے آگے ہے :-

انتم حظی من الامم وانا حظکم من النبیین [4]

ترجمہ۔ امتوں میں میرے حصے میں تم آئے ہو اور نبیوں میں تمہارے حصے میں میں آیا ہوں۔

---

[1] المصنف لعبد الرزاق جلد ۶ صفحہ ۱۱۴ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۳۰ [3] رواہ الدارمی مشکوٰۃ صفحہ ۳۲ [4] المصنف لعبد الرزاق جلد ۶ صفحہ ۱۱۳

(۱۲) واحد الہامی کتاب جس کا اپنا تعارف اس میں پورا ہے

۱۔ بھیجنے والے کا نام؟

وانزل اللہ علیک الکتاب۔ (پ۵ النساء ۱۱۳)

تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم۔ (پ۲۴ المؤمن ۱)

من اللہ العزیز الحکیم۔ (پ۲۳ الزمر ۱)

من الرحمٰن الرحیم۔ (پ۲۴ حم سجدہ)

ان سب آیات کا حاصل ہے کہ اس کا بھیجنے والا اللہ ہے جو عزیز ہے علیم ہے حکیم ہے اور رحیم ہے۔

۲۔ اسے آپ پر کون لایا؟

نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبك لتکون من المنذرین۔ (پ۱۹ الشعراء ۱۹۳)

نزّله روح القدس من ربك بالحق۔ (پ۱۴ النحل ۱۰۲)

نزله علیٰ قلبك باذن اللہ۔ (پ۱ البقرہ ۹۸)

اسے لانے والا روح القدس فرشتہ ہے وہ اپنے طور پر نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے لے کر آتا ہے۔

۳۔ یہ کتاب کس زبان میں ہے؟

بلسانٍ عربیٍّ مبین۔ (پ۱۹ الشعراء ۱۹۵)

کتاب مصدق لسانًا عربیًّا۔ (پ۲۶ الاحقاف ۱۲)

اس کی زبان ایک ہے اور وہ عربی مبین ہے۔ یہ کتاب کئی زبانوں میں نہیں۔

۴۔ یہ کتاب کس پر اتاری گئی؟

نزّل علیٰ محمّد وھو الحق من ربّھم۔ (پ۲۶ محمد ۱)

یہ کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی ہے اور وہ حق ہے اپنے رب کی طرف سے۔

۵۔ جس پر اُتاری گئی ہے اس کا منصب ؟

انك لمن المرسلين على صراطٍ مستقيم۔ (پ۲۲ یٰسین ۳)

آپ رسولوں میں سے ہیں کوئی جدی نوع نہیں جو اور رسولوں سے مختلف ہو۔

۶۔ کتاب کی حدودِ دعوت کہاں تک ؟

نزل الفرقان على عبده ليكون للعالمين نذيرًا۔ (پ۱۸ الفرقان ۱)

اس کتاب کی دعوت پوری دنیا کو شامل ہے۔ جب تک یہ جہان ہیں۔

۷۔ یہ کب اُترا ہے ؟

شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن۔ (پ۲ البقرہ)

رمضان کا مہینہ تھا جس میں وہ آتارا گیا۔

۸۔ کتاب انسانی دستبرد سے محفوظ رہے گی ؟

لا ياتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد۔

(پ۲۴ حم سجدہ ۴۲)

انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون۔ (پ۱۴ النحل ۹)

ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس کتاب کے نام کیا کیا ہیں ؟

۹۔ قرآن فرقان النور الذکر الکتاب الیقین

سب سے زیادہ مشہور نام قرآن ہے۔

ان هٰذا القرآن يهدى للتى هى اقوم۔ (پ۱۵ بنو اسرائیل ۹)

نوٹ : دوسری کسی الہامی کتاب میں اس کا اپنا تعارف اس تفصیل سے موجود نہیں ہے نہ ویدوں میں ان کا اپنا تعارف، نہ بائبل میں، نہ اوستا میں اور نہ کسی دوسری کتاب میں۔

ے لاکھ ستارے اک طرف ظلمت شب جہاں جہاں
اک طلوع آفتاب کوہ و دمن سحر سحر

⑬ واحد الہامی کتاب جس کی تعریف غیر مسلموں نے بھی کی

اپنی کتاب کی تعریف تو سبھی کرتے ہیں لطف یہ ہے کہ دوسرے اپنی کتاب کی تعریف کریں.

الفضل ما شهدت به الاعداء.

ہم آگے جا کر مستشرقین یورپ کے چند اقوال قرآن کریم کے بارے میں پیش کریں گے.

مدعی لاکھ یہ بھاری ہے گواہی تیری ___ یہاں ہم صرف چند نام دیئے دیتے ہیں.

⑭ واحد الہامی کتاب جو دورِ تاریخ سے تعلق رکھتی ہے

دیگر الہامی کتابیں زمانہ قبل از تاریخ سے تعلق رکھتی ہیں ان ادوار میں لکھنے پڑھنے کا شوق نہ تھا نہ ابھی کاغذ تیار ہوا تھا. ویدوں کا دور کئی ہزار سال پہلے کا بتایا جاتا ہے. تورات کی تختیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتھروں پر لکھی ہوئی ملی تھیں آپ پڑھ تو سکتے تھے لکھ نہ سکتے تھے. ابھی ثقافت نے ترقی نہ کی تھی. تاریخ اس وقت ایک تاریک دور سے گزر رہی تھی.

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو زمانہ تمدن کی ایک کروٹ لے چکا تھا. یہ دور تاریخ کا آغاز ہے اور کاغذ گو کمیاب تھا مگر وجود میں آچکا تھا. حضرت زرتشت کی اوستا بھی زمانہ قبل از تاریخ سے تعلق ہے. قرآن کریم واحد الہامی کتاب ہے جو دورِ تاریخ سے تعلق رکھتی ہے.

⑮ واحد الہامی کتاب جس نے پہلے مذہبی پیشواؤں کو عزت بخشی

قرآن کریم میں سورۃ الانعام میں حضرت ابراہیم حضرت اسحٰق حضرت یعقوب ___ پھر حضرت داؤد حضرت سلیمان حضرت ایوب حضرت یوسف ___ اور پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون ___ پھر حضرت زکریا و حضرت یحییٰ ___ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس ___ اور پھر حضرت اسمٰعیل حضرت الیسع حضرت یونس اور

حضرت لوط علیہم السلام کا ذکر آیت ۸۳ سے ۸۶ تک مسلسل آتا ہے۔

اور پھر فرمایا ان کے آباء ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں سے بھی ہم نے اپنے بندے چُنے انہیں صراطِ مستقیم کی راہ دکھائی اور انہیں کتاب و حکم اور نبوّت سے سرفراز فرمایا۔

پھر آخر میں فرمایا :۔

اولٰئِكَ الذِین هدی الله فبهداهم اقتد ہ۔ (پ الانعام ۹۰)

ترجمہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے راہ پر لگایا آپ بھی انہی کے رستے پر لگے رہیں۔

قرآن کریم نے جس شاندار پیرائے میں حضورؐ سے پہلے کے مذہبی پیشواؤں کو تکریم بخشی ہے اس قسم کا کوئی تسلسل ہمیں دوسری الہامی کتابوں میں نظر نہیں آتا۔ بائبل میں پہلے انبیاء کا ذکر جس دلآزار پیرائے میں کیا گیا ہے اسے نقل کرتے ہوئے طبیعت پر بہت بوجھ آتا ہے مثلاً :۔

(۱) کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ (حضرت نوح) کو برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آکر خبر دی۔[۱]

(۲) کتاب پیدائش میں یہ بھی ہے :۔

انہوں نے رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ (حضرت لوط علیہ السلام) سے ہم آغوش ہوئی اس پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا۔۔۔ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں۔[۲]

(۳) حضرت یعقوب علیہ السلام کو کہا گیا :۔

تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کیونکہ تُو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی۔[۳]

بھلا کوئی خدا سے زور آزمائی کر سکتا ہے؟ اور پھر نبی یہ آپ سوچیں۔

(۴) اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بُلایا وہ اس کے پاس آئی اور اُس نے اس سے

---

[۱] کتاب پیدائش باب ۹ ورسز ۲۰-۲۲ [۲] ایضاً باب ۱۹ ورسز ۳۰-۳۵ [۳] ایضاً باب ۳۲ ورسز ۲۴-۲۹

صحبت کی ..... پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہوگئی سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں [1]

ہم ان چار حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں، ہمارے قارئین جان چکے ہیں کہ بائبل اپنے سے پہلے مذہبی پیشواؤں کا کس طرح ذکر کرتی ہے اور قرآن کریم اپنے سے پہلے انبیاء کا کس اکرام سے ذکر کرتا ہے اب آیئے اس پہلو سے ذرا مقدس ویدوں پر بھی نظر ڈالیں۔

ہندو اپنے دین کا بڑا پیشوا برہما کو سمجھتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ چاروں وید پرمیشر کا کلام ہیں اور وہ عالم ظاہر میں برہما کی زبان سے ظاہر ہوئے ہیں، شاستر ان ویدوں سے ماخوذ ہیں۔ ہندو دھرم میں مذہبی پیشواؤں کا مقام کیا ہے اسے ان کے لٹریچر میں دیکھئے:

مہابھارت کے پہلے باب میں ہے :-

"برہما سارے دیوتاؤں کا اُستاد ہے، مہادیو (بڑا دیوتا) برہما کے دونوں ابروؤں سے پیدا ہوا، برہما نے ہی کام دیو کو بنایا، کام دیو کا ظہور شہوت کی صورت میں ہوا اور محل شہوت (عورت) بھی برہما نے بنایا، کام دیو نے برہما سے بخشش مانگی کہ وہ جس کے دل میں جا گھسے اس کی عقل ماری جائے، کام دیو کو یہ مقام دے دیا گیا"

بھگوت گیتا میں ہے :-

"پہلے برہما نے سارستی اپنی بیٹی بنائی اور کام دیو کو بھی بنایا ..... کام دیو برہما کے دل میں جا گھسا اور برہما کی عقل ماری گئی اور شہوت غالب ہوئی یہاں تک کہ خود اپنی بیٹی سے جماع کا قصد کیا، سارستی شرم و حیا کی وجہ سے ایک طرف کو پھر گئی۔ اس طرف برہما کی صورت میں ایک اور منہ ظاہر ہو گیا اور نظر بد کرنے لگا، سارستی پیچھے کو ہو گئی اس طرف برہما کا ایک اور منہ ظاہر ہو گیا اور وہ سارستی کو اس منہ سے سے گھورنے لگا ..... برہما کے چار منہ اس وقت سے ہیں اور اسی وجہ سے برہما کو چترمکھ کہا جاتا ہے۔

---

[1] سموئیل ۲ باب ۱۱ ورسز ۲-۵

سارستی زمین غائب ہو کر بھاگنے لگی جب باہر نکل کر دوڑی برہما بھی اس کے پیچھے بھاگا۔۔۔ جب دیوتاؤں میں اس کے چرچے ہوتے تو مہادیو نے اس گناہ کے بدلے برہما کا ایک سر اوپر کا کاٹ دیا۔ اس گناہ کی شامت سے برہما کی پوجا موقوف ہوئی اور دوسرے دیوتا پوجے جانے لگے پر برہما کو پوجا نہیں جاتا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک بار برہمانے پاربتی سے جو مہادیو کی بیوی تھی آشنائی کی تھی۔۔۔ سارستی نے پاربتی کی صورت اختیار کرلی (جو کبھی ظاہر ہوتی اور کبھی غائب ہو جاتی ہے)۔

اور میتہ پران میں ہے :۔

برہمانے اپنی بیٹی کو جورو بنا کر ستر برس تک رکھا۔

مذہبی پیشواؤں کا یہ نقشۂ عمل جو ویدوں میں ملتا ہے انتہائی حیاسوز ہے۔ دُنیا میں ندیاں زمین پر ہی اُبھرتی ہیں اور پھر کچھ فاصلوں پر زمین میں ہی جذب ہو جاتی ہیں۔ ہندو عقیدے کے مطابق یہ برہما کی بیٹی سارستی ہے جس نے ندی کا روپ دھار لیا تھا اور کہیں چھپی اور کہیں ظاہر ہوئی تھی اب اس کی تو پوجا ہوئی لیکن برہما کی پوجا نہیں کیونکہ وہ کام دیو کے گناہ کا شکار ہو گیا تھا۔

ہندوؤں کے بامن پران کی یہ عبارت بھی دیکھیں :۔

برہمانے مہادیو کے ذکر کی انتہا نہ پائی اور جھوٹ کہہ دیا کہ میں نے مہادیو کے لنگ کی مقدار دریافت کرلی ہے اس وجہ سے اس کی عبادت موقوف ہوئی۔[۱]

گویا پوجا جانے کے لائق وہی ہے جو مہادیو کے لنگ کی انتہا کو پاچکا ہو۔ ہندوو! خدا کی خدائی معلوم کرنے کے لیے کیا یہی تمہارا پیمانہ فکر ہے؟

ہندوؤں نے یہ بھی لکھا ہے کہ :۔

برہما شراب پیتا تھا ایک رات اپنے۔۔۔ کو ناپنے لگا اور جب اس کی انتہا نہ پائی تو برہمانے جان لیا کہ یہی میرا مالک اور خالق ہے جس کی انتہا نہیں اور اس کی پوجا شروع کر دی۔

---

[۱] ماخوذ از تحفۃ الہند صفحہ ۹۰

قارئین! یاد رکھیئے کہ ہندوؤں میں لنگ پوجا یہیں سے شروع ہوئی تھی۔ اس قسم کی باتیں جب مسلمان ان کی کتابوں سے پکڑتے ہیں تو بسا اوقات ہندو پنڈت کہتے ہیں کہ برہما سامرتھی تھا اور سامرتھی کو گناہ نقصان دہ نہیں ہوتا۔ سامرتھی کا معنی انتہائی بلند و بالا ذات کے ہیں جو بڑا قدرت والا ہو اور کسی کے سامنے جواب دہ نہ ہو۔

اس پر ہم ان پنڈتوں سے پوچھنے کا یہ حق رکھتے ہیں کہ اگر برہما واقعی سامرتھی تھا اور اپنی بیٹی سے زنا کرنے میں واقعی قصور وار نہ تھا تو پھر مہادیو نے اس کا ایک سر کیوں کاٹ دیا تھا اور پھر اُس کی پوجا کیوں موقوف کر دی گئی تھی۔

اس وقت ہمارا موضوع ویدوں، شاستروں اور پرانوں کی تنقیح نہیں۔ ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جن کتابوں میں خدا کے فرستادہ رشیوں کا یہ تعارف ہو، کیا وہ کتابیں آسمانی کتابیں سمجھی جا سکتی ہیں۔ وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم دی ہے کبھی اس بات کو باور نہیں کر سکتے کہ برہما بڑا دینی پیشوا بھی ہو اور اپنی بیٹی کے بارے میں اس کے دل میں کام دیو گھسا ہوا ہو اور وہ رات سوتے اپنے . . . کی پیمائش کرتا رہتا ہو۔

یہ صرف قرآن کریم ہے جس میں انبیاء کرام اور خدا کے بھیجے رہنماؤں کا ذکر پوری پاکیزگی سے ملتا ہے گناہ سے نہایت نیچے کا ایک لفظ خطا ہے یہ اس صورتِ گناہ کا نام ہے جس میں نیت شامل نہ ہو۔ اسلام میں پیغمبروں سے کوئی خطا ظاہر ہو تو وہ اس پر بھی باقی نہیں رکھے جاتے عصمت نبوت انہیں اس سے بھی پاک کر دیتی ہے وہ حضرات خود گنہگار کیسے ہو سکتے ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ خود بنی نوعِ انسان میں اخلاقی بزرگیوں کی تکمیل چاہتے ہوں اور حضور پیغمبر اسلام تو صاحبِ شفاعتِ کبریٰ ہیں۔ دوسروں کی شفاعت وہی کر سکتا ہے جو خود گناہگار نہ ہو۔ سو عقیدہ شفاعت کو عقیدہ عصمت نبوت لازم ہے۔ یہ اسلام میں نبوت کا مقام ہے۔

فضائل قرآن قرآن کی روشنی میں

(۱) الم ۰ ذٰلک الکتاب لاریب فیہ ھدًی للمتّقین۔ (پ۱ البقرہ ۱)

ترجمہ۔ اس کتاب میں کچھ شک نہیں، راہ بتاتی ہے ڈرنے والوں کو۔

(۲) انّ ھٰذا القراٰن یھدی للتی ھی اقوم ویبشّر المؤمنین الذین یعملون الصّٰلحٰت
ان لھم اجرًا کبیرا۔ (پ۱۵ بنو اسرائیل ۹)

ترجمہ۔ یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو عمل کرتے ہیں اچھے کہ ان کے لیے ثواب ہے بڑا۔

(۳) ھدی للنّاس وبیّنٰت من الھدٰی والفرقان۔ (پ۲ البقرہ ۱۸۵)

ترجمہ۔ قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی۔

(۴) وننزّل من القراٰن ماھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۲)

ترجمہ۔ اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں جس سے بیماریاں دور ہوں اور رحمت ہو ایمان والوں کے لیے۔

(۵) واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض من الدمع ممّا عرفوا
من الحق۔ (پ۷ المائدہ ۸۳)

ترجمہ۔ اور جب وہ سنتے ہیں اس کو جو اترا رسول پر تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو آنسوؤں سے ابلتی اس لیے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا۔

(۶) قل ھو للذین امنوا ھدًی وشفاء۔ (پ۲۴ حم سجدہ ۴۴)

ترجمہ آپ کہہ دیں کہ یہ ہدایت ہے ایمان والوں کے لیے اور ہے بیماریوں کو دور کرنیوالی۔

القراٰن ھو الدّواء۔ (الجامع الصغیر صہ) یہ دوا امراضِ روحانیہ اور جسمانیہ دونوں پر اثر کرتی ہے۔ (فیض القدیر جلد۴ صہ۵۶۳)

(۷) قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین یھدی به اللہ من اتبع رضوانه.

(پ۶ المائدہ ۱۶)

ترجمہ. بیشک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کھلی کتاب اس ایک سے اللہ ہدایت کرتا ہے اسے جو تابع ہوا اس کی رضا کے.

(۸) ھو الذی ینزّل علٰی عبدہ اٰیاتٍ بیّنٰت لیخرجکم من الظلمٰت الی النور.

(پ۲۷ الحدید ۹)

ترجمہ. وہ اتارتا ہے اپنے بندے پر آیتیں صاف صاف کہ وہ نکال لائے تمہیں اندھیروں سے اجالے میں.

(۹) لو انزلنا ھٰذا القراٰن علٰی جبل لرایته خاشعًا متصدّعًا من خشیة اللہ.

(پ۲۸ الحشر ۲۱)

ترجمہ. اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو آپ دیکھتے وہ دب جاتا اللہ کے خوف سے پھٹ جاتا.

(۱۰) کلّا انّھا تذکرہ فمن شاء ذکرہ. فی صحف مکرّمة مرفوعة مطھّرة بایدی سفرہ کرام بررہ. (پ۳۰ عبس ۱۲)

ترجمہ. یوں نہیں یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے اسے یاد کرے. لکھا ہے عزت کے ورقوں میں. اونچے رکھے ہوئے صاف ستھرے. ان لکھنے والوں کے ہاتھوں میں جو بڑے درجہ کے نیکوکار ہیں.

(۱۱) رسولٌ من اللہ یتلوا صحفًا مطھّرة فیھا کتب قیّمه. (پ۳۰ البینہ ۲)

ترجمہ. ایک رسول ہے اللہ کا جو پڑھتا ہے ورق پاک لکھی ہیں اس میں کتابیں محفوظ.

(۱۲) الم یأن للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق. (پ۲۷ الحدید ۱۶)

ترجمہ. کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں پر کہ گڑ گڑا پڑیں ان کے دل اللہ کی یاد سے اور اس سے جو اترا سچا دین.

فضائل قرآن احادیث کی روشنی میں

(۱) حضرت ابو سعید الخدریؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
فضل کلام اللہ علی سائر الکلام کفضل اللہ علی خلقہ۔[۱]
ترجمہ۔ اللہ کا کلام دوسرے ہر کلام پر وہی فضیلت رکھتا ہے جو اللہ کی فضیلت اس کی ساری مخلوق پر ہے۔

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم مخلوق نہیں یہ اللہ کی صفت کلام کا ظہور ہے۔

(۲) سیدنا حضرت عثمانؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
خیرکم من تعلّم القرآن و علّمہ۔[۲]
ترجمہ۔ تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرے اور وہ جو قرآن پڑھائے۔

صحابہ کرامؓ نے اپنے اگلوں کو قرآن پڑھایا وہ خیر امت ہو گئے خیر القرون کہلائے اور پھر جوں جوں خیر آگے بڑھا لوگ تدریجاً خیر القرون بنتے رہے۔

(۳) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔
ان لکل شیء شرفاً یتباھون بہ وان بھاء امتی و شرفھا القرآن۔[۳]
ترجمہ۔ بے شک ہر چیز کا ایک شرف ہوتا ہے جس پر اس کے رکھنے والے فخر کرتے ہیں اور میری امت کی رونق اور اس کا شرف قرآن میں ہے۔

(۴) حضرت جابرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
القرآن شافع ومشفع وماحل مصدق من جعلہ امامہ قادہ الی الجنّۃ ومن جعلہ خلف ظھرہ ساقطہ الی النار۔[۴]
ترجمہ۔ قرآن وہ شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت سنی جائے وہ مناظر ہے جس کی بات مانی جائے جو اسے آگے رکھے گا اسے یہ جنت میں لے جائے گا

---

[۱] رواہ الدارمی والترمذی [۲] رواہ البخاری والدارمی [۳] رواہ ابونعیم فی الحلیہ [۴] رواہ ابن حبان

اور جو اسے پشت پیچھے رکھے اسے اتنا ہی وہ آگ میں گرائے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ تو یہاں تک آگے گئے ہیں کہ پشت پیچھے (مقتدی) کسی کو قرآن نہ پڑھنے دو اس کو آگے رکھو۔ یہ صرف امام کا مقام ہے کہ وہ قرآن پڑھنے مظروف ظرف کے تابع ہے مقتدی کا قرآن پڑھنا قرآن کو مقتدی کرے گا۔ اس کتاب کی شان ہے کہ یہ امام رہے مقتدی نہ بنے۔ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب اپنے وقت میں امام تھی۔ ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماماً ورحمۃ اور قرآن ہمیشہ کے لیے امام ہے۔

(۵) حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انکم لا ترجعون الی اللہ بشیء افضل بما خرج منہ یعنی القرآن۔[۱]

ترجمہ: تم اللہ کے حضور اس سے بہتر کوئی چیز نہیں لے جاسکتے سوا اس کے جو اس سے صادر ہوئی اور وہ قرآن ہے۔

(۶) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینھم الا نزلت علیھم السکینۃ وغشیتھم الرحمۃ وحفتھم الملئکۃ و ذکرھم اللہ فیمن عندہ۔[۲]

ترجمہ: مسجدوں میں سے کسی مسجد میں جب بھی لوگ قرآن پڑھنے کے لیے اکٹھے ہوئے اور اس کے سبق پڑھے تو ان پر اللہ کی طرف سے سکینہ اترا۔ رحمتِ الٰہی نے انہیں ڈھانپ لیا اور فرشتے انہیں اپنے دامن میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے پاس ان کا ذکر کرتے ہیں جو اس وقت اس کے حضور حاضر ہوں۔

قرآن پاک کی تلاوت بندے کو اس مقام پر لے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا فرشتوں میں ذکر فرماتے ہیں:۔

(۷) حضرت علی المرتضیٰؓ کہتے ہیں آنحضرت نے فرمایا:۔

کتاب اللہ فیہ نباء ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل لیس بالھزل

---

[۱] رواہ الحاکم وابوداؤد فی مراسیلہ [۲] رواہ مسلم

من ترکه من جبار قصمه الله ومن ابتغی الھدی فی غیره اضلّه الله وھو حبل الله المتین وھو الذکر الحکیم وھو الصراط المستقیم ھو الذی لا تزیغ به الاھواء ولا تلتبس به الالسنة ولا یشبع منه العلماء ولا یخلق عن کثرة الرد ولا ینقضی عجائبه ۔[1]

ترجمہ۔ اللہ کی کتاب اس میں پہلوں کی خبریں اور آئندہ آنے والوں کے حالات ہیں۔ جو بات تم میں اختلاف میں ہو اس کا اس میں حکم موجود ہے یہ فیصلہ کرنے والی کتاب ہے یونہی نہیں جو زیادتی کرنے والا اسے چھوڑے گا اللہ اسے توڑے گا اور جس نے اس کے سوا کہیں اور ہدایت ڈھونڈی اللہ تعالیٰ اسے رستے سے بھٹکا دیں گے یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور پختہ ذکر ہے یہ سیدھی راہ ہے خواہشات اس سے ٹیڑھی نہیں ہوتیں اور زبانیں اس سے کسی التباس میں نہیں پڑتیں علماء اس سے سیر نہیں ہوتے اور یہ بار بار پڑھنے سے پرانی نہیں ہوتی اور اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوتے۔

(۸) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

واعملوا بالمحکم وامنوا بالمتشابه واعتبروا بالامثال ۔[2]

ترجمہ۔ اس کی محکم باتوں پر عمل کرو اور متشابہات پر صرف ایمان رکھو (کہ یہ اللہ کی نازل کردہ ہیں) اور اس کی امثال سے زندگی کے سبق پاؤ۔

(۹) حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان لله اھلین من الناس (قالوا من ھم یارسول الله قال) اھل القرآن اھل الله وخاصته ۔[3]

ترجمہ۔ لوگوں میں بے شک وہ بھی ہیں جو اللہ والے ہیں وہ کون ہیں؟ اہل القرآن: اللہ والے اور اس کے مقبولین۔

(۱۰)

---

[1] مشکوٰۃ صد ۱۸۶ [2] ایضاً صد ۳۱ [3] رواہ النسائی

فضائل قرآن صحابہ کرامؓ کی نظر میں

① یہ پہلا ماخذ علم ہے امت کے فیصلے پہلے اس سے ہونے چاہئیں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :-

فمن عرض له منکم قضاء بعد الیوم فلیقض بما فی کتب اللہ [۱]

ترجمہ تم میں سے جسے کوئی مقدمہ پیش آئے اسے چاہیئے کہ (پہلے) اللہ کی کتاب سے فیصلہ لے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کہا اور آپ نے اسے منظور فرمایا:

اقضی بکتاب اللہ۔ [۲]

میں پہلے فیصلہ کتاب اللہ سے لیا کروں گا۔

② احادیث کی پرکھ کی کسوٹی

حضرت عمرؓ نے حدیث بیان فرمائی اطلبوا الفضل بالباء۔ اللہ کا فضل نکاح کی راہ سے طلب کرو، آپ نے اس پر قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی :-

ان یکونوا فقراء یغنهم اللہ من فضله۔ [۳]

ترجمہ۔ اگر وہ تنگدست ہوں گے اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں :-

لینتزعن هذا القرآن من بین اظهرکم یسری علیه فی لیلة فلا یبقی فی قلب عبد منه ولا مصحف منه شیء و یصبح الناس فقراء کالبهائم۔ [۴]

ترجمہ۔ یہ قرآن تم سے لے لیا جائے گا تم پر ایک رات آئے گی کہ کسی بندے کے دل میں اس کی یادداشت نہ رہے گی اور نہ کسی تحریر میں اس کا نشان رہے گا اور لوگ چٹیل میدان ہو کر رہ جائیں گے جیسے چوپائے گھومتے ہیں۔

---

[۱] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۰۵ [۲] رواہ الترمذی و ابو داؤد [۳] رواہ عبد الرزاق فی مصنفہ [۴] المصنف جلد ۳ صفحہ ۳۶۲

اس پر آپ نے یہ آیت پڑھی :۔

ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک ثم لا تجد بہ علینا وکیلا۔

(پ۱۵ بنو اسرائیل ۸۶)

ترجمہ۔ اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں وہ جو ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی اور پھر آپ کسی کو ہم پر کام کرنے والا نہ پائیں۔

آپ نے ایک دفعہ یہ حدیث پڑھی ۔

عدلت شہادۃ الزور بالشرک باللہ۔[1]

ترجمہ۔ جھوٹی گواہی شرک کے برابر شمار کی گئی ہے۔

اور اس پر یہ آیت پڑھی :۔

فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور۔ (پ۱۷ الحج ۳۰)

ترجمہ۔ سو بچو تم بتوں کی نجاست سے اور بچو جھوٹی بات کہنے سے۔

(۳) غیبی خبروں کا مخزن

حضرت عمرؓ نے فرمایا ۔۔

ان اناسا کانوا یوخذون بالوحی فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان الوحی قد انقطع وانما ناخذکم الان بما ظھر لنا من اعمالکم۔[2]

ترجمہ حضورؐ کے زمانے میں لوگ وحی کے ذریعہ بھی پکڑے جاتے تھے لیکن اب وحی کا سلسلہ منقطع ہے اور اب ہم تمہیں تمہارے ظاہری اعمال سے پکڑیں گے جو ہمیں معلوم ہوں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ قرآن کریم کو اور آپ پر آنے والی وحی غیر متلو دونوں کو غیبی خبروں کا مخزن سمجھتے تھے اور جو بات ان ذرائع سے معلوم ہو اس پر فیصلے بھی ہو جاتے تھے کیونکہ حضورؐ جس بات کی خبر دیں اس علم میں قطعیت ہے۔

---

[1] المصنف جلد ۲ صفحہ ۹۳ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۶۱

④ دِلوں کو نرم کرنے کا سبب

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ.

(پ ۲۸ الحدید ۱۶)

ترجمہ: کیا ابھی ایمان لانے والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے کلام کے آگے جھک جائیں اور جو اترا ہے اللہ کی طرف سے اس کے آگے۔

حضرت جعفر طیارؓ نے شاہِ حبش کے دربار میں سورۂ مریم کی چند آیات پڑھیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ بادشاہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بندھ گئی۔

حضرت عمرؓ نے حالتِ کفر میں اپنی بہن سے سورۃ الحدید کچھ آیات سُنیں تو آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ جب بہن آیت اٰمنوا باللّٰہ ورسولہٖ پر پہنچیں تو آپ بے اختیار پکار اُٹھے۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشہد ان محمداً رسول اللّٰہ۔

⑤ زہر کا اثر دُور کرنے کا ذریعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

القرآن هو الدواء۔ [1]

فیض القدیر شرح جامع صغیر جلد ۳ صفحہ ۵۶۳ میں ہے کہ قرآن امراضِ روحانیہ اور امراضِ جسمانیہ دونوں کے لیے نسخہ شفا ہے۔

حضرت ابوسعید الخدریؓ کہیں تشریف فرما تھے قریب کی بستی میں کسی شخص کو سانپ نے ڈسا۔ وہ لوگ حضرت ابوسعیدؓ کے پاس آئے۔ آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دَم کیا۔ صحیح بخاری میں ہے فبرأ [2] وہ شفایاب ہوگیا۔

---

[1] الجامع الصغیر صفحہ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۵۴

⑥ جادو کا اثر دُور ہونا

لبید بن اعصم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا اور ایک تانت کے تار میں گیارہ گرہیں لگا کر اسے ایک کنوئیں میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے دو سورتیں نازل فرمائیں جن میں گیارہ آیتیں ہیں۔ آپ ہر ایک گرہ پر ایک آیت پڑھ کر ایک ایک کو کھولتے رہے یہاں تک کہ سب گرہیں کھل گئیں اور آپ سے اچانک ایک بوجھ اُتر گیا (یہ سب روایتیں تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں)[1]

زہر انسان میں مادی ضرر پیدا کرتا ہے اور جادو ایک غیر مرئی چیز ہے وہ سحر زدہ میں اپنا اثر دکھاتی ہے۔ قرآن کریم بطور شفا ان دونوں کی کاٹ ہے۔ مادی مرض ہو یا روحانی قرآن کریم کے اثر سے جادو بھی ٹوٹتا ہے اور سانپ کا زہر بھی مرتا ہے۔ ۵ اور ۶ میں یہ دونوں باتیں آپ کے سامنے آچکیں اس پر ہم آئندہ انشاء اللہ العزیز علاج بالقرآن کے عنوان سے مستقل تبصرہ کریں گے۔

واللہ ھو الموفق لما یحبه ویرضیٰ به۔

فضائل قرآن محدثین کی نظر میں

امام محمدؒ (۱۸۹ھ) نے موطا میں کتاب التفسیر درج کیا ہے۔ امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) نے فضائل القرآن لکھی ہے۔ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے صحیح میں کتاب فضائل القرآن لکھی ہے[2] اور اس میں ایک پورا باب کتاب التفسیر درج کیا ہے۔

صحیح مسلم جلد اوّل میں دیکھیئے ایک مستقل کتاب کتاب فضائل القرآن وما یتعلق به کے نام سے ملے گی[3]

جامع ترمذی میں دیکھیں ابواب فضائل القرآن ستره ابواب پر مشتمل ملے گا[4]

سنن دارمی میں بھی دوسری جلد صد ۵۲۱ پر آپ کو کتاب فضائل القرآن ملے گی۔

ابو عبد القاسم بن السلام الجمحی (۲۲۴ھ) نے بھی ایک کتاب فضائل القرآن لکھی۔

---

[1] معارف القرآن جلد ۸ صد ۸۴۳ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صد ۷۴۴ [3] صحیح مسلم جلد ا صد ۲۶۷ [4] جامع ترمذی جلد ۲ صد ۱۱۱

سنن ابن ماجہ میں فضل من تعلم القرآن وعلمہ ص۱۹ دیکھیں۔ ان حضرات نے قرآن کریم کو ہمیشہ اپنے مقام پر رکھا ہے اور حدیث کو اس کے تابع کیا ہے۔

ابوالعباس جعفر بن محمد مستغفری النسفی (۴۳۲ھ) نے کتاب فضائل القرآن لکھی۔ اسی دور میں عبد بن احمد الہروی (۴۳۴ھ) نے کتاب فضائل القرآن لکھی۔ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی (۴۶۸ھ) نے بھی فضائل القرآن پر ایک مستقل کتاب لکھی۔

حافظ ضیاء الدین المقدسی (۶۴۲ھ) نے فضائلِ اعمالِ صالحہ میں ایک مستقل رسالہ فضائل القرآن درج کیا ہے۔ علامہ منذری (۶۵۶ھ) نے الترغیب والترہیب میں کتاب قراۃ القرآن میں فضائل قرآن کی کتنی روایتیں بیان کی ہیں علامہ نووی (۶۷۶ھ) ریاض الصالحین میں کتاب الفضائل کے تحت باب فضل قرأۃ القرآن[۱] میں کتنی روایات لائے ہیں۔

اس وقت سے لے کر اب تک یہ سلسلہ بیان برابر جاری ہے۔ اس آخر دور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری ثم مدنی کی کتاب فضائل القرآن آج تقریباً ہر مسجد میں پڑھی اور سنی جا رہی ہے۔ یہ مقبولیتِ قرآن قبولیتِ الٰہی کا ایک کھلا نشان ہے۔

الفاظ قرآن سب مقدس ہیں۔ ان میں تاثیر اللہ رب العزت کی نسبت سے قائم ہے۔ یہ خدا کا کلام ہے اس کی مخلوق نہیں۔ تکلیف کے وقت کسی مخلوق سے نسبت قائم کرنا اس سے بہت مختلف ہے۔ جو بندہ اللہ رب العزت کی طرف رجوع بجا لائے کلماتِ الٰہیہ سے نسبت خدا سے ہی نسبت ہے اور ان میں اثر اسی کے حکم سے آتا ہے ان الفاظ کا زبان پر لانا بھی عبادت ہے اور ان پر عمل کرنا عین مقامِ عبدیت ہے۔

کسی مخلوق کا کلام زبان پر لانا علم و معرفت تو ہو سکتا ہے عبادت نہیں جن علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تلاوت بھی عبادت ہے وہ غلطی پر ہیں جس طرح کوئی مخلوق لائق عبادت نہیں مخلوق کی صفت کی بھی عبادت نہیں کی جا سکتی۔

افسوس کہ بعض اہلحدیث علماء حدیث کی تلاوت کو بھی عبادت سمجھتے ہیں۔ ان کے ایک مولوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

---

[۱] ریاض الصالحین ص۴۱۳

آپ نے چونکہ اس قول سے اختلاف نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں
مخلوق کی عبادت کی بھی کوئی راہ کھل سکتی ہے۔

سوال بعض بزرگوں سے مصائب کے وقت صحیح بخاری کا ختم کرنا منقول ہے کیا یہ کلام مخلوق
کی تعبدی شان کا اقرار نہیں کیا کسی مخلوق کا کلام درجے میں آسکتے ہیں؟

جواب: ایسے موقعوں پر صحیح بخاری کا ختم برکت کے لیے کیا جاتا ہے عبادت کے طور پر
نہیں۔ برکت بے شک مخلوق میں آسکتی ہے۔ بیت المقدس کے گرد برکتیں ہی برکتیں اتری ہیں
قرآن کریم میں ہے۔ بارکنا حولہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ اللہ نے مجھے مبارک کیا ہے
جعلنی مبارکًا این ما کنت (پ) مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت عیسیٰ معاذ اللہ عبادت
کے لائق ہو گئے تھے۔

محدثین نے حدیث کی کتابوں میں کتنے مقامات پہ حدیثوں پہ قرآنی آیات سے باب باندھے
ہیں، امام نسائی اپنی سنن میں جہاں یہ حدیث لائے ہیں کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھا جائے۔ مقتدی
قرأت خلف الامام نہ کرے تو آپ نے اس حدیث پر اس آیت سے باب باندھا ہے۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا وانصتوا لعلکم ترحمون۔ (پ۹ الاعراف)

اس سے پتہ چلا کہ محدثین ہمیشہ قرآن کو ساتھ لے کر چلے ہیں اور منکرین حدیث جو یہ کہتے
ہیں کہ جمع حدیث قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش تھی یہ بالکل غلط ہے۔ اگر حدیث امت کو
قرآن سے دور کرنے کی ایک سازش ہوتی تو محدثین اس طرح ساتھ ساتھ قرآن لے کر نہ چلتے۔
منکرینِ حدیث کی یہ چال خود قرآن کے خلاف ایک سازش ہے کہ اسے حدیث سے جدا کر کے
ایک بے معنی کتاب بنا کر رکھ دو۔ استغفر اللہ العظیم

نزولِ قرآن

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امّا بعد:

قرآن کریم کی پہلی منزل لوحِ محفوظ تھی. کلام باری کے پہلے نقوش اسی ام الکتاب میں ابھرے
ام الکتاب عالمِ وجود کی سب سے پہلی لوحؐ ہے جس میں قرآن کے نقوش اُبھرے:۔

حٰم. والکتاب المبین. انّا جعلناہ قرآناً عربیّاً لعلکم تعقلون. وانّہ
فی ام الکتاب لدینا لعلیّ حکیم. (پ۲۵ الزخرف)

ترجمہ. قسم ہے واضح کتاب کی ہم نے کیا ہے اسے قرآن عربی تاکہ تم سمجھ سکو
اور بے شک یہ لوح میں ہمارے پاس ہے برتر اور محکم.

انّہ لقرآن کریم. فی کتاب مکنون. لا یمسّہ الّا المطھّرون.
(پ۲۷ الواقعہ ۷۷)

ترجمہ. بے شک یہ ہے قرآن کریم ایک پوشیدہ کتاب میں لکھا ہوا اس کو بغیر
پاکوں کے اور کوئی ہاتھ نہیں لگاتا.

بل ھو قرآن مجیدٌ. فی لوحٍ محفوظ. (پ۳۰ البروج ۲۱)

ترجمہ. یہ قرآن مجید ہے لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا.

ایک مبارک رات تھی. بڑی مبارک رات. جب رب العزت نے اس کا نزول مبارک کیا
اس رات تقدیروں کے فیصلے صادر ہوتے ہیں یہ غالباً شعبان کی پندرہویں رات تھی.

حٰم. والکتاب المبین. انّا انزلناہ فی لیلۃٍ مبارکۃٍ. (پ۲۵ الدخان)

ترجمہ. قسم ہے اس واضح کتاب کی. ہم نے اسے ایک مبارک رات میں نازل
فرمایا (اس کا نزول مقدر فرمایا).

لہ قال اتدری ما ام الکتاب. قلت اللہ ورسولہ اعلم قال فانہ کتاب کتبہ اللہ قبل ان یخلق السماء وقبل
ان یخلق الارض. (جامع ترمذی ابواب القدر جلد۲ صـ۹۳ لکھنؤ)

رمضان کا مہینہ اور قدر کی رات تھی ہزاروں مہینوں سے بہتر رات تھی جب قرآن مجید پورے کا پورا[1] لوح محفوظ سے پہلے آسمان پر نازل ہوا۔ یہ پہلا نزول اور قرآن پاک کی دوسری منزل تھی:

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔ (پ۲ البقرہ ۱۸۵)

ترجمہ۔ رمضان کا مہینہ تھا جس میں کہ قرآن اُتارا گیا۔

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ (پ۳۰ القدر)

ترجمہ۔ بے شک ہم نے اسے لیلۃ القدر میں اُتارا ہے۔

قرآن پاک تقدیراً لیلہ مبارکہ میں اور عملاً لیلۃ القدر میں پہلے آسمان پر نازل ہوا۔ اب یہ پہلے آسمان پر ایک مخفی خزانہ تھا اور اس ترتیب سے تھا جس شکل میں آج ہم اسے دیکھ رہے ہیں۔ سورتوں کے فواتح و مقاطع اور پہلی سورت کے آخر کا دوسری سورت کے اول سے لطیف ربط اس ترتیب کے سماوی ہونے کی ایک شہادت ہے۔

اب اس وحیِ الٰہی کے چشمے ایک پُر نور سینہ بشری سے پھوٹتے ہیں اور قرآن پاک اس مجلّٰی و مُصفّٰی آئینہ قلب میں اُترتا ہے جسے فیضانِ الٰہی سے اس کے تحمل کی استعداد مل چکی ہے۔ یہ قرآن پاک کا دوسرا نزول اور اس کی تیسری منزل تھی۔ یہ نزولی ترتیب وقتی ضرورات ہنگامی حالات اور عصری مناسبات کے مطابق تھی جسے لینے کے بعد باعلامِ الٰہی اسے اصل ترتیب پر لوٹا دیا جاتا — اور اسی حقیقی ترتیب پر قرآن مجید لکھا جاتا — یہ نزول تھوڑا تھوڑا اور تدریجاً عمل میں آتا رہا — یہ دوسرا نزول تقریباً تئیس سال میں اتمام پذیر ہوا۔

وقرآنا فرقنٰہ لتقرأہ علی الناس علیٰ مکثٍ ونزلنٰہ تنزیلاً۔

(پ۱۵ بنی اسرائیل ۱۰۶)

---

[1] انزل القرآن اولاً جملۃ واحدۃ من اللوح المحفوظ الی السماء الدنیا ثم نزل علی حسب المصالح قالہ الطیبی کمان فی الاتقان ص۴۶ عن ابن عباس قال انزل اللہ القرآن الی السماء الدنیا فی لیلۃ القدر (المستدرک للحاکم)

ترجمہ۔ اور ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے رکھا تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سکیں اور ہم نے اسے اتارتے اتارتے اتارا۔

انا نحن نزلنا علیک القرآن تنزیلا۔ (پ ۲۹)

ترجمہ۔ بے شک ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے۔

وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ کذلک لنثبت بہ فؤادک ورتلناہ ترتیلا۔ (پ ۱۹ فرقان ۳۲)

ترجمہ۔ کافروں نے کہا کہ سارا قرآن اکٹھا کیوں نہ اتارا گیا۔ اسی طرح اتارا تاکہ ہم اس سے آپ کا دل ثابت رکھیں اور ہم نے اسے سنایا ٹھہر ٹھہر کر۔

قرآن پاک کے لیے عموماً تنزیل کا ذکر ہے انزال کی تعبیر کہیں کہیں ہے۔ تنزیل بتدریج اتارے کو کہتے ہیں اور انزال اکٹھا اور یکجا اتارنا ہے قرآن پاک کا پہلا نزول جو لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر تھا وہ بے شک اکٹھا اور یکجا تھا۔ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تدریجاً نازل ہوا۔ ہاں پہلی امتوں کے لیے سابقہ کتابیں یکجا صورت میں ملی تھیں۔

نزل علیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ وانزل التوراۃ و الانجیل من قبل ھدی للناس۔ (پ ۳ آل عمران)

ترجمہ۔ تھوڑا تھوڑا کر کے اتاری آپ پر کتاب سچی۔ تصدیق کرنے والی پہلی کتابوں کی۔ اور اکٹھا اتارا تورات اور انجیل کو اس سے پہلے اس وقت کے لوگوں کی ہدایت کے لیے۔

قاضی بیضاویؒ یہاں نزّل کے معنی نجماً علیحدہ علیحدہ اور تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کے اور انزل کے معنی جملۃً اکٹھا اور یکجا کرنے کے کرتے ہیں۔ یہی ان الفاظ کے حقیقی معنی ہیں اس کے خلاف تعبیر مجاز پر محمول ہے۔

وحی الٰہی کا تحمل

وحی الٰہی کے تحمل کے لیے پروردگارِ عالم جسے چاہیں اس کی دعا و رغبت اور ریاضت و محنت کے بغیر[1] اسے خود انتخاب فرماتے ہیں۔ ہاں شرفِ ہمکلامی سے پیشتر اس میں تحمل وحی کے مناسب ہر طرح کی استعداد اور صلاحیت پیدا کر دی جاتی ہے۔

اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ ۔ (پ۸ الانعام ۱۲۴)

ترجمہ۔ اللہ ہی جانتا ہے کہاں وہ اپنی رسالت رکھے

واللّٰہ یختص برحمتہ من یشاء ۔ (پ۱ البقرہ ۱۰۵)

ترجمہ۔ اور اللہ جسے چاہے اپنی رحمت سے خاص کر دے۔

ربُّ العزت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فطرتِ سلیم اور طبع مستقیم عطا فرمائی تھی۔ آپ کا مزاج سلامتی اور اعتدال کے سانچے میں اس طرح ڈھلا تھا کہ آپ کی عفت و امانت اور عدالت و دیانت کو ہمہ گیر شہرت حاصل تھی۔ جوں جوں عطائے وحی کا زمانہ قریب آتا گیا رب العزت کا آپ کی یہ خصوصی تربیت فرمانا اور رنگ لاتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ کی پوری پہلی

---

[1] قال ابن حبان من ذھب الی النبوۃ مکتسبۃ لاتنقطع او الی ان الولی افضل من النبی فھو زندیق یجب قتلہ لتکذیب القران وخاتم النبیین۔ زرقانی ۶ ص۱۸۸ (من اخر النوع الثالث من المقصد السادس) او جوز اکتسابھا والبلوغ بصفاء القلب الی مرتبتھا کالفلاسفۃ وغلاۃ المتصوفۃ وکذلک من ادعی منھم انہ یوحی الیہ وان لم یدع النبوۃ فھؤلاء المذکورون کلھم کفار محکوم بکفرھم (ملخصا من شرح الشفاء للعلامۃ الخفاجی ۴ ص۵۰۸ ومثلہ فی شرح الملا علی قاری) فلا یبلغھا احد بعلمہ ولا یستحقھا بکسبہ ولا ینالھا عن استعداد ولایتہ بل یخص بھا من یشاء ومن زعم انھا مکتسبۃ فھو زندیق (شرح عقیدۃ السفارینی ص۲۵۷) وھاتان المسئلتان من جملۃ ما کفروا بہ بتجویذ النبوۃ بعد النبی الذی اخبر تعالیٰ انہ خاتم النبیین وتوھم انھا تنال بالکسب (صبح الاعشیٰ ۱۳ ص۳۰۵) پس یہ کہنا کہ انسان خدا اور اس کے رسول اکرم کی اطاعت سے مرتبہ نبوت پا سکتا ہے یا یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی سے ملی تھی اور انہوں نے اپنی اس محنت سے مرتبہ نبوت پایا تھا ایک کھلا الحاد اور کفر ہے۔

زندگی آئندہ کی زندگی کے لیے صحت و سلامتی کی ایک مستقل دلیل بن گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ارشاد فرمایا:-

قد لبثت فیکم عمرًا من قبلہ افلا تعقلون۔ (پ۱۱ یونس ۱۶)

ترجمہ۔ میں نزول قرآن سے پہلے بھی مدتوں تمہارے درمیان رہ چکا ہوں کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے۔

غور کیجیے کہ اس ذات قدسی صفات کی وہ زندگی جو وصول وحی سے پہلے کی تھی قرآن اسے کس طرح حجت اور سند کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ اب بھلا وہ زندگی جو فیضانِ وحی سے برابر بہرہ ور رہی کیسے حجت اور سند نہ ہوگی؟

اعلانِ نبوت کے بعد جب آپ کو قوم کی بے لوث راہنمائی کا صلہ "ساحرِ مبین" کے الفاظ میں دیا گیا تو نضر بن حارث نے اسی تمہید نبوت ـــــ آپ کی پہلی زندگی ـــــ کو ان الفاظ میں پیش کیا جن کی تازگی آج بھی بعینہ محسوس ہو رہی ہے۔

قد کان محمد فیکم غلامًا حدثًا ارضاکم فیکم واصدقکم حدیثًا واعظمکم امانۃ حتی اذا رأیتم فی صدغیہ الشیب قلتم ساحر واللہ ماھو بساحر۔[1]

ترجمہ جب محمدؐ تم میں نوخیز تھے تو اے قریش مکہ تمہارے نزدیک سب سے پسندیدہ تھے سب سے زیادہ سچے اور تم میں سب سے بڑے امین تھے (بے پروائی کے) اس زمانہ میں تو حال یہ تھا اور اب جب کہ ان کے بال سفیدی لارہے ہیں اور وہ تمہارے پاس خدائی پیغام لے کر آئے ہیں تم نے انہیں جادوگر کہہ دیا۔ بخدا وہ جادوگر نہیں ہیں۔

جب تربیت پذیری کے جوہر صداقت و امانت میں اعتراف عام بن گئے تو آپ کا

---

[1] محاضرات جلد ا صفحہ ۱۵

طبعی میلان تجرد و خلوت[1] کی طرف ہو گیا. یکسوئی کی رغبت جذب الی اللہ اور شفقت علی خلق اللہ کی تکمیل کرنے لگی. نوعِ بشریت میں نورِ ملکیت ودیعت ہوا وہ وقت آگیا جو عطائے وحی کے لیے علمِ الٰہی میں مقرر تھا. آپ کی عمر شریف قمری حساب سے چالیس سال سات ماہ اور شمسی حساب سے انتالیس سال تین ماہ اور سولہ دن کی منزل سے گزر رہی تھی اور آپ غارِ حرا میں تھے کہ اچانک[2] وحیِ الٰہی سے سرفراز ہوئے. بخاری شریف میں ہے ا۔

حتّٰی فجئہ الحق وھو بغار حرا۔

آپ غارِ حرا میں تھے کہ اچانک بغیر کسی توقع کے وحیِ الٰہی آ پہنچی۔

ے اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مکہ سے منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جس کو فاران کہتے ہیں اس میں ایک غار غارِ حرا کے نام سے موسوم ہے آپ اس غار میں تشریف فرما تھے کہ جبریل امین اترے اور آپ سے کہا۔

اقراء (پڑھیئے)

آپ نے کہا. ما انا بقاریٍٔ (میں پڑھا ہوا نہیں)

حضور اکرمؐ پڑھنے سے انکار نہیں فرما رہے اپنی حالت کا اظہار فرما رہے ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں. ابھی یہ حقیقت نہ کھلی تھی کہ جو کچھ پڑھنا ہے وہ بھی حضرت جبریل ہی بتائیں

---

[1] حافظ ابن کثیر اس تجرد اور خلوت کی وجہ یہ لکھتے ہیں. لما یراھم علیہ من الضلال المبین من عبادۃ الاوثان والسجود للاصنام کہ آپ قوم کی کھلی گمراہی کو دیکھ کر کہ وہ بت پرستی میں مبتلا ہے اور بتوں کے سامنے سجدہ گزار ہیں بہت کڑھتے تھے اس لیے قوم سے علیحدگی میں یہ وقت گزارتے تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص۳) پس یہ سمجھنا کہ آپ حصولِ نبوت کے لیے ریاضت کرتے تھے یہ درست نہیں۔

[2] حافظ ابن کثیر فجئہ کا معنی لکھتے ہیں. جاء بغتۃً علی غیر موعد (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص۶) امام احمد کی ایک روایت میں فجاءہ الوحی کے الفاظ ہیں. پس اس جگہ حق سے مراد وحی ہے (تفسیر ابن کثیر جلد ۱۰ ص۲۵۴ بحاشیہ فتح البیان)

گے۔ پھر حضرت جبریل نے آپ کو زور سے دبایا اور سینے سے لگا کر بھینچا اور چھوڑ دیا۔ پھر کہا اقرأ (پڑھیے) آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ حضرت جبریل آنحضرتؐ کو بار بار گلے لگا رہے تھے۔ تاکہ شانِ ملکی اور طبع بشری میں ایک مناسبت پیدا ہو جائے اور حضورؐ فرشتے کی وساطت سے وحیِ الہٰی کی تلقی کر سکیں اور باری تعالیٰ کے کلام کو وصول فرما سکیں ایسا تین دفعہ ہوا اور تیسری دفعہ جبریل علیہ السلام نے آپ کے سامنے وہ وحی پیش کی جس کے پڑھنے کے لیے آپ کہہ رہے تھے یہ سب سے پہلی وحی تھی۔ جب حضرت جبریل نے سورۃ اقراء کی پانچ آیتیں حضورؐ تک پہنچا دیں تو گھر واپس ہوئے۔ آپ کے دلِ مبارک پر اس واقعہ کا بڑا اثر تھا۔ آپ نے حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو۔ جب کچھ سکون ہوا تو آپ نے تمام واقعہ حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچیرے بھائی جناب ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں وہ اہلِ کتاب کے بڑے جیّد عالم تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ وہی ناموس (رازدارِ رسالت) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔

حضور اکرمؐ نے حضرت خدیجہؓ کو صرف واقعہ بتایا تھا ان سے اس واقعہ کی حقیقت معلوم کرنا نہ چاہتے تھے اور نہ ان سے آپ نے یہ کہا تھا کہ ورقہ بن نوفل کے پاس چلیں یہ سب حضرت خدیجہؓ کا اپنا اقدام اور اپنی شفقت کا ایک اظہار تھا اور نہ اس وقت حضور اکرمؐ کو وحیِ الہٰی میں تردد ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ہوا تھا۔ اور نہ آپ کو اس میں کسی قسم کا شک تھا پہلے کی کیفیت اس عجیب واقعہ کے محض طبعی اثرات تھے اور آپ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس چلے آنا اور ان سے یہ سننا کہ یہی ناموس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی آیا کرتا تھا محض ایک تسکین قلب کا سامان ہے اور یہ اس طرح ہے جس طرح اللہ رب العزت بعد میں بھی انبیاء گذشتہ کے واقعات بیان فرما کر حضور اکرمؐ کی تالیفِ قلب فرماتے رہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ وحیِ الہٰی میں حضور اکرمؐ کو ایک لمحہ کے لیے بھی تردد نہیں ہوا۔

ورقہ بن نوفل نے حضور اکرمؐ سے یہ واقعہ سننے کے بعد یہ کہا:-

یالیتنی فیہا جذعًا یالیتنی اکون حیًّا اذ یخرجک قومک فقال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او مخرجی ھم قال نعم لم یات رجل قط بمثل ما جئت بہ الا عودی۔ [1]

ترجمہ: کاش کہ میں اس وقت تک جوان رہ سکتا جب آپ کو آپ کی قوم مکہ سے نکال دے گی۔ آپ نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ بھی ہو گا کہ وہ مجھے نکال دیں انہوں نے جواب دیا کہ آپ جو کچھ لے آئے ہیں وہ جو کوئی بھی لے کر آیا اس کے ساتھ یہی ہوا کہ عداوت کی گئی۔

اس کے بعد تقریباً تین سال تک کوئی وحی نہ آئی۔ پھر آپ کو وہی فرشتہ نظر آیا اور آپ پر پھر ہیبت طاری ہو گئی۔ اس وقت سورۃ مدّثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد وحی کا سلسلہ باقاعدہ شروع ہو گیا۔

وحی کا نزول اکثر کسی خاص واقعہ اور ضرورت کے پیش آنے پر ہوتا تھا عام طور پر تین تین چار چار آیتیں اُترتیں لیکن کبھی کبھی ایک لمبی مقدار بھی آپ پر نازل ہوتی۔ آپ کاتبوں کو بلا کر ہر وحی کو اس کی متعلقہ سورت میں لکھوا دیتے۔ بعض اوقات کئی کئی سورتیں بیک وقت زیرِ تدوین رہتیں اور بعض اوقات پہلی سُورتوں کے دورانِ تکمیل ہی نئی سُورتوں کا آغاز ہو جاتا اور آپ انہیں علیحدہ لکھنے کا حکم دیتے۔

کیفیّتِ نزولِ وحی

کوئی بشر اپنی عنصری ساخت اور موجودہ قویٰ کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ رب العزت مشافہۃً (اس کے سامنے سے ہو کر) اس سے کلام فرمائے اور وہ تحمل کر پائے اس لیے کسی انسان سے ہمکلام ہونے کی یہ تین صورتیں ہی ہو سکتی ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرشتے کے واسطے سے کلام فرمائے مگر فرشتہ متجسد ہو کر آنکھوں کے سامنے نہ آئے بلکہ براہِ راست نبی کے دل پر نزول کرے اور نبی کو دل سے ہی فرشتہ اور

---

[1] وفی بعض الروایات الا اوذی فتح الملہم جلد ا صـ ۳۱۴

[2] عینی شرح بخاری جلد ا صـ ۳۷ فتح الملہم جلد ا صـ ۳۱۵

اس کی آواز کا ادراک ہو اس طریق نزول میں آپ کو پہلے ایک گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی اور پھر حضرت جبریل امین وحیِ الٰہی کے ساتھ آپ کے قلب مبارک پر نزول فرماتے۔

قال اللہ تعالیٰ:

نزل به الروح الامین علی قلبك باذن اللّٰه۔ (پ۱۹ الشعراء ۱۹۴)

ترجمہ۔ اس کو لے کر اترا ہے ایک معتبر فرشتہ آپ کے قلب مبارک پر۔

فانه نزله علی قلبك باذن اللّٰه۔ (پ البقرہ ۹۷)

ترجمہ۔ بے شک جبریل نے اُتارا ہے یہ کلام آپ کے قلب مبارک پر اللہ کے حکم سے۔

قلبك کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معاملہ بالکل پوشیدہ اور اندر ہی اندر وجود پذیر ہوتا۔ پیغمبر کے وجود کے باہر خارجی طور پر کوئی ہستی نظر نہ آتی۔ لغت میں وحی کا لفظ اخفاء اور اشارہ سریعہ پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ وحی کا حقیقی مصداق نزولِ وحی کا یہی پیرایۂ اخفاء ہے چنانچہ نزولِ وحی کی مختلف کیفیات میں اس کیفیتِ اخفاء کو خصوصیت سے وحی (اشارہ سریعہ) سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ اندازِ اخفاء حضور پیغمبر خاتم ؐ کے احساس پر شدید گزرتا تھا اور بیشتر وحی قرآنی غالباً اس صورت میں آتی رہی۔ اس احساس شدت کی وجہ محققین یہ لکھتے ہیں کہ اس حالت حضور پیغمبر خاتم ؐ کو بشریت سے نکل کر ملکیت کی طرف جانا پڑتا۔ گویا اس وقت آلاتِ جسدِ عنصری کو بالکل ایک طرف کر کے صرف روحی قوتوں اور قلبی حواس سے کام لیتے تھے دل کے کانوں سے وحی کی آواز سنتے اور دل کی آنکھوں سے ہی فرشتے کو دیکھتے تھے۔ دل کی الٰہی قوتوں سے ہی ان علوم کی تلقی فرماتے اور یہ کیفیت اندر ہی اندر پوری ہو جاتی۔ بشریت سے ملکیت کی طرف آنے میں احساس پر گزرتی۔ ہاں تیسری صورت وحی میں جب آپ کو نہیں بلکہ فرشتے کو ملکیت سے بشریت کی طرف آنا پڑتا اور حضرت جبریل خود انسانی شکل میں ظاہر ہوتے تو اس میں آنحضرت ؐ کے لیے کوئی وجہ شدت نہ تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ فرماتے کہ انسان میں دو قوتیں ہیں۔ ایک قوتِ بشریہ

اور دوسری قوتِ ملکیہ۔ ملائکہ کرام جب ان نفوسِ قدسیہ پر نازل ہوتے ہیں جو فائز نبوت ہوں تو انہیں ظلمت بشری سے نکل کر عالمِ نور میں آنے کی وجہ سے ایک احساس شدت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس میں ان کے حواس بہت متاثر ہوتے ہیں۔

اما الصلصلۃ فحقیقتہا ان الحواس اذا اصادمہا تاثیر قوی تشوشت فتشویش قوۃ البصر ان یریٰ الوانًا الحمرۃ والصفرۃ و الخضرۃ ونحو ذالک وتشویش قوۃ السمع ان یسمع اصواتًا مبہمۃً کالطنین والصلصلۃ والہمہمۃ فاذا انتہ الاثر حصل العلم[1]

ترجمہ۔ رہا صلصلہ (یعنی دو سخت چیزوں کا ٹکراؤ اور گھنٹی کی سی آواز) سو اس کی حقیقت یہ ہے کہ حواس سے جب کوئی قوی تاثیر ٹکراتی ہے تو ان میں تشویش واضطراب پیدا ہوتا ہے۔ قوتِ باصرہ کی تشویش یہ ہے کہ مختلف قسم کے رنگ دکھائی دینے لگیں اور قوتِ سامعہ کی تشویش یہ ہے کہ مبہم قسم کی آوازیں سُنائی دینے لگیں جیسے طنطناہٹ اور گھنٹی کی آواز اور ہمہمہ وغیرہ جب یہ اثر تمام پذیر ہوتا ہے تو پھر علم کا تحقق ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ اس کیفیت کو باب الایمان بصفات اللہ میں انقہار حواس (حواس کا مغلوب ہو جانا) سے تعبیر فرماتے ہیں۔[2]

جہت بشری اور جہتِ مَلکی کا یہ تصادم حواس ظاہری میں تو تشویش پیدا کرتا تھا۔ لیکن آپ کی روحی قوتیں اور باطنی احساسات اس قدر قوی ہو جاتے تھے کہ آپ وہ کچھ سُنتے جو دوسرے ہرگز نہ سُن سکتے اور حقائق ومعارف کا وہ ادراک ہوتا کہ طائر قوتِ بشریہ کی پرواز وہاں تک ممکن نہ تھی۔

اس طنطناہٹ یا گھنٹی کی آواز کا کوئی مبداء یا منقطع محسوس نہیں ہوتا اور اس اعتبار سے یہ آواز مرکب نہیں بلکہ بسیط ہوتی تھی۔ شیخ اکبر علامہ ابن العربی اس انداز وحی کی وجہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صہ ۱۸۹ مصر

[2] حجۃ اللہ جلد ۱ صہ ۶۴

شبہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جس طرح گھنٹی کی آواز اور جھنجھناہٹ کے لیے کوئی خاص جہت معین نہیں ہوتی بلکہ وہ تمام اطراف و جوانب سے سنائی دے رہی ہوتی ہے اسی طرح وحی کی آواز کے لیے بھی کوئی خاص جانب یا جہت معین نہ ہوتی تھی یہ وجہ تشبیہ بہت لطیف ہے۔

② نزولِ وحی کی دوسری کیفیت

اللہ تعالیٰ بلا واسطہ کسی نورانی پردے کے پیچھے سے کلام فرمائے نبی کی قوتِ سامعہ استماعِ کلام سے براہِ راست لذت اندوز ہو لیکن آنکھوں کے آگے تجلیات حائل رہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور پر اسی انداز کی وحی میں کلام ہوا اور حضور خاتم ؐ کے ساتھ بھی معراج کی رات اسی انداز میں کلام ہوا بلکہ آپ کے سامنے نور کے جلوے کے سوا اور کوئی پردہ دامن پھیلائے نہ تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

③ نزولِ وحی کی تیسری کیفیت

کلام الٰہی کے نزول کی تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ متجسد ہو کر نبی کے سامنے آجائے اور اس طرح خدا تعالیٰ کا کلام اور پیغام پہنچائے جیسے ایک آدمی دوسرے سے خطاب کرتا ہے اس صورت میں آنکھیں فرشتے کو اس کی ظاہری صورت میں دیکھتی تھیں اور کان اس کی آواز سنتے تھے بلکہ پاس بیٹھنے والے بھی گفتگو سن لیتے اور بات کو سمجھ سکتے تھے۔

کسی انسان کے رب العزت سے ہمکلام ہونے کا عام ضابطہ یہی ہے اور اسی پیرایہ میں آنحضرت ؐ پر بیشتر قرآن پاک نازل ہوا۔ قرآن پاک خود کہتا ہے:۔

وما کان لبشرٍ ان یکلمہ اللہ الا وحیًا او من ورآء حجاب او یرسل
رسولًا فیوحی باذنہٖ مایشآء انہ علیٌ حکیم۔ وکذٰلک
اوحینآ الیک روحًا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان
ولکن جعلناہ نورًا نھدی بہٖ من نشآء من عبادنا و انک
لتھدی الی صراطٍ مستقیم۔ (پ ۲۵ الشوریٰ ۵۲)

ترجمہ۔ اور کسی انسان کو طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہمکلام ہو مگر[۱] اشارے ہی اشارے میں (نزول علی القلب) یا[۲] پردے کے پیچھے سے یا[۳] بھیجدے اللہ تعالیٰ کسی پیغام لانے والے (فرشتہ) کو پھر اس کی طرف جو چاہے لیجائے فرمائے بے شک اللہ تعالیٰ سب سے بلند حکمتوں والا ہے اور اسی (ضابطہ) کے مطابق ہم نے قرآن پاک آپ کی طرف بھیجا ہے آپ تو جانتے ہی نہ تھے کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہیں تفاصیلِ ایمان لیکن ہم نے ہی اسے نور بنایا ہے اور ہم ہی اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہدایت دیتے ہیں اور آپ بیشک صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرما رہے ہیں۔

نزولِ قرآن کی ان کیفیاتِ ثلثہ میں سے دوسری صورت بالکل نادر رہی لیلۃ المعراج میں یہی منہاجِ وحی تھا۔ یہ صورتِ وحی دستورِ عام نہ بن سکی اور بیشتر قرآن پاک پہلی اور تیسری کیفیت کے مطابق ہی نازل ہوتا رہا۔ پہلی کیفیت کو وحی اور تیسری کیفیت کو ایحاء سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

یہ وحی اور ایحاء کا تقابل ہے کسی چیز کو اپنی قسم کو اس کا قسیم نہیں بنایا جا رہا اور نہ کسی چیز کا اپنے آپ سے مقابلہ ہے وحی بلا واسطہ ہے اور ایحاء بالواسطہ۔[۱]

پہلا بلا واسطہ سے مراد یہی ہے کہ پیغمبر کے وجود کے باہر کوئی ہستی دکھائی نہ دے۔ اور عالم بیداری یا نیند میں قلب پر ہی القاء ہو رہا ہو ورنہ صحیح بخاری[۲] میں اس صورت میں بھی فرشتے کے آنے کی تصریح موجود ہے ہاں فرشتہ متجسد ہو کر سامنے نہ آتا بلکہ ایک اشارے ہی اشارے میں اس کا آپ کے قلب مبارک پر نزول ہو جاتا۔ اسی القاء فی القلب اور نفث فی الروع کو اس مقام پر وحی (اشارہ شرعیہ) کہا گیا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت میں جب آپ سے کیفیت نزولِ وحی کے بارے میں پوچھا گیا تو حضور اکرمؐ نے نادر الوجود انداز ہمکلامی (کیفیاتِ ثلثہ میں سے دوسری کیفیت) کو دستور عام نہ ہونے کی وجہ سے ذکر نہ فرمایا اور یہی ارشاد فرمایا:۔

---

[۱] مشکلات القرآن للعلامہ الانورؒ ص ۲۳۲

[۲] دیکھئے صحیح بخاری جلد ا ص ۴۵۷۔ بدء الخلق۔ فوائد القرآن للعلامۃ العثمانیؒ ص ۶۴۴

احیاناً یاتینی الوحی مثل صلصلۃ الجرس وھو اشدہ علیّ فیفصم عنّی وقد وعیتُ عنہ ما قال واحیاناً یتمثل لی الملک رجلاً فیکلمنی فاعی ما یقول۔[1]

ترجمہ: کبھی تو وحی میرے پاس اس طرح آتی ہے کہ ایک گھنٹی کی سی آواز سُنائی دیتی ہے اس کا احساس مجھ پر شدید گزرتا ہے۔ پھر یہ دباؤ مجھ سے اٹھ جاتا ہے اور جو کچھ فرشتے نے کہا ہوتا ہے میں محفوظ رکھ لیتا ہوں اور کبھی فرشتہ متجسد ہو کر انسانی شکل میں مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے میں اسے محفوظ کر لیتا ہوں۔

حضرت ام المومنینؓ کہتی ہیں کہ میں نے کئی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت سردی کے دن وحی اُترتی محسوس کی اس طرح کہ اس کا دباؤ آپؐ سے اُترتا اور آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپک رہا ہوتا۔ (رواہ البخاری)

ٹیلی گراف کے سلسلہ تار میں ٹن ٹن کی آواز بغیر اس کے کہ کسی بولنے والے کی صورت نظر آئے ایک پورے سلسلہ کلام کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیتی ہے۔ گھنٹی کی آواز اس روایت میں ادائے رسالت کے لیے ٹیلی گراف سے نقرات[2] ہیں۔ صلصلۃ اصل میں اس آواز کو کہتے ہیں جو لوہے کے ایک ٹکڑے کو دوسرے پر مارنے سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس کا اطلاق اس آواز پر ہونے لگا جس میں طنطناہٹ اور نقرات ہوں۔ اس انداز وحی میں الفاظ کا پورا تعین اور امتیاز ہوتا گو تلفظ کی منزل انہیں بعد میں ملتی پس اس کلام کو revealed کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔

ابتداء وحی کے زمانہ فترت[3] کے تین سال چھوڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریباً بیس سال قرآن اُترتا رہا۔ دس سال مکہ معظمہ اور دس سال مدینہ منورہ کے اس وحی الٰہی کی تکمیل میں صرف ہوئے اس کے بعد ہمیشہ تک کے لیے وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اب محال ہے۔

---

[1] بخاری جلد صہ

[2] صلصلۃ الجرس ھھنا کنقرات التلغرات للاداء الرسالۃ۔ (مشکلات القرآن للشیخ الانورؒ صہ ۲۲۴)

[3] فترت کے معنی رکنے کے ہیں ان تین سالوں میں وحی کا سلسلہ رک گیا تھا یہ زمانہ فترت وحی کا زمانہ کہلاتا ہے۔

کہ حضرت جبریل بہ پیرایہ وحی رسالت زمین پر کبھی نزول فرمائیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمادیا :۔

قد انقطع الوحی وتمّ الدین۔ [۱]

ترجمہ: وحی منقطع ہوچکی ہے اور دین مکمل ہوگیا ہے۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ نے بھی یہی اعلان فرمایا :۔

ان الوحی قد انقطع۔ [۲]

ترجمہ۔ بے شک وحی کا سلسلہ منقطع ہوچکا ہے۔

شیخین کریمین کے سامنے انقطاعِ وحی کی یہ تقریر بھی ہوئی :۔

ان الوحی قد انقطع۔ [۳]

وحی کی حقیقت

وحی کے لغوی معنی دوسروں سے چھپا کر[۴] چپکے چپکے بات کرنے کے ہیں لیکن شریعت اسلام میں وحی خاص اس ذریعہ غیبی کو کہتے ہیں جس میں کسی انسان کو کسی قسم کی نظر و فکر اور محنت و اکتساب کے بغیر محض فضلِ ربانی اور لطفِ رحمانی سے کسی بات کا کو قطعی اور یقینی علم حاصل ہوجائے یہ علم خواہ احکام سے متعلق ہو یا حقائق و معارف پر مشتمل ہو۔ پھر وہ احکام خواہ جدید ہوں یا ان میں پہلے احکام کا ہی ابقاء و اجراء ہو یہ سارا علم وحیِ شریعت ہے اور شریعتِ اسلام میں اسے قطعیت اور یقین کا قانونی درجہ حاصل ہے۔ یہ وحی شریعت حضور پیغمبر خاتمؐ کے بعد منقطع ہے۔ وحی کا لفظ اب شریعت سے اتنا خاص ہوچکا ہے کہ اب اسے

---

[۱] مشکوٰۃ صہ ۲۵۶

[۲] بخاری جلد ا صہ ۳۶

[۳] ابن ماجہ صہ ۱۱۹

[۴] ابوذویب کہتا ہے۔ فقال لھا وقد اوحت الیہ۔ الا للہ انک ماتحف۔ ابو اسحٰق کہتا ہے۔ اعلام فی خفاءٍ۔ کسائی کہتا ہے۔ ھوان تکلم بکلام تخفیہ من غیرہ۔

حضور خاتم النبیینؐ کے بعد اپنے کسی لغوی معنی میں استعمال کرنا جائز نہیں. قرینہ کی موجودگی کے سوا جہاں بھی وحی کا لفظ استعمال ہوگا وہاں وحی شریعت کے اصطلاحی معنی ہی مراد ہوں گے.

وحی اور الہام کا فرق

وحی اور الہام میں یہ بات تو مشترک ہے کہ دونوں حصولِ علم کا ایک غیبی ذریعہ ہیں. لیکن دونوں میں مبداءِ علم کا انداز مختلف ہے وحی میں اس علم کا مبداء یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے لیکن الہام میں تعین نہیں ہوتا کہ اس کا مبداء کیا ہے؟ (۲) الہام صاحبِ الہام کو ایک وجدان کی طرح محسوس ہوتا ہے مگر وحی صاحبِ وحی کے لیے ایک روشن برہان کی حیثیت رکھتی ہے. (۳) الہامی علوم ظن[1] کے درجہ میں ہوتے ہیں لیکن علوم وحی قطع و یقین کا درجہ رکھتے ہیں (۴) الہام نبی اور غیر نبی کے لیے عام ہے لیکن وحی صرف انبیاء کے لیے خاص ہے. پیغمبر کے سوا کسی کو علم کا یہ ذریعہ غیبی حاصل نہیں ہوتا. ہاں انبیاء کرامؑ کی لوحِ صدر چونکہ ہر طرح کے دخل شیطانی سے پاک اور معصوم ہوتی ہے. اس لیے ان کا الہام بھی بجز صواب کے اور کسی بات کا احتمال نہیں رکھتا. صاحبِ نورالانوار لکھتے ہیں:-

یشترک فیہ الاولیاء ایضاً وان کان الھامھم یحتمل الخطاء والصواب والھامہ لا یحتمل الا الصواب[2]

ترجمہ. الہام میں اولیاء بھی شریک ہیں اگرچہ ان کے الہام میں خطا اور صواب دونوں کا کھٹکا رہتا ہے لیکن نبی کا الہام بجز صواب کے اور کسی بات کا احتمال نہیں رکھتا.

---

[1] بل ظنیۃ لعدم القطع فلا یجب علینا اتباعہ (حاشیہ نورالانوار لمولانا عبدالحلیم لکھنوی) اولیاء اللہ کے وہ بلند پایہ افراد جو محدث کے مقام پر فائز ہوتے ہیں ان کے بھی الہام قطعیت کا درجہ نہیں رکھتے. حافظ عسقلانیؒ لکھتے ہیں حتی ان المحدث منھم اذا تحقق وجودہ لا تحکم بما وقع عندہ بل لا بد لہ من عرض علی القرآن (فتح الباری جلد ۷ ص ۴۳) امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں "الہام و کشف بر غیر حجت نیست" (مکتوبات دفتر اول ص ۸۶) [2] نورالانوار ص ۲۱۴ مجتبائی

علامہ محمد بن عمر حسام الدینؒ پیغمبر کے الہام کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

فانه حجة قاطعة فی حقه وان لم یکن فی حق غیره بهٰذه الصفة۔[۱]

ترجمہ۔ وہ اس کے حق میں ایک قطعی حجت ہے گو دوسروں کے لیے وہ اس طرح حجت نہ ہو سکے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ وحی میں ایک تحدی ہوتی ہے اور الہام جب کہ وہ غیر پیغمبر کا ہو دوسرے کے سامنے حجت اور سند نہیں ہوگا۔ نبوت کے باطنی قویٰ اس قدر مضبوط ہوتے ہیں کہ علم کا تحقق پہلے ان میں ہوتا ہے عالم حس اس کا مظہر بعد میں بنتا ہے۔ کلیات ابی البقا میں شیخ بوعلی سینا سے منقول ہے:۔

نحن نری الاشیاء بواسطة الحس والنبی یری الاشیاء بواسطة القویٰ الباطنة ونحن نری ثم نعلم والنبی یعلم ثم یریٰ۔

ترجمہ۔ ہم چیزوں کو حواس ظاہرہ کے ذریعہ سے دیکھتے ہیں اور نبی ان چیزوں کو باطنی قوتوں کے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ ہم پہلے دیکھتے ہیں اور پھر جانتے ہیں اور نبی پہلے جانتا ہے اور پھر دیکھتا ہے۔

یہ باطنی قوتیں علوم نبوت کا ادراک کرتی ہیں۔ ہاں دنیوی امور میں پیغمبر کی زندگی دائرہ اسباب سے وابستہ ہوتی ہے۔

وحی کے وجود پر ایک عقلی اعتراض اور مشاہدہ عیانی سے رفع استبعاد

انبیاء علیہم السلام روزمرہ کی زندگی اور نفس انسانیت میں باقی بنی آدم کے ساتھ شریک ہیں اور ان کا بیٹھنا اسی طبقہ انسانی سے مربوط ہے جو عالم اسباب سے وابستہ ہے پیغمبروں پر جب وحی آتی ہے تو پاس بیٹھنے والوں کو بھی ہرگز محسوس نہیں ہوتا کہ کوئی چیز خارج سے ان کے قلب پر اتر رہی ہے۔ پس جب صاحب وحی اس کے خارج سے آنے کا دعوے کرتا ہے تو عقل تقاضا کرتی ہے کہ ہم اسے آتے جاتے کسی نہ کسی صورت میں کیوں نہ محسوس کریں۔

---

[۱] حسامی صہ۹۱ لکھنؤ

الجواب:

روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ آفتاب کی کرنیں مٹی، پتھر اور لوہے غرضیکہ ہر چیز پر برابر پڑتی ہیں مگر یہ اجسامِ آفتاب کے اس فیض کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق قبول کرتے ہیں یہ زیادتی اور کمی ان اجسام سے خارج ہمیں کسی طرح آتی یا جاتی محسوس نہیں ہوتی۔ بایں ہمہ مشاہدہ عیانی اس حقیقت کی منہ بولتی شہادت ہے کہ آفتاب عالمتاب کا جو فیض آئینہ قلعی دار اور ایک آتشی شیشے کو حاصل ہے وہ باقی اجسام کو نہیں۔

دوپہر کا وقت ہے آفتاب ٹھیک نصف النہار پر ہے۔ کنکریاں، سنگریزے، درخت کی شاخیں، زمین کی ریت، سمندر کا پانی اور لوہے کے کالے کالے ٹکڑے، غرض دنیا کی سینکڑوں، ہزاروں چیزیں اس کے سامنے پڑی ہوئی ہیں۔ سورج کی روشنی میں ہر ایک شئے ان میں سے الگ الگ دکھائی دیتی ہے اور ہر ایک میں دھوپ کی کچھ نہ کچھ گرمی بھی محسوس ہو رہی ہے لیکن ان ہی مختلف الانواع اشیاء کے بیچ میں اور ان ہی کالے سیاہ آہن پاروں کے قریب ایک شخص بیٹھا ہے جس کے ہاتھ میں آتشی شیشہ اور دوسرے میں کوئی سیاہ یا سبز چادر ہے اور جب وہ اپنے شیشے کو سورج کے روبرو کر کے چادر کو اس کے مقابلہ پر لاتا ہے تو اسی وقت چادر میں آگ سلگ کر دھواں اٹھنے لگتا ہے اور جب شیشے کو سورج کے یا چادر کو شیشے کے سامنے سے سرکا دیتا ہے تو وہ تاثیر آتشیں باقی نہیں رہتی۔

یہ سارا تعجب انگیز ماجریٰ جب ہم ایک انتہائی درجے جاہل اور متعصب آدمی سے بیان کرتے ہیں تو بغیر کسی استعجاب کے اس کو تسلیم کرنے لگتا ہے لیکن باوجود اس کے وہ بہت افسوسناک بے باکی کے ساتھ محال سمجھ کر تمسخر اڑانے کو جائز رکھتا ہے جب ہم اس سے یہ کہتے ہیں کہ:

ایک خشک اور بے آب و گیاہ ریگستان میں جہاں بہت سے ایسے مختلف المذاہب مختلف الطبائع اور مختلف الالوان لوگ جمع تھے جن کے پتھریلے معبودوں کی مانند سخت اور سیاہ دلوں پر آفتاب کمالات کی شعاعیں بھی اپنا گہرا اثر نہ ڈالتی تھیں جن کے تہ بہ تہ مادی کثافتوں کے نیچے اُن کی لطیف روحانیت نے اپنے کو چھپا رکھا تھا اور جہالت آمیز حرکتوں

اور غافلانہ بدمستیوں سے دنیا کے اخلاقی مرقع کی اصلی صورت ایسی بگڑ گئی تھی کہ پہچانی نہ جا سکتی تھی۔

وہاں پر ایک ایسا صفا کیش اور روشن ضمیر انسان ظاہر ہوا جس کے قلب میں فطری طور پر کمالاتِ الٰہی سے استفادہ کرنے کی پوری استعداد ودیعت کی گئی تھی اور جس نے ہوش سنبھالتے ہی بغیر کسی ظاہری معلم کے تمام گرد و پیش کے خیالات سے علیحدہ ہو کر ایسی روش اختیار کی جو سیدھی معبودِ حقیقی تک پہنچانے والی تھی۔ اس پاکیزہ سرشت انسان کو اپنے جبلی اخلاق اور برگزیدہ ملکات کی بدولت جو وہ بطنِ مادر سے اپنے ساتھ لایا تھا اس منبع الکمالات خالق سے ایک خاص الخاص نزدیکی اور مناسبت قائم ہو گئی اور جس وقت وہ خدا کا پاک طینت بندہ تمام فانی تعلقات کو فراموش کیے ہوئے دل سے توجہ صادق کے ساتھ خدائے ذوالجلال کے جناب میں متوجہ ہو کر بیٹھا تو نہ معلوم کس غیر محسوس راستے سے ایک ایسی گرم روشنی اس کے قلب کی تہ میں اتری کہ پھر جو دل بھی سامنے آیا اس نے اس کی ساری کدورتوں اور آلائشوں کو جلا کر کندن بنا دیا۔

کیا کوئی عقل و انصاف کا حامی ان دونوں واقعوں میں جو ہم نے ذکر کیے مادیت اور روحانیت کے فرق کے سوا اور کوئی فرق ہم کو ایسا بتلا سکتا ہے جس سے ایک واقعہ تو ہمارے احمق مخاطب کے نزدیک قابلِ تسلیم ٹھہرا اور دوسرے کی محال اور ناممکن سمجھ کر ہنسی اڑائی گئی۔[1]

بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو صحابہ کرامؓ اس کے کچھ نہ کچھ آثار ضرور مشاہدہ کر لیتے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کا بیان ہے کہ:۔

جب آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کی طبیعت میں کچھ اضطراب سا پیدا ہو جاتا رُخِ انور میں ایک واضح تبدیلی آجاتی اور آپ اسی وقت سر مبارک جھکا لیتے۔ آپ کے صحابہؓ جو اس وقت پاس ہوتے سب کے سب اپنے سر نیچے کر لیتے اور وحی کے تمام ہونے پر آپ پھر سر مبارک اٹھا لیتے۔

---

[1] العقل والنقل لشیخ الاسلام العلامۃ العثمانی قدس سرہ العزیز

صفوان بن یعلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت یعلیٰؓ کی خواہش تھی کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھ سکیں۔ حضورؐ ایک دفعہ موضع جعرانہ[1] میں تھے کہ ایسا موقع پیدا ہو گیا آنحضرتؐ پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی۔ حضرت یعلیٰؓ کو پتہ لگا۔ حضرت یعلیٰؓ کہتے ہیں کہ :-

فاذا هو محمر الوجه يغطّ كذلك ساعة ثم سرّى عنه۔[2]

ترجمہ۔ حضورؐ کا چہرہ مبارک سُرخ تھا اور سانس بھی تیز تھا کچھ وقت تک یہی حالت رہی پھر یہ کیفیت دُور ہو گئی۔

حضرت امام غزالیؒ مقاصد المراصد میں لکھتے ہیں :-

اما الوحي والالهام فالنفس الناطقة اذا كانت قوية بحيث لم يكن اشتغالها بالبدن مانعًا من الاتصال بالمبادي القدسيّه وكانت المتخيّلة قوية بحيث تقوى على استخلاص الحس المشترك عن الحواس الظاهرة اتصلت حالة اليقظة بالعقول المجردة والنفوس السماوية وحصّل لها ادراك المغيبات على وجه كلي ثم المتخيّلة تحاكيها بصورة جزئية مناسبة لها وتنزل الى الحس المشترك فتصير مشاهدة محسوسة۔[3]

ترجمہ۔ وحی اور الہام کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ جب اس قدر قدرت حاصل کرلے کہ بدن سے مشتغل رہنے کے باوجود وہ مبادی قدسیہ سے اتصال پیدا کر سکے اور قوت متخیلہ اس قدر قوی ہو جائے کہ حسِ مشترک کو حواس ظاہری سے نجات دے سکے تو نفس ناطقہ بیداری کی حالت میں بھی عقول مجردہ اور نفوس سماویہ سے متصل ہو جاتا ہے اور اسے غیب کی باتوں کا ادراک بطور امر کلی حاصل ہو جاتا ہے۔[4] پھر قوت متخیلہ ایک جزئی

---

[1] مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر ایک موضع ہے۔ [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۵

[3] مقاصد المراصد جلد صفحہ

[4] ایک ایک جزئی کا ادراک ضروری نہیں امر کلی کے طور پر ایک پورا نقشہ کھچ جاتا ہے۔

کی صورت جو اس کے مناسب ہو پیدا کر لیتی ہے اور یہ صورت حسِ مشترک میں اُتر کر مشاہدہ محسوس ہونے لگتی ہے۔

ہم اس تفصیل سے پُورے متفق نہیں تاہم اس سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ وحی کا وجود کوئی ایسا امرِ محال ہرگز نہیں کہ عقل اس کی کوئی صورت تجویز ہی نہ کر سکے۔ متکلمین اسلام نے عقل کے پرستاروں کی تقریبِ ذہنی کے لیے ایسی کئی تعبیرات اختیار کی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ معاملہ ہرگز خلافِ عقل نہیں گو بالائے عقل ہے ہمارا طائرِ فکر وحی کی بلندیوں تک پرواز نہیں کر سکتا۔ ہم وحی کی ان صفات پر جو کتاب وسنّت میں منقول ہیں ایمان لاتے ہیں اور باقی تفصیلات خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ واللہ علی ما نقول شہید۔

وحی کی آواز

آنحضرتؐ پر جب قرآن نازل ہوتا تو آپ ایک گھنٹی کی سی آواز سُنتے۔ اس کی تفصیل پہلے ہو چکی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس کی آواز تھی۔ جبریل امین کی آواز تھی یا خود رب العزت کی آواز تھی یا یہ کہ یہ وحی کی اپنی آواز تھی۔

حضرت امام بخاری نے فرقہ جہمیہ کی تردید میں خود رب العزت کے لیے بھی آواز کا ثبوت بہم پہنچایا ہے اس صورت میں تشریح یہ ہو گی کہ جس طرح رب العزت کی ذات بے چون ومثل ہے۔ اسی طرح اس کی آواز بھی بے چون ومثل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

اذا تکلم اللہ بالوحی سمع اھل السمٰوات شیاءً فاذا فزّع عن قلوبھم وسکن الصوت عرفوا انہ الحق۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ جب وحی کے لیے کلام فرماتے ہیں تو اسے آسمانوں والے کچھ سُن لیتے ہیں جب ان سے خوف وہراس دُور ہو جاتا ہے اور آواز ٹھہر جاتی ہے تو وہ پہچان لیتے ہیں کہ وہ حق ہے۔

سمع اھل السّماء للسّماء صلصلۃ۔[2]

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱۴   [2] صحیح ابن حبان جلد ۱ ص ۳۶ مصر

ترجمہ آسمان والے آسمان میں ایک گھنٹی کی سی آواز سنتے ہیں۔

امام بخاریؒ کے نزدیک وہ آواز جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادیٔ سینا میں سُنی تھی وہ بھی رب العزت کی ہی آواز تھی۔ یہ حضرت امام بخاریؒ کا مسلک ہے جو اصولِ توحید سے ہرگز متصادم نہیں لیکن جمہور اہل اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ یہ آواز فرشتہ وحی کے پَروں کی تھی یا یہ فرشتے کی زبانی وحی کی آواز تھی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

ایک لطیف واقعہ

حضرت شاہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ عالمِ ارواح میں اُن کی روح عہدِ الست لیے جانے کے لیے ایک مثالی جسم میں داخل کی گئی اس وقت روح کو جسم میں داخل ہونے کا جو حکم ہوا اس کلام الٰہی کو خود اُن کی روح نے سنا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حق تعالیٰ کے کلام کا لہجہ تک یاد ہے روح اسی لذت میں مست ہو کر جسم میں داخل ہو گئی تھی۔ اس واقعہ پر عارف شہیر شیخ فریدالدین عطارؒ کے کلام سے ایک اشکال پیدا ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

ع قول او را لحن نے آواز نے

ترجمہ۔ اس کے قول کا نہ لہجہ ہے نہ آواز۔

حکیم الامت شیخ تھانویؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس وقت حق تعالیٰ کے کلام کی تجلّی مثالی ہوئی تھی اس تجلی مثالی میں کلام الٰہی صوت سے مقترن تھا اور یہ ایسی ہی تجلی تھی جیسے شجرہ طور پر تجلی مثالی ہوئی تھی جس کی وجہ سے درخت سے آواز آنے لگی وہ صوت بھی کلام الٰہی کی نہ تھی بلکہ کلام الٰہی کی تجلی مثالی کا اثر تھا کہ شجرہ میں آواز پیدا ہو گئی مگر ظاہر ہے کہ گو تجلی مثالی عین صفت

لہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قضی اللہ الامر فی السماء ضربت الملٰئکۃ باجنحتہا خضعانًا لقولہ کانہ سلسلۃ علیٰ صفوان حتّٰی اذا فزع عن قلوبہم الحدیث۔

(صحیح ابن حبان جلد ۱ ص ۳۵)

نہیں مگر اس کو صفتِ الٰہی سے بہ نسبت دوسرے حوادثات کے ایک خاص تعلق ضرور ہے تو اس کو مجازاً کلام الٰہی کہنا صحیح ہے اور اس میں بہت سے آثار حقیقی کلام الٰہی کے موجود ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ اثر بھی ہے کہ اس میں لذت بے حد ہوتی ہے کیونکہ اس کو کلام الٰہی حقیقی سے غایت درجہ قرب ہے۔[1]

وحی رسالت اور وحی قرآن میں فرق

وحی رسالت اور وحی قرآن میں عموم خصوص کی نسبت ہے۔ ہر وحی قرآن وحی رسالت ہے لیکن ضروری نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر وحی "وحی قرآن" ہی ہو۔ حضور اکرمؐ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی کا نزول ہوتا رہا۔ وحی کی اس قسم کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ اسی صنف وحی میں آنحضرتؐ پر معانی اترتے تھے۔ الفاظ اس میں حضورؐ کے اپنے ہوتے ہیں۔ کلام اللہ کا عنوان بے شک قرآن کے لیے ہی زیبا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن کے علاوہ بھی آنحضرتؐ کو شرفِ وحی سے نوازا ہے۔ آپ قطعی انداز میں جو بات بھی کہہ دیں سب خدا کی وحی ہے۔

وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ۔ (پ۲۷ النجم)

وحی رسالت، وحی قرآن سے عام ہے اور قرآن کے علاوہ اور بھی کئی مواقع کی وحی کو مشتمل ہے اس کے شواہد قرآن کریم میں بھی موجود ہیں گو وہ اصل وحی وہاں مذکور نہیں۔ قرآن پاک ایک خبر ربانی کی حکایت کرتا ہے اور وہ اصل خبر ربانی (محکی عنہ) قرآن پاک میں موجود نہیں اصل وحی کا مذکور نہ ہونا اور اس کی حکایت کا موجود ہونا ایک قرآنی شہادت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی رہی اور یہ کہ وحی رسالت ہر دو قسم کی وحی کو شامل ہے۔

---

[1] سلسلہ البلاغ کا دسواں وعظ مسمٰی بہ "ہم الآخرۃ"، صک مطبع تھانہ بھون

وحی رسالت کے عام ہونے پر قرآن کی پہلی شہادت

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے چپکے سے ایک بات کی حضرت حفصہؓ نے اسے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ذکر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی کہ آپ کی ایک بیوی نے اس بات کو دوسری پر ظاہر کر دیا ہے۔ اس پر آپؐ نے اس بیوی کو اس خبر کا کچھ حصہ جتلایا اور کچھ حصے سے درگزر کی۔ وہ حیران ہو کر کہنے لگیں کہ آپ کو کیسے پتہ چل گیا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے یہ بات کر دی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ مجھے اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔

قرآن پاک میں اس خبر ربانی اور وحی خداوندی کی حکایت تو موجود ہے کہ واقعی ایسی وحی حضور اکرمؐ پر آئی تھی لیکن وہ اصل وحی قرآن کریم میں کہیں موجود نہیں حکایت تو موجود ہے۔ لیکن محکی عنہ کہیں مذکور نہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ حکایت اور محکی عنہ دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں اور ان میں تغائر ضروری ہے۔ حکایت عن نفسہ اصولاً محال ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

واذا سرّ النّبی الیٰ بعض ازواجہ حدیثاً فلمّا نبّأت بہ واظہرہ اللہ علیہ عرّف بعضہ واعرض عن بعض ؕ فلمّا نبّاءھا بہ قالت من انباءک ھٰذا قال نبّانی العلیم الخبیر (پ۲۸ التحریم ۳)

ترجمہ۔ اور جب نبی نے اپنی ایک بیوی سے ایک بات علیحدگی میں کی پھر جب اس نے خبر کر دی اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی پر ظاہر کر دیا تو نبی نے کچھ بات جتلا دی اور کچھ ٹلا دی پھر جب اس نے اپنی بیوی کو یہ بات جتلائی تو اس نے پوچھا آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا مجھے اس ذات نے خبر دی ہے جو علیم و خبیر ہے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو جو خبر دی تھی جس کی یہاں حکایت کی جا رہی ہے وہ اصل خبر کہاں ہے قرآن کریم میں تو وہ موجود نہیں ہے پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ قرآن کریم کے علاوہ بھی آنحضرتؐ پر وحی ہوئی۔ سو وحی رسالت وحی قرآن اور وحی غیر متلو دونوں کو

شامل ہے۔

وحی رسالت کے عام ہونے پر قرآن کریم کی دوسری شہادت

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے قلعہ بند یہود کے متعلق اجازت فرمائی کہ ان کے کچھ درخت کاٹ دیئے جائیں اور باغ برباد کر دیئے جائیں تاکہ اس درد میں وہ باہر نکل پڑیں۔ نیز کھلی جنگ کے وقت درختوں کی کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ چنانچہ کچھ درخت کاٹ دیئے گئے۔

قرآن کریم میں ہے:-

ما قطعتم من لينةٍ او تركتموها قائمة على اصولها فباذن الله۔

(پ ۲۸ الحشر ۵)

ترجمہ۔ کھجور کے درخت جو تم نے کاٹ ڈالے تھے یا انہیں اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تھا یہ سب اللہ کے حکم سے تھا۔

سوال یہ ہے کہ وہ حکمِ الٰہی کہاں ہے کہ یہ درخت کاٹ ڈالو اور یہ اپنی جگہ رہنے دو قرآن میں تو یہ حکم کہیں موجود نہیں۔ ہاں اس حکم کی خبر اور اس اذن باری تعالیٰ کی حکایت پوری طرح سے موجود ہے۔

جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو درخت کاٹ دینے کی یہ اجازت وحی غیر متلو سے ملی تھی۔ جو وحی قرآن کے علاوہ ایک دوسری قسم کی وحی ہے۔ پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ وحی رسالت وحی قرآن سے عام ہے اور وحی غیر متلو کو بھی شامل ہے۔

وحی رسالت کے عام ہونے کی ایک اور شہادت

واذ قلنا لك ان ربّك احاط بالنّاس۔ (پ ۱۵ بنی اسرائیل ۶۰)

ترجمہ۔ اور جب ہم نے کہہ دیا تھا تجھے کہ تیرے رب نے گھیر لیا ہے لوگوں کو۔

قرآن کریم کی اس آیت میں ایک وحی کی حکایت ہے کسی وقت اللہ تعالیٰ نے کہا تھا۔ کہ بے شک تیرے رب نے لوگوں کو اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے وہ اصل وحی قرآن کریم میں نہیں

ملتی وہ ایک وحی غیر متلو تھی جس کی یہاں حکایت کی جا رہی ہے۔ رب العزت یہاں سابق کہی گئی بات کو یاد دلا رہے ہیں وہ سابق کہی گئی بات بے شک وحی رسالت ہے مگر یہ حقیقت ہے۔ کہ وہ وحی رسالت یقینی طور پر وحی قرآن نہیں ہاں اگر ماضی ماضی کے معنی میں نہ ہو بلکہ تحسین و توسع کے لیے مبالغہ ہو تو یہ امر دیگر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وحی رسالت کے عام ہونے پر قرآن کریم کی ایک اور شہادت

آنحضرتؐ پر معراج کی رات بہت سے رموز و اسرار منکشف ہوئے اور اللہ رب العزت نے آپ کو اس قدر حقائق و معارف وحی فرمائے کہ کلام کی بلاغت تفصیل کرنے سے اپنا دامن سمیٹتی ہے۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر اس طرح ملتا ہے:۔

فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ۔ (پ۲۷ النجم ۱۰)

یہ اختصار و اجمال اس بات کی ایک قوی شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات آپ پر وحی قرآن کے علاوہ اور بھی کئی اسرار وحی فرمائے۔ آنحضرتؐ کو اس رات جو پانچ نمازوں کا حکم ملا تھا وہ بھی وحی قرآن کے علاوہ رہا اور یہ وحی غیر متلو تھی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

قرآن کریم میں اور بھی کئی مثالیں ملیں گی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کسی سابق کہی گئی بات کی طرف توجہ دلائی اور وہ اصل وحی قرآن پاک میں نہ پائی گئی یہ ایک اشارہ ہے جو قرآن پاک میں پایا گیا سو اس یقین سے چارہ نہیں کہ آپ کی وحی رسالت قرآن پاک میں محدود نہیں۔ قرآن کریم کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے وحی غیر متلو سے آپ سے کلام فرمایا۔ گویا وہ کتنا ہی لطیف اشارہ کیوں نہ ہو۔

جمع القرآن

الحمدللہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس برس کی عمر میں جب آپ مکہ میں مقیم تھے قرآن پاک نازل ہونا شروع ہوا۔ پہلی وحی غار حرا میں آئی۔ طریق نزول یہ تھا کہ حضرت جبریل امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نزول فرماتے یا انسانی شکل میں متجسد ہو کر سامنے حاضر ہوتے اور حضورؐ کو آیاتِ قرآنی پڑھ کر سناتے آنحضرت سنتے جاتے اور آپ کو وہ یاد ہوتا چلا جاتا تھا۔

نزولِ وحی کے پہلے دنوں میں حضرت جبریل کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آنحضرتؐ بھی آہستگی سے پڑھتے رہتے تاکہ اسے جلد لے لیں مبادا جبریل چلے جائیں اور وحی قرآن اچھی طرح محفوظ نہ ہو سکے اور بعد میں اسے لکھوانے اور جمع کرنے میں کوئی دقت پیش ہو۔ اس میں آنحضرتؐ کو کافی مشقت اور دقّت کا سامنا ہوتا۔ قرأت قرآن کے آداب بھی جلدی کے حق میں نہ تھے اس پر اللہ رب العزت کا ارشاد ہوا:-

لا تحرّكْ به لسانك لتعجل به ۔ ان علينا جمعه وقرآنه ۔ فاذا قرأناه فاتّبع قرآنه ثم ان علينا بيانه ۔ (پ۲۹ القيامه)

ترجمہ: قرآن پاک پڑھے جانے پر آپ اپنی زبان مبارک کو بالکل حرکت نہ دیں کہ آپ اسے جلدی سے لے لیں۔ اس کا جمع کرنا اور اس کا آپ کی زبان پر جاری کرنا یہ بے شک ہمارے ذمہ ہے۔ پس جب ہم (فرشتہ کی زبان سے) قرآن پڑھ رہے ہوں تو آپ اسی قرأت کے تابع رہیں پھر اس قرآن کو کھول کر بیان کرنا بھی یقیناً ہمارے ذمہ ہے۔

رب العزت نے آنحضرت کو تسلی دی کہ قرآن پاک کا حرف حرف آپ کے قلب مبارک میں جمع کرنا اور پھر اسے آپ کی زبان مبارک سے پڑھوانا یہ سب ہمارے ذمہ ہے آپ اس کی فکر بالکل نہ کریں جس وقت جبریل امین قرآن پڑھ رہے ہوں تو ہمہ تن گوش رہیں اور خاموشی

سے سُنتے جائیں پھر اس کا یاد کرانا، اس کے علوم و معارف کا آپ پر کھول دینا اور پھر آپ کی زبان مبارک سے اسے جاری کرا دینا۔ ان سب امور کے ہم ذمہ دار ہیں۔

اس حکم ایزدی نے ہمیں آداب قرآن کے ایک نہایت اہم پہلو کی طرف بھی متوجہ کیا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جا رہا ہو تو اس کی عظمت و رفعت کا تقاضا ہے کہ جنہیں سُنایا جا رہا ہے وہ ہمہ تن گوش بنے رہیں۔ ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفہیم میں ارشاد فرماتے ہیں:-

فاستمع له وانصت۔[1]

ترجمہ۔ آپ قرآن کو سنتے رہیں اور خود بالکل خاموش رہیں۔

فكان رسول اللهؐ بعد ذلك اذا اتاه جبريل استمع فاذا انطلق جبريل قرأه النبيؐ كما قرأه۔[2]

ترجمہ۔ اس کے بعد جب بھی آپ کے پاس حضرت جبریل آتے آپ ان کی طرف کان لگا کر سنتے۔ جب جبریل چلے جاتے تو آپ اسے اسی طرح پڑھ دیتے جس طرح کہ جبریل نے آپ کے پاس پڑھا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس ادب قرآن کو ایک مستقل حکم بھی قرار دیا۔ فرمایا:-

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون۔ (پ۹ الاعراف)

آنحضرتؐ کا یہ بھی ایک معجزہ ہوا کہ ساری وحی سنتے رہے اس وقت زبان سے ایک حرف بھی نہ دُہرایا لیکن فرشتے کے جانے کے بعد پوری وحی لفظ بہ لفظ کامل ترتیب کے ساتھ بدوں ایک زیر و زبر کی تبدیلی کے فرفر سُنا دی۔[3]

اس بات کی وضاحت کے بعد کہ قرآن پاک کا جمع کرنا رب العزت نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا جسے اس نے اپنے پیغمبر برحق کے ذریعے شان تکمیل بخشی یہ امر بھی ذہن نشین ہونا چاہیئے کہ یہ جمع و تدوین صرف زبانی حفظ کی شکل میں ہی نہ تھی بلکہ اسے ساتھ ساتھ تحریر بھی کر لیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہی کئی مقامات پر تصریح کی ہے کہ میرا کلام کتابی شکل

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صـ۳ [2] [3] فوائد القرآن للعلامۃ العثمانی صـ۷۵

میں ہی نہ تھی بلکہ اسے ساتھ ساتھ تحریر بھی کر لیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہی کئی مقامات پر تصریح کی ہے کہ میرا کلام کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تصریح مکی اور مدنی دونوں قسم کی آیات میں ملتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :

(۱) الرٰ۔ کتاب احکمت آیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر۔ (پ۱۱ ہود مکی ۱)

ترجمہ۔ یہ کتاب ہے جس کی آیات نہایت مضبوط[1] و محکم ہیں اور پھر انہیں خوب کھول کر سمجھایا گیا ہے ایک حکیم و خبیر ذات کی طرف سے۔

(۲) المص۔ کتاب انزل الیک۔ (پ۸ الاعراف مکی ۱)

ترجمہ۔ یہ کتاب آپ پر اُتاری گئی ہے۔

(۳) الحمد للہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتاب ولم یجعل لہ عوجًا۔ (پ۱۵ الکہف مدنی ۱)

ترجمہ۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اُتاری اپنے بندے پر کتاب اور نہ رکھی اس میں کسی قسم کی کجی۔

(۴) قالوا اساطیر الاولین اکتتبہا۔ (پ۱۸ فرقان مکی ۵)

ترجمہ۔ کافروں نے کہا کہ یہ قرآن پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جنہیں اس پیغمبر نے از خود لکھ دیا ہے۔

---

[1] یعنی قرآن کریم وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ہے جس کی آیتیں لفظی اور معنوی ہر حیثیت سے نہایت جچی تلی ہیں نہ ان میں تناقض ہے نہ کوئی مضمون حکمت یا واقعہ کے خلاف ہے نہ باعتبار معجزانہ فصاحت و بلاغت کے کسی ایک حرف پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے جس مضمون کو جس عبارت میں ادا کیا محال ہے کہ اس سے بہتر تعبیر ہو سکے۔ الفاظ کی قبا معانی کی قامت پر نہ ذرا ڈھیلی ہے نہ تنگ۔ قرآنی حقائق و دلائل ایسے مضبوط و مستحکم ہیں کہ زمانہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے ان کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان نہیں ان تمام حکیمانہ خوبیوں کے باوجود معاش و معاد کی تمام مہمات کو خوب کھول کر سمجھایا ہے یہ نہیں کہ اجمال و ابہام سے اصل کتاب معمہ بن کر رہ جائے۔ یہ کتاب ابتداء نزول سے ہی عمل کے پیرائے میں اُترتی رہی اور کبھی اس میں عملاً کسی کو کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی۔

⑤ الٓمٓ. ذٰلِكَ الكتٰبُ لا ريب فيه. (پ البقرہ ۱)
ترجمہ۔ اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔

⑥ نزّل عليك الكتٰب مصدّقًا لما بين يديه۔ (پ۳ آل عمران مکی ۳)
ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے اُتاری ہے آپ پر کتاب سچی۔ تصدیق کرنے والی اگلی کتابوں کی۔

⑦ رسول من الله يتلوا صحفًا مطهّرة۔ (پ۳۰ البینہ مدنی)
ترجمہ۔ اللہ کا رسول ہے پڑھتا ہوا پاک اوراق جن میں لکھی ہیں مضبوط تحریریں۔[1]

قرآن پاک کے ابتداء سے ہی کتابی شکل میں ہونے کی یہ سات مکی اور مدنی قرآنی شہادتیں ہم نے پیش کر دی ہیں۔ قرآن پاک اگر حضرتؐ کے عہد مبارک میں صرف زبانی حفظ کی شکل میں ہی ہوتا تو قرآن پاک بار بار اپنے آپ کو کتابی شکل میں پیش نہ کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ نے قرآن لکھوانے کا بالکل ابتداء سے ہی التزام کر لیا تھا۔ حضرت خالد بن سعیدؓ کی بیٹی حضرت ام خالدؓ کہتی ہیں:۔

سب سے پہلے بسم اللہ میرے باپ نے لکھی تھی۔[2]

پیش نظر رہے کہ حضرت خالد بن سعیدؓ پانچویں مسلمان تھے اور اس وقت آپ کا قرآن لکھانے کا پورا اہتمام تھا۔ ارشاداتِ نبوت میں بھی کئی جگہ قرآن پاک کے کتابی شکل میں ہونے کا تذکرہ ملتا ہے۔

آنحضرتؐ نے مختلف مواقع پر قرآن پاک کا اس طرح ذکر کیا گویا کہ یہ ایک تحریری سرمایہ ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ان ممّا يلحق المؤمن من عمله وحسناته بعد موته علمًا علّمه و نشره وولدًا صالحًا تركه ومصحفًا ورثه او مسجدًا بناه.... الحديث[3]

---

[1] ہر سورت گویا مستقل کتاب ہے یا یہ مطلب ہے کہ جو عمدہ کتابیں آچکی ہیں ان سب کے ضروری خلاصے اس کتاب میں درج ہیں۔ (فوائد القرآن)

[2] استیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ [3] سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۲ عن ابی ہریرۃؓ

ترجمہ. مومن کو اپنی موت کے بعد جن اعمال اور نیکیوں سے حصہ ملتا رہتا ہے وہ یہ ہیں۔ ۱. علم جو اس نے سکھلایا اور پھیلایا۔ ۲. جو نیک اولاد چھوڑی ۳. لکھا ہوا قرآن جو اس کی وراثت میں کسی کو ملا۔ ۴. مسجد جو اس نے بنائی۔ ۵. کوئی نہر جو اس نے جاری کی۔ ۶. وہ صدقہ جاریہ جو اس نے اپنی صحت اور زندگی میں دیا۔

اگر قرآن پاک آنحضرتؐ کے سامنے کتابی شکل میں نہ ہوتا تو آپ تیسرے نمبر پر مصحف کی وراثت کا ذکر نہ فرماتے۔ یہ روایت سنن بیہقی میں بھی موجود ہے۔ کنزالعمال میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

قرأتك نظرا تضاعف على قرأتك ظاهرًا لفضل المكتوبة على النافلة۔

ترجمہ. تمہارا قرآن دیکھ کر پڑھنا، یاد پڑھنے سے اسی طرح فضیلت رکھتا ہے جیسے فرض نماز نفل پر فائق ہے۔

آنحضرتؐ نے ایک دفعہ قرآن پاک کی تحریریں کسی جگہ لٹکتی ہوئی دیکھیں تو فرمایا:۔

لا تغرّنكم هٰذه المصاحف المعلّقة۔ [1]

ترجمہ. اے لوگو! یہ لٹکائے ہوئے مصاحف تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دیں (کہ تم سمجھو ان کا یہی احترام کافی ہے اصل مقصد ان پر عمل ہے)

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں:۔

نهى ان يسافر بالقران الى ارض العدوّ مخافة ان يناله العدوّ۔ [2]

ترجمہ. آنحضرتؐ نے منع فرمایا ہے کہ قرآن پاک لے کر دشمن کی سرزمین میں جاؤ اندیشہ ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔

آنحضرتؐ نے مولود کعبہ سیدنا حکیم بن حزامؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو نصیحت فرمائی:۔

لا تمسّ القران الّا وانت طاهر۔ [3]

ترجمہ. قرآن کو ہاتھ مت لگانا مگر اس حال میں کہ تم باطہارت ہو۔

---

[1] کنزالعمال جلد ۱ صد ۱۳۴ مصر [2] ابن ماجہ صد ۲۱۲، بخاری جلد ۱ صد ۴۲۰ [3] مستدرک جلد ۳ صد ۴۸۵

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک واقعی کسی کتابی صورت میں ان دنوں لوگوں کے پاس موجود تھا تبھی تو حکم ہوا کہ اسے بغیر وضو نہ چھوؤ۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:۔

تربوا صحفکم انجح لہا ان التراب مبارک۔[۱]

ترجمہ۔ لکھے ہوئے قرآن (کی سیاہی خشک کرنے کے لیے) اس پر مٹی ڈال لیا کرو۔ کیونکہ مٹی پاک اور مبارک ہے۔

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن پاک آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ میں ہی کتابی صورت اختیار کر چکا تھا۔ کفار کے سامنے بھی اس کی کتابی صورت ظاہر تھی۔ قرآن پاک نازل ہونے سے پہلے بھی لوحِ محفوظ میں لکھا تھا۔ پہلے آسمان پر بھی مکتوبی صورت میں اُترا تھا۔ آنحضرتؐ پر وحی اُترتی تو آپ بھی اسے باقاعدگی سے تحریر کرا دیتے۔ اس وقت سے کر آج تک یہ کتابی شکل میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ گو ہر دور میں لاکھوں سینے بھی اسے محفوظ رکھتے چلے آئے لیکن ماسوائے لمحات نزول کے کبھی اس سے کتابی صورت جدا نہیں ہوئی۔

نزولی ترتیب لوحِ محفوظ کی اصولی ترتیب سے مختلف تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن پاک روزمرہ کے کسی باقاعدہ نظام نزول کی بجائے مختلف ضرورتوں اور مختلف موقعوں کے حسبِ حال نازل ہوتا تھا اس کا خاص فائدہ یہ تھا کہ فہم قرآن میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آتی تھی۔ تاہم جب یہ نازل ہو جاتا تو آنحضرتؐ اسے نزولی ترتیب کی بجائے اسی اصولی ترتیب پر لکھواتے جس ترتیب سے کہ یہ لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا تھا۔ آپ کاتبوں کو ہدایت فرما دیتے کہ یہ آیت فلاں سورت[۲] میں فلاں مقام پر لکھ لی جائے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں:۔

انزل القرآن اولاً جملة واحدة من اللوح المحفوظ الی السماء الدنیا ثم نزل علی حسب المصالح ثم اثبت فی المصاحف علی التالیف و النظم المثبت فی اللوح المحفوظ۔[۳]

۱؎ سنن ابن ماجہ ص۲۶۶ ۲؎ دیکھئے جامع ترمذی جلد ۲ ص۱۳۴ دہلی ص۳۶۸ لکھنؤ
۳؎ الاتقان ص۱۴۶ مصر

ترجمہ۔ قرآن پاک پہلے اکٹھا لوحِ محفوظ سے نچلے آسمان پر نازل ہوا پھر ضرورت کے مطابق نازل ہوتا رہا پھر اسی ترتیب کے مطابق مصاحف میں لکھا جاتا رہا جو ترتیب لوحِ محفوظ میں موجود تھی۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب آیت واتقوا یوماً فیه ترجعون الی الله نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کی کہ اس آیت کو البقرہ کی دو سو اسی آیتوں کے بعد لکھائیں۔[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ترتیب نزولی کے بعد ترتیب اصولی کی طرف رجوع یہ بھی اعلامِ الٰہی سے تھا اور یہ کہ موجودہ نظم آیات و سور توقیفی ہے۔

کاتبین وحی

آپ نے قرآن پاک لکھنے کے لیے بعض خاص صحابہؓ کو منتخب کر رکھا تھا مکہ میں حضرت صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ، علی المرتضیٰؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کاتبینِ وحی تھے۔ مدینہ منورہ میں حضرت زید بن ثابتؓ، ابی ابن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، ابوالدرداءؓ، ابو زیدؓ، ابو ایوب انصاریؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبادہ بن صامتؓ، تمیم داریؓ، سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، امیر معاویہؓ، عقبہ بن عامر الجہنیؓ، سعد بن عبیدؓ، عبداللہ بن ارقمؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ مشہور محدث ابن سید الناس (المتوفی ۷۳۴ھ) نے اڑتیس ۳۸ صحابہ کی فہرست پیش کی ہے۔[2] السیرت الحلبیہ میں بیس ۲۰ کاتبانِ وحی کا انتخاب درج ہے۔[3]

حافظ ابن حزم اندلسی (۴۵۷ھ) لکھتے ہیں کہ کاتبین وحی میں حضرت زید بن ثابتؓ کے بعد دوسرا نمبر حضرت امیر معاویہؓ کا ہے۔ آپ کی یہ منزلت فتح مکہ کے بعد قائم ہوئی۔ فتح مکہ کے بعد ان دونوں حضرات کا کتابتِ وحی اور اس کے علاوہ حضورؐ کی اور کتابت کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔

---

[1] دیکھئے تفسیر خازن جلد ص [2] عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۱۵/۳۱۶ [3] السیرت الحلبیہ جلد ۲ ص ۳۲۶

کان زید بن ثابت من الزم الناس لذلک ثم تلاہ معاویۃ بعد الفتح فکان ملازمین لکتابتہ بین یدیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الوحی وغیر ذلک لا عمل لھم غیر ذلک۔[۱]

ترجمہ: زید بن ثابتؓ اس پر سب سے زیادہ پابند تھے پھر فتح مکہ کے بعد ثانی معاویہؓ ہیں۔ یہ دونوں حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وحی اور آپ کے دوسرے خطوط وغیرہ کی کتابت کے لیے ملازم تھے ان دونوں کا اس کے سوا کوئی کام نہ تھا۔

پھر خطیب تبریزی (۷۴۳ھ) صاحب مشکوٰۃ اپنی کتاب الاکمال میں حضرت امیر معاویہؓ کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

وھو احد الذین کتبوا الرسول صلی اللہ علیہ وسلم الوحی۔[۲]

ترجمہ: آپ ان لوگوں میں سے ایک تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین وحی تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

ان معاویۃ کان من جملۃ الکتاب بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذین یکتبون الوحی۔[۳]

ترجمہ: معاویہؓ ان لوگوں میں سے ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وحی لکھتے تھے۔

جن حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پورا قرآن جمع کر لیا تھا (گو وہ مختلف تحریرات میں کیوں نہ ہو) وہ دس تھے[۴] مہاجرین میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سرفہرست ہیں۔

---

[۱] جوامع السیر ص۲۷ [۲] الاکمال ص۶۱۷ [۳] البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۱۹
[۴] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص۱۱۲

عہدِ نبوی میں قرآن پاک کے مُرتّب نُسخے

مہاجرین میں سے ان صحابہ کرامؓ نے عہد نبوی میں ہی پُورا قرآن جمع کرلیا تھا۔

کان ممن جمع القرآن علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو
حی عثمان بن عفانؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبدالله بن مسعودؓ
من المهاجرین۔[1]

ترجمہ: جن لوگوں نے عہدِ نبوی میں ہی قرآن جمع کرلیا ان میں حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم مہاجرین میں سے تھے۔

انصارِ مدینہ میں سے جن صحابہ کرامؓ نے پُورا قرآن جمع کرلیا تھا ان میں سے پانچ کے نام صحیح بخاری[2] میں ملتے ہیں۔

۱۔ ابی ابن کعبؓ (۱۹ھ) ۲۔ معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) ۳۔ زید بن ثابتؓ (۴۵ھ)
۴۔ ابوزیدؓ (ھ)۔ ۵۔ ابوالدرداءؓ (۳۲ھ)

حضرت عقبہ بن عامر الجہنیؓ اور حضرت سعد بن عبیدؓ کے لکھے ہوئے دو نسخوں کا پتہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ ابن عبدالبر کے بیانات سے ملتا ہے۔[3]

ابن ندیم[4] لکھتے ہیں کہ میں نے ابویعلیٰ حمزہ کے پاس ایک قرآن دیکھا تھا جو ان کے خاندان میں متوارث چلا آرہا تھا۔ یہ نسخہ حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔

پیش نظر رہے کہ ابن ندیم کا زمانہ چوتھی صدی کا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ چوتھی صدی تک وہ نسخہ موجود تھا۔ مشہد کے کتب خانہ رضوی میں حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک اور نسخہ سورۃ ہود سے آخر سورۃ کہف تک اب بھی صحیح سالم موجود ہے۔[5] چمڑے پر خطِ کوفی میں لکھا ہوا ہے اور موجودہ ترتیب کے بالکل مطابق ہے آخری صفحے پر لکھا ہے۔

---

[1] الاستیعاب جلد ۲ صہ ۳۸۵ وکذلک فی ازالۃ الخفاء جلد ۲ صہ ۲۷۳ [2] جامع بخاری جلد ۲ صہ ۷۴۸ دہلی [3] تہذیب التہذیب جلد ۷ صہ ۲۴۳، الاستیعاب جلد ۲ صہ ۵۶۵ [4] الفہرست صہ ۲۸ [5] مشاہدہ ڈاکٹر اقبال مندرجہ اورینٹل کالج میگزین ۱۹۳۵ء

كتبه علي ابن ابي طالب

حضرت عبادہ بن صامتؓ، ابوایوب انصاریؓ، تمیم داریؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے لکھے ہوئے نسخوں کا ذکر بھی سیر کی کتابوں میں ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے قرآن پاک جمع کرنے کا ذکر خود کرتے ہیں:-

جمعت القرآن وقرأت به كل ليلة فبلغ النبى فقال اقرأه في شهر [۲]

ترجمہ: میں نے قرآن کریم پورا جمع کر لیا ہوا تھا اور اسے ہر رات ختم کرتا تھا حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا قرآن پاک کو ایک مہینہ میں ختم کیا کرو۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ بعد میں حضور اکرمؐ نے انہیں ان کی مزید عرض پر پانچ دن میں ختم کرنے کی اجازت بھی دے دی تھی۔[۳]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) اپنے کاتب وحی ہونے کی خود شہادت دیتے ہیں:-

عن عبد الله بن عمرو اذ نحن عند رسول الله صلى الله عليه وسلم نكتب.... الخ (سنن دارمی ص۶۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں اس حالت میں کہ ہم (کاتبین وحی) حضورؐ کے پاس کتابت میں مصروف تھے۔ (الحدیث)

عرب کے مشہور شاعر حضرت لبیدؓ جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے بھی قرآن لکھنے کو اختیار فرمایا۔[۴]

حضرت امیر معاویہؓ کے کاتب ہونے کا ذکر حدیث[۵] و سیر کی کتابوں میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے قرآن لکھانے کا یہاں تک اہتمام تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پھر لکھا ہوا بھی سنتے تھے اگر کہیں ان سے فروگذاشت ہوتی تو اسے درست

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد۲ ص۱۱۲ [۲] رواہ النسائی بسند صحیح کما فی الاتقان ص۱۷۲ ونحوہ فی سنن ابی داؤد جلد۱ ص۱۹۷ وراجع لہ من حواشی البخاری جلد۲ ص۷۴۸، ص۷۵۶ [۳] جامع ترمذی جلد۲ ص۱۱۸ لکھنؤ [۴] جمہرۃ العرب ص۳۱ [۵] صحیح مسلم جلد۲ ص۳۰۴ مجمع الزوائد جلد۱ ص۶ کشف الاستار ص۱۰۲

کر دیتے۔ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں :۔

فاذا فرغت قال اقرء فاقرء ہ فان کان فیہ سقط اقامہ۔ [۱]

ترجمہ۔ جب میں لکھ چکتا تو آنحضرتؐ فرماتے اب پڑھو پس میں پڑھتا اگر کہیں غلطی ہوتی تو آپ اسے درست فرما دیتے۔

سارا قرآن متفرق اوراق میں لکھانے کے باوجود اُسے یکجا نہ کرنے کی وجہ

علامہ خطابی (۳۸۸ھ) لکھتے ہیں :۔

انما لم یجمع القرآن صلی اللہ علیہ وسلم فی المصحف لما کان یترقبہ من ورود ناسخ بعض احکامہ وتلاوتہ۔ [۲]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ نے قرآن پاک کو ایک ہی مصحف میں یکجا اس لیے نہیں کیا کہ کسی حکم یا آیت کے منسوخ ہونے کا احتمال آخر وحی میں موجود تھا۔

علامہ خطابی کی اس توجیہ کو نقل کرنے کے بعد شیخ الاسلام علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں :۔

فلما انقضی نزولہ بوفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم الھم اللہ الخلفاء الراسخین ذٰلک وفاءً لوعدہ الصادق لضمان حفظہ علیٰ ھٰذہ الامۃ المحمدیۃ فکان ابتداء ذالک علی ید الصدیق بمشورۃ عمر۔ [۳]

ترجمہ۔ جب آپ کی وفات پر قرآن کا نزول ختم ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے خلفاء راشدینؓ کے دل میں یہ بات ڈال دی تاکہ اس کا وہ سچا وعدہ جو اس امت محمدیہ کے لیے قرآن پاک کو محفوظ رکھنے کا تھا پورا ہو۔ حفاظت قرآن کے وعدہ کو پورا کرنے کی یہ ابتداء حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھوں حضرت عمرؓ کے مشورہ سے ہوئی۔

---

[۱] مجمع الزوائد جلد ۱ ص۶۰ حضرت زیدؓ کے کاتب وحی ہونے کا بیان بخاری جلد ۲ ص ۶۶۰/۶۶۱ ، ص۷۴۵، ترمذی جلد ۲ ص۱۹۱ لکھنؤ میں دیکھئے [۲] اتقان ص۸۵ [۳] عمدۃ القاری جلد ص

قرآن پاک کے عہدِ نبوی کے متعدد مصاحف کی خدمت عہدِ خلافت میں

یکجا ہونے کی خدمت عہدِ خلافت میں

قرآن پاک آنحضرتؐ کے عہدِ مبارک میں پورے کا پورا ضبطِ تحریر میں آچکا تھا اور اکثر صحابہ کرام کے پاس اس کی متعدد نقلیں موجود تھیں۔ تاہم ہر ایک نسخہ متعدد مصاحف پر مشتمل تھا اور آنحضرتؐ کی وفاتِ شریفہ تک قرآن پاک نے ایک شیرازے کی صورت اختیار نہ کی تھی۔ آنحضرتؐ نے یہی پاک صحیفے جن کی ہر سورت گویا ایک مستقل کتاب تھی امت کے سامنے پیش فرمائے

رسول من اللہ یتلوا صحفاً مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ (پ۳۰ البیّنہ)

ترجمہ۔ خدا کا یہ پیغمبر وہ پاک صحیفے پڑھ رہا ہے جن میں مضبوط تحریریں پائی جاتی ہیں۔

یہ متعدد مصاحف جن کا مجموعی نام قرآن تھا کس کس چیز پہ لکھے گئے؟ اس کے لیے دیکھنا چاہیئے کہ ان دنوں کس چیز سے کاغذ کا کام لیا جاتا تھا:۔

① ادیم (چمڑا)

تحریر کے لیے چمڑے کا استعمال عہدِ جاہلیت سے چلا آتا تھا چمڑے پر قلم کے نقوش دیرپا ہوتے تھے۔[۱]

② عسیب (شاخِ خرما)

کھجور کی ان شاخوں کو جن پر ابھی پتے نہ آئے ہوں گوند وغیرہ سے چکنا بنا کر لکھنے کے قابل بنا لیا جاتا تھا۔

③ لخفہ (سنگِ سفید)

سفید پتھر کی پتلی تختیاں۔ یہ اہم تحریروں اور قانونی وثائق کے لیے عرب میں استعمال ہوتی تھیں۔

---

[۱] مرقش اکبر کہتا ہے ؎ الدار قفر والرسوم۔ رقش فی ظھر الادیم قلم۔ محبوب کا مکان اگرچہ ویران ہو چکا ہے تاہم نشانات ایسے موجود ہیں جیسے چمڑے پر قلم کے نقوش ہوں۔

④ کتف

اُونٹ یا بکری کی چوڑی ہڈیاں جو لکھنے کے لیے صاف کر لی جاتی تھیں۔

⑤ قتب (پالان کی لکڑی)

بعض اوقات ان پر یادداشتیں لکھ لی جاتی تھیں۔

⑥ کاغذ

کاغذ کمیاب تھا مگر کہیں کہیں استعمال ضرور ہوتا تھا۔ اہم تحریروں کے لیے اس کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اس عہد میں کاغذ کے استعمال پر خود قرآن کریم کی یہ شہادت موجود ہے۔

ولو نزّلنا علیك كتاباً فی قرطاسٍ فلمسوه بایدیهم لقال الّذین
كفروا ان هٰذا الّا سحرٌ مبین۔ (پ الانعام ۷)

ترجمہ: اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی لکھائی کتاب اُتار دیتے کہ لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیں تو پھر بھی کافر یہی کہتے کہ یہ تو کُھلا ہوا جادو ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری وقت میں حضرت علی المرتضیٰؓ کو کاغذ لانے کے لیے کہا تھا تاکہ کچھ وصیت فرما دیں اسے حدیثِ قرطاس کہا جاتا ہے۔ اس روایت سے بھی اس دور میں کاغذ کی دستیابی کا پتہ چلتا ہے۔

قرآن پاک کاغذ کے علاوہ بعض دوسری چیزوں پر بھی لکھا جاتا رہا۔ یہ قرآنی مصاحف آنحضرتؐ کے عہد تک ایک شیرازے میں یک جا نہ ہوئے تھے گو پڑھنے کے اعتبار سے سارا قرآن مرتب تھا مگر ابھی تک اس نے یک جا ہونے کی کتابی صورت نہ پائی تھی۔ آپؐ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ کی تحریک اور کاتبینِ وحی کے تعاون سے اسے ایک شیرازے میں جمع کیا۔ تمام قرآنی رسالے یکجا ہو کر ایک کتابی صورت میں آگئے۔ حضرت زید بن ثابتؓ جو کاتبانِ وحی میں ممتاز مقام رکھتے تھے خلافت کی طرف سے اس خدمت کے لیے مامور کیے گئے اور قرآن پاک کے جمع و تدوین کی یہ دوسری منزل پُوری ہوئی۔ قرآن پاک عہدِ صدیقیؓ میں ایک شیرازے میں جمع ہوا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:-

قد اعلم اللہ تعالیٰ فی القرآن بانہ مجموع فی الصحف فی قولہ تعالیٰ یتلو صحفاً مطھرۃ الآیۃ وکان القرآن مکتوباً فی الصحف لکن کانت مفرقۃ فجمعھا ابوبکر ثم کانت بعدہ محفوظۃ الیٰ ان امر عثمان بالنسخ منھا فنسخ منھا عدۃ مصاحف وارسل بھا الی الامصار۔[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بتلایا ہے کہ قرآن مجید پاک صحیفوں میں جمع ہے اور یہ قرآن ان صحیفوں میں لکھا ہوا تھا لیکن یہ سب صحیفے متفرق اور علیحدہ علیحدہ تھے۔ پس حضرت ابوبکرؓ نے انہیں جمع کر دیا ان کے بعد یہ نسخہ برابر محفوظ رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے اس کی متعدد نقلیں کرا کر مختلف علاقوں میں بھجوادیں۔

مشہور مستشرق ولیم میور لکھتے ہیں :۔

لیکن اس بات کے ماننے کی زبردست وجوہ موجود ہیں کہ رسولؐ کی زندگی میں متفرق طور پر لکھے ہوئے قرآن کے نسخے صحابہؓ کے پاس موجود تھے اور یہ کہ حضورؐ کے دعوئے نبوت سے بہت پہلے مکہ میں فنِ تحریر باقاعدہ رائج ہو چکا تھا اور مدینہ جا کر پیغمبر اسلام نے مراسلات کے لیے کئی صحابہؓ کو مقرر کیا ہوا تھا اور ایک قرآن لکھا ہوا موجود تھا اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جو لوگ جنگِ بدر میں گرفتار ہوئے ان سے اس شرط پر آزاد کرنے کا عہد کیا گیا کہ وہ بعض مدنی آدمیوں کو لکھنا سکھادیں۔[2]

یہ مختلف صحیفے جن سے حضرت صدیق اکبرؓ نے قرآن کریم کو ایک شیرازے میں جمع کیا ایک ہی سلسلہ کتاب کے متفرق اجزاء تھے جن کی تقدیم و تاخیر اور ایک دوسرے سے نسق و ربط کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی قرآن پاک کے متعدد نسخے تیار ہو چکے تھے۔ اگر ایک نسخے کا ایک حصہ ایک تختی پر اور دوسرا کسی دوسری چیز پر لکھا ہوا ہوتا تھا تو ضروری نہ تھا کہ دوسرے نسخے کے اجزاء بھی

---

[1] فتح الباری جلد ۹ صـ۱۲ [2] دیباچہ لائف آف محمد صـ

انہی مقداروں میں علیحدہ علیحدہ لکھے ہوں ایک نسخے کے دو مختلف اجزاء کا دوسرے نسخے میں یک جا ہو جانا اور پھر اس دوسرے نسخے کی عبارت جہاں ختم ہوتی ہو پہلے نسخے کے آئندہ جزو میں اس عبارت کا اپنے مابعد سے متصل ہو جانا ان سارے اجزائے متفرقہ کے ایک سلسلہ کتاب ہونے کی کافی شہادت تھے۔ پھر حضرت جبریل جب آنحضرتؐ سے ہر سال قرآن پاک کا دور کرتے اور پھر آنحضرتؐ نمازوں میں قرآن پاک کو متواتر پڑھتے تو اس سے قرآن پاک واضح طور پر ایک مربوط سلسلہ کتاب کی صورت میں پیش ہوتا تھا۔

آنحضرتؐ کے عہد مبارک کے صحیفے اگر ایک ہی نسخہ قرآن پر مشتمل ہوتے تو پھر ہو سکتا تھا کہ ان سب اجزاء کا ایک سلسلہ کتاب ہونا موجب دقت ہوتا یا اس کے لیے کسی خارجی شہادت کی ضرورت پڑتی لیکن قرآن پاک عہد نبوت میں جب متعدد نسخوں میں لکھا جا چکا تھا اور ہر ایک کے اجزائے متفرقہ مختلف مقداروں میں مختلف چیزوں پر لکھے ہوئے ملتے تھے تو یہ صورت واقعہ اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ قرآن پاک عہد نبوت میں ہی ہر اعتبار سے جمع تھا صرف یکجائی نہ تھی جو عہد خلافت میں پوری ہوئی۔

پھر مختلف تحریروں منتشر رقعوں اور علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں کو یک جا کرنے کی کوششیں بھی آنحضرتؐ کے عہد مبارک سے ہی شروع ہو گئی تھیں۔ تاہم کامل یکجائی حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں عمل میں آئی۔ حاکم نے حضرت زید بن ثابتؓ سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو بخاری و مسلم کی شرطوں پر صحیح بتایا ہے:۔

کنا عند رسول اللہ نؤلف القرآن من الرقاع۔

ترجمہ۔ ہم لوگ حضورؐ کے سامنے ہی قرآن کو مختلف ٹکڑوں سے لے کر یکجا کیا کرتے تھے[1]

یہ کوشش بجائے خود بڑی مفید رہیں لیکن ان کا انفرادی پہلو اور پھر خود تسلسل نزول وحی ان صحیفوں کو ایک کامل یکجا صورت میں نہ لا سکا اور یہ کامل یکسوئی پوری احتیاطی تدابیر اجتماعی کوششوں اور سرکاری اہتمام سے عہد خلافت میں ہی عمل میں آئی۔ حضرت صدیق اکبرؓ

---

[1] فتح الباری پ ۹ ص ۲۲۴ دہلی

نے جب حضرت زید بن ثابتؓ کو اس کام کے لیے مامور فرمایا تو حضرت زیدؓ کہتے ہیں :-

فتتبّعتُ القراٰن اجمعه من العُسُب واللخاف وصدور الرجال الحديث. [1]

ترجمہ۔ میں نے قرآن پاک کو کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور حافظوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کیا۔

حضرت زیدؓ تالیف قرآن کے لیے اس کے اجزاء کا صرف لکھا ہوا ہونا ہی کافی نہ ضروری سمجھتے کہ ہر تحریر پر دو گواہ شہادت پیش کریں کہ واقعی یہ آنحضرتؐ کے سامنے ہی لکھی گئی تھی۔ پھر اس حصہ قرآن کے آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے سُنے ہوئے ہونے پر شہادت لی جاتی تھی اور یہ تمام کوششیں اس حقیقت پر مستزاد ہیں کہ حضرت زیدؓ خود حافظ قرآن تھے۔ آنحضرتؐ کے مقرر کردہ کاتبِ وحی تھے اور خود عہدِ نبوت میں تالیف قرآن کے لیے جدوجہد کرتے رہے تھے۔

حضرت زیدؓ اس کام کی اہمیت کے پیشِ نظر کام کی عظمت اور دِقت اور محنت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

فو الله لو كلّفونى نقل جبل من الجبال ما كان اثقل علىّ ممّا امرنى به من جمع القراٰن. [2]

ترجمہ۔ خدا کی قسم اگر حضرت ابو بکرؓ اور صحابہ کرامؓ مجھے کسی پہاڑ کے اپنی جگہ سے سرکانے کا حکم دیتے تو یہ مجھ پر اتنا گراں نہ ہوتا جتنا وہ حکم تھا جو حضرت ابو بکرؓ نے قرآن یکجا کرنے کا مجھے دیا۔

بہر حال قرآن پاک پورے اہتمام سے ایک شیرازے میں جمع ہوا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے آخر وقت میں قرآن پاک کا یہ نسخہ حضرت فاروق اعظمؓ کے سپرد کیا اور انہوں نے اپنے آخری وقت میں بدیں وجہ کہ اس وقت تک خلیفہ ثالث کا انتخاب عمل میں نہ آیا تھا، سے اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ کی تحویل میں دے دیا۔

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۴۵ [2] ایضاً

اس وقت تک کل قلمرو اسلامیہ میں قرآن پاک کے لیے صحابہؓ و تابعین کی سینہ بہ سینہ نقل ہی کافی سمجھی تھی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں قرآن پاک کی حفظ و اشاعت کا نہایت اہتمام کیا اور مختلف دیار و امصار میں آپ نے قرآن کو خوب پھیلایا۔

خلافت فاروقی میں قرآن کریم کی اشاعت

حضرت فاروق اعظمؓ نے صحابہ کرامؓ میں سے حضرت معاذ بن جبلؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابوالدرداءؓ، ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کو بلا کر حکم دیا کہ شام کے علاقہ میں تعلیم قرآن کے لیے نکل جائیں۔ آخر الذکر دونوں بزرگوں نے کچھ اپنی مجبوریاں پیش کیں اور پہلے تین بزرگ اس عظیم القدر مہم پر نکلے پہلے یہ حضرات حمص پہنچے۔ حضرت عبادہؓ وہیں ٹھہر گئے اور قرآن پاک کی تعلیم جاری کی۔ حضرت ابوالدرداءؓ دمشق کو اور حضرت معاذ بن جبلؓ بیت المقدس کی طرف[۱] نکل گئے۔ حضرت ابوالدرداءؓ کا طریق تعلیم[۲] یہ تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ جاتے اور قرآن پڑھنے والے سب وہیں بیٹھ جاتے انہیں دس دس کی ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور ہر ایک ٹکڑی پر حضرت ابوالدرداءؓ کا کوئی ایک خاص شاگرد مقرر ہو جاتا تھا ایک دن حلقہ درس میں شامل ہونے والوں کی تعداد معلوم کی گئی تو پتہ چلا کہ سولہ سو طالب علم اس حلقہ درس میں شامل ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے ایسے معلمین بھی مقرر کیے ہوئے تھے جو خانہ بدوش بدویوں میں پھر کر انہیں قرآن پاک کی جبری تعلیم دیتے۔ بدویوں کو بیدار کرنے کے لیے یہ انداز ضروری تھا پھر امتحان کے لیے کسی دوسرے اُستاد کو بھیجا جاتا تھا جسے قرآن پاک کی کوئی آیت یاد نہ ہوتی اسے حکومت کی طرف سے سزا ملتی تھی[۳]۔ عمال کو ہدایت تھی کہ معلموں اور قاریوں کی تنخواہیں[۴] مقرر کی جائیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جب فوجی افسروں کو لکھا کہ اپنے حلقہ کے حفاظ قرآن کو یہاں بھیج دو تاکہ انہیں تعلیم قرآن کے لیے مختلف دیار و امصار میں بھیج دیا جائے تو صرف حضرت سعد بن

۱؎ طبقات ابن سعد، کنز العمال جلد ا ص ۲۸۱ ۲؎ طبقات القراء للذہبی ۳؎ اغانی جلد ۶ ص ۱۵۸
۴؎ سیرت العمرین لابن الجوزیؒ

ابی وقاصؓ کی فوج میں سے ہی تین سو حفاظ قرآن نکلے۔ ؎۱

اشاعتِ قرآن کے اس اہتمام کے باوجود قرآن پاک کے عام تحریری نسخے ایک ہمہ گیر اصلاح کے محتاج تھے انہیں عہد صدیقی کے مرکزی نسخے سے منطبق رکھنا ضروری تھا سینہ بہ سینہ حفظ و اشاعت زیادہ دیر تک تحریری مصاحف کے لیے قوتِ حاکمہ نہ رہ سکتی تھی ضروراتِ وقت نے سیدنا حضرت عثمانؓ بن عفان کو عہد صدیقی کے مرکزی ٹکسالی نسخے کی باضابطہ نقل و اشاعت کی طرف متوجہ کیا اور غیر محتاط تحریری مسودے سب ناپید ہو گئے حفاظت قرآن کے وعدہ الٰہی کی تکمیل حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی اور یہ سعادت فیصلہ ازل میں جن کے نام تھی انہی کے نام سے منصۂ شہود پر آئی۔

عرب میں مختلف قبائل آباد تھے زبان بے شک سب کی عربی تھی مگر بولیاں مختلف تھیں۔ سب سے زیادہ اختلافات حجازی، نجدی اور یمنی بولیوں dialects میں تھا ہر علاقہ اور ہر قبیلہ کے اپنے محاورات تھے۔ الفاظ کے علاوہ مخارجِ حروف، اعراب، لہجات اوزان میں کافی اختلافات تھے۔ ایک قبیلہ حتیٰ کا تلفظ عتیٰ کرتا تھا اور بنو تمیم میں علامتِ مضارع فتحہ کی بجائے کسرہ سے پڑھی جاتی تھی وہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ کو اِیَّاكَ نِعْبُدُ پڑھنے میں مجبور تھے۔

عربوں کا سب سے بڑا ادبی، تجارتی اور قومی اجتماع سوق عکاظ مکہ کے پاس ہی منعقد ہوتا تھا۔ یہاں تمام قرب و جوار کے اہل کمال، شعراء اور خطباء اپنے اپنے کمالات دکھلاتے اور اس سالانہ مرکزی اجتماع کے باعث قریش کی زبان خوب منجھتی چلی جاتی۔ قریش خانہ کعبہ کے متولی تھے اور ان کی زبان ارتقائی منازل سے گزر کر عین نقطہ کمال پر پہنچ چکی تھی یہ نزول قرآن کا زمانہ تھا اور یہ عرب کے نامور شہرہ آفاق فصحاء و بلغاء ہی تھے۔ جنہیں قرآن کریم کی ایک سورت کی نظیر لانے کے لیے دعوتِ مبارزت دی گئی تھی۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ قرآن کی مثل لانے سے سب کے سب عاجز رہے اور خدائی کلام اپنی پوری شان کے ساتھ انسانی کلام سے ممتاز رہا۔

قرآن پاک لغتِ قریش میں نازل ہوا لیکن دوسرے قبیلوں کو بھی اپنے اپنے

؎۱ کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۱

لب ولہجہ اور اپنے اپنے اعراب میں پڑھنے کی اجازت تھی اور یہ وسعت خود شارح علیہ السلام کی طرف سے واضح کردی گئی تھی :-

ان ھٰذا القرآن انزل علیٰ سبعة احرف۔[1]

ترجمہ۔ بے شک یہ قرآن سات مختلف حرفوں پر نازل ہوا ہے۔

سات سے عدد معین مراد نہیں کثرت مراد ہے یہ محاورہ ہے۔ پھر حروفِ سبعہ سے یہ مراد نہیں کہ ہر لفظ میں سات لغات یا اعراب ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک لفظ میں زیادہ سے زیادہ سات کے قریب لغات یا اعراب ہو سکتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس قسم کے تمام اختلافات کا استقصاء کیا ہے۔ زیادہ تر اختلافات اعراب یا لغات کے ہیں مترادف الفاظ کا اختلاف شاذونادر ہے۔ کسی کسی عبارت میں دوسری قرأت زیادہ الفاظ پیش کرتی ہے۔ ان اختلافات سے نہ مفہوم کلام بدلتا ہے اور نہ اسے انسانی زیادتی کہہ سکتے ہیں :-

عن ابن عباس قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرأنی جبریل علیٰ حرفٍ فراجعتہ فلم ازل استزیدہ ویزیدنی حتیٰ انتھیٰ الی سبعة احرف قال ابن شہاب بلغنی ان تلک السبعة الاحرف انما ھی فی الامر تکون واحدًا لا یختلف فی حلال وحرام متفق علیہ۔[2]

ترجمہ۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے قرآن ایک ہی حرف پر پڑھایا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور برابر طلب زیادت کرتا رہا اور وہ بھی ایک حرف سے زائد پڑھتے رہے یہاں تک کہ یہ وسعتِ قرأت سات تک پہنچی۔ امام زہری کہتے ہیں کہ یہ سات طرز لغت یا اعراب دین میں ایک ہیں حلال وحرام میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

صحابہ کرامؓ میں بڑے بڑے حافظ اور قاری جو عامة الناس کے اختلافات درست

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صـ   [2] مشکوٰۃ باب فضائل القرآن صـ ۱۹۲ دہلی

کرتے اور ان مشکلات میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا. یہ سات بزرگ تھے:۔

حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت الوالدرداء، حضرت ابوموسے اشعری، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین. علاوہ ازیں حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابن عباسؓ، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی عام استفادہ کیا جاتا تھا. حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابی ابن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی اکتساب[1] علم کیا تھا. مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، دمشق اور پوری اسلامی دنیا میں جن لوگوں نے قرآن پڑھایا اور سکھایا اور وہ سب انہی دس بزرگوں کے شاگرد اور شاگرد در شاگرد تھے اور آج قرآن کا سلسلہ اسناد انہی حضرات پر منتہی ہوتا ہے۔

حضرت عثمانؓ جامع آیات القرآن

اسلام کی دعوت جب عجمی ممالک میں پہنچی اور ملتِ اسلامیہ کا دائرہ وسیع تر ہو گیا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن پاک کو اس پہلی ایک ہی قرآت "لغتِ قریش" میں پھیلایا جائے اور سرکاری طور پر اہتمام کیا جائے کہ اختلاف قرأت کہیں اختلافِ قرآن کی شکل اختیار نہ کر جائے پوری کوشش کی جائے کہ قرآن پاک کے نام سے کوئی غیر محتاط تحریر شائع نہ ہونے پائے۔

قرآن پاک کی اس خدمت کی سعادت حضرت عثمانؓ کے نام لکھی تھی. آپ نے قرآن پاک کو اسی ایک لغتِ قریش میں جمع کر دیا جو اس کی سب سے پہلی منزل تھی اور جس کے مطابق حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں قرآن کا مرکزی نسخہ لکھوایا تھا. حضرت عثمانؓ نے سورتوں کو بھی کامل طور پر مرتب کیا جو عہدِ صدیقی کے مرکزی ٹکسالی نسخے میں مختلف رسائل کی صورت میں جمع تھیں۔

حضرت عثمانؓ جب آذربائیجان اور آرمینیہ کی فتح میں مشغول تھے تو حضرت حذیفہؓ جو آنے والے واقعات اور اخبار فتن پر امتیازی نظر رکھتے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اختلاف قرأت سے اندیشناک ہو کر بارگاہِ خلافت میں عرض کی:۔

---

[1] الاتقان جلد ا صد ۷۲

یا امیر المؤمنین ادرک ھذہ الامّۃ قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیھود والنصاریٰ۔[1]

ترجمہ: اے امیر المومنین! اس امت کو سنبھال لیجئے پیشتر اس کے کہ وہ قرآن پاک میں اسی طرح کا اختلاف کرنے لگیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا تھا۔

اس پر حضرت عثمانؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے عہد صدیقی کا مرکزی نسخہ منگوا کر حضرت زید بن ثابتؓ کو جو عہدِ نبوت اور عہد صدیقی میں قرآن کی جمع و تدوین میں کام کر چکے تھے اور جمع قرآن کی پہلی دو منزلوں میں معتمد علیہ رہ چکے تھے حکم دیا کہ اس کی متعدد نقلیں کی جائیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، سعد بن عاصؓ اور عبدالرحمن بن حارثؓ حضرت زیدؓ کے معاون مقرر ہوئے۔ حضرت زیدؓ چونکہ قریش میں سے نہ تھے اس لیے حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ جب تمہارا اور زید بن ثابتؓ کا کسی بات میں اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان میں لکھو۔ کیوں کہ قرآن کی پہلی تنزیل لسانِ قریش تھی اور وہ سب سے پہلے قریش کی زبان میں ہی نازل ہوا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے قرآن پاک کو قریش کی ایک قرأت پر جمع کرنے کے بعد وہ قرآت جو آنحضرتؐ سے ثابت اور بعض صحابہؓ کی معمول و مختار تھیں صرف بطور روایت باقی رہیں اور پوری امتِ اسلامیہ میں اس کا التزام ہو گیا کہ قرآن کا ٹکسالی نسخہ صرف ایک رہے اور اسی کی نقلیں سارے بلادِ اسلامیہ میں رائج ہوں۔ حضرت امیر المومنینؓ کے حکم سے مکہ، یمن، بحرین، کوفہ، مصر اور شام وغیرہ میں اسی مرکزی نسخہ کی سرکاری نقول بھجوا دی گئیں۔ مدینہ منورہ کا مرکزی نسخہ امام کہلاتا تھا۔

احوالِ مصاحفِ عثمانیہ

ساتویں صدی ہجری کے مشہور مؤرخ علامہ ابوالقاسم تجیبی کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن پاک کی جو نقل شام بھجوائی تھی میں نے ۶۵۷ھ میں اس کی زیارت کی۔ شام کا یہ مصحف دمشق کی جامع مسجد کے ایک محراب میں رکھا تھا۔[2] مکہ معظمہ کے مصحف عثمانی کو میں نے

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۷۴۶ [2] مولانا شبلیؒ لکھتے ہیں کہ میرے سفر قسطنطنیہ کے زمانے تک دمشق میں یہ مصحف موجود تھا۔ (مقالات شبلی ص ۲۳)

قلمرو اندلس میں دیکھا تھا اہل اندلس اس مصحف کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ وہی مصحف ہے جس پر شہید ہوتے وقت حضرت عثمانؓ کا خون گرا تھا۔ اس میں آیت فسیکفیکهم الله پر خون کے نشانات موجود تھے۔

علامہ مقریزی کتاب الخطط میں اس سے متفق نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کے جس نسخہ پر خونِ شہید کے قطرے گرے تھے وہ مدینہ منورہ کا مرکزی نسخہ تھا مکہ معظمہ والا نسخہ نہ تھا۔ مصحفِ امام جو بوقت شہادت حضرت امیرالمؤمنین کے پاس تھا مدینہ منورہ والا مرکزی نسخہ تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ مکہ نے اپنے مصحف کو مصحف امام سے مشابہ کرنے کے لیے آیت مذکورہ پر خوشبو کے خون سے نشانات بنا لیے ہوں گے اور زمانے کے انقلاب کے ساتھ یہی قرآنی نسخہ پھر کسی طرح اندلس پہنچ گیا ہوگا۔ مسلمانوں کا پرانا رواج ہے کہ آثارِ سلف کی یادیں نہایت عقیدت سے محفوظ رکھتے ہیں ہو سکتا ہے انہوں نے اس عقیدت سے یہ نشانات لگا لیے ہوں۔

آٹھویں صدی کے مؤرخ عبدالملک کہتے ہیں کہ میں نے مکہ، مدینہ اور دمشق والے مصاحفِ عثمانی کی ۷۳۵ھ میں زیارت کی تھی ان مصاحف میں سے ایک مصحف خدا جانے کیوں کر اُندلس پہنچ گیا۔ قرطبہ کی جامع مسجد میں ایک مدت تک یہ مصحف احترام و تکریم سے دیکھا جاتا رہا ہے۔

مشہور سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ وہی امام نامی مصحف جس پر خون شہید کے نشانات تھے میں نے بصرہ کی جامع مسجد میں دیکھا تھا۔

بعض حضرات کی رائے ہے کہ اب وہ مصحف روس کے قدیمی مرکز میں موجود ہے واللہ اعلم بالصواب۔

ان تاریخی حوالوں سے ہمیں یہ ظاہر کرنا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن پاک کی جو ٹکسالی نقول مختلف بلاد میں بھجوائی تھیں مؤرخین ان قدیم نسخوں کی صدیوں تک نشاندہی کرتے رہے ہیں مرزا احمد سلطان گورگانی نے تصحیف کاتبین[1] کے شروع میں علامہ سمہودی کی کتاب وفاء الوفاء

---

[1] تفصیل کے لیے نفح الطیب جلد ا ص ۲۸۳ مطبوعہ مصر، مطبوعہ مطبع یوسفی دہلی ۱۹۱۸ء

کے حوالے سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مصحف امام حضرت امیرالمؤمنینؓ کی شہادت کے دن ہی ضائع ہو گیا تھا۔ راقم الحروف کے نزدیک خاور گورگانی کا یہ خیال صحیح نہیں اور وہ ان کے اختلافِ عقیدہ پر مبنی ہے۔ خاور صاحب کا استدلال اس روایت سے ہے :-

"حجاج بن یوسف نے قرآن پر اعراب لگوا کر اس کے نسخے بلادِ اسلامیہ میں بھجوائے تو حضرت عثمانؓ کی اولاد کو یہ امر ناگوار گزرا ان سے یہ کہا گیا مصحف امام نکالو جو حضرت عثمانؓ پڑھا کرتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ مصحف تو بروز شہادت امیرالمومنین ہی ضائع ہو گیا تھا۔"

ہمارے نزدیک اولادِ عثمان کا یہ جواب اس مصحف امام کو حجاج کے حوالے کرنے سے بچنے کے لیے ہو سکتا ہے وہ اسے بغیر اعراب یادگارِ سلف کے طور پر اپنے خاندان میں رکھنا چاہتے ہوں گے نیز اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مصحف امام اس دن غائب ہونے کے بعد پھر کسی اور موقعہ پر بھی ظاہر نہ ہوا ہو گا۔ علامہ سمہودیؒ[1] دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

"ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) کا بیان ہے کہ وہ قرآن پاک جو بوقت شہادت حضرت عثمانؓ کے پاس تھا ان کے بیٹے خالد کے پاس موجود تھا پھر اس کی اولاد میں رہا۔۔۔۔۔ اب شام کے بعض مشائخ نے بتایا ہے کہ وہ سرزمین طوس میں موجود ہے۔"

پھر علامہ ابو عبید القاسم بن سلام (متوفی ۲۲۴ھ) کی کتاب القرآت سے نقل کرتے ہیں کہ :-

"میں نے حضرت عثمانؓ کا مصحف خود دیکھا ہے اسے امام کہتے ہیں وہ بعض امراء کے خزائن میں محفوظ تھا جو مجھے دکھانے کے لیے لایا گیا میں نے اس پر امیرالمومنین کے خون کے نشانات دیکھے ہیں۔"

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مصحف امام حضرت امیرالمؤمنینؓ کی شہادت کے

---

[1] وفاء الوفاء جلد ۱ ص ۴۸۲

دن ضائع نہیں ہوا تھا اور مصاحف عثمانی کے تاریخی نسخے آٹھویں صدی ہجری تک عام دیکھے جاتے رہے ہیں۔

اجتماع العوام علی مصحف الامام

جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی حیاتِ اولیٰ میں قرآن پاک کی متفرق نقلیں لے رکھی تھیں، انہوں نے ان میں لسانِ قریش کا التزام نہ کیا تھا اور مختلف جگہوں پر مختلف قراآت بھی درج تھیں اسی طرح عہد صدیقی میں قرآن پاک کی یکجائی کے باوجود عوامی نسخے مختلف قراآت پر مشتمل تھے بعض بزرگوں نے کچھ تفصیلی نوٹ بھی ساتھ لکھ رکھے تھے۔ قرنِ اول کے لوگ اس میں اشتباہ کا شکار نہ ہوتے تھے لیکن آنے والے دور میں اختلافات قراآت اور تفسیری نوٹوں سے وحدت ملی اور اعتقادی سلامتی کے نذر انتشار ہونے کا بہت اندیشہ تھا۔ بالخصوص جبکہ عجمی لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور وہ متن اور شرح میں فرق کرنے پر ہرگز قادر نہ تھے۔ ان حالات میں صحابہ کرامؓ کی نظر بصیرت اس فیصلے پر پہنچی کہ پورے بلادِ اسلامیہ میں ایک بھی مصحف ایسا نہ رہے جو مدینہ منورہ کے ٹکسالی نسخے اور مصحف امام سے مختلف ہو جس جس نسخے پر تشریحی نوٹ یا اختلافاتِ قراآت منسوخ التلاوت آیات درج ہوں ان سب کو مرکزی معیاری نسخے سے ہم آہنگ کیا جائے اور مواقع اختلاف کو محو کر دیا جائے یا کھرچ دیا جائے یا دھو دیا جائے تاکہ قرآن اور غیر قرآن میں کوئی اشتباہ پیدا نہ ہو اور نہ اختلافِ لغات و اعراب ملّت میں کسی انتشار کا سامان بنے۔

اس طرح تمام قلمرو اسلامیہ کے عوام ایک مصحف امام پر جمع ہو گئے عوام کو محفوظ رکھنے کے لیے خواص کو بھی ان اختلافات کے باقی رکھنے کی اجازت نہ دی گئی مصحف امام (مدینہ منورہ کے مرکزی نسخہ قرآن) کی پشت پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:۔

هذا ما اجمع علیه جماعة من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم من زید بن ثابتؓ وعبد الله بن الزبیرؓ وسعید بن العاصؓ۔

(اس کے بعد کچھ اور صحابہؓ کے نام بھی اس میں تھے۔

مصحف امام جیسے صحیح اور غیر مشتبہ نسخوں کے سوا دوسرے مصاحف میں جو کچھ تفسیری نوٹ، اختلاف قرأت اور منسوخ التلاوت آیات وغیرہا کے اندراجات تھے ان سب کے متعلق حکم صادر ہوا کہ ایسی تمام عبارات کو ہر صحیفہ اور مصحف میں سے کھرچ دیا جائے تاکہ مظنہ اشتباہ باقی نہ رہے۔

امر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق۔ [۱]

ترجمہ۔ حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ ہر صحیفہ یا مصحف میں سے جو کچھ قرآن کے ماسوا لکھا ہے اسے چھیل دیا جائے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یُحْرَقُ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ اسے اِحراق (باب افعال) سے مانا جائے اور اس کے معنی جلانے کے کیے جائیں۔ ۲۔ اسے ثلاثی مجرد حَرَقَ یُحْرُقُ سے لیا جائے اور اس کے معنی کسی آلہ سے رگڑ کر چھیل ڈالنے اور کھرچ دینے کے کیے جائیں کلام عرب میں اس لفظ کے یہ معنی بھی عام ملتے ہیں۔ حدیث میں ہے:۔

یحرقون انیابھم غیظاً وحنقاً۔ [۲]

ترجمہ۔ اہل جہنم غصے اور گھٹن سے اپنے دانتوں کو رگڑتے ہوں گے۔

---

[۱] بخاری جلد ۲ ص۷۴۶ [۲] مجمع البحار ص۲۵۶

[ع] تاج العروس شرح قاموس میں ہے حَرَقَہٗ (ای الحدید بالمبرد) یحرقہ حرقاً من حد نصر بردہ وحك بعضہ ببعض (تاج العروس جلد ۶ ص۳۱۱ مصر) لسان العرب میں ہے۔ حرق نابہ یحرقہ ای سحقہ حتی سمع لہ صریف (لسان العرب جلد ۱ ص۴۴) مجمع البحار میں ہے۔ انہ نھی عن حرق النواۃ ھو بردھا بالمبرد (مجمع البحار ص۲۵۶) قاضی بیضاوی سورۃ طٰہٰ کی تفسیر میں لنُحَرِّقَنَّہٗ کی بحث میں لکھتے ہیں۔ او بالمبرد علی انہ مبالغہ فی حرق اذا برد بالمبرد (بیضاوی ص۳۱۹ مصر) لسان العرب میں ہے۔ قرء علی کرم اللہ وجھہ لنحرّقنّہ ای لنبرّدنّہ۔ (لسان العرب جلد ۱۰ ص۴۵ مطبوعہ مصر)

لسان العرب میں اس حدیث کے معنی یہ ہیں :۔

وفی الحدیث یحرقون انیابھم غیظاً وحنقاً ای یحکون بعضھا ببعض[1]

صحیح بخاری کی اس روایت میں ان یحرق کے الفاظ بصیغہ مجہول ملیں اور مجہول کا یہ صیغہ باب افعال اور ثلاثی مجرد دونوں سے آسکتا ہے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ امیرالمومنین کے حکم میں اصل مراد کیا تھی؟ وہ یہی تو تھی کہ قرآن کے سوا جو کچھ لکھا ہے اسے مٹادیا جائے۔

مجمع البحار میں ہے :۔

لان المحروق ھو القرآن المنسوخ او المختلط بغیرہ من التفسیر او بلغة غیر[ع] قریش او القرأت الشاذة۔[2]

ترجمہ: جو عبارات چھیلی گئی تھیں وہ وہی تھیں جو منسوخ التلاوت آیات تھیں یا تفسیری نوٹوں سے مخلوط ہو گئی تھیں یا غیر قریش کی لغات تھیں یا شاذ قرأتوں پر مشتمل تھیں۔

محروق ثلاثی مجرد کے باب سے ہے باب افعال سے مفعول مُحرَق آتا ہے پس جلانے کی معنی صحیح نہیں جلانے کا معنی کرنے میں سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ کسی کتاب سے غیر مطلوب عبارتوں کو چھیل ڈالنا ممکن ہے لیکن کتاب کو باقی رکھتے ہوئے بعض عبارتوں کو جلانا کسی طرح ممکن نہیں اس طرح تو ساری کتاب جل جائے گی۔

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کا یہ حکم قرآن کے ماسوا منسوخ التلاوت آیات یا تفسیری نوٹوں وغیرہ ہی پر مشتمل تھا قرآن کے پورے نسخے سے متعلق ہرگز نہ تھا اب یہ تو ممکن ہے کہ غیر مطلوب عبارات کو کھرچ کر اصل کتاب کو محفوظ کر لیا جائے لیکن یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ بعض عبارات کو جلا کر باقی کتاب کو بچایا جا سکے تعجب ہے کہ بعض لوگوں نے اس کے معنی جلانے کے کیسے کر دیئے یہ تو کسی طرح تصور میں نہیں آسکتا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس روایت کے کسی صحیح طریق میں ان یُحرَق کے ساتھ بالنار وغیرہ کے الفاظ نہیں ملتے۔

---

[1] لسان العرب جلد ۱۰ صـ۴۴ [ع] اصل عبارت میں کاتب کی غلطی سے "غیر" کا لفظ رہ گیا تھا اسے ہم نے صحیح بخاری جلد ۲ صـ۲۴۶ کے حواشی سے درست کر دیا ہے [2] مجمع البحار صـ۲۵۶

امام الائمہ حضرت امام محمدؒ کی بلند پایہ کتاب سیر کبیر امام سرخسی کی شرح کے ساتھ چار جلدوں میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں اس مسئلے کے ضمن میں کہ جب مسلمانوں کو مالِ غنیمت میں کوئی مصحف ملے اور یہ پتہ نہ چلے کہ اس میں کیا لکھا ہے کہیں تورات و زبور تو نہیں اس کی بیع اور تقسیم بین الغانمین جائز نہیں، حضرت امام محمدؒ لکھتے ہیں:۔

ولا ینبغی له ان یحرق بالنار ذلك ایضًا لانّه من الجائز ان یکون فیه شیء من ذکر الله تعالیٰ او مما هو کلام الله تعالیٰ ففی احراقه بالنار من الاستخفاف مالا یخفی والذی یروی عن عثمان انه فعل ذٰلك بالمصاحف المختلفة حین اراد جمع الناس علی مصحف واحد لا یکاد یصح فالذی ظهر منه من تعظیم الحرمة لکتاب الله تعالیٰ والمداومة علیٰ تلاوته اناء اللیل والنهار دلیل علیٰ انه لا اصل لذلك الحدیث۔[1]

ترجمہ۔ امیر لشکر کے لیے جائز نہیں کہ اس مصحف کو آگ میں ڈالے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ اس میں ذکر الٰہی یا کلام الٰہی میں سے کچھ ہو پس اسے آگ میں جلانے سے اس کی بے حرمتی ہے جو ظاہر ہے اور وہ جو حضرت عثمانؓ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ جب انہوں نے لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کرنا چاہا تھا تو مصاحف مختلفہ جلا دیئے تھے سو یہ روایت صحیح نہیں۔ حضرت عثمانؓ سے کتاب اللہ کی جو تعظیم و حرمت اور رات دن اس کی تلاوت اور اس پر مداومت منقول ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے متعلق قرآن جلانے کی روایت بالکل بے بنیاد ہے

حضرت امام محمدؒ کے اس فیصلے کی روشنی میں ہم صحیح بخاری کی روایت میں ان یحرق کے معنی کھرچنے اور رگڑنے کے ہی کریں گے جلانے کے معنی ہوں تو پھر اس روایت کی صحت تسلیم نہ ہوگی۔ حالانکہ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے اور اسناداً بالکل صحیح ہے جلانے کے معنی

---

[1] سیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۷

کی صورت میں اس کا حضرت امام محمدؒ کے فیصلے سے کھلا تصادم ہوگا۔ پس ترجیح سے تطبیق اولیٰ ہے اور جلانے وغیرہ کے معنی یہاں ہرگز نہیں لیے جا سکتے۔

حضرت عثمانؓ کی یہ کاوش صرف اس لیے تھی کہ قرآن کریم کو غیر قرآنی اختلاط سے محفوظ کر لیا جائے نہ کہ قرآن کے سب سے پرانے نسخے ہی ضائع کر دیئے جائیں اس تحریک کا مقصد قرآن کی تجرید اور تحفظ کے سوا اور کچھ نہ تھا محدث عبدالرزاق اپنے "مصنف" میں ابواب صوم کے آخر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

جردوا القرآن لا تلحقوا به ماليس منه۔[1]

ترجمہ۔ قرآن پاک کو غیر قرآنی عبارات سے جدا رکھو اس میں ان ان جملوں کو نہ ملاؤ جو قرآن میں سے نہیں۔

ابراہیم حربی "غریب الحدیث" میں لکھتے ہیں کہ اس حکم تجرید میں دو احتمال ہیں۔ ۱۔ تجرید فی التلاوۃ۔ ۲۔ تجرید فی الخط۔ مشہور محدث حافظ زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔[2]

رفع اختلاف کا ایک اور انداز

صحیح بخاری کی روایت میں اَنْ یُحْرَقَ کے الفاظ مختلف فیہ ہیں بعض نسخوں میں اَنْ یُحرَقَ کے الفاظ ہیں اور بعض نسخوں میں ان کی بجائے ان یُخرَقَ کے الفاظ ملتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بڑے وثوق سے لکھتے ہیں:۔

فی روایۃ الاکثر ان یخرق بالخاء المعجمۃ وھو اثبت۔[3]

ترجمہ۔ صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں یحرق کی بجائے یخرق ہے اور یہی باعتبار ثبوت پختہ ہے۔

یخرق کے معنی چھیل دینے اور الفاظ کو توڑ دینے کے ہیں یہ معنی یحرق کے ان معنی

---

[1] المصنف لعبدالرزاق جلد ص [2] نصب الرایہ فصل فی البیع جلد ۳ ص ۲۹۹ مطبوعہ مصر الثانی اولیٰ

[3] فتح الباری جلد ۹ ص ۱۶

کے بھی بہت قریب ہیں جو ہم نے پہلے بیان کیے ہیں اختلاف نسخہ کا قرینہ بتا رہا ہے کہ یحرق کے معنی بھی جلانے کی بجائے چھیل ڈالنے کے ہی کیے جائیں محدث شہیر ملا علی قاریؒ مشکوٰۃ کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

قد یروی بالمعجمۃ ای ینقض و یقطع ذکرہ الطیبی وقال العسقلانی فی روایۃ الاکثران یخرق۔ [1]

ترجمہ۔ بخاری کی یہ روایت ان یخرق کے طور پر بھی مروی ہے اس کے معنی الفاظ کو توڑ دینے کے ہیں اکثر نسخوں میں اسی طرح ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؒ سے بھی منقول ہے :۔

لا تحرقوا القراطیس ولکن امحوھا وخرقوھا۔ [2]

ترجمہ۔ پاک کاغذوں کو جلایا نہ کرو الفاظ کو محو کر دیا کرو اور انہیں کاٹ چھیل دیا کرو۔

پیش نظر رہے کہ مصاحف مقدسہ کو پہلے دھو ڈالنا اور پھر جلانا ہرگز موجب استخفاف نہیں حضرت امام محمدؒ جس جلانے کو بے ادبی اور توہین قرار دے رہے ہیں وہ دھونے کے بغیر ہے۔ قاضی عیاض بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے بھی مصاحف مختلفہ کو پہلے پانی سے صاف کر لیا تھا اس صورت میں اَنْ یُحْرَقَ کے معنی جلانے کے بھی کر لیے جائیں تو بخاری کی روایت حضرت امام محمدؒ کے فیصلے سے نہیں ٹکراتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :۔

جزم عیاض بانھم غسلوھا بالماء ثم احرقوھا مبالغۃ فی اذھابھا۔ [3]

ترجمہ۔ قاضی عیاض بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ پہلے انہوں نے تحریرات کو پانی سے صاف کر لیا تھا اور پھر انہیں جلایا تھا۔

ملا محمد بن یعقوب الکلینی حضرت امام موسیٰ کاظم سے روایت کرتے ہیں :۔

ھل تحرق بالنار شیئ من ذکر اللہ عزوجل قال " لا " تغتسل بالماء اولا قبل [4]

---

[1] مرقات جلد ۵ [2] اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۶۷۳ [3] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۵ [4] اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۶۷۳

ترجمہ. کیا وہ کاغذات جلائے جا سکتے ہیں جن میں اللہ کا ذکر ہو۔ آپ نے فرمایا البتہ جلانے سے پہلے دھولیا جائے۔

معلوم ہوا کہ دھو کر جلانا موجب اعتراض نہیں۔ پس دھونے کی روایت کو ان تمام روایات میں محذوف مانا جائے گا جو اس سے خالی ہیں قاضی عیاضؒ کو اس پر بڑا وثوق ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ بخاری کی روایات میں ان یحرق کے معنی جلانے کے نہیں اور بخاری کی اصل روایت ان یحرق کے الفاظ سے بھی نہیں۔ علی سبیل التنزل دھونے کی قید بھی موجود ہے جو ہر روایت میں ملحوظ ہو گی۔ پس حضرت عثمانؓ کے اس عمل میں کوئی پہلو محل اعتراض نہیں ہے۔

یاد رہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن پاک کو فتنۂ اختلاف سے بچانے کے لیے جو کچھ کیا سب اکابر صحابہؓ اس میں شریک تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ ارشاد فرماتے ہیں۔

لا تقولوا فی عثمان الا خیرًا فواللہ ما فعل الذی فعل بالمصاحف الا عن ملأ منا۔ [1]

ترجمہ. حضرت عثمانؓ کے حق میں سوائے نیکی کے کچھ نہ کہو خدا کی قسم جو کچھ انہوں نے مصاحف کے ساتھ کیا وہ ہم سب صحابہؓ کی موجودگی میں کیا (یعنی ان کی رضامندی سے کیا)۔

بلکہ فرماتے ہیں:۔

لو ولیت لعملت بالمصحف الذی عملہ عثمان [2]

ترجمہ. اگر میں والی بنا دیا جاتا تو میں بھی قرآن پاک کے ساتھ وہی معاملہ کرتا جو حضرت عثمانؓ نے کیا تھا۔

اب جو قرآن پاک ہمارے سامنے ہے وہ مصحف امام کے بالکل مطابق ہے مصحف امام کی اصل مصحف صدیقی تھی اور مصحف صدیقی ہو بہو بلا ایک حرف کی کمی بیشی کے وہی تھا جو آنحضرتؐ نے اپنے سامنے مختلف چیزوں پر لکھوایا ہوا تھا اور جسے کہ آپ اور آپ کے اصحاب شب و روز اپنی قرأت اور تلاوت میں محفوظ رکھتے تھے۔

---

[1] فتح الباری جلد ۹ ص۱۵ [2] روح المعانی ص۲۳

سوید بن غفلہ کہتے ہیں میں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو کہتے ہوئے سُنا:۔

یا ایھا الناس لا تغلوا فی عثمان ولا تقولوا له الا خیرًا فی المصاحف احراق المصاحف فواللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملاء منا جمیعًا۔[۱]

ترجمہ۔ اے لوگو! حضرت عثمانؓ کے بارے میں کوئی زیادتی نہ کرو اور آپ کے بارے بسلسلہ مصاحف اور احراق مصاحف کلمہ خیر کے سوا اور کچھ نہ کہو خدا کی قسم آپ نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ کیا ہم سب کے مشورہ سے کیا تھا۔

اور فرمایا:۔

رحم اللہ عثمان لو ولیته لفعلت ما فعل فی المصاحف۔[۲]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ حضرت عثمانؓ پہ رحم فرمائے اگر میں بھی والی بنایا گیا ہوتا تو مصاحف کے بارے میں وہی کچھ کرتا جو آپ نے کیا ہے۔

اب پانچویں صدی کی ایک اجماعی شہادت حافظ ابن عبد البر مالکی (۴۶۳ھ) سے بھی لے لیں آپ لکھتے ہیں:۔

واجمع العلماء ان ما فی مصحف عثمان بن عفانؓ وھو الذی بایدی المسلمین فی اقطار الارض حیث کانوا ھو القرآن المحفوظ الذی یجوز لاحد ان یتجاوزہ ولا تحل الصلوٰۃ لمسلم الا بما فیه۔[۳]

ترجمہ۔ اور اس پر سب علماء کا اجماع ہو چکا ہے کہ مصحف عثمان جو آج ساری دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں وہی قرآن محفوظ ہے کسی کے لیے یہ نہیں کہ اس سے تجاوز کرے۔ اور مسلمان کی نماز اسی سے ہو سکتی ہے جو اس میں ہے۔

ایک کتاب التمہید محمد بن یحییٰ بن ابی بکر الاشعری کی بھی ہے اس کا پورا نام کتاب التمہید والایمان فی مقتل الشہید عثمانؓ ہے۔ اس میں یہ بھی ہے:۔

---

[۱] کتاب المصاحف لابی داؤد السجستانی ص۲۲ [۲] ایضاً ص۲۳ تفسیر البرہان فی علوم القرآن جلد ۱ ص۲۴۰
[۳] کتاب التمہید لما فی الموطا من المعانی والمسانید جلد ۴ ص۲۷۸

فعل ذٰلکَ عثمان ولو کان منکرًا لکان علیٰ غیرہ لما صار الامر الیہ فلما لم یغیرہ علیٰ ان عثمان کان مصیبًا فی ما فعل۔[1]

ترجمہ عثمانؓ نے ایسا کیا کہ اگر یہ بات غلط ہوتی تو حضرت علیؓ جب خلیفہ ہوئے تو اسے ضرور بدل دیتے جب آپ نے اس ترتیب میں تبدیلی نہ کی تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ اپنے عمل میں راستی پر تھے

اگر یہ کہا جائے کہ یہ صحیح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے آپ کی مخالفت نہ کی لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تو آپ کی مخالفت کی تھی اور آپ کا علمی مقام کسی صورت میں کسی دوسرے صحابی سے کم نہ تھا۔

ہم جواباً کہیں گے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اس اختلاف سے رجوع کر لیا تھا اور آپ صحابہؓ کے اس اجماع میں شامل ہو گئے تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں :-

فکتب علیہ عثمان یدعوہ الی اتباع الصحابۃ فیما اجمعوا علیہ من المصلحۃ فی ذلک وجمع الکلمۃ وعدم الاختلاف فاناب واجاب الی المتابعۃ وترک المخالفۃ رضی اللہ عنہم اجمعین۔[2]

ترجمہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو لکھا کہ وہ بھی صحابہؓ کے ساتھ چلیں اس میں جس کے درست ہونے پر سب کا اجماع ہو چکا۔ اتحاد میں شامل رہیں اور اختلاف نہ کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس پر جھک گئے اور صحابہؓ کی پیروی مان لی مخالفت چھوڑ دی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر راضی ہو۔

افسوس کہ بعض لوگ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس اتفاق سے بہت پریشان ہیں اور انہوں نے ان دونوں میں عداوت ظاہر کرنے کی ایسی روایات گھڑ رکھی ہیں کہ الامان والحفیظ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات کے بارے میں یہ روایت قطعاً جھوٹ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے غلام نے آپ کو زدوکوب کیا تھا یہ ان لوگوں کا یہ بہتان ہے جو مسلمانوں میں اتحاد نہیں چاہتے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۱۷

حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں :-

فهذا من اسمج الكذب المعلوم [1]

ترجمہ. یہ خود تراشیدہ کھلا جھوٹ ہے۔

فكله بهتان واختلاق لا يصح منه شيء۔ [2]

ترجمہ. یہ سب کا سب بہتان اور من گھڑت ہے اس میں کوئی بات صحت تک نہیں پہنچتی۔

یہودیوں کے جو ایجنٹ مسلمان راویوں میں داخل ہوئے انہوں نے پوری کوشش کی کہ وہ قرآن کو مسلمانوں میں ایک اختلافی کتاب بنا کر رکھ دیں لیکن وہ یہ نہ سمجھ پائے کہ اس کتاب کا محافظ اللہ ہے۔ یہ کتاب لاریب اپنے تحفظ میں انسانی ہاتھوں کی محتاج نہیں۔

جمع شدہ قرآن

قرآن پاک ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں میں منقسم ہے۔ سورتوں کے نام بیشتر مرکزی مضمون کے اعتبار سے اور کہیں کہیں اوّل کلمے یا اہم ترین کلمے کے نام سے آنحضرتؐ کے سامنے ہی معروف ہو چکے تھے۔ ہر سورت بجائے خود ایک مستقل فصل ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی تلاوت میں اسے سات منزلوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ منزلوں کے یہ نشان حاشیے پر واضح ہیں۔ ان سات منزلوں کی تقسیم آنحضرتؐ سے ثابت ہے۔[3] تیس پاروں کی تقسیم آنحضرتؐ سے منقول نہیں۔ یہ برابر کے چھوٹے اجزاء میں بعد کا ایک اقدام ہے۔ ہر پارے کا پہلا لفظ جو ذرا جلی لکھا ہوتا ہے اس پارے کی علامت ہے اس کا نام نہیں اس کے جلی لکھنے کا مطلب محض یہ ہے کہ پڑھنے والے کو پتہ چل جائے کہ یہاں سے دوسرا جزو شروع ہو رہا ہے۔ حجاج بن یوسف کے زمانے میں اجزاء کی تقسیم عمل میں آئی تھی۔ یہ حضورؐ کے اس ارشاد کی طرف ایک عملی قدم تھا :-

اقرؤا القران فی شهر [4]

ترجمہ. قرآن پاک کو ایک مہینے میں ختم کیا کرو۔

---

[1] المنتقی للذہبی ص۲۹۴ [2] تاریخ خمیس جلد ۲ ص۲۷۰

[3] شرح احیاء العلوم جلد ۳ ص۵۴۳ حضورؐ نے قیس بن صعصعہؓ سے بھی فرمایا تھا کہ سات دن میں ختم کر لیا کرو۔ استیعاب جلد ۱ ص۵۴۲ [4] بخاری جلد ۲ ص۷۵۶

ایک ماہ میں ختم کرنے کی یہ تیس پاروں کی تقسیم ایک مصلحت ہے شریعت نہیں اگر یہ کوئی مسئلہ ہوتا تو صحابہؓ کے ہاتھوں عمل میں آتا۔ امت کے لیے وہ حضرات شریعت کے امین تھے تیس پاروں کی اس تقسیم کو اگر شریعت سمجھا جائے تو پھر یہ ایک بدعت ہوگی حجاج بن یوسف کا قصد شریعت میں کوئی اضافہ نہ تھا ایک انتظامی مصلحت تھی جو وجود میں آئی اس وقت بڑے بڑے تابعین موجود تھے ان میں سے کسی نے اس پر نکیر نہ کی اگر اسے شریعت سمجھا گیا ہوتا تو وہ اکابر ضرور اس پر نکیر کرتے۔

اسی طرح قرآن کریم پر لگے اعراب بھی پڑھنے والوں کے لیے ایک مدد اور نشان تلاوت ہیں عجمی لوگ لگے اعراب کے بغیر قرآن کریم پڑھ نہیں سکتے

اس سے یہ پتہ چلا کہ جو لوگ اہلِ علم نہیں قرآن کریم کو بغیر اعراب پڑھ نہیں سکتے ان سے بھی دین کا تقاضا ہے کہ وہ قرآن پڑھیں۔ ایسا نہ ہوتا تو قرآن کریم پر اعراب لگانے کی کوئی ضرورت نہ تھی معلوم ہوا کہ ابتدائی دور میں ہی اسے سمجھے بغیر اور اس کا علم حاصل کیے بغیر اس کا پڑھنا ہمیشہ ایک عبادت سمجھا گیا ہے۔

اعراب اور رکوع و آیات کی تقسیم اور علامات وصل و وقف کے مباحث آپ کو کتابت قرآن کے عنوان میں ملیں گے۔

یہ آسمانی آواز اپنی اصل زبان میں ہی سنائی دے رہی ہے اور اس کے ماننے والے گو دنیا کے کسی ملک میں کیوں نہ ہوں اسے اس کی اصل زبان میں پڑھتے ہیں۔

اور پھر یہ کتاب صرف کاغذوں میں نہیں اس کے کلمات سینوں میں بھی اسی طرح محفوظ ہیں جس طرح یہ دولت سفینوں میں ملتی ہے اس کے سوا یہاں جن کتابوں کو آسمانی کہا جاتا ہے ان میں کہیں ان صفات کا دعوےٰ موجود نہیں دلائل تو پھر اس سے آگے کی منزل ہے۔

کتابتِ قرآن

الحمدللّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ آما بعد : فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. نٓ والقلم وما یسطرون ○ ماانت بنعمۃ ربك بمجنون ○ وان لك لاجراً غیر ممنون ○

وقال فی مقام اٰخر فی صحفٍ مکرّمۃ مرفوعۃ مطھّرۃ ○ بایدی سفرۃ کرام بررۃ ○ (پ۳۰ عبس ۱۰)

قرآن کریم بے شک ایک الہامی کتاب ہے اس کی مکتوبیت لوحِ محفوظ سے قائم ہوئی ہے

بل ھو قرآن مجید فی لوحٍ محفوظ. (پ۳۰ البروج)

ترجمہ. وہ قرآن مجید ہے جو آسمانی نوشت میں محفوظ لکھا گیا ہے.

یہ پہلی مکتوبیت وہاں کی ہے جہاں کسی قسم کا تغیر و تبدل راہ نہیں پاتا. پھر آسمان دنیا سے یہ نہایت حفاظت اور اہتمام کے ساتھ صاحبِ وحی کے پاس پہنچایا گیا. یہ آپ کو اس طرح پہنچا کہ اس کے آگے اور پیچھے چوکیدار تھے تا آپ جانیں کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے ہیں اور یہ زبردست انتظامات اس لیے کیے جاتے رہے کہ اس پر شہادت رہے کہ فرشتوں نے آپ کو اور آپ نے دوسروں کو اس کے پیغامات ٹھیک ٹھاک بلا کم و کاست پہنچائے ہیں:۔

فانہ یسلك من بین یدیہ ومن خلفہ رصداً. (پ۲۹ الجن)

ترجمہ. سو وہ چلاتا ہے اس کے آگے اور اس کے پیچھے پہرہ دینے والے.

یہ قرآن لکھا ہے عزت کے ورقوں پر اور اسے احتراماً اونچا رکھا جاتا ہے اس کی کتابت ان لکھنے والوں کی نہایت پاکیزگی سے ہوئی جو بڑے درجے کے نیکو کار رہے ہیں. اس کا معرضِ تحریر میں آنا شروع سے ہی نہایت شان عزت اور طہارت سے رہا ہے. اب اگر اسے حضورؐ ترتیب نزول سے نہیں لکھوا رہے تو آپ معاذ اللہ کوئی دیوانے نہیں ہیں کہ کوئی آیت کہیں ڈال دی اور کوئی کہیں — اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلبِ منور میں لوحِ محفوظ کی ترتیب ڈال دی ہے اور اب آپ کے حضورؐ

اس کی وہی ترتیب ہو گی اور چلے گی جو وہاں کی ہے۔

قرآن کریم صرف ایک پیغام نہیں بلکہ ایک پورا کلام ہے۔ پیغام کبھی اشاروں میں بھی ادا ہو جاتا ہے مگر کلام بامعنی الفاظ کا ایک مجموعہ ہے اس کے حروف بھی اشارات ہیں:۔

وان لك لاجرًا غیر ممنون۔ (پ ۲۹ القلم ۳)

ترجمہ۔ اور بیشک آپ کے لیے ایک اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی نہ ٹوٹے گا۔

اس میں جس طرح الفاظ ایک خاص ترکیب میں ملتے ہیں اس کے الفاظ بھی حرفوں کی ایک خاص ترتیب میں واقع ہیں۔ قرآن کریم اس خاص کلام کا نام ہے جو لوح محفوظ میں الفاظ کی ایک خاص ادا سے مرقوم ہے۔ یہاں قرآن پاک الفاظ کی اسی ادا سے لکھا جائے گا جو لوح محفوظ کی ہے سو قرآن کریم کی کتابت توقیفی ٹھہرے گی اور اگر کتابت میں صرف قرأت سے مطابقت رکھنی ہو تو یہ محض لکھنا ہے لیکن یہ قرآن کے رسم الخط کی پابندی نہیں۔

مثلاً رب العالمین اس طرح بھی لکھا جا سکتا ہے کہ عین کے بعد الف ہو اور رب العٰلمین کے طور پر بھی۔ اس میں عین کے بعد بڑا الف نہیں ہے۔ پڑھنے میں دونوں ایک جیسے ہیں اسی طرح الرحمان اس طرح بھی لکھا جا سکتا ہے اور اس طرح بھی الرحمٰن — اس میں میم کے بعد بڑا الف نہیں ہے پڑھنے میں دونوں ایک جیسے ہیں۔

حضرت عثمانؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی رہے اور پھر آپ منصب خلافت پر بھی آئے۔ آپ نے اپنے دور میں قرآن کریم کو جو پانچ مصاحف میں لکھوایا اور آئندہ پورے قلمرو اسلامی میں اس رسم الخط کی پابندی لازم کی۔ اس پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو گیا۔ اب قرآن کریم کو صرف بطور خط نہیں بطور رسم الخط بھی دیکھا جائے گا اور ضروری ہے کہ یہ حضرت عثمانؓ کے رسم الخط کے مطابق ہو اس کی مخالفت حرام ہے۔ تجوید اور رسم الخط کے امام جلیل علامہ برہان الدین ابو اسحٰق الجعبری (۷۳۲ھ) لکھتے ہیں:۔

رسم المصحف توقیفًا ھو مذھب الائمۃ الاربعۃ۔

ترجمہ۔ قرآن کریم کا رسم الخط وہی ہو جو اُدھر سے چلا آیا ہے یہ چاروں اماموں کا مذہب ہے۔

حافظ ابن ہمام الاسکندری (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:۔

قد انعقد اجماع سائر الائمۃ من الصحابۃ وغیرھم علی تلک الرسوم وانہ لایجوز بحال من الاحوال العدول عن کتابۃ القران الکریم ولانشرہ بصورۃ تخالف رسم المصاحف العثمانیۃ۔[1]

ترجمہ۔ صحابہ کرامؓ اور دوسرے ائمہ کا اس رسم الخط پر اجماع ہو چکا ہے کسی حال میں قرآن کریم کی اس کتابت سے عدول جائز نہیں اور نہ قرآن کریم کی کسی ایسی صورت میں اشاعت کی اجازت دی جاسکتی ہے جس میں مصاحف عثمانی کا رسم الخط نہ ہو۔

یہ موضوع کوئی نیا نہیں پہلے دور میں یہ سارے مباحث سامنے آچکے ہیں۔ شام کے علامہ عبداللہ بن عامر الیحصبی (۱۱۸ھ) نے اس پر اختلاف مصاحف الشام والحجاز والعراق اور فی مقطوع القرآن وموصولہ دو کتابیں لکھیں۔ پھر آپ کے شاگرد یحیٰی بن الحارث الذماری (۱۴۵ھ) نے ہجاء المصاحف کے نام سے اس پر ایک کتاب لکھی۔ کوفہ کے امام کسائی (۱۸۹ھ) اور امام فراء (۲۰۷ھ) نے بھی اس پر بحث کی۔ علماء کا رسم المصاحف میں سب سے زیادہ اعتماد امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کے استاد امام نافع (۱۶۹ھ) پر رہا ہے۔ ان کے پاس حضرت عثمانؓ کا ارسال کردہ مصحف تھا۔

امام ابوبکر محمد بن قاسم الانباری البغدادی (۳۲۸ھ) نے کتاب الرد علی من خالف مصحف عثمان لکھ کر اس پر مہر کر دی ہے کہ قرآن پاک لکھنے میں آئندہ کوئی رسم الخط مصحف عثمان کے خلاف قبول نہ کیا جائے۔ خط بدل سکتا ہے کہ آپ اسے خط کوفی کی بجائے نسخ میں لکھ لیں لیکن اس رسم الخط کو نہیں بدلا جاسکتا۔ قرآن لکھنے میں مصحف عثمان کی پابندی ضروری ہے۔ حروف تہجی عربی ہوں گے تو رسم الخط یہی رہے گا حروف تہجی رومن ہوں تو وہاں صورت بالکل بدل جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان دنیا میں جہاں گئے عربی زبان کو ساتھ لے کر گئے اور جہاں بھی رہے قرآن عربی میں ہی پڑھتے اور لکھتے رہے۔ دوسرے حروف تہجی اختیار کرنا اور اسے پڑھنا ایک وقتی رعایت ہے قرآن حقیقت میں وہی ہے جو لوح محفوظ میں ہے اور یہ اسی رسم الخط میں ہے جو یہاں مصحف عثمان میں پایا گیا ہے۔

---

[1] فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۰

لوحِ محفوظ کی کتابت کے ساتھ بنی نوعِ انسان کی عملی رعایت

لوحِ محفوظ میں قرآن بے شک ایک صفت میں مکتوب ہے اسے پڑھنے میں انسانوں میں کچھ اختلافات نے راہ پائی. بنو ہذیل حتّٰی کو اس طرح پڑھتے جیسے ہم عتّٰی پڑھتے ہیں تو یہ اختلاف صرف پڑھنے میں ہوا لکھنے میں نہیں — کچھ عرصے تک قرآن کریم ایک ہی حرف میں چلتا رہا پھر آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ سے بنی نوعِ انسان کے لیے عملی رعایت چاہی. آپ بار بار اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے رہے. اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی امت کو قرآن کریم سات حروف پر پڑھنے کی رعایت دے دی گئی. قرآن کریم میں ایسے مقامات بھی آئے جہاں قرآن کریم کئی اور حروف میں بھی پڑھا گیا. قرآن پڑھنے کی یہ وسعت سات حروف تک جا پہنچی. یوں سمجھیے کہ قرآن کریم سات دروازوں سے سات حروف پر نازل ہوا.

بنی نوعِ انسان کو قرآن کریم پڑھنے میں یہ عملی رعایت کچھ دیر بعد ملی. جس طرح قرآن کریم کا لوحِ محفوظ سے اُترنا متواتر ہے یہ سات حرفوں میں پڑھا جانا بھی امت میں تواتر کے درجے میں رہا. اس میں حکمت کیا تھی؟ اس کی تفصیلی بحث قراآتِ قرآن میں ملے گی.

کاتبینِ وحی کے مختلف پیرائے

کاتبینِ وحی کے دو درجے تھے:-

① وہ جن کو حضورؐ خود لکھواتے.

② دوسرے وہ جو ان صحابہؓ کے لکھے ہوئے نوشتوں سے آگے لکھ لیتے.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن لکھنے پر کوئی پابندی نہ لگائی تھی — پھر صحابہؓ جو لکھتے اس میں اگر کسی مقام پر آنحضرتؐ سے اس کی کچھ شرح سنتے تو اسے بھی کبھی ساتھ ہی کسی طرف لوٹ کر لیتے وہ سمجھتے تھے کہ ان کا مصحف (لکھا قرآن) بس انہی کے استعمال کے لیے ہے یہ عوامی اشاعت کے لیے نہیں ہے.

جو صحابہؓ حضورؐ کی نگرانی میں قرآن لکھتے آپ ان سے کبھی سنتے بھی تھے اور وہ صحابہؓ حضورؐ

سے نمازوں میں بھی یہ مختلف حصہ قرآن سنتے اور اس طرح انہیں اپنے لکھے قرآن پر پورا تثبت ہوتا اور ان کے اپنے حفظ میں بھی مزید قوت آتی۔

مختلف لغات بولنے والے قبائل آپس میں شیر و شکر ہوئے اور عربوں کے باہمی عام اختلاط سے عرب ایک قوم ہوئے اور پھر عالم اسلام میں متعدد دوسرے ممالک بھی آ شامل ہوئے تو حضرت عثمانؓ نے قرآن پاک کے چند نسخے اپنی نگرانی میں کتابت کرائے اور ان کے ماسوا تمام پہلے لکھے مصاحف کو اپنے قبضے میں لے لیا تاکہ امت میں بسلسلہ قرآن آئندہ کوئی اختلاف راہ نہ پا سکے۔

قرآن کریم مختلف قراآت میں پڑھا تو جاتا رہا لیکن لکھی ہوئی صورت میں قرآن کریم پوری امت میں ایک ہی چلا آیا ہے۔

جن حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن کریم لکھا انہوں نے قرآن کریم کے ہر حذف و اثبات اور ہر حرکت و سکون اور ہر وقف و وصل کو آپ سے پورا ضبط کیا اور اگر کہیں دونوں طریق بتائے تو یہ اختلاف احرف کی وجہ سے ہوا جن سات حرفوں میں قرآن اترا تھا۔

صحابہ کرامؓ کے لکھے قرآنوں میں نقطے اور اعراب نہ تھے اسی صورت میں یہ نوشتے مختلف قراآت کے حامل ہو سکتے ہیں اور یہ کتابت متعدد قراآت کو شامل ہو سکتی ہے لیکن عجمیوں کے لیے اس کتابت سے قرآن پڑھنا مشکل تھا اس لیے پھر ان پر نقطے اور اعراب لگانے کی ضرورت بھی محسوس ہوئی اور بالآخر اسے پورا کیا گیا۔

قرآن کریم کی اوّلین کتابت خط کوفی میں ہوئی

ڈاکٹر محمد اقبال پرنسپل اورینٹل کالج لاہور نے اپنے دورۂ ایران میں مشہد کے کتبخانہ رضوی میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن دیکھا تھا۔ آپ نے ہندوستان آکر کالج کے میگزین میں ۱۹۲۵ء میں اپنے اس سفر کی پوری رپورٹ شائع کی۔ آپ کا بیان ہے کہ یہ حصہ قرآن سورۂ ہود سے آخر سورۂ کہف تک لکھا ہوا ہے اور خط کوفی میں ہے اور یہ وہی ترتیب ہے

جو موجودہ قرآن میں پائی جاتی ہے۔

تاریخِ اسلام کے اس ابتدائی دور میں بھی کوفہ کی ایک علمی شہرت تھی اور اس سے یہ خطہ منسوب تھا گو باقاعدہ اسے حضرت عمرؓ نے آباد کیا تھا تاہم اس کے ابتدائی علمی آثار پہلے سے موجود ہیں۔ بعد کے قراء سبعہ میں سے تین امام (۱) عاصم (۲) حمزہ اور (۳) کسائی کوفی تھے۔ پھر ان سات میں سے جس کی قرأت عالمِ اسلام میں مرکزی درجہ لے گئی وہ امام عاصم کوفی کی قرأت ہے جو اُن کے شاگرد امام حفص سے آگے چلی۔ سعودی حکومت میں اب بھی قرآن کریم کی کتابت اور ضبط اسی قرأت پر چلا آرہا ہے اور یہی سند ساتھ لکھی جاتی ہے۔ اس سے کوفہ کی علمی منزلت اور اس کی عالمِ اسلام میں ایک مرکزی حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔

امام نووی (۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

دار العلم ومحل الفضلاء بناها عمر بن الخطاب۔

حجاج کرام کو سعودی حکومت کی طرف سے ہر سال جو مصحفِ کریم تحفے میں ملتا ہے اس کے آخر میں یہ لکھا ملے گا:۔

كُتب هٰذا المصحف وضبط على ما يوافق رواية حفص بن سليمان بن المغيرة الاسدى الكوفى لقراءة عاصم بن ابى النجود الكوفى التابعى عن ابى عبد الرحمٰن عبد الله بن حبيب السلمى عن عثمان بن عفان و على بن ابى طالب و زيد بن ثابت و ابى بن كعب عن النبى صلى الله عليه وسلم۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآنی علوم میں حتی کہ اس کے پڑھنے میں بھی کوفہ کس طرح عالمِ اسلام پر چھایا ہوا تھا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ سعودی حکومت کو عراق سے کوئی علمی تعصب نہیں ہے یہ صرف چند سر پھرے خطیب ہیں جو مدینہ یونیورسٹی سے انتساب کا غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اور کوفہ اور امام ابو حنیفہؒ کے خلاف تعصب اور نفرت کا لاوا اُگلتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں حسب لباس کچھ علمی حیا عطا فرمائے۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی پتہ چلا کہ قرآن کریم کے پہلے چار گواہ جو اسے حضورؐ سے

نقل کرتے ہیں ان میں حضرت علی المرتضیٰؓ بھی ہیں اور آپ کا قرآن کریم کے بارے میں حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے کوئی اختلاف نہ تھا اور حضرت ابی بن کعبؓ جو بنصِ نبوت پوری ملت اسلامی میں سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے بتلائے گئے وہ ان حضرات کے ساتھ تھے اور یہ کہ امام عاصم کوفی کی قرآت ان چار سے نقل ہوئی ہے۔

علاماتِ وقف وضبط

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو قرآن کریم جس طرح سکھایا اور نمازوں میں انہیں سنایا۔ اس میں وقف و وصل اور مدو شد کے سارے فاصلے قائم تھے اور صحابہ کرامؓ نے بھی آپ سے جس طرح قرآن کریم سیکھا اسے آگے سکھایا۔ تاہم کتابت میں یہ سارے فاصلے اور علاماتِ ضبط بعد میں لگائی گئیں اس میں بنیادی کام امام خلیل بن احمد اور ان کے شاگردوں نے کیا۔ مشرق میں یہی علاماتِ ضبط پھیلیں اور مغربی ممالک میں علماءِ اُندلس نے اپنے طور پر قرآن کریم کو صحیح پڑھنے کے اس تقاضا کو پورا کیا اور مصاحف پر علمی فاصلوں کے نشان لگائے۔ امام تنسی کی کتاب الطراز علی ضبط الخراز اس موضوع پر ایک علمی دستاویز ہے۔

آیات گننے میں بھی عالم اسلام میں زیادہ کوفی طریقے ہی کی پیروی کی گئی ہے۔ امام شاطبی نے ناظمۃ الزہر میں قرآن کریم کی آیات ۶۲۳۶ لکھی ہیں۔ بعض فقرے ایک آیت ہیں یا دو اس میں جو اختلاف ہوئے ان کے باعث آیات کی گنتی مختلف ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن کریم کے بعض حصوں کے بارے میں قرآن ہونے یا قرآن نہ ہونے کا اختلاف ہے ایسا ہرگز نہیں یہ ایک کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ ذلک الکتاب لا ریب فیہ۔

تیس پاروں میں تقسیم اور ربع ونصف کے نشان

علامہ قرطبی احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی تیس پاروں میں تقسیم اموی خلافت میں ہوئی۔ حجاج بن یوسف نے واسط میں سیاسیات سے فارغ ہو کر یہ علمی کام کیا۔ سو حجاج سے سیاسی اختلاف کی بنا پر اس کے علمی کام کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ پھر یہ تقسیم برابر کے حصوں میں تقسیم شاید حضورؐ

صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرلے کے لیے ہو۔

اقرؤا القرآن فی شہر [1]

ترجمہ: قرآن کریم کو ایک مہینہ میں ختم کیا کرو۔

اس میں یہ حکمت ہے کہ قرآن کریم ہر روز برابر برابر جاری رہے یہ نہیں کہ اس سے کم دنوں میں اسے ختم کرنا جائز نہ ہو۔

یہ محض ایک انتظامی درجے کی بات ہے اس کی شرعی پابندی نہیں مختلف حالات میں قرآن کریم تلاوت کرلے کی منزل کم و بیش بھی جاری رکھی جاسکتی ہے۔ علامہ سفاقسی نے غیث النفع میں، علامہ شاطبی نے ناظمۃ الزہر میں، شیخ محمد متولی نے تحقیق البیان میں، علامہ قرطبی نے احکام القرآن میں اور علامہ ابو عید رضوان المخللاتی نے ارشاد القراء والکاتبین میں، علامہ سیوطی نے الاتقان میں قرآن کریم کے تیس پاروں ساٹھ حزبوں اور نصف و ربع کی تقسیم پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

قرآن کریم میں رکوع کی بحث کیسے آئی؟

رکوع کا لفظ نماز کے اوضاع میں سے ہے قرأت کی صفات میں سے نہیں. قرآن کریم رکوعوں میں کیسے تقسیم ہوا. حضرت عثمان غنیؓ نماز میں جب تسلسل سے قرآن پڑھتے تو جہاں مضمون بدلے وہاں آپ رکوع کر لیتے تھے اس سے رکوعوں کے نشان مقتدیوں کے ذہن میں مرتسم ہوئے بعد کے علماء نے حضرت عثمانؓ کی اسی ادا پر مصحف میں رکوع کے نشانات لگائے. حضرت عثمان غنیؓ کی ان نمازوں نے اللہ رب العزت کے ہاں اتنی قبولیت پائی کہ اب قرآن کریم باعتبار مضامین ان حصوں میں تقسیم ہوگیا جن پر آپ نے رکوع کیا. قرآن کریم میں سجدات (تلاوت) تو تھے ہی اب رکوع بھی قائم ہوگئے. قرآن کریم کے کل رکوعات ۵۴۰ بتلائے گئے ہیں. رکوع کے نشانات کا لگانا علماء اعلام کے فیصلے سے تھا. رسالہ وقف میں ہے:-

ہر جا کہ آخر قصہ است یا سخن تمام شدہ امیر المومنین عثمانؓ درآں جا رسیدہ برکوع رفتہ است ایں شکل (ع) نوشتہ اند [2]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۵۶ [2] دیکھیے شرح مبسوط للسرخسی جلد ۲ صفحہ ۱۴۶

بعض علماء رکوع کی اس حد بندی کو حضرت حذیفہؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بعض نے عبدالرحمٰن سلمی کی طرف اور بعض نے امام حسن بصری کی طرف۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حد بندی کرنا حضرت عثمانؓ کے رکوع کرنے سے عمل میں آئی۔

قرآن کریم میں پہلے نقطے نہیں تھے

یحییٰ بن ابی کثیر(ھ) کہتے ہیں پہلے مصحف کریم میں نقطے نہ تھے۔ عرب ان کے بغیر اس کا خط کوفی پڑھ لیتے تھے۔ علامہ زبیدی کتاب الطبقات میں لکھتے ہیں سب سے پہلے قرآن کریم پر نقطے ابوالاسود الدئلی نے لگائے یہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا شاگرد تھا اور اس نے یہ فن حضرت علی المرتضیٰؓ سے پڑھا تھا۔ پھر اُموی دور میں خلیفہ عبدالملک نے حضرت امام حسن بصری اور یحییٰ بن یعمر کو اس خدمت پر مامور کیا۔ علمائے وقت نے اس کام سے اتفاق کیا۔ ختم آیات پر بھی پہلے نقطے لگاتے گئے جنہیں بعد ازاں گول دائروں سے بدل لیا گیا۔

یہ نقطوں کی محنت اور آیات کے فاصلے صرف اس لیے ہیں کہ قرآن کریم اچھی طرح پڑھا جا سکے اور اس میں کوئی غلطی راہ نہ پا سکے اس سے شریعت میں کسی اور عمل کو ثابت کرنا نہ تھا۔ یہ کام بدعت تب ہوتا جب اسے شریعت کے کسی عمل کے طور پر اختیار کیا جاتا یہ احداث للدین ہے احداث فی الدین نہیں۔ دین کے لیے کوئی نئی چیز ایجاد کرنا اور بات ہے اور دین میں کوئی نئی چیز لانا یہ امر دیگر ہے۔

اعراب اور علامات

جب تک قلمرو اسلامی میں عرب غالب رہے قرآن پاک پر اعراب و حرکات لگانے کی ضرورت نہ تھی لیکن جوں جوں تمدن ترقی کرتا گیا اور ثقافت میں وسعت ہوتی گئی عجمی قوموں کے لیے قرآن کے اعراب لگانے ضروری ہو گئے ان کے ساتھ ساتھ ہی نقطوں منزلوں اور علاماتِ رکوع کے نشانات لگائے گئے اور یہ سب کچھ علماء کے اتفاق سے ہوا۔ قرآن کریم کی سات منزلوں میں تقسیم آنحضرتؐ

سے منقول ہے۔[1]

علامات اور قراآت میں فرق

پاروں احزاب نشان رکوع اور نصف و ربع کی تو بے شک کوئی شرعی حیثیت نہیں لیکن اختلاف قراآت کی ایک شرعی حیثیت ہے اس کی بحث انشاء اللہ العزیز قراآت القرآن کے تحت آئے گی۔ یہاں اتنا جان لینا کافی ہے کہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ نے جو مصاحف اپنی نگرانی میں لکھوائے تھے ان میں ساتویں حروف کی رعایت تھی جن میں قرآن کریم نازل ہوا ہے اور امت کے لیے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا انکار کر دے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک ایک آیت میں یہ سات پیرائے پائے گئے یہ ہرگز نہیں ہاں جہاں بھی کوئی دوسرا پیرایہ پایا گیا ایسے پیرائے اپنی ذات میں سات تک پہنچتے ہیں۔

آیات کی گنتی کی علامات

آیات کی گنتی بعض مصاحف میں متن میں ملتی ہے بعض میں نہیں اور حاشیہ پر آیات کی گنتی سورت اور پارہ دونوں اعتبارات سے لکھی ہوئی ہے۔ آیات کے فاصلوں میں اگر کہیں کوئی اختلاف ملتا ہے تو یہ آیات میں اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح کسی جملہ کے پیچھے جملہ کے ساتھ ہونے یا اگلے جملہ کے ساتھ ہونے میں تو اختلاف ملتا ہے لیکن یہ بھی آیات کا اختلاف نہیں ہے تعلق کا اختلاف ہے۔

مثلاً سورۃ البقرہ کے شروع میں لفظ فیہ کو لیجیے یہ ذٰلک الکتاب لاریب فیہ میں بھی پڑھا جا سکتا ہے اور اگلے حصہ کے ساتھ بھی یوں پڑھا جا سکتا ہے فیہ ھدًی للمتقین (اس میں ہدایت ہے واسطے پرہیز گاروں کے) اس کو معانقہ کہتے ہیں کہ پہلا حصہ اسے اپنے ساتھ کھینچ رہا ہے اور دوسرے اسے اپنے ساتھ دے رہے یہ اس کا دونوں طرف کا ربط ہے مگر

---

[1] دیکھیے شرح احیاء العلوم جلد ۳ صفحہ ۵۴۳ آنحضرتؐ نے قیس بن صعصعہؓ سے فرمایا تھا قرآن سات دن میں ختم کر لیا کرو۔ (الاستیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۳۷)

یاد رہے کہ بیک وقت ایک ہی ربط لیا جاسکے گا۔

علامات وقف و وصل

اعراب نقطے اور علاماتِ منزل و رکوع کو پڑھنے والے کی سہولت کے لیے قرآن میں ساتھ ساتھ لکھنا اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں لیکن متن قرآن میں علاماتِ وقف و وصل کو ساتھ ساتھ لکھنا اور ان کے مطابق قرآن پڑھنا اس کی ایک شرعی حیثیت ہے۔ وقف و وصل میں ہم صحابہ کرامؓ اور قراء کرام کے ماتحت ہیں اور اس کی ایک شرعی حیثیت ہے۔ امام ابو عبداللہ سجاوندی نے یہ نشان لگائے۔ دہلی میں مولانا نذیر حسین صاحب اور مولوی حفیظ الدین صاحب نے ان کے مطابق وقف و وصل کو بدعت کہا۔ اس پر علماء اہل سنت نے جن میں پیش پیش حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رہے۔ ان پر (علمائے اہلحدیث باصطلاح جدید) کڑی تنقید کی۔ حضرت گنگوہی (۱۳۲۳ھ) نے اس پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام آپ نے ردالطغیان فی اوقاف القرآن رکھا۔ ماہرین فن نے اس میں حضرات علماء اہلسنت کا ساتھ دیا۔ علمائے اہلحدیث کی موافقت نہیں کی۔ ان علاماتِ وقف و وصل کا متن قرآن میں ساتھ لکھا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حق ہیں ورنہ باطل تو قرآن مجید میں آگے سے ہو یا پیچھے سے کسی طرف سے راہ نہیں پا سکتا۔

اس پر ہم کتابتِ قرآن کی اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ واللہ ولی امرہ وھو المستعان وعلیہ التکلان۔

ترتیبُ القرآن

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

قرآن پاک شروع سے ہی اپنے آپ کو کتابی صورت میں پیش کر رہا ہے اور اس کی کتابی صورت ماسوائے چند لمحات نزول کے کبھی اس سے جدا نہیں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس کی ایک اپنی ترتیب ہوگی اور وہ ترتیب اسی ذات کی طرف سے ہوگی جس نے ہمیں اس کتاب سے مشرف کیا۔ ترتیب جمع و تدوین کا خود ایک حصہ ہے کوئی جمع و تالیف کسی ترتیب کے بغیر عمل میں نہیں آسکتی پس جب قرآن پاک کا جمع کرانا خود رب العزت نے اپنے ذمہ لے لیا تو ظاہر ہے کہ اس کی ترتیب پروردگار عالم کے ہاں طے ہے جسے اس نے اپنے پیغمبر خاتم کے واسطہ سے تکمیل بخشی۔ ابتداء وحی میں ہی اللہ تعالیٰ نے اس کا حضورؐ سے وعدہ فرما لیا تھا۔

انّ علینا جمعه وقرانه۔ (پ۲۹ القیامہ ۱۷)

ترجمہ۔ قرآن پاک کا جمع کرنا اور اس کا آپ کی زبان پر جاری کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

قرآن پاک کا نزول مختلف ضرورات جزئیہ کے مطابق ہوتا رہا جب کوئی ضرورت پیش آئی وحی ربانی راہنمائی فرما دیتی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نزولِ قرآن کے واقعات عالم میں ان دنوں جس ترتیب سے ظہور میں آتے رہے اور ضرورتیں جس رفتار سے پیدا ہوتی رہیں کیا احوال کائنات ہمیشہ اسی ترتیب سے وقوع پذیر ہوا کریں گے؟ ہرگز نہیں یہ کرہ کائنات ہمیشہ اپنی بوقلمونی ظاہر کرتا رہا ہے اور ہر قرن کے واقعات اپنی داخلی ترتیب اور خارجی ربط میں کسی ایک ضابطے اور رفتار کے تحت تکون پذیر نہیں ہوتے۔

قرآن پاک کو آنحضرتؐ اگر نزولی ترتیب سے جمع فرماتے اور یہ آسمانی دستور حیات اس ایک وقتی ترتیب سے مرتب ہوتا تو دُنیا پکار اُٹھتی کہ بدلی ہوئی رفتار کائنات اس گزری ہوئی رفتار حیات پر منطبق نہیں ہوتی اور ہماری موجودہ ضرورات اپنی ترتیب میں قرآنی ہدایات

کی ترتیب سے ہم آہنگ نہیں ہوتیں۔

اس صورت میں ہمارا جواب یہی ہوتا ہے کہ تم قرآنی دستورِ حیات کو اصولی پیرایہ میں لو اسے عہدِ نزول کے واقعات کی ترتیب سے اپنی زندگی میں ترتیب نہ دو۔ اس ضابطۂ حیات کو اصولی درجے میں اپناؤ گزری ہوئی ترتیب واقعات کا پابند نہ کرو۔

ربّ العزت کی حکمت مقتضی ہوئی کہ اس لاتبدیل قانون اور دستورِ ابدی کو عہدِ نزول کی ترتیب واقعات سے بے نیاز کر کے اسی اصولی ترتیب سے جمع کرایا جائے جس کے مطابق یہ لوح میں موجود ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ اسے نزول کے ساتھ ساتھ ہی ایک دوسری ترتیب پر لکھواتے، پڑھاتے اور مرتب فرماتے رہے۔ اس اصولی ترتیب سے یہ کتاب ایک زمانے سے خاص نہ رہی اور ایک ایسی ترتیب پاکر جو اس کرۂ کائنات کے کسی ایک دور کے واقعات کی ترتیب ہرگز نہیں اس آسمانی قانونِ محکم نے ابدی حیات پائی۔ قرآن پاک کی ترتیب نزولی نے ترتیب رسولی کے قالب میں آکر لوحِ محفوظ کی اصولی ترتیب کا پتہ دیا اور یہ حقیقت بے غبار کر دی کہ یہ آسمانی دستور کسی ایک زمانے کی ضرورت کے لیے ہی سامانِ ہدایت نہیں بلکہ یہ ایک ابدی ضابطۂ حیات ہے جو کسی ایک زمانے سے خاص نہیں۔

علامہ زرکشی لکھتے ہیں:۔

> عہدِ رسالت میں قرآن کو ایک مصحف میں اس لیے نہ لکھا گیا کہ اسے بار بار تبدیل کرنے کی نوبت نہ آئے قرآن کی یکجا کتابت اس وقت تک ملتوی رہی جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے نزول قرآن کی تکمیل نہ ہو گئی۔[1]

قرآن پاک اپنی حقیقی ترتیب سے (جو ترتیب نزولی سے مختلف تھی) مختلف جگہوں میں تو لکھا موجود تھا اور آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کی زبانوں پر بھی مقرر تھا لیکن ان تمام تحریروں نے یکجا ہو کر ابھی ایک کتاب کی صورت نہ پائی تھی ان لکھے ہوئے حصوں میں بھی آیات کی ترتیب بدلتی رہتی۔ جب حضورؐ فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورت کے فلاں مقام پر لکھو تو ظاہر ہے

---

[1] البرہان جلد ۱ صـ۲۲

ہر سورت درپے تکمیل رہتی یہاں تک کہ نزولِ قرآن کا دور مکمل ہو جائے اس صورتِ عمل کا تقاضا تھا کہ قرآن کریم ایک کتابی شکل میں نزول قرآن کی تکمیل کے بعد آئے۔

دوسری حکمت اس میں یہ بھی کہ آئندہ امت کا صحابہ کرامؓ پر ناقابلِ تنقید اعتماد قائم ہو قرآن جو اس کی اساس ہے جب اس کی جمع وتدوین بھی انہی کے ہاتھوں پوری ہوگی تو ظاہر ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین مانے جائیں گے جن کے ہاتھوں نبوت کے کام مکمل ہوئے۔ قرآن جن کے ہاتھوں مکمل ہو وہ لازماً دین کے اجزاء سمجھے جائیں گے۔

جن صحابہؓ کے ہاتھوں قرآن پاک کی یہ منزل انجام کو پہنچے ان کی الٰہی سعادت پر یہ عمل ایک مہرِ تصدیق ہوگا کہ یہ جمع قرآن اصل میں اللہ رب العزت کے ذمہ تھا۔ ان علینا جمعہ وقرآنہ خود قرآن کے الفاظ تھے۔ سو کس قدر سعادت مند وہ لوگ ہوں گے جن کے ہاتھوں یہ ارادہ الٰہی پورا ہوا۔ اب اس کی ترتیب یہی ترتیب ہے نزولی ترتیب محض ایک وقتی بات تھی

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں:۔

صحابہؓ نے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے سُنا تھا اسی طرح اس کو مرتب کیا۔[۱]

کیا جامعین قرآن کو اس میں کوئی تبدیلی کرنے کا حق تھا؟

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں میں نے حضرت عثمانؓ سے عرض کی کہ آیت قرآنی والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا (پ البقرہ ۲۶۴) کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے تو آپ نے اسے اس جمع شدہ قرآن میں کیوں باقی رکھا ہے تو آپ نے فرمایا میں قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو یہ بات معلوم تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو قرآن کریم کے بارے میں جس ترتیب پر لگایا اس میں اب کوئی شخص کسی قسم کی تبدیلی کرنے کا مجاز نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتبین وحی کو اس آسمانی ترتیب سے آگاہ کر دیا تھا۔

---

[۱] البرہان للزرکشی جلد ۱ صہ ۲۵۷

صحابہؓ تو اپنی جگہ رہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن کریم میں کسی تبدیلی کرنے کا اختیار نہ تھا۔ مشرکین نے جب حضورؐ سے کچھ تبدیلی کرانا چاہی تو آپ نے انہیں یہ حکم الٰہی سنایا:۔

قل ما یکون لی ان ابدّلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ۔

(پ۱۱ یونس ۱۵)

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ مجھے اس میں اپنی طرف سے کسی قسم کی تبدیلی کا اختیار نہیں، میں تو وہی کچھ کرتا ہوں جو وہ بتلائے۔

امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ یہ بات انسانوں اور جنوں کی مجموعی طاقت سے باہر ہے کہ قرآن پاک کو اس کی ترتیب نزولی کے ساتھ جمع کر سکیں[1]۔ تجربہ شاہد ہے کہ امام ابن سیرینؒ کا ارشاد بالکل بجا ہے اہل یورپ نے بڑی کوشش کی قرآن پاک کو ایک تاریخی ترتیب دے سکیں مگر سب ناکام رہے۔

ترتیب آیات

آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور آنحضرتؐ کے واسطہ سے خود رب العزت کی ہی قائم کردہ ہے اس میں کسی انسان کی رائے کا دخل نہیں جس ذات جل وعلا نے اس کے جمع کرانے کی ذمہ داری لی تھی اس نے اسے ایک ترتیب سے جمع کرایا یہی ترتیب توقیفی ہے۔ اور اللہ رب العزت کی طرف سے ہے یہی ترتیب ترتیب اصولی ہے اور یہی آنحضرتؐ کی اختیار کردہ ترتیب رسولی ہے آنحضرتؐ نزول کے فوراً بعد قرآن پاک کو اسی ترتیب سے لکھوا دیتے تھے جس ترتیب کے ساتھ یہ لوح قدسی میں محفوظ تھا۔ امام احمدؒ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ سے سند حسن سے روایت کرتے ہیں:۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ آپ نے اپنی آنکھیں ایک طرف مشخص کرلیں اور پھر نظر پھیر لی پھر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے تھے اور مجھے کہا تھا کہ میں اس آیت کو فلاں سورت کے فلاں مقام پر رکھ لوں[2]۔

---

[1] الاتقان جلد ۱ ص۵۸ [2] مسند احمد جلد ص

آیت ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر رکھ لوں۔

کتبِ حدیث میں متعدد روایات ایسی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کاتبینِ وحی کو وحی لکھواتے وقت ساتھ ہدایات بھی دیتے تھے کہ یہ روایات اپنی ترتیب میں کہاں ہیں اور صحابہؓ پھر اسی کے مطابق لکھتے تھے۔[1]

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب آیت واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ نازل ہوئی تو حضرت جبریل نے آنحضرتؐ کو بتایا کہ اس آیت کو البقرہ کی ۲۸۰ آیتوں کے بعد لکھوائیں۔[2]

ان روایات سے ترتیب آیات کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے توقیفی ہونا پوری طرح واضح ہو رہا ہے۔ آنحضرتؐ جب کاتبین وحی کو قرآن لکھنے کا حکم فرماتے تو یہ بھی نشاندہی کرتے کہ یہ آیت کہاں لکھی ہے امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمانؓ روایت کرتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما یاتی علیہ الزمان وھو ینزل علیہ السور ذوات العدد فکان اذا نزل علیہ الشیٔ دعا بعض من یکتب فیقول ضعوا ھٰؤلاء الاٰیات فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکذا فاذا انزلت علیہ الاٰیۃ فیقول ضعوا ھٰذہ الاٰیۃ فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکذا۔[3]

ترجمہ: حضور اکرمؐ پر بہت زمانہ گزرتا اور اس حال میں آپؐ پر کئی کئی سورتیں نازل ہوتی رہتیں پس جب آپ پر نزول ہوجاتا تو آپ کاتبینِ وحی کو بلا کر حکم دیتے کہ ان آیتوں کو اس سورت میں جس میں ایسا ایسا ذکر ہے لکھ دو اور جب آپ پر کوئی آیت اُترتی تو بھی آپ فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں جس میں ان باتوں کا ذکر ہے رکھ دو۔

---

[1] دیکھئے صحیح بخاری جلد۲ باب کتاب التفسیر باب کتاب الاحکام باب مسند احمد جلد۳ ص ـــ جلد۴ ص۲۱۸ [2] خازن جلد۱ ص ـــ [3] جامع ترمذی جلد۲ ص۲۶۸ لکھنؤ

پھر مختلف موقعوں پر آنحضرتؐ کی طرف سے مختلف آیات کے مقامات کی نشاندہی اس امر کی قوی شہادت ہے کہ آیات کی باہمی ترتیب کا مسئلہ حضور اکرمؐ کے سامنے ہی حل ہو چکا تھا اور آیات کی ترتیب حضور انورؐ کے عہد میں طے ہو چکی تھی۔

(۱) حضرت فاروق اعظمؓ کہتے ہیں کہ جتنا میں نے آنحضرتؐ سے مسئلہ کلالہ کے متعلق پوچھا کسی اور مسئلے کے بارے میں نہیں پوچھا یہاں تک کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

الا تکفیك آیة الصیف التی فی اٰخر سورة النساء۔[1]

ترجمہ۔ کیا تمہیں وہ آیت کافی نہیں جو موسم گرما میں اتری تھی جو سورۃ النساء کے آخر میں ہے۔

(۲) اسی طرح حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:۔

من قال حین یصبح ثلٰث مرات اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم وقرأ ثلٰث اٰیات من اٰخر سورة الحشر وکل اللہ بہ سبعین الف ملك یصلون علیہ حتی یمسی۔۔۔ الحدیث[2]

ترجمہ۔ جو شخص صبح اٹھتے وقت تین دفعہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم اور سورۃ الحشر کی آخری تین آیتیں پڑھ لے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر ہزار فرشتوں کو مقرر فرما دیتے ہیں جو شام تک اس کے لیے رحمت کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

(۳) اسی طرح حضور اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں:۔

من حفظ عشر اٰیات من اول سورة الکهف عصم من فتنة الدجال۔[3]

ترجمہ۔ جو شخص سورت کہف کی پہلی دس آیات یاد کر لے رب العزت اسے فتنۂ دجال سے محفوظ رکھیں گے۔

(۴) حضورؐ نے یہ بھی فرمایا:۔

من قرأ سورة الکهف فی یوم الجمعة اضاء له النور ما بین الجمعتین۔[4]

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفرائض جلد ۲ ص ۳۵ [2] جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۲۳ [3] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۷۱ [4] رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر

ترجمہ. جو شخص ہر جمعہ کو سورۃ کہف پڑھے اس کے لیے ہر دو جمعوں کے مابین نور روشن رہے گا.

⑤ حضورؐ نے فرمایا :۔

من قرأ یٰسین فی صدر النہار قضیت حاجتہ۔[1]

ترجمہ. جو شخص علی الصبح سورت یٰسین پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی تمام حاجتیں پوری فرمائیں گے۔

⑥ پھر آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا :۔

من قرأ الاٰیتین من اٰخر سورۃ البقرۃ فی لیلۃٍ کفتاہ۔[2]

ترجمہ. جو شخص ہر شب کو سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ کر سوئے تو وہ دو آیتیں اسے ساری رات کے لیے کافی ہیں۔

⑦ پھر ایک اور موقعہ پر آنحضرتؐ ارشاد فرماتے ہیں :۔

ان سورۃ من القراٰن ثلاثون اٰیۃ شفعت لرجلٍ حتی غفرلہ و ھی تبارک الذی بیدہ الملک[3]

ترجمہ. قرآن پاک میں ایک سورۃ ہے جس کی تیس آیتیں ہیں وہ اپنے پڑھنے والے کی سفارش کریں گی یہاں تک کہ وہ بخشا جائے۔ وہ سورت سورۃ الملک ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کی آیتوں تک کو شمار فرما رہے ہیں مختلف سورتوں میں محل آیات کی نشاندہی فرما رہے ہیں. سورتوں کے نام اور آیات کے اعداد و شمار تک پیش نظر ہیں تو پھر اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ آیتوں کے ارتباط اور سورتوں کے مرتب ہونے کا مسئلہ خود آنحضرتؐ کے سامنے ہی طے ہوا تھا۔

آیات کی ترتیب توقیفی ہے خدا کی طرف سے ہے انسانوں کی اپنی اختیار کردہ نہیں یہ بات احادیث کی روشنی میں تواتر کے درجے کو پہنچی ہوئی ہے۔[3]

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۹۸ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ البو داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۱۹ [3] الاتقان جلد ۱ صفحہ ۱۰۵

آیات و سُور کا نظم و تعارف

اگر سورتوں کا تقدم اور ان کا نظم آپ کے سامنے طے شدہ نہ ہوتا تو آپ نمازوں میں مستقل سورتوں کی تلاوت کیسے کر سکتے تھے۔ آپ کا مختلف موقعوں پر مختلف سورتوں کا پڑھنا اور ان کے پڑھنے کی ترغیب دلانا یہ مفہوم آخر کس طرح ادا ہوتا ہوگا۔ ابو داؤد کتاب العلم میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو فرمایا :-

اقرأ علی سورۃ النساء۔[۱]

ترجمہ۔ مجھے سورۃ النساء پڑھ کر سناؤ۔

عبداللہ بن مغفلؓ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور اکرمؐ اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور سورۃ فتح پڑھ رہے[۲] تھے۔ اگر سُورتوں کا مسئلہ طے نہ ہوتا تو ان اطلاقات کا محل آخر کیا تھا۔ حضور اکرمؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا :-

من قرء سورۃ الواقعہ فی کل لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابدا۔[۳]

ترجمہ۔ جو شخص ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھ لیا کرے اسے فاقہ کی تکلیف کبھی نہ ہوگی۔

پھر اگر پورے قرآن نے کوئی ترتیبی صورت نہیں پائی تھی تو صحابہ کرامؓ قرآن پاک کو آخر کس طرح ختم کیا کرتے تھے اور خود آنحضرتؐ اس کے لیے کس صورت میں ترغیب فرماتے رہے اور ختم کے لیے وقت کی حد بندی اور اصلاح کرتے رہے۔

عن عثمان بن عفانؓ انہ کان یقرأ القرآن فی رکعۃ یوتر بہا۔[۴]

ترجمہ۔ حضرت عثمانؓ نماز کو وتر بنانے والی ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے۔ آپ قرآن کو اس نماز میں ختم کرتے جسے ایک رکعت ملا کر وتر کر لیتے۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ نے ایسا عمل پوچھا جو رب العزت کو

---

[۱] ابوداؤد ص ۵۱۲ [۲] ایضاً ص ۲۰۷ [۳] مشکوٰۃ ص ۔ ویؤیدہ ما رواہ مسلم عن النواس بن السمعان قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول یؤتی بالقرآن یوم القیامۃ واھلہ الذین کانوا یعملون بہ تقدمہ سورۃ البقرۃ وآل عمران کانھما غمامتان [۴] ترمذی جلد ۲ ص ۳۲ استیعاب جلد ۲ ص ۴۴۹

سب سے زیادہ محبوب ہو تو آپ نے فرمایا :-

الحال المرتحل۔[1]

ترجمہ۔ قرآن پاک کو اس طرح ختم کرتا رہے کہ ساتھ ہی پھر شروع ہوتا رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے الحال المرتحل کا مفہوم پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا :-

صاحب القرآن یقراء عن اول القرآن الیٰ اخرہ ومن اخرہ الیٰ اوّله کلما حل ارتحل۔[2]

ترجمہ۔ قرآن پڑھنے والا اوّل سے لے کر آخر تک پڑھتا رہے اور آخر سے پھر اوّل پر لوٹ آئے جب منزل پر اُترے تو دم لیتا ہی چل پڑے۔

پس اس امر میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک کی تمام سورتیں آنحضرتؐ کے سامنے مرتب تھیں پڑھی جاتی تھیں اور پڑھائی جاتی تھیں اور ان کی آیات کی ترتیب نزول کے مطابق نہیں بلکہ "ترتیب رسُولی" تھی جو ہو بہو لوحِ محفوظ کی اصولی ترتیب تھی۔

ترتیب نزولی اور ترتیب رسولی کا یہ اختلاف ایک ہی سُورت کی مختلف آیات میں تو بہت کم ہے لیکن مختلف سورتوں کی باہمی آیات میں کچھ زیادہ ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض اوقات کئی کئی سُورتیں ایک ہی دور میں نازل ہونا شروع ہو جاتیں اور مدت تک زیر تکمیل رہتیں کبھی کسی سُورت کی آیتیں نازل ہو جاتیں اور ابھی وہ سورت مکمل نہ ہوتی کہ دوسری سورت کی بعض آیات نازل ہو جاتیں مگر اس طریق نزول سے قرآن کی جمع و ترتیب پر ہرگز کوئی خلاف اثر نہیں پڑتا تھا۔ اس کی مثال یُوں سمجھیئے :-

ایک شخص بہت سے علوم جانتا ہے اور بیک وقت ہر ایک موضوع پر مختلف کتابیں لکھنی شروع کر دیتا ہے جس موضوع کے معلومات اس کے سامنے آئیں گے وہ انہیں ان کے متعلقہ عنوانوں کے تحت لکھتا جائے گا یہ نہیں کہ ایک کتاب کو پہلے مکمل کرلے اور پھر دوسری کی تکمیل کرلے۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ ص۱۳۲ [2] دارمی ص۱۴۴ نیز اصول کافی میں ہے وما الحال المرتحل قال فتح القرآن وختمه وکلما جاء باوله ارتحل فی اخره۔ (اصول کافی جلد ۲ ص۶۰۵ ایران)

اسی طرح مسئلہ ترتیب سُوَر کو لیجئے قرآن کی مختلف سورتیں مستقل رسالوں اور مستقل ابواب یا تالیفات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر الگ الگ رسالوں کے مضامین بلا ترتیب (بدوں اس التزام کے کہ پہلے ایک سورت مکمل ہو تب دوسری نازل ہونی شروع ہو) نازل ہوتے رہے اور آپ ہر مضمون کی آیات اس کے متعلقہ رسالہ میں لکھوا کر ان کی ترتیب معین فرمادیتے تھے ترتیب آیات کا مسئلہ ساتھ ہی طے ہو جاتا۔ ہاں ترتیب سُوَر کا مسئلہ ایک بعد کی منزل رہی۔

ترتیبِ سُوَر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سارا قرآن مختلف تقطیع کی مختلف چیزوں پر لکھا تھا اور اس نے یکجا جمع ہو کر ایک شیرازے کی شکل نہ پائی تھی۔ بنابریں اس باب میں اختلاف ہے کہ سورتوں کی یہ ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے یا یہ ایک بعد کی ترتیب ہے اس اختلاف کا کوئی بنیادی اثر نہیں۔ جب قرآن پاک کی ہر سورت ایک مستقل کتاب یا رسالے کی حیثیت رکھتی ہے تو ظاہر ہے کہ ایک مصنف کی متعدد کتابوں کو اگر ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور باہمی فصل بھی قائم رہے تو اس میں تقدیم و تاخیر کا کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ جب اس سے معانی و مطالب متاثر نہیں ہوتے تو سُورتوں کی آپس میں ترتیب اگر توقیفی نہ بھی ہو تو بھی ترتیب قرآنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہاں اگر ایک ہی کتاب یا رسالے کے بعض اجزاء میں یا ایک ہی سُورت کی آیات میں عوامی ہاتھوں سے تقدیم و تاخیر مان لی جائے تو کتاب یا رسالے کی ساری غایت اور مضمون کی ساری مراد مشتبہ ہو کر رہ جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ترتیب آیات میں امت کے ہاتھوں تقدیم و تاخیر کا احتمال پیدا کرنا موجبِ کفر ہے لیکن ترتیب سُوَر میں یہ اختلاف اس حد تک نہیں۔

پیش نظر رہے کہ یہ رعایت اختلاف صرف احتمال کی حد تک ہے حق یہی ہے کہ سورتوں کی موجودہ ترتیب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی طرف سے ہے جسے آپ نے باعلامِ الٰہی اختیار فرمایا تھا۔ علامہ کرمانی سے منقول ہے :

ترتیب السور ھٰکذا عند اللّٰہ فی اللوح المحفوظ۔

ترجمہ۔ سورتوں کی یہ ترتیب وہی ہے جو لوحِ محفوظ میں خدا کے ہاں ہے

امام ابوبکر انباری فرماتے ہیں:۔

یوقف جبریل النبیؐ علی موضع الآیۃ والسورۃ فاتساق السور کاتساق الآیات والحروف کلہ من النبیؐ فمن قدّم سورۃ او اخّرھا فقد افسد نظم القرآن[1]

ترجمہ۔ جبریل علیہ السلام آنحضرتؐ کو آیتوں اور سورتوں کے مواقع بتا دیتے تھے سورتوں کی باہمی ترتیب ایسی ہی ہے جیسے آیات اور حروف کی باہمی ترتیب۔ یہ سب ترتیبات حضورؐ ہی کی طرف سے ہیں جو کوئی ان میں تقدیم و تاخیر پیدا کرے وہ نظم قرآنی میں فساد کرنے کا موجب ہے۔

صاحب تفسیر خازن لکھتے ہیں:۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یلقن اصحابہ ویعلمھم ما ینزل علیہ من القرآن علی الترتیب الذی ھو الآن فی مصاحفنا بتوقیف جبریل علیہ السلام[2]

ترجمہ۔ حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو قرآن پاک اسی ترتیب کے ساتھ تلقین اور تعلیم فرماتے جس ترتیب کے ساتھ اب یہ ہمارے پاس موجود ہے اور یہ سب ترتیب حضرت جبریل کے بتانے سے ہی عمل میں آتی۔

آنحضرتؐ پر جتنا قرآن نازل ہو چکا ہوتا حضرت جبریل ہر رمضان میں اس کا آنحضرتؐ کے ساتھ دور کرتے آخری رمضان میں یہ دور دو دفعہ کیا ظاہر ہے کہ اس دور قرآنی میں سورتوں کی بھی کوئی ترتیب ضرور ہوگی اور حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم ختم قرآن کے لیے اس کی سورتوں کو کسی نہ کسی ترتیب سے ہی پڑھتے ہوں گے۔ یہ ترتیب نزولی تو ہو نہیں سکتی کیونکہ حضور اکرمؐ نزول وحی کے بعد مختلف آیات علیحدہ علیحدہ مقامات پر لکھاتے تھے پس اس یقین سے چارہ نہیں

---

[1] الاتقان، صـ [2] تفسیر خازن جلد ا صـ

کہ پُورے قرآن کی تلاوت کے وقت حضور اکرمؐ کے سامنے سورتوں کی کوئی اور ترتیب تھی جو ترتیب نزول سے مختلف تھی۔

یہی وہ ترتیب ہے جس کے مطابق صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم کو ایک شیرازے میں جمع کیا اور اسی ترتیب کو امت ترتیب رسولی سے یاد کرتی ہے۔ سورۃ توبہ سے پہلے بسم اللہ اس لیے نہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام اُس کے ساتھ بسم اللہ نہیں لائے تھے۔ [۱]

پہلی سبع طُوَل اور حوامیم مفصّل اپنی ترتیب میں

قاضی ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ سبع طول، حوامیم اور مفصل سورتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اچھی خاصی معروف تھی۔ احمد بن ابراہیم ابوجعفر بن زبیر اندلسی (۸۰۷ھ) کہتے ہیں کہ آثار و شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ سورتیں اپنے نام اور اپنے مقام سے شہرت پا چکی تھیں۔ سو راجح اور صحیح بات یہ ہے کہ سورتوں کی باہمی ترتیب توقیفی ہے اور یہ انسانی اختراع نہیں۔

یہ اختلاف تو ہو سکتا ہے کہ یہ دو متصل سورتیں ایک ہیں یا دو لیکن ترتیب ان کی بھی مجمع علیہ ہے ایسا مقام پُورے قرآن میں ایک ہی سامنے آیا کہ صحابہؓ فیصلہ نہ کر سکے کہ یہ ایک سُورت ہے یا دو۔ اس لیے انہوں نے ان کے مابین بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ادباً نہ لکھی مضمون دونوں کے ملتے جلتے ہیں جن سے متبادر ہوتا ہے کہ وہ ایک سورت ہیں اور اگر موقع نزول پر نظر رکھی جائے تو یہ دو سورتیں ہیں۔ پہلی مدینہ منورہ میں آغاز ہجرت میں نازل ہوئی اور دوسری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور میں اُتری۔ یہ سورتیں الانفال اور براۃ (توبہ) ہیں ایک ہوں یا دو۔

نوٹ: قرآن کریم کی ہر سورت سے پہلے جو بسم اللہ ہے وہ سورت کا جزو ہے یا دو سورتوں کا باہمی فاصلہ ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ سو یہ شبہ اور اختلاف اس کی قرآنیت میں نہیں اس کے حکم میں ہے کہ سورت کا جزو ہے یا اگلی سورت کا اعلان ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی قرآنیت ہر شبہے سے بالا ہے جو اسے شبہ فی القرآن کی دلیل بناتے ہیں غلطی پر ہیں قرآن کریم میں کوئی شبہ نہیں۔ ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ۔

قرآن پاک کی پہلی سات سورتوں کی ترتیب

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت و ثنا اس کی ربوبیت اور یقین آخرت، بندے کی نیاز و عبودیت اور سیدھی راہ کی طلب، انبیاء و صالحین کی پیروی اور گمراہ قوموں سے ہٹ کر رہنا یہ وہ بنیادی نقوش ہیں جن پر سلام کی بنیاد قائم ہوتی ہے یہ سب مضامین سورۃ فاتحہ میں آگئے۔ آگے پورا قرآن اسی کی شرح اور اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

سات لمبی سورتوں میں پہلی سورۃ البقرہ ہے۔ بقرہ کے معنی گائے کے ہیں یہاں گائے کا لفظ کسی جانور کی تعظیم کے لیے وارد نہیں ہند وخواہ مخواہ خوش ہوتے ہیں کہ لو قرآن کا آغاز بھی گائے سے ہی ہو رہا ہے پرانے لوگ یہ بھی کہتے سُنے گئے کہ پوری زمین کو ایک گائے نے ایک سینگ پر اُٹھا رکھا ہے جب وہ سینگ بدلتی ہے تو زلزلہ آتا ہے اس لیے گائے سے قرآن کا آغاز اصولی ہے۔

ایسی کوئی بات نہیں اس سورت میں ذبح بقرہ کا اعلان ہے۔ رہی سورۃ البقرہ تو یہ اس قوم کے عروج و زوال کا ایک تذکرہ ہے جس کی تاریخ گائے کے گرد گھومتی ہے۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے طور پر تشریف لے جانے پر یہ لوگ کس طرح بچھڑے کے آگے جھکے اور کس طرح آج تک یہ قوم سونے کے بچھڑے کی پجاری چلی آرہی ہے۔ اس سورۃ میں زیادہ انہی لوگوں کا تذکرہ ہے ــــــ مسلمانوں کو شروع قرآن میں تعلیم دی گئی کہ پہلے اپنے دشمنوں کو پہچانو جو قوم اپنے مخالفوں کو نہیں سمجھتی وہ بالآخر مار کھا جاتی ہے پہلے یہود و نصاریٰ کو سمجھو۔

مسلمانوں کو دو قوموں کے بارے میں بیدار کرنا ضروری تھا وہ دو قومیں کون ہیں۔

۱۔ یہود اور ۲۔ نصاریٰ۔ تاریخ یہود کے لیے البقرہ اور تاریخ نصاریٰ کے لیے آل عمران کا فکری مطالعہ درکار ہے۔ عمران حضرت مسیح کے نانا کا نام تھا جو حضرت مریم کے والد تھے اس سورت کا موضوع انہی کا خاندان ہے۔ تمام اعتقادی اور نظریاتی فتنے ان دو قوموں کے گرد گھومتے ہیں اور ہم کو قرآن کریم نے پہلے انہی دو کو جاننے پر مامور کیا ہے۔

من تعلم لسان قوم فقد امن شرهم۔

ترجمہ۔ جو کسی قوم کی زبان جان لے وہ اس کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

ہندو گائے پرستی میں یہودیوں کا ہی ایک حصہ ہیں اور یہ بھی اسی طرح دولت کے پرستار ہیں جس طرح یہود۔ لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین اٰمنوا الیہود والذین اشرکوا۔

سورۃ فاتحہ کے آخر میں ہم نے دو قوموں کے طریقے سے بچنے کی دعا کی تھی ایک وہ جن پر خدا کا غضب اُترا اور دوسرے وہ جو فرطِ محبت میں گمراہ ہوئے۔ بس ضروری تھا کہ آگے دو قوموں کا تذکرہ ہو پہلے اُن کا جن پر غضب اُترا (یہود) اور دوسرے ان کا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں صحیح پٹڑی سے اُتر گئے۔ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کا یہ سورۃ فاتحہ سے ربط ہے۔

بنی نوعِ انسان کے لیے دو طرح کے فتنے

انسان اس دنیا میں یا اعتقادی اور نظریاتی فتنوں میں گھرا ہے یا تہذیبی اور معاشرتی فتنوں میں — اعتقادی فتنے یہود و نصاریٰ کے گرد گھومتے ہیں اور معاشرتی فتنوں کا موضوع عورت اور دولت ہے۔ عدالتوں میں جہاں دیکھیں زیادہ مقدمے عورت اور دولت کے باعث عدالتوں میں آتے ہیں۔ اعتقادی فتنوں کی اصلاح البقرہ اور آل عمران کے مطالعہ سے ہو گی — عورت کے مقام اور کام کا پتہ سورۃ النساء میں ملے گا اور دولت و جائیداد کے عنوان آپ کو سورۃ مائدہ اور الانعام میں ملیں گے۔ جو لوگ دستر خوان پر چائے کی پیالی پر ایمان چھوڑ دیتے ہیں اور جس کا کھاتے ہیں پھر اسی کا گاتے ہیں ان کی اصلاح سورۃ المائدہ کے مطالعہ سے ہو گی اور آپ عربوں کی دولت اور ان کے مال کو الانعام میں دیکھ کر دولت کی حقیقت پر مطلع ہو سکیں گے۔

اللہ کی راہ سیکھنے والا سالک جب تک البقرہ آل عمران النساء المائدہ اور الانعام سے آگے نہ بڑھے وہ میدان میں قدم رکھنے کے لائق نہیں ہوتا۔ سورۃ الانفال لوگوں کو میدانِ عمل میں لاتی ہے اور سورۃ توبہ کفار و مشرکین کی پابندیوں سے چھڑاتی ہے۔

پہلی پانچ سورتوں اور ان سورتوں کے مابین الاعراف ہے۔ اس میں کچھ اُوپر کے حقائق اور تکوین کے مسائل ہیں۔ مومنین کو الانفال اور البرأۃ کے میدانوں میں آنے کے لیے پہلے اعراف

سے گزرنا ضروری ہے۔

قرآنی سُورتوں کی موجُودہ ترتیب حضورؐ کی اختیار کردہ ہے

اِس تحقیق کے نقلی دلائل

(۱) عربی کتاب کے دیباچے (چہرے) یا مقدمے کو فاتحۃ الکتاب کہتے ہیں کتاب کی ابتداء یا پہلا باب اس کا فاتحہ کہلاتا ہے۔ ایک بزرگ نے وصیت کرتے ہوئے کہا کہ جب میں مر جاؤں اور مجھے دفن کر چکو تو ؏۔

اقرأ عند رأسی بفاتحۃ البقرۃ وخاتمتہا فانی سمعت ابن عمر یقول ذلک

ترجمہ: میرے سر کی طرف ہو کر فاتحۃ البقرہ (سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات) اور پھر اس کی آخری آیات پڑھنا کیونکہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو ایسا ہی کہتے سُنا ہے۔

جب فاتحہ دیباچے یا ابتداء کو کہا جاتا ہے اور قرآن پاک کی موجودہ ترتیب سُور میں سب سے پہلی سورت الحمد ہے جو خود لسانِ پیغمبر سے فاتحۃ الکتاب ؏ کا اعزاز حاصل کر چکی ہے تو اس یقین سے چارہ نہیں کہ قرآن کی موجودہ ترتیب خود آنحضرتؐ کی ہی اختیار کردہ ہے۔ اگر آنحضرتؐ کے نزدیک سورتوں کے باہمی ربط میں ترتیب نزول کا اعتبار ہوتا تو آپ سورۃ فاتحہ کا نام سُورۃ اقرأ یا سُورۃ علق کو دیتے جو ترتیب نزول میں سب سے پہلی سورت تھی۔ آپ سورۃ الحمد کو فاتحۃ الکتاب ہرگز نہ فرماتے۔

(۲) موجودہ ترتیب قرآن میں پہلے سات لمبی سورتیں ہیں جنہیں السبع الطوال کہا جاتا ہے پھر مئین یعنی کم و بیش سو سو آیتوں کی سورتیں ہیں یہ سورۃ یونس سے سورۃ فاطر تک ہیں ان کے

؏ کتاب الروح لابن القیم صلا فاتحۃ البقرہ کے معنی اول البقرہ کرنے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام بیہقی نے اس حدیث کو اپنے اسناد سے روایت کرتے ہوئے فاتحۃ البقرہ کی روایت اوّل البقرہ کے الفاظ میں پیش کی ہے (سنن کبریٰ جلد ۴ ص ۵۲ مطبوعہ حیدر آباد دکن) فتح القرآن وختم قرآن ابتداء اور انتہا ہی ہے (اصول کافی جلد ۴ ص ۶۰۵ مطبوعہ ایران) ؏ قال النبی لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔

بعد مثانی ہیں جن میں مضامین دہرا دہرا کر بیان کیے گئے ہیں اور آخر میں مفصل (علیحدہ علیحدہ قطعات) ہیں یہ سورۃ ق سے سورۃ الناس تک ہیں. یہی ترتیب آنحضرتؐ نے ایک حدیث میں ذکر فرمائی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ترتیب خود آنحضرتؐ کی ہی اختیار فرمودہ ہے. اس میں امت کے ہاتھوں کا کوئی دخل نہیں. حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا :-

مجھے تورات کے بدلے السبع الطوال، زبور کے بدلے مئین اور انجیل کی جگہ مثانی عطا کی گئی ہیں اور جو مجھے بطور فضیلت ملا وہ مفصل ہیں۔[1]

(۳) حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات آنحضرتؐ نے ایک بہت لمبی نماز نہایت خشوع و خضوع سے ادا فرمائی :-

فصلّی اربع رکعات فقرأ فیھن البقرۃ وال عمران والنساء والمائدہ۔[2]

ترجمہ. آپ نے چار رکعتیں پڑھائیں اور اُن میں سورۃ البقرہ، آل عمران، النساء اور المائدہ پڑھیں۔

یہ چاروں سورتیں قرآن پاک میں اسی ترتیب سے ہیں جس طرح کہ انہیں حضور اکرمؐ نے پڑھا. اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ موجودہ ترتیب سُوَر خود آنحضرتؐ کی ہی اختیار کردہ ہے جسے آپ نے باعلام الہٰی اختیار فرمایا ہوا تھا.

(۴) قرآن پاک کو اوّل سے لے کر آخر تک ایک جامع نظر سے دیکھئے تمام سورتیں ایک لڑی میں پروتے ہوئے موتیوں کی طرح ایک دوسرے سے متّسق نظر آئیں گی.

پہلی سورۃ فاتحہ ہے اس میں اھدنا الصراط المستقیم کے الفاظ میں ہدایت کی درخواست ہے تو اگلی سورۃ البقرہ میں ذلک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین کے الفاظ میں اس ہدایت کی عطا ہے. یہ دونوں سورتیں اپنے نزول کے لحاظ سے بالکل علیحدہ علیحدہ تھیں ان میں یہ باہمی تناسب اور ربط خود اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ قرآن پاک کی ترتیب نزولی اس کی حقیقی ترتیب ہرگز نہ تھی اصل ترتیب وہی ہے جو ترتیب رسولی ہے، ورنہ دعائے ہدایت اور عطائے ہدایت اس طرح متّسق اور متناسق نہ ہوتیں۔

---

[1] مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۰۷ اتقان جلد ۱ صفحہ ۶۵ [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۲۸ باب مایقول فی رکوعہ وسجودہ

ہدایت موصول ہونے کے بعد اسے سمجھنے میں غلط فہمی کا اندیشہ تھا سورۃ آل عمران نے آیات کی تقسیم محکمات اور متشابہات میں کر کے ہر طریق الحاد کی جڑ کاٹ دی بلکہ اہل کتاب جو ہدایت موصول ہونے کے باوجود گمراہ ہو گئے تھے ان کی پوری تاریخ بیان کر دی تھی اس قصور عقل کی مناسبت سے آگے اس طبقے کا ذکر فرمایا جو فطرۃً اس باب میں کمزور تھا اگلی سورت کا نام نساء ہے۔

قرآنی سورتوں کی دوسری منزل (مئین)

قرآنی سورتوں کی دوسری منزل مئین کی ہے یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سو سو کے قریب ہیں اس منزل میں چار پیغمبروں کا مسلسل ذکر ہے۔ ۱۔ حضرت یونس علیہ السلام۔ ۲۔ حضرت ہود علیہ السلام۔ ۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام۔ ۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر سے پہلے سورۃ رعد کا فصل موجود ہے اور آگے سات سورتیں سورۃ الحجر (آیات ۹۹) سورۃ النحل (آیات ۱۲۸) سورۃ بنی اسرائیل (آیات ۱۱۱) سورۃ کہف (آیات ۱۱۰) سورۃ مریم (آیات ۹۸) سورۃ مریم (آیات ۱۳۵) سورۃ طٰہٰ (آیات ۱۳۵) سورۃ انبیاء (آیات ۱۱۲) ہیں۔ پھر سورۃ حج (آیات ۷۸) المومنون (آیات ۱۱۸) النور (آیات ۶۴) الفرقان (آیات ۷۷) الشعراء (آیات ۲۲۷) النمل (آیات ۹۳) القصص (آیات ۸۸) العنکبوت (آیات ۶۹) اور سورۃ روم (آیات ۶۰) ہیں جن میں سے صرف المومنون اور الشعراء مئین میں سے ہیں۔

قرآن کریم میں جن پیغمبروں کا تذکرہ ہے وہ سب راہِ ہدایت پر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی راہ پہ چلنے کا حکم ہے۔ اولٰئک الذین ھدی ـــــ اللہ فبھدٰھم اقتدہ۔ (پ الانعام ۶) صرف یونس علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ ان کی طرح جلدی نہ کرنا۔ ولا تکن کصاحب الحوت (پ۲۹ القلم ۴۸) اس اعتبار سے ان کی شخصیت دوسرے انبیاء سے ایک طرف رہتی ہے۔ قرآن کریم نے سات سورتیں پیغمبروں کے نام سے اتاریں جیسے حضرت ہود، حضرت یوسف، حضرت ابراہیم، حضرت لقمان، حضرت محمد، حضرت نوح ـــ ان میں پہلے سورۃ یونس کو رکھا۔ ان کی ایک منفرد حیثیت تھی۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح اہل کتاب یہود اور نصاریٰ حضرت ہود کو پیغمبر نہیں مانتے وہ نہ قوم عاد کے قائل ہیں نہ حضرت ہود علیہ علیہ السلام کے یہ عرب میں ہوئے ہیں۔

انہیں اس امتیاز پر شروع ہی میں ذکر کر دیا۔ سورۃ یونس کے بعد سورۃ ہود گزری آگے حضرت یوسف اور حضرت ابراہیم کے نام کی سورتیں ہیں۔

یہ دونوں پیغمبر جغرافیائی پس منظر میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا وطن کنعان ملک شام تھا یہیں سے بنی اسرائیل چلے۔ اسرائیلی پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں ہوئے۔ بنو اسرائیل وہاں کیسے پہنچ گئے ان جغرافیائی سرحدوں کو جوڑنے والی شخصیت حضرت یوسف کی ہے وہ کس طرح کنعان سے ایک حیلے سے نکالے گئے اور کس طرح مصر پہنچے اور پھر پورا خاندان یعقوب وہاں منتقل ہو گیا۔ قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان نہ ہوتی تو یہ دو سرحدیں (شام اور مصر) بنو اسرائیل کے دائیں بائیں نہ ہوتیں۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر بنو اسرائیل اور بنو اسمٰعیل مل جاتے ہیں گو وطن دونوں کے علیحدہ علیحدہ رہے۔ ملک شام اور ملک عرب۔ قرآن کریم ایک عالمگیر اور آفاقی دعوت ہے اس کے لیے مناسب تھا کہ وہ پیغمبر جن پر ملکوں کی جغرافیائی سرحدیں ملیں اور جن پر دو متوازی سلسلے ایک ہوں انہیں حضرت یونس اور حضرت ہود علیہما السلام کے امتیازی خطوط کے بعد متصلاً ذکر کر دیا جائے۔

سورہ ترتیب اس طرح چلی سورۃ یونس۔ سورۃ ہود۔ سورۃ یوسف۔ سورۃ رعد اور سورۃ ابراہیم — سبع طول میں جس طرح سورۃ اعراف کچھ اوپر کے خاص مضامین پر مشتمل ہے مئین میں سورۃ رعد میں یہ اوپر کی بجلی چمکی ہے۔

سبع طول میں البقرہ اور آل عمران میں بالترتیب یہود و نصاریٰ کی ہدایت یابی اور ہدایت تلفی کی تاریخ گزری ہے تو مئین سورتوں میں سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ مریم میں بنو اسرائیل اور مریم و مسیح کے تذکرے ملیں گے۔ پھر سورۃ طٰہٰ اور سورۃ انبیاء دونوں انبیا کے تذکروں سے بھری ہیں۔ سورۃ انبیاء پر آ کر سمجھیں کہ اب اس صف کی تکمیل ہو گئی اور آپ کا حج ہو گیا۔ انبیاء کے بعد ان کی امتیں مومنین کے ملتے ہیں پھر قرآن کا پیغام لیں جس میں نور ہے اور ہدایت ہے

اور یہ حق و باطل کو نکھارنے میں فرقان ہے جن کی بات صاف اور واضح نہیں ہوتی اور وہ حقیقت و مجاز کے چکر سے نہیں نکلتے وہ شعراء ہیں ان سے محظوظ بے شک ہوں پر ان کی پیروی میں نہیں چلنا۔ چیونٹی اور مکڑی کے مساکن کس طرح اوھن البیوت کمزور ترین گھر ہیں ۔ یاد رکھنا اپنے قلعوں اور اپنی فوجوں پر ناز کرنے والے رومی عنقریب پاس کے ملک میں مغلوب ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ تمہاری فکری اور عملی زندگی کی سیرگاہ ہے ان عناوین کے تحت آپ کو بے شمار حکمت، عبرت اور موعظت کے سبق ملیں گے۔

قرآنی سورتوں کی تیسری منزل

وہ سورتیں جن میں سو سے کم آیتیں ہیں اور پر مذکور سورتوں میں الحج، النور، الفرقان، العنکبوت اور الروم مثانی میں سے ہیں۔ سورۃ روم سے سورۃ ق (آیات ۴۵) تک قرآن پاک کی کل ۵۰ سورتیں ہوتی ہیں۔

پھر آگے سورۃ ق سے آخر تک مفصل سورتیں ہیں یہ ۶۴ ہیں اور پہلی ۵۰ کے ساتھ مل کر کل ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ المفصل کی تقسیم پھر تین حصوں میں ہے :-

① طوال مفصل : یہ الحجرات سے بروج تک

② اوساط مفصل : سورۃ البروج سے البیّنۃ تک۔

③ قصار مفصل : البیّنۃ سے والناس تک۔

① بعض سورتوں میں اختلاف ہے کہ وہ مئین میں ہیں یا المثانی ہیں ___ ہم نے عام تعارف کے لیے یہ نقشہ دے دیا ہے۔ وللتحقیق مقام آخر۔

② مئین اور مثانی میں کچھ سورتیں باہم مختلط ہیں ان کی تعداد آیات سے پتہ چلے گا کہ وہ کن میں سے ہیں۔

③ مئین اور مثانی کی تقسیم اندازے سے ہے ان کے نام اور عنوان تو روایات میں ملتے ہیں مگر یہ کن کن کو شامل ہے اس میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔

آخری سورتوں کے اتساق کی ایک جھلک

اسی طرح قرآن پاک کی آخری سورتیں بھی نہایت لطیف ترتیب سے متناسب و مرتبط ہیں:۔

① قل یاایھا الکافرون۔

ایک طرح سے اعلانِ جنگ ہے پورے عنوان سے کفر و اسلام کی دو ٹوک جدائی ہے لکم دینکم ولی دین دو علیحدہ علیحدہ راہوں کا اعلان ہے اعلانِ جنگ کے بعد فتح ہوتی ہے یا شکست۔ یہاں فرمادیا:۔

② اذا جاء نصر اللہ والفتح۔

کہ یہاں فتح ہی فتح ہے شکست کا تصور بھی نہیں۔ فتح کے بعد دشمن سرنگوں ہوتے ہیں۔ فرمایا:۔

③ تبت یدا ابی لہب وتب۔

یہ دشمنوں کی رسوائی اور بدنامی کا بیان ہے جب اللہ کے دشمن سرنگوں ہوں تو اللہ کا نام سربلند ہوتا ہے توحید کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

④ قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد۔

اللہ کا نام توحیدِ خالص کے ساتھ سربلند ہوا اسلام کا مقصد پورا ہوا۔ اب دعا کیجئے کہ یہ شجرِ اسلام ہر طرح کی نظرِ بد اور آسمانی اور زمینی آفتوں سے محفوظ رہے۔

⑤ قل اعوذ برب الفلق اور اس کے بعد قل اعوذ برب النّاس۔

یہ معوذتین ہیں یہ خدا کی اس آخری کتاب کی منزل اختتام ہے۔

مخالفین کو چیلنج

اگر تمہیں یہ خیال ہے کہ یہ کلام بشری ہے تو تم بھی ایک ایسی سورت بنالاؤ:۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ۔

(پ البقرہ ۲۳)

ترجمہ. اگر تم اس کلام کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا ہے شک میں ہو تو تم بھی ایک ایسی سُورت بنا لاؤ.

یہ چیلنج قرآن پاک کی دوسری سورت میں ہے اس میں اس جیسی ایک سورت لانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے. جب ہم نے غور کیا تو اس چیلنج سے پہلے واقعی قرآن کی صرف ایک ہی سورت موجود ہے جو سورۃ فاتحہ ہے اس کی مثل لانے کا چیلنج واقعی دوسری میں ہی مناسب تھا. پھر سورۃ ہود میں چیلنج دیا گیا کہ :-

قل فاتوا بعشر سور مثله مفتریات. (پ۱۲ ہود ۱۳)

ترجمہ. آپ کہہ دیجیے کہ (اگر یہ قرآن میرا اپنا گھڑا ہوا ہے تو) تم بھی ایسی دس سورتیں بنا کر لاؤ.

جب ہم نے غور کیا تو اس سے پہلے واقعی دس سورتیں ہی موجود ہیں. قرآن پاک کی یہ ترتیب اگر حقیقی نہ ہوتی تو یہ دس سورتیں لانے کا چیلنج گیارہویں سورت میں ہی ہوتا؟ جس سے پہلے صرف دس سورتیں ہی واقعتاً موجود ہیں یہ قرآن پاک کی اندرونی شہادت ہے کہ اس کی حقیقی ترتیب وہی ہے جس میں آج یہ ہمارے سامنے موجود ہے.

قرآن کریم کی دوسری شہادت

سورۃ الانعام جو واقعی مکی ہے اس میں ارشاد ہے :-

وما لکم الا تاکلوا مما ذکر اسم الله علیه وقد فصل لکم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم الیه. (پ۸ الانعام ۶)

ترجمہ. اور کیا وجہ کہ تم اس جانوروں سے بھی نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ مفصل طور پر بیان کر چکے ہیں کہ تم پر حرام کیا گیا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ تم مجبور کر دیے جاؤ اس کے لیے.

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ جانور جو حرام ہیں اس سے پہلے مفصل طور پر بیان ہو چکے ہیں. یہ تفصیل کہاں ہے؟ یہ سورت المائدہ (پ۶ ع۱) میں بیان ہوئی ہے جو بالاتفاق مدنی

سورت ہے اور سورۃ الانعام کے بعد نازل ہوئی ہے. سورۃ البقرہ میں بھی محرمات کا کچھ بیان ہے مگر وہ بھی مختصر ہے. مفصل بیان المائدہ میں ہی ہے.

پس اگر ترتیب نزولی کا اعتبار کیا جائے تو سورۃ الانعام کا یہ دعوے کہ وہ تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے درست نہیں رہتا اور اگر موجودہ ترتیب کو دیکھا جائے سورۃ الانعام سے پہلے واقعی سورۃ المائدہ میں یہ تفصیل موجود ہے.

خلاصہ اینکہ قرآن کریم کی حقیقی ترتیب یہی ہے جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے بعض ملحدین نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ آپ نے قرآن پاک کو رسولی ترتیب کی بجائے نزولی ترتیب پر جمع کیا تھا ایسی روایات صحیح نہیں حضرت علی المرتضیٰؓ کی جلالت قدر اور عظمت شان کے پیش نظر ہم باور نہیں کر سکتے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کی اختیار کردہ ترتیب چھوڑ کر اپنے لیے کوئی راستہ نکالا ہو. محققین کے نزدیک ایسی روایات اسناداً ضعیف اور اصولاً قابل اعتماد نہیں.

حضرت صدیق اکبرؓ نے جس ترتیب سے قرآن پاک کو ایک شیرازے میں جمع کیا تھا. ظاہر ہے کہ وہ اسی ترتیب سے قرآن پاک کی تلاوت اور قرأت کرتے ہوں گے. جب حضرت علی المرتضیٰؓ حضرت صدیق اکبرؓ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے اور ان کی سب نمازیں باجماعت ہوتی تھیں تو ترتیبِ قرآن میں ان دونوں بزرگوں میں کیسے اختلاف رہ سکتا تھا ان میں اگر کچھ بھی اختلافِ ہوتا تو وہ یقینی طور پر حضرت امیر المومنینؓ کی امامت اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی اقتداء پر اثر انداز ہوتا. ایسے واقعات اس یقین تک پہنچنے کے لیے کافی ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف ترتیبِ نزولی کی نسبت درست نہیں

مشہد کے کتب خانہ رضوی میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن پاک سورہ ہود سے لے کر آخر سورۂ کہف تک اب بھی صحیح سالم موجود ہے چمڑے پر خطِ کوفی میں لکھا ہوا ہے اور موجودہ ترتیب کے بالکل مطابق ہے. اور آخری صفحے کی پشت پر یہ لکھا ہوا ہے:

کتبہ علی ابن ابی طالب

ایک اور کامل نسخہ حضرت امام حسنؓ کے دست مبارک سے لکھا ہوا بھی موجود ہے. یہ

بھی ہو بہو موجودہ ترتیب پر ہے چمڑے پر لکھا ہے اور خط اس کا بھی کوفی ہے۔ آخر میں لکھا ہوا ہے اسے حسن نے ۴۱ھ میں لکھا ہے۔ [۱]

(کتبہ حسن بن علی بن ابی طالب فی سنہ احدیٰ واربعین)

قرآن مجید اپنی موجودہ ترتیب میں عہد رسالت سے ہی متواتر چلا آرہا ہے۔ عہد صدیقی میں اسی ترتیب نے ایک شیرازے کی شکل پائی تھی جو عہدِ رسالت سے تلاوت وقرأت میں متواتر چلا آتا تھا اسی کی نشر واشاعت عہد عثمانی میں ہوئی تھی۔ پس اس تواتر طبقہ کے خلاف ان اخبار احاد کا کوئی اعتبار نہیں جن میں کسی بزرگ سے اس کی کوئی اور ترتیب منقول ہو۔ تحقیق کی جائے تو وہ روایت ہی غلط ہوگی ظنیات کی پیروی میں قطعیات کو چھوڑ دینا بڑی نادانی ہے۔ وہ لوگ جن کے نزدیک اہل تواتر کا امر خلاف واقع پر اجماع کر لینا محال نہ ہو اور وہ امت کے اجماع کو حجت نہ سمجھتے ہوں وہ اگر تواتر طبقاتی کا احترام نہ کریں تو تعجب کی بات نہیں لیکن ہمارے نزدیک تواتر طبقہ بلکہ تواتر تعامل بھی یقین کی ایک قابل اعتماد بنیاد ہے۔

فقہائے کرام نے نماز میں سورتوں کی ترتیب موجودہ ترتیب کے ساتھ ضروری بتائی ہے یہ جائز نہیں کہ پہلی رکعت میں کوئی اگلی سورت پڑھ لے اور دوسری رکعت میں اس سے پہلی کسی سورت کو پڑھ لے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان بزرگوں نے سورتوں کی باہمی ترتیب کو محض ایک تالیفی درجہ نہیں دیا۔ بلکہ اسے شرعی درجے میں ایک سماوی بات سمجھتے رہے ہیں۔

محقق ابن ہمام کہتے ہیں:-

وان قرأفی رکعة سورة وفی الثانیة ما فوقها او فعل ذلك فی رکعة فهو مکروہ۔ [۲]

ترجمہ۔ اور اگر ایک رکعت میں ایک سورت پڑھی اور دوسری رکعت میں اس سے پہلے کوئی پڑھی یا ایک ہی رکعت میں سورتوں کو اس ترتیب سے پڑھ لیا تو یہ مکروہ ہے۔

---

[۱] پروفیسر ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اپنے سفر ایران میں ان دونوں قرآنی نسخوں کو دیکھا تھا اُن کے کوائف وہی ہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں۔ (دیکھئے اورینٹل کالج میگزین ۳۵ء ص ۱۰۲) [۲] فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۴۳

احرف القرآن

قرآن کا سبعہ احرف میں اُترنا

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

قرآن کریم عرب کے لغت میں نازل ہوا اور عرب قبائل باہم ایک متمدن قوم نہ ہونے کے باعث اپنی لغات میں ایک دوسرے سے کچھ جدا تھے ایک لغت اور حرف والے کو دوسروں کے لغت اور حرف میں مناسبت نہ ہوتی تھی قرآن کریم ان امیین میں ایک ہی لغت اور حرف میں اُترا اور اس کی دعوتِ ابتداءً مکہ اور اس کے قریب کے گرد و نواح کے لیے تھی۔

لتنذر ام القریٰ ولمن حولھا. (پ۷ الانعام ۹۲)

ترجمہ: تاکہ آپ ڈرائیں مکہ والوں کو اور جو اس کے ارد گرد ہیں۔

سو اس صورت حال میں سب عربوں کا قرآن پاک کو ایک ہی پیرائے میں پڑھنا خاصہ مشکل اور پھر عورتوں اور بوڑھوں میں جو دوسرے قبائل کی لغات سے مانوس نہ تھے قرآن کی تلاوت کا جاری ہونا کوئی آسان بات نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عوامی ضرورت سے پوری طرح باخبر تھے۔ آپ نے اس باب میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری امت کے لیے کچھ آسانی پیدا کر دیں اور آپ بار بار اللہ تعالیٰ سے یہ گذارش کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کے سات پیرائے ٹھہرے انہیں ہی سبعہ احرف کہا جاتا ہے اسے یوں کہیئے کہ قرآن کریم سبعہ احرف میں نازل ہوا اور یہ اس کی مختلف قراآت ہیں۔

سبعہ احرف کے ساتھ قرآن اب صرف ایک قبیلے کی آواز نہیں پورے عرب کی دستاویز بنا مسلمان کسی بھی قبیلہ سے ہوں سب اس میں برابر کی دلچسپی لینے لگے اور اس کی بلاغت اور شانِ اعجاز سب عربوں کو ایک فکر پڑ گئی کہ پوری سرزمین عرب میں کوئی قبیلہ اور کوئی بطن اس شان کی فصاحت اور بلاغت اپنے کلام میں نہیں لا سکتے۔ پھر جب ان لوگوں سے کہا گیا کہ اگر یہ کلام واقعی کوئی انسانی کلام ہے کوئی وحیِ الٰہی نہیں تو تم بھی ایسا کلام بنا لاؤ، تو یہ چیلنج اُسی

صورت میں کارگر ہوسکتا ہے کہ تمام عرب قرآن کریم کے پڑھنے اور سننے میں کوئی اجنبیت محسوس نہ کریں ــــ اور کوئی طبقہ یہ نہ کہہ سکے کہ قرآن اگر ہماری بولی میں اُترتا تو ہم ضرور اس جیسا کلام لے آتے یہ تو ہمارے لہجہ میں ہی نہیں۔ سو حکمتِ خداوندی کا تقاضا ہوا کہ قرآن کریم سات حرفوں میں ڈھلے اور عرب قوم کا ہر طبقہ اسے اپنی کتاب سمجھے۔

حافظ ابو محمد عبداللہ بن قتیبہ لکھتے ہیں :-

حق تعالیٰ نے آسانی عطا کرنے کے لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اپنی امت کو ان کی زبان اور عادت کے مطابق الفاظ میں قرآن پڑھائیں۔ ہذیل حتّٰی کی بجائے عتّٰی بولتے تھے اور اسدی لوگ تعلمون اور تعلم اور تسودّ وجوهٌ اور الم اعهد اليكم میں علامت مضارع کو کسرہ سے ادا کرتے اور بنو تمیم یئلمون۔ شئت اور یومنون میں ہمزہ پڑھتے تھے اور قریش ابدال کرتے تھے اور بعض قیل لھم اور غیض الماء میں اشمام کرتے تھے اور مالک لا تأمنا میں ادغام اور ضمہ کا اشمام کرتے تھے اور بعض علیهم اور منهم کو علیهمو اور منهمو پڑھتے تھے اور بعض قد افلح. قل اوحی اور خلوا الی میں کرتے تھے اور بعض موسیٰ عیسیٰ اور دنیا کو امالے سے اور بعض تقلیل (تھوڑے امالے) سے اور بعض خبیرًا اور بصیرًا کو ترقیق سے اور بعض الصلوٰۃ اور الطلاق کو لام کی تفخیم سے پڑھتے تھے۔[1]

پس حق سبحانہ وتعالیٰ نے جس طرح امت کو دین میں آسانی دی تھی اسی طرح اپنے لطف وکرم سے قرآن کے لغات اور حرکات میں بھی وسعت عطا کر دی اور آسانی کے علاوہ اس میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت قل لئن اجتمعت الانس والجن (پ۱۵ بنی اسرائیل) پیش کر کے تمام مخلوق کو چیلنج دیا تھا کہ قرآن جیسی کوئی کتاب بنا لائیں پس اگر قرآن

---

[1] عنایاتِ رحمانی شرح شاطبیہ جلد ا ص ۲۷ مقدمہ

ایک ہی لغت میں نازل ہوتا تو دوسرے لغت والوں کو یہ کہنے کی گنجائش رہتی کہ اگر قرآن ہمارے لغت میں ہوتا تو ہم اس کا مثل لاتے۔[1]

حدیث سبعۃ احرف اور اس کی شرح

سیدنا حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

ان ھٰذا القراٰن انزل علی سبعۃ احرف فاقرءوا ما تیسر منه۔[2]

ترجمہ۔ بے شک یہ قرآن سات قراآت میں اُتارا گیا ہے ان میں جو آسان لگے تم اسے اس میں پڑھو۔

ان القراٰن انزل علیٰ سبعۃ احرف کلھا شاف کاف۔[3]

ترجمہ۔ بے شک قرآن سات حرفوں میں اُتارا گیا ہے ان میں سے ہر پیرایہ شفا دینے والا اور کفایت کرنے والا ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ کے پاس حضرت جبرئیلؑ آئے اور کہا :۔

ان اللہ یأمرك ان تقرأ امتك علیٰ حرف فقال اسأل اللہ معافاته ومغفرته وان امتی لا تطیق ذٰلك ثم اتاہ الثانیة.... ثم جاء الثالثة .... ثم جاءہ الرابعة فقال ان اللہ یأمرك ان تقرأ امتك القراٰن علیٰ سبعة احرف فای حرف قرأوا علیه فقد اصابوا۔[4]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ اپنی امت کو ایک ہی پیرایہ میں قرآن پڑھائیں۔ آپ نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی اور مغفرت مانگتا ہوں میری امت ایک پیرایہ میں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دو پیرایوں میں پڑھنے کا کہا.... پھر تین پیرایوں میں پڑھنے کا کہا.... پھر چار پیرایوں میں پڑھنے کا کہا.... پھر اللہ تعالیٰ نے کہا آپ اپنی امت کو سات

---

[1] عنایات رحمانی شرح شاطبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۸ مقدمہ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۴۷، [3] مسند ابی لعلی جلد ۔۔
[4] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۷۳

حروف پر پڑھنے کا کہیں وہ جس پیرایہ میں بھی پڑھیں وہ راستی پر ہوں گے۔

یہ حدیث مختلف الفاظ سے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ہشام بن حکیم ابن حزمؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت ابو سعید الخدریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت زید بن ارقمؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت سمرہ بن جندبؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ، اور دوسرے کئی صحابہؓ کرام سے مروی ہے اور یہ حدیث درجہ متواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اسے مسجد میں مجمع عام میں پڑھا اور سامعین سے اس کی تصدیق مانگی۔ اتنے لوگ کھڑے ہوئے کہ ان کی گنتی نہ ہو سکتی تھی۔ یہ تصدیق اس بات کی تھی کہ ان سب نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں :۔

(۱) سات حروف سے سات لغات مراد ہیں۔ وہ لغات۔ ۱۔ قریش۔ ۲۔ ہذیل۔ ۳۔ ثقیف۔ ۴۔ ہوازن۔ ۵۔ کنانہ۔ ۶۔ تمیم اور۔ ۷۔ یمن کے حروف ہیں۔ ان سات قبائل میں لغات میں بہت کچھ اشتراک بھی تھا لیکن وحی کا نزول ان ساتوں کے اختلاف لغات میں بھی رہا۔ گو ایک لغت قریش اس کی مرکزی لغات رہی۔

(۲) سات حروف سے سات طرح کے مضامین مراد لیے گئے ہیں۔ ۱۔ حلال۔ ۲۔ حرام۔ ۳۔ محکم۔ ۴۔ متشابہ۔ ۵۔ امثال۔ ۶۔ اخبار اور۔ ۷۔ انشاء۔ قرآن کریم کے مضامین بس انہی سات میں دائر ہیں بعض حضرات نے سات سے مراد آیات کے سات درجے لیے ہیں۔ ۱۔ ناسخ ۲۔ منسوخ۔ ۳۔ عام ۴۔ خاص۔ ۵۔ مجمل۔ ۶۔ مبین اور۔ ۷۔ مفسر ہیں۔ اور بعض نے اس کے مضامین کو۔ ۱۔ امر۔ ۲۔ نہی۔ ۳۔ طلب۔ ۴۔ دعا۔ ۵۔ خبر۔ ۶۔ استخبار اور۔ ۷۔ زجر پر شامل بتلایا ہے۔

یہ دوسری تقسیم معانی اور درجات احکام کی ہے الفاظ و حروف کی نہیں۔ سیاق حدیث میں بات حروف و الفاظ کی چلی آرہی ہے سو اس سے مراد لغات ہی لی جائیں گی اور ان کا آپس میں اختلاف مناقشہ و تضاد کا نہیں جمع و طباق کا لیا جائے گا۔

ان ھٰذہ الاحرف تختلف معانیھا تارۃ والفاظھا اخریٰ ولیست متضادۃ ولا متنافیۃ۔[1]

ترجمہ۔ بے شک یہ حروف ایسے ہیں کہ کبھی ان کے معانی میں اختلاف ہوا اور کبھی الفاظ میں اور ان کا اختلاف آپس میں تضاد اور تنافی کا نہیں۔

عربی میں حرف کے معنی

اہلِ لغت کے ہاں حرف ان معنوں میں آتا ہے۔ ۱۔ حافہ۔ ۲۔ ناحیہ۔ ۳۔ وجہ۔ ۴۔ طرف۔ ۵۔ حدبندی۔ ۶۔ ٹکڑا۔ یہاں ان میں تیسرے معنی مراد ہیں (یعنی وجہ) اور یہ اس پیرایہ کو کہتے ہیں جس میں بات کہی گئی اور اس پیرائے کو مجازاً قرأت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں کنارے کے معنی میں بھی وارد ہے:۔

ومن النّاس من یعبد اللہ علیٰ حرف فان اصابہ خیرٌ اطمئن بہ وان اصابتہ فتنۃ انقلب علیٰ وجھہ۔ (پ۱۷ الحج ۱۱)

ترجمہ۔ اور لوگوں میں ایسا بھی ہے جو اللہ کی بندگی کنارے پر آکر کرتا ہے کہ اگر اس کو بھلائی پہنچے تو مطمئن رہے اور اگر اسے آزمائش نے آلیا تو پھر وہ اُلٹے منہ پھر گیا (وہ ہر حال میں اپنے آپ کو بندگی میں رکھنے کے لیے تیار نہیں۔

حضرت ہشام بن حکیم بن حزامؓ کی روایت میں لفظ حروف الفاظ کے معنی میں وارد ہے:۔

عن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری قال سمعت عمر بن الخطاب یقول سمعت ھشام بن حکیم بن حزام یقرأ سورۃ الفرقان علیٰ حروف کثیرۃ لم یقرءنیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ سے سُنا آپ کہہ رہے تھے میں نے ہشام بن حکیم کو سورۃ فرقان بہت سے ان الفاظ میں پڑھتے سُنا جو مجھے رسول اللہؐ نے نہ پڑھائے تھے آپ انہیں پکڑنے لگے مگر پھر آپ نے انہیں ڈھیل

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ۱ صہ ۲۷۲

دی اور یہ سارا ماجرا حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم مجھ پہ (الفاظ کے) سات پیرایوں میں اتارا گیا ہے۔

یہ اختلاف حروف والفاظ میں تھا آپ نے اس پر یہ حدیث پڑھی سو یہاں احرف کے معنی ماقبل کے حروف پر منطبق ہو گئے۔ یہاں اگر احرف سے مراد وہ معانی اور مضامین لیے جائیں جو ہم شرح حدیث میں ۲ کے ذکر کر آتے ہیں تو پھر حدیث کے اس ٹکڑے پر کبھی عمل نہ ہو سکے گا کہ جو آسان ہوے لو۔ کیونکہ وہ مضامین اور پیرائے تو سارے کے سارے واجب القبول ہوں گے اور ان میں سے کسی کو چھوڑا نہ جا سکے گا اور یہاں حدیث میں واضح الفاظ میں بعض کے چھوڑنے کی اجازت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

فاقرءوا ما تیسر منه[1]

ترجمہ۔ تم ان میں سے وہ حروف پڑھ لیا کرو جو تمہیں آسان لگیں۔

سات حروف کا مورد و مصداق

قرآن کریم کے کسی ایک کلمہ میں یہ سات پیرایہ بیان ملیں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ پیرائے پورے قرآن میں کہیں کہیں پھیلے ہوئے ہیں اور پورے قرآن کے یہ مختلف پیرایہ ہائے بیان سات طرح کے اختلاف تک پہنچتے ہیں۔ امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

هي متفرقة في القرآن غير مجتمعة في كلمة واحدة وقيل بل هي مجتمعه في بعض الكلمات كقوله تعالىٰ وعبد الطاغوت ونرتع ونلعب وباعد بين اسفارنا وبعذاب بئيس وغير ذٰلك[2]

ترجمہ۔ یہ اختلافِ حروف پورے قرآن میں پھیلے ہوئے ہیں ہاں بعض کلمات میں یہ کئی کئی پیرائے جمع ہیں جیسے عبد الطاغوت نرتع ونلعب اس طرح بھی پڑھے گئے ہیں اور باعد بين اسفارنا اور بعذاب بئيس اس طرح بھی پڑھے گئے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صہ ۲۷۲ [2] شرح مسلم جلد ۱ صہ ۲۷۲

یہ احرف سبعہ کی وسعت کیا ہمیشہ کے لیے ہے

ابتدائے اسلام میں عرب ایک متحد اور منضبط ملک نہ تھا نہ وہاں کوئی ایک حکومت تھی۔ سب قبائل اپنی اپنی حدود میں حکمران تھے اور ان کی آپس میں لغات بھی مختلف تھیں لیکن وہاں جوں جوں ایک تمدن قائم ہوا سب عرب ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ پھر یہ اَحرف سبعہ محض روایات میں رہ گئے عملاً سارا عالم اسلام ایک لغات اور ایک قرأت پر آ گیا۔ پہلے قرآنی صحیفے احرف سبعہ کے اختلاف پر لکھے جاتے تھے اب سیدنا حضرت عثمانؓ نے انہیں ایک لغت پر لوٹا دیا۔ کیونکہ احرف سبعہ کی جو ضرورت تھی وہ اب پوری ہو چکی۔ امام ابوجعفر الطحاوی (۳۲۱ھ) لکھتے ہیں:۔

ان القرأة بالاحرف السبعة كانت فی اول الامر خاصةً للضرورة لاختلاف لغة العرب ومشقة اخذ جميع الطوائف لغة فلما كثر الناس والكتاب وارتفعت الضرورة عادت الی قرأة واحدة۔[1]

ترجمہ۔ یہ سات حرفوں میں پڑھنے کی صورت پہلے دور میں ضرورت کے لیے تھی کیونکہ عربوں کے لغات مختلف تھے اور سب قبائل ایک ہی لغات سے تمسک کریں یہ عملاً مشکل تھا جب لوگ زیادہ ہو گئے اور لکھنے والے بھی پیدا ہو گئے اور یہ ضرورت اُٹھ گئی تو سب لغات ایک لغت پر لوٹ آئے سات حروف ایک حرف پر آ گئے۔

اب ایک ہی قرأت قرآن

قرآن پاک کی موجودہ صورت ہمارے سامنے ہے اور بے شک ایک قرأت ہے اس پر اب ساری امت جمع ہے ہم عجمی لوگوں کے لیے اس میں بے شک اب بھی وہی جذبہ اور اثر ہے جو پہلے عرب کے مختلف قبائل اسے اپنے اپنے لہجے میں پڑھتے ہوئے محسوس کرتے تھے

[1] شرح مسلم للنووی جلد ۱ صہ ۲۷۲

یہاں اب آپ کو جو مختلف قاری اسے مختلف قرأتوں میں تلاوت کرتے ہوئے ملیں گے تو یہ قرار سبعہ کے فن کا نکھار اور اس کا صوتی حسن ہے جو آپ کو متاثر کر رہا ہے یہ سبعہ قرأت وہ احرف سبعہ نہیں جو سبعہ کی مختلف قراآت تھیں۔

صحابہ کا اختلاف قراآت سبعہ قراآت نہیں

صحابہؓ میں قرآن کریم جن احرف سبعہ میں پڑھا گیا ان میں سے کسی ایک قرأت کو بھی قرار سبعہ کی قراآت میں پڑھا جا سکتا ہے۔ احرف سبعہ کی قراآت اور ہیں اور قرار کی قراآت اور ہیں احرف سبعہ قرأت کے مختلف پیرائے ہیں۔ مخارج اور مدّ و شد کے لحاظات نہیں۔ قرار سبعہ مخارج وقف و وصل مدّ و شد اور اخفار و اظہار میں اپنی روایات رکھتے ہیں اور احرف سبعہ کی کسی ایک قرأت کو بھی قاری صاحبان اپنی مختلف قراآت پیش کر سکتے ہیں۔ اس کی بحث آپ کو تجوید القرآن میں ملے گی۔

برصغیر کے امام القرار ابو محمد محی الاسلام عثمانی پانی پتی (۱۳۷۲ھ) لکھتے ہیں:۔

اکثر پڑھے لکھے کہا کرتے ہیں کہ احرف سبعہ سے مراد قرار سبعہ کی قراآت ہیں یہ وہم ہے قرار سبعہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں وجود ہی نہ تھا.... صحابہ کرامؓ اور تابعین کے عصر میں ان کی قراآت موجود نہ تھیں۔[1]

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب (۱۴۰۷ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

اکثر پڑھے لکھے لوگ کہا کرتے ہیں کہ حدیث میں جو سبعہ احرف ہے اس سے قرار سبعہ کی سات قرأتیں مراد ہیں لیکن یہ ان کا وہم ہے.... امام اسماعیل بن ابراہیم بن محمد القراب شافی کہتے ہیں حروف سبعہ کی حدیث سے یہ وہم نہ ہونا چاہیئے کہ اس میں ان قرأ سبعہ کی طرف اشارہ جو تابعین کے بعد پیدا ہوئے کیونکہ اس صورت میں حدیث اس وقت تک بے فائدہ ہو جاتی ہے جب تک یہ قرار سبعہ پیدا ہو کر تعلیم نہ پائیں اور یہ قراآت اختیار نہ کریں اور ان

---

[1] شرح سبعہ قراآت جلد ا صـ۱۱

سے نقل نہ کی جائیں. نیز لازم آئے گا کہ صحابہؓ وغیرہ کو اس وقت تک قرآن پڑھنا جائز نہ ہو جب تک وہ یہ نہ معلوم کرلیں کہ یہ قراء فلاں فلاں قرأت اختیار کریں گے یہ عین جہالت ہے.[۱]

اُمت میں قرأت قرآن کیسے جاری ہوئی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور کئی دوسرے صحابہ کرامؓ نے قرآن پڑھا. حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد امام ابوجعفر سادات تابعین میں سے ہیں اور امام نافعؒ (۷۰ھ) کے استاد ہیں. امام ابوجعفر اور امام نافع دونوں مدینہ کے رہنے والے تھے.

حافظ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں ناممکن ہے کہ اس مرتبے کے اشخاص کتاب اللہ میں کوئی ایسی چیز پڑھ جائیں جو کتاب اللہ میں سے نہ ہو.

عہد تابعین میں روزانہ مساجد میں نمازیں پڑھی جاتیں اور قرآن پڑھا جاتا تھا. سو قرآن اس امت میں تواتر طبقاتی سے چلا ہے صحابہؓ اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے ہیں. پھر تابعین کرام اس کے وارث ہوئے اور اسے ایک طبقے نے ایک طبقے سے لیا.

علامہ ذہبی (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:-

علماء و محدثین سلف و خلف میں سے کسی نے امام ابوجعفر اور یعقوب کی قرآت کا انکار نہیں کیا.[۲]

دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) بھی لکھتے ہیں:-

علماء اعلام کا اس پر اتفاق ہے کہ شاطبیہ جن وجوہ پر متضمن ہے وہ بطریق یقینی متواتر مصاحف عثمانیہ کی رسم کے موافق اور قواعد عربیت کے مطابق ہیں.[۳]

مصاحفِ عثمانیہ سے پہلے تلاوتِ قرآن کس پیرایہ میں تھی

مصاحفِ عثمانیہ سے پہلے صحابہؓ جن جن پیرایوں میں قرآن پڑھتے وہ سب وجوہ صحیح اور منزل

---

[۱] شرح شاطبیہ جلد اول ص۳۷، ۳۸ [۲] شرح سبعہ قرآت جلد ا ص۱۲۲ [۳] ایضاً ص۱۲۱

من اللہ تھیں۔ ہر صحابی نے جو پیرایہ آنحضرتؐ سے سیکھا وہ اس کے لیے کسی اور شہادت اور تائید کا محتاج نہ تھا۔ اب ان کی اسناد میں اگر بعد میں کوئی ضعف آگیا ہو یا انگلوں کے لیے وہ وجہ قرأت متواتر نہ رہی ہو تو پھر مصاحفِ عثمانیہ کی پابندی کی جائے گی مصاحفِ عثمانیہ پر سب صحابہ کرامؓ کا اجماع ہوا ہے سو اب امت کے لیے اس اجماع کی پابندی لازمی ٹھہرتی ہے اور دوسری وجوہ قرأت جو پہلے کبھی متواتر تھیں جب ان کا تواتر آگے نہ چلا تو وہ اخبار احاد کے درجہ میں آگئیں اب ان سے مسائل تو لیے جا سکتے ہیں لیکن انہیں نماز میں نہ پڑھا جائے گا۔

ہاں مصاحفِ عثمانیہ میں جن اختلافات کی رعایت رکھ لی گئی ان پر آئندہ قاریوں نے اپنی اپنی پسند کی قرأت جاری کی اور اس طرح قرأ سبعہ کی قراآت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل اور متواتر ٹھہریں اب ان میں سے کسی کا انکار حضورؐ سے ثابت ہونے والے امر متواتر کا انکار ہوگا۔

قرأ سبعہ نے قرآن پڑھنے میں اپنے اپنے حسنِ فن اور کمال کا اظہار کیا اس کے صوتی نکھار اور خطابی حسن نے تاریخ اسلام میں بڑے بڑے معرکے سر کیے تاہم اسکے احرف سبعہ کی تاریخی حیثیت بھی آج تک اس کے بعض علمی اور فقہی پہلوؤں پر اثر انداز رہی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کے اس دور کے خطابی اثرات میں اس کی مختلف قرأتوں کو واقعی بہت دخل رہا ہے تاہم اسے ایک قانون کی کتاب سمجھتے ہوئے اور فقہ کا علمی ماخذ مانتے ہوئے اگر ہم اس ایک قرأت پر بھی اکتفا کریں تو ہمارے لیے یہ بے مثل کتاب کافی ہے۔ عمل رسالت اس کے آگے ایک شرح کے درجے میں سمجھا جائے گا۔

اختلاف قرأت سے قرآن کی قطعیت کہیں خطرے میں نہیں پڑتی بشرطیکہ یہ دو باتیں ساتھ ساتھ ملحوظ رہیں :۔

① یہ اختلاف تواتر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو کہ حضورؐ نے اسے اس طرح بھی پڑھا ہے تاکہ اس میں کوئی شک راہ نہ پا سکے۔

② اس اختلاف سے نہ اصل بات الٹے نہ معنی پلٹے ـــ نہ پڑھنے والا اصل مقصد قرآن سے کہیں دور چلا جائے یہ اختلافات آپس میں مختلف معنی تو بے شک دیں لیکن ان میں تضاد اور تنافی کی نسبت نہ ہو۔

شیعہ مذہب کی دلالتیں جیسا کہ ڈاکٹر آربری نے لکھا ہے زیادہ ترعجمی ہیں اس لیے وہ اختلاف قرأت کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن جمہور اہل اسلام کے ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہر قسم کے شبہ سے بالا اور تواتر کی شان کا حامل ہے اور قرآن کریم کی چودہ سو سالہ تاریخ اس کی گواہ ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

ان هٰذا القراٰن انزل علیٰ سبعة احرف فاقرءوا ماتیسّر منه۔[1]

ترجمہ۔ بے شک یہ قرآن سبعہ احرف پر اُتارا گیا ہے لیکن تم اس میں سے جو حرف آسان ہو اس کے مطابق پڑھو۔

ضروری نہیں کہ ہر مضمون اور آیت میں سات طرح کا اختلافِ حرف ہو۔ ہاں کل اختلافات کا استقصاء کریں تو وہ سات طرح کے اختلاف ہی نکلتے ہیں۔ اختلاف قرأت ان سات سے باہر نہیں :۔

(۱) تغیر کلمہ کا ــــ اختلافِ قرأت صرف حرکات و اعراب میں ہو بغیر اس کے کہ معنی میں اور لفظ کی شکل میں کوئی فرق آئے جیسے حَجُّ البیت اور حِجُّ البیت یا جیسے احسن القَصَص اور احسن القِصص ــــ یا جیسے خاتَم النّبیین اور خاتِم النّبیین ــــ ویضیقُ صدری کو ویضیقَ صدری بھی پڑھا گیا ہے۔

(۲) اعراب کے تغیر سے مفہوم بدل جائے مگر لفظ کی شکل اور مراد متکلم نہ بدلے جیسے فتلقّیٰ ادم من ربه کلماتٍ میں کلماتٌ کی قرأت فَتَلَقَّیٰ ادم من ربه کلماتٌ یا اذ تَلَقَّونه اور تُلْقُونه۔

(۳) کلمہ کے حروف میں بھی تبدیلی اور معنی اور مفہوم میں بھی تبدیلی آئے ــــ مگر لفظ کی شکل اور مراد متکلم نہ بدلے جیسے یعلمون اور تعلمون میں اختلاف قرأت ہو ــــ کیف ننشزها لحما اور کیف ننشرها لحما دونوں طرح پڑھا جائے ــــ فتبیّنوا کو فتثبتوا پڑھا جائے۔

(۴) لفظ کی شکل میں تبدیلی آجائے مگر معنی میں کوئی تغیر نہ ہو پائے۔ مثلاً الصراط کو السراط ــــ السراط ــــ اور ان کانت الاصیحة کو ان کانت الا صیحةً پڑھیں ــــ

ام هم المصیطرون کی جگہ المصیطرون پڑھنا ۔۔۔ والذین هم لاماناتهم وعهدهم راعون کو امانات کے صیغہ واحد سے والذین هم لامانتهم وعهدهم راعون ۔۔۔ یا عهدهم راعون کو وعهودهم راعون پڑھنا۔

(۵) لفظ کی شکل اور معنی دونوں میں تغیر ہو مگر مراد متکلم نہ بدلے ۔

جیسے فاسعوا کی جگہ فامضوا الی ذکر الله پڑھنا ۔۔۔ واذا مرّوا کی بجائے واذا مشوا باللغو پڑھنا ۔۔۔ کالعهن المنفوش کو کالصوف المنفوش پڑھنا ۔۔۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فاقطعوا ایدیهما ۔ فاقطعوا ایمانهما بھی پڑھتے تھے ۔۔۔ بعض صحابہؓ طلح منضود کو طلع منضود پڑھتے تھے۔

(۶) کلمات میں تقدیم و تاخیر کا تغیر ہو مگر معنی مراد نہ بدلے ۔

جیسے وجاءت سکرة الموت بالحق ۔۔۔ وجاءت سکرة الحق بالموت۔

(۷) حرفوں کی زیادتی اور کمی ہو مگر معنی و مفہوم میں کوئی تغیر نہ ہو ۔

جیسے مالكِ یوم الدین اور مَلِكِ یوم الدّین ۔۔۔ (مٰلكِ یوم الدین اور مالكِ یوم الدین کا اختلاف ہو تو وہ دوسری قسم کی مثال ہو گا) یا جیسے انجینا اور نجّینا ۔۔۔ یا جیسے وصّٰی اور اوصٰی ۔۔۔ وما عملت ایدیهم اور وما عملته ایدیهم ۔۔۔ سورت سبا میں ہے ربّنا باعِدْ بین اسفارنا اسے اس طرح پڑھنا ربّنا باعَدَ بین اسفارنا بھی ایک قرأت ہے

اختلاف قرأت کی یہ صورتیں ہرگز قرآن میں تبدیلی نہیں نہ انہیں تحریف کہا جا سکتا ہے بیان کے یہ مختلف انداز ہیں جو عہد اوّل سے تواتر کے ساتھ منقول چلے آ رہے ہیں۔

ان البقر تَشَابَه علینا کو ان البقر تشابَهُ علینا بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں یہ اصلاً تَتَشَابَهُ علینا ہو گا۔

. عرب کبھی حرف جارہ اور واؤ عاطفہ کو حذف بھی کر دیتے تھے۔

جنّتٍ تجری من تحتها الانهار کو تجری تحتها الانهار بھی پڑھ لیتے تھے۔

کیا کبھی قرأت میں الفاظ کی کمی بیشی بھی ہوئی؟

① وماخلق الذکر والانثیٰ میں ایک قرأت والذکر والانثیٰ بھی ہے اس میں وماخلق حذف ہے۔

② وازواجه امهتهم کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس طرح پڑھتے تھے وازواجه امهتهم وهواب لهم۔

③ حضرت ابن عباسؓ سورۃ کہف کی آیت یاخذ کل سفینة غصبا کو یاخذ کل سفینة صالحة غصبا پڑھتے۔

یہ قرأت خبر واحد سے منقول ہے اس لیے اسے قرآن نہیں تفسیری جملہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔

④ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ ذاریات کی آیت ان الله هوالرزاق ذوالقوة المتین (پ۲۷ الذاریات ۵۸) یوں پڑھائی۔ انی انا الرزاق ذو القوة المتین۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت کی سند قوی ہے۔[1]

نیز یہ تغیر الفاظ تواتر کے درجے میں نہیں اس لیے ہم اس کی تلاوت کی جرأت نہیں کر سکتے لیکن اس روایت کے قابلِ اعتماد ہونے کی وجہ سے اس کی نفی بھی نہیں کر سکتے۔ صحابہ کرامؓ میں یہ قرأت موجود رہی ہے۔ ہاں اس وقت تلاوت اسی کی جائز ہے جو مصحف امام میں ہے۔

اس وقت کی کسی قرأت کے بارے میں ہو سکتا ہے کہ وہ تواتر سے ہم تک نہ پہنچی ہو لیکن یہ اصولی بات کہ قرآن کریم احرف سبعہ پر اتارا گیا یہ تواتر سے ثابت ہے سو جو قرآت اور ان کے اختلافات تواتر سے منقول ہوں ان سے ہمیں کسی طرح انکار نہ ہونا چاہیئے۔

حدیث احرف سبعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اکیس[۲۱] صحابہؓ سے مروی ہے علامہ سیوطیؒ نے ابوعبید قاسم بن سلام (ھ) سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صـ اردو صـ ۲۹۷

نے منبر پر یہ حدیث پڑھی اور سامعین سے اس کی تصدیق طلب کی کسی نے اس پر اختلاف کا اظہار نہ کیا۔ آپ نے فرمایا :۔

ترجمہ: جس شخص نے آنحضرتؐ سے یہ حدیث سُنی ہو کہ قرآن سات حروف پر اتارا گیا ہے میں قسم دیتا ہوں کہ وہ کھڑا ہو کر اس کی شہادت دے اس پر بیشمار صحابہؓ کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا میں بھی ان کے ساتھ اس بات کی شہادت دیتا ہوں۔

جو چیز اس تواتر سے منقول رہی مصاحف عثمانیہ میں اس کے نشانات تھے اور ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہونے میں کسی کو کسی قسم کا کوئی شبہ نہ تھا۔

قاضی ابوبکر بن الباقلانی (۴۰۳ھ) فرماتے ہیں :۔

قال القاضی ابوبکر الباقلانی ان هٰذا الاحرف السبعه ظهرت و استفاظت عن رسول الله صلی الله علیه وسلم وضبطها عنه الامة واثبتها عثمانؓ والجماعة فی المصحف واخبروا بصحتها وانما حذفوا عنها مالم یثبت متواترًا وان هٰذه الاحرف تختلف معانیها تارةً والفاظها اخریٰ ولیست متضادة ولا متنافیة۔[2]

ترجمہ: یہ احرف سبعہ آنحضرتؐ سے استفاضہ کے طور پر منقول ہوئے ہیں اور پوری امت نے انہیں آگے ضبط کیا ہے اور حضرت عثمانؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت نے انہیں مصحف میں جگہ دی ہے اور ان کے صحیح ہونے کی خبر دی ہے اور صرف انہی احرف کو حذف کیا ہے جو تواتر سے ثابت نہیں ہوئے اور ان احرف سبعہ کے کہیں لفظوں میں اختلاف ہوا کہیں معنوں میں اور یہ اختلاف تضاد اور تنافی کے نہیں (یہ آپس میں جمع بھی ہو سکتے ہیں)۔

---

[1] مسند ابی یعلی جلد ص [2] نووی شرح صحیح مسلم جلد ا ص ۲۷۲

آگے امام طحاوی کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

وذکر الطحاوی ان القرأۃ بالاحرف السبعۃ کانت فی اوّل الامر خاصۃ للضرورۃ لاختلاف لغۃ العرب ومشقۃ اخذ جمیع الطوائف بلغۃ فلما کثر الناس والکتاب وارتفعت الضرورۃ عادت الیٰ قرأۃ واحدۃ۔[1]

ترجمہ۔ امام طحاویؒ کہتے ہیں کہ قرأت احرفِ سبعہ میں صرف پہلے دور میں تھی اور وہ اس ضرورت کے طور پر تھی کہ لغت عرب میں لہجوں کا اختلاف تھا اور سب قبائل کا ایک ایسے ایک لغت میں پڑھنا مشقت کا موجب تھا جب آبادی بڑھ گئی اور لکھنے والے زیادہ ہوئے اور وہ ضرورت بھی اُٹھ گئی تو معاملہ پھر ایک قرأۃ پر آگیا۔

امام ترمذیؒ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے یہ حدیث بھی نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

انی بعثت الیٰ امّۃ امّیین منھم العجوز والشیخ الکبیر والغلام والجاریۃ والذی لم یقرأ کتاباً قط۔[2]

ترجمہ۔ میں اُن لوگوں کی طرف مبعوث ہوا جو اُمّیین تھے ان میں بڑھیا عورتیں بھی تھیں بوڑھے بھی تھے اور باندیاں بھی تھیں اور وہ لوگ بھی تھے جو قطعاً کوئی لکھی بات نہ پڑھ سکتے تھے۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے وسعت قرأت کی رخصت ایک اَن پڑھ قوم کے ان حالات کے پیش نظر لی تھی۔ اس کے ساتھ قبائل کا لہجوں اور لغات کا اختلاف بھی جمع ہو سکتا ہے۔ یہ اعتراض وقیع نہیں کہ قبائل تو سات نہ تھے زیادہ تھے کیونکہ بڑے بڑے قبائل پندرہ بیس بھی ہوں تو ضروری نہیں کہ ان کے اختلافات بھی اتنے ہی ہوں ہو سکتا ہے ان کے اختلافات پانچ چھ اور سات سے متجاوز نہ ہوں اور چھوٹے قبائل بڑوں کے ساتھ شمار ہو جائیں ـــــ ان حالات میں حدیث مذکور الصدر کہ قرآن سبعہ احرف میں پڑھا جا سکتا ہے کا محمل وہ ٹھہرایا جا سکتا ہے جو امام طحاویؒ نے مراد لیا ہے۔

---

[1] نووی شرح صحیح مسلم جلد ۱ صد ۲۷۲ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صد ۱۳۸

سبعہ احرف کے جو اختلافات ہم پہلے لکھ آئے ہیں ان کی انواع سات سے زیادہ نہیں ہوں گی سات حروف کے اختلاف سے مراد اختلافِ قرآت کی یہ سات قسمیں ہیں، علامہ نظام الدین قمی غرائب القرآن میں لکھتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک احرف سبعہ کے اختلاف سے مراد قرآت کے سات انواع کے اختلافات ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن قتیبہ، ابوالفضل الرازی، قاضی ابوبکر الباقلانی اور محمد بن الجزری سے بھی ان کا یہی قول نقل کیا ہے[۱]

امام طحاوی رحمہ اللہ کا موقف

امام طحاوی کا موقف یہ ہے کہ قرآن پہلے ایک حرف پر اُترا تھا اور وہ لغت قریش تھی پھر آنحضرتؐ نے امت کی سہولت کے لیے اس میں وسعت مانگی اس پر اللہ تعالیٰ نے احرف سبعہ پر پڑھنے کی اجازت دی اور یہ احرف سبعہ اولاً آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے اور صحابہؓ و تابعین میں تواتر کے ساتھ پڑھے اور سُنے گئے۔

محقق محمد بن الجزری (۸۳۳ھ) لکھتے ہیں :-

قرآن کریم کے سات حروف پر وارد ہونے کا مقصد یہ تھا کہ امت کے تخفیف اور سہولت رہے۔ یہ آسانی اور سہولت اس عظمت اور فضیلت کی وجہ سے دی گئی جو خاص طور پر اس امت کو حاصل ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی قبولیت کا بھی اثر تھا۔ قبائل کی یہ حالت تھی کہ وہ سکھانے سے بھی دوسروں کی زبان نہ سیکھ سکتے تھے[۲]

آسمانی کتابیں حرفِ واحد پر ہی تھیں

پہلی آسمانی کتابیں عالمی اور آفاقی درجے کی نہ تھیں نہ ان کی لفظی حفاظت کا اہتمام تھا نہ ان میں آفاقی دعوت تھی اس لیے ان کا نزول حرفِ واحد میں ہوا ہے۔ یہ ایک سے زیادہ پیرایوں

---

[۱] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۵ صفحہ ۲۵ [۲] مناہل العرفان جلد ۱ صفحہ ۱۳۹

میں نہ تھا نہ ان پیغمبروں نے کہیں دعوے کیا کہ ان پر کلام الٰہی مختلف پیرایوں میں نازل ہوا ہے یہ دعوے صرف حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر قرآن سبعہ احرف میں اُترا ہے۔ پس پادری صاحبان اس قسم کے اختلافات سے اناجیل اربعہ کو کوئی تحفظ نہیں دے سکتے نہ ان کے پاس کوئی ایک انجیل ہے جسے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اُتری کتاب کہہ سکیں نہ وہ ان اناجیل کو ایک انجیل کی مختلف قراآت کہہ سکتے ہیں

قرآن پاک کا یہ اختلافِ قرأت قرآن پاک کے کسی ایک باب میں نہیں اختلافِ قرأت تقریبًا ہر طرح کی آیات میں ملے گا۔ امام طحاوی اور امام بیہقی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

كان الكتاب الاول ينزل من باب واحد على حرف واحد ونزل القرآن من سبعة ابواب على سبعة احرف ۔ ١۔ زاجر ۔ ٢۔ وامر ۔ ٣۔ وحلال ۔ ٤۔ وحرام ۔ ٥۔ ومحكم ۔ ٦۔ ومتشابه ۔ ٧۔ وامثال [۱]

ترجمہ ۔ پہلے کتاب ایک موضوع میں ایک ایک ہی پیرایہ میں اُترتی تھی قرآن کریم سات ابواب سے سات حرفوں میں اُترا ہے اس کے سات : ابواب یہ ہیں ۔ زجر ، امر ، حلال و حرام ، محکم ، متشابہ اور امثال وغیرہ

قرآن پاک کے یہ آٹھ ابواب آیات ہیں نواہی امر کے ذیل میں آئیں گے اور قصص امثال کے ذیل ہیں ، عقائد محکمات کے ذیل میں ہیں اور فضائل زجر و امثال کے تحت آتے ہیں ۔ یہ احرف سبعہ نہیں نہ ان کی یہ تفصیل ہے ۔

نوٹ : جو پادری اختلافِ قرأت کے پہلو سے قرآن کریم میں شک پیدا کرنا چاہتے ہیں انہیں سر ولیم میور کا یہ تبصرہ زیرِ نظر رکھنا چاہیئے :-

دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں دکھائی دیتی جو بارہ سو برس سے یکساں بلا تغیر و تبدل چلی آرہی ہو اختلافِ قرأت نہایت کم تعداد میں ہے اور وہ بھی حروف علت اور ہمزہ نشانیوں میں محدود سمجھنا چاہیئے لیکن یہ علامتیں (اور اعراب)

---

[۱] ابو سلمہ راوی کی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ملاقات ثابت نہیں ۔ مشکل الآثار للطحاوی جلد ۴ صفحہ ۱۸۵

بعد کی ایجاد کی ہوئی ہیں۔ ابتدائی نسخوں میں ان کا بھی پتہ نہیں ملتا اور مشکل سے کہا جا سکتا ہے کہ مصحفِ عثمانی میں یہ علامتیں موجود ہوں[1]

کیا احرف سبعہ نے آیندہ قراآت پر بھی کچھ اثر ڈالا؟

یہ صحیح ہے کہ سبعہ یا عشرہ قراآت کا فن دوسری صدی ہجری میں مرتب ہوا اور قراء کرام نے قرآن کی ترتیل کو اتنا نکھارا اور سنوارا کہ علم قراآت علوم اسلامی کا ایک نہایت اہم موضوع بن گیا لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان قاری صاحبان نے شد و مد اور وقف و اتصال کی مختلف راہیں ابتداءً کہاں سے پائیں؟ انہی احرف سبعہ سے اور یہی وہ راہ ہے جس سے یہ سبعہ یا عشرہ قراآت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں۔

احرف سبعہ سے قراآت سبعہ کی راہیں نکلیں

یہ احرفِ سبعہ جب تواتر سے منقول ہیں تو ان کی کوئی ہیئت ادا بھی ہوگی الفاظ اپنی ہیئت سے اُٹھائے جاتے ہیں اور وہی ہیئت قرأت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:-

وقد نص علیٰ تواتر ذالک کله ائمة الاصول کقاضی ابی بکر وغیرہ
وھو الصواب لانه اذا ثبت تواتر اللفظ ثبت علیٰ تواتر ھیئة ادائه
لان اللفظ لا یقوم الا به ولا یصح الا بوجودہ۔[2]

ترجمہ۔ ان کے متواتر ہونے پر قاضی ابو بکر جیسے ائمہ اصول نے نص فرمائی ہے اور یہ درست ہے جب الفاظ کا تواتر ثابت ہو جائے تو ان کی ہیئت ادا بھی اسی تواتر سے ثابت سمجھی جائے گی کیونکہ لفظ کسی ہیئت ادا کے بغیر قائم نہیں ہو پاتا اور کسی ہیئت ادا کے ساتھ ہی وہ کوئی وجود پا سکتا ہے۔

اس بیان کی روشنی میں احرفِ سبعہ قراآتِ سبعہ سے زیادہ دور نہیں رہے۔ روایات میں اس

---

[1] William Muir [2] الاتقان جلد ا صفحہ ۸۰

اختلاف قرأت پر بھی سبعہ احرف کا اطلاق ملتا ہے۔ حضرت ابی ابن کعبؓ کہتے ہیں ایک شخص نے قرأ قرأۃ انکر تھا ایسی قرأت کی جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی۔ ایک اور نے ایک اور طرح کی قرأت کی ہم یہ سارا قضیہ لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اسے سبعہ احرف کا اختلاف بتلایا اور فرمایا مجھے جبریل نے کہا ہے :-

اقرأہ علیٰ سبعة احرف۔[1]

ترجمہ۔ آپ اسے سات پیرایوں میں پڑھ سکتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ یہ سبعہ احرف کا اختلاف بعینہ موجودہ قرأتوں کا اختلاف نہیں ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ اختلاف قرأت انہی سبعہ احرف کے اختلاف سے پیدا ہوا ہے اور یہ مدّ و ادغام اور حدر و تدویر کے اختلافات قرأت کے اپنے اختلاف ہیں حروف کے نہیں۔ یُوں سمجھیے دونوں میں عموم و خصوص من وجہ ہے۔ حروف کا اختلاف سات انواع سے متجاوز نہیں اور قرأآت سات میں منحصر نہیں۔ سبعہ احرف کو بعینہا سات قرأتوں کا اختلاف قرار دینا ایک جلی غلطی ہے قرأآت سبعہ نہیں عشرہ بھی ہیں۔

یہ سات یا دس قرأآت تو امت میں بلا اختلاف جاری ہیں لیکن اب یہ سبعہ احرف کا اختلاف نہیں ہے اس میں علماء میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ عینیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں :-

واختلف الاصولیون هل یقرأ الیوم علیٰ سبعة احرف فمنعه الطبری وقال انما یجوز بحرف واحد و هو حرف زید و نحی الیه القاضی ابوبکر وقال ابو الاشعری اجمع المسلمون علیٰ انه لا یجوز خطر ما وسعه الله تعالیٰ من القرأۃ بالاحرف التی انزلها الله تعالیٰ ولا یسوغ للامة ان تمنع مایطلقه الله تعالیٰ۔[2]

ترجمہ۔ علمائے اصول نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ کیا آج بھی سبعہ احرف میں قرآن پڑھا جاسکتا ہے حافظ ابن جریر (۳۱۰ھ) نے اس سے منع کیا ہے اور

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صـ ۲۷۳ [2] عینی جلد ۲ صـ ۲۵۸

کہا ہے کہ آج ایک ہی قرأت میں پڑھیں اور وہ قرأت حضرت زید بن ثابتؓ کی ہے اور اسی طرف قاضی ابوبکر الباقلانیؒ گئے ہیں اور امام ابوالحسن الاشعری (ھ) نے کہا ہے کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے وسعت رکھی ہے اس میں کسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے روکا نہیں اللہ تعالیٰ نے احرف سبعہ میں پڑھنے کی وسعت رکھی اور قرآن کو سبعہ احرف میں اُتارا۔ اب اُمت کے لیے روا نہیں کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مطلق رکھا اس میں اپنی طرف سے منع لائے۔

حضرت عثمان غنیؓ نے جو مصاحف تیار کروا کر اطراف بلاد میں بھجوائے تھے وہ قرأت کے جمیع وجوہ پر مشتمل تھے یا اس میں وہی رسم الخط تھا جو حضورؐ کے دورہ اخیرہ (جو آپ نے حضرت جبریل کے ساتھ کیا) کی قرأت کے مطابق تھا اور اس میں جتنے وجوہ سما سکتے تھے وہی اس رسم الخط میں لکھے گئے۔ علم قرأت کے مشہور امام حافظ محمد بن الجزری (۸۳۳ھ) لکھتے ہیں:۔

اماکون المصاحف العثمانیه مشتملة علی جمیع الاحرف السبعة فان هٰذا مسئلة کبیرة اختلف العلماء فیها.... وذهب جماهیر العلماء من السلف والخلف وائمة المسلمین الیٰ ان هٰذا المصاحف العثمانیة مشتملة علیٰ ما یحتمله رسمها فقط جامعة للعرضة الاخیرة التی عرضها النبی صلی الله علیه وسلم علیٰ جبریل علیه السلام لم تترک حرفاً منها... قلت وهٰذا القول هو الّذی یظهر صوابه۔[1]

ترجمہ: مصاحف عثمانیہ کیا ان تمام احرف سبعہ پر مشتمل ہیں یا یہ ایک بڑا مسئلہ ہے اس میں علماء کا اختلاف رہا ہے اور سلف و خلف کے جمہور علماء اور ائمہ اسلام اس طرف گئے ہیں کہ مصاحف عثمانیہ ان احرف سبعہ میں سے ان تمام کو شامل ہیں جنہیں عثمانی رسم الخط اپنے اندر اٹھا سکا اور یہ اس دورہ اخیرہ کے مطابق رہے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کے سامنے پڑھا ان

---

[1] النشر فی القرآت العشر جلد ۱ صـ۳۱

میں سے ایک حرف بھی ان مصاحف نے نظر انداز نہیں کیا میں کہتا ہوں کہ یہ قول ہی درست معلوم ہوتا ہے

سو حق یہ ہے کہ احرف سبعہ کے ان اختلافات کے سوا جن میں الفاظ کی کمی اور زیادتی کی وسعت تھی دیگر اختلافات قرأت سب ان مصاحف عثمانیہ میں سموئے ہوئے ہیں اور یہ پیرایہ وحی ان مصاحف عثمانیہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

علمائے دیوبند کا موقف

رئیس المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری حروف سبعہ اور قرأت مختلفہ میں نہ پورے انطباق کے قائل ہیں نہ کلی افتراق کے قائل، آپ دونوں کے بین بین چلے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:۔

ثم اعلم ان بعضهم فهم ان بين تلك الاحرف تغايرًا من كل وجه بحيث لا ربط بينها وليس كذلك بل قد يكون الفرق بالمجرد والمزيد واخرىٰ بالابواب ومرة باعتبار الصيغ من الغائب والحاضر وطورًا بتحقيق الهمزة وتسهيلها فكل هٰذه التغييرات يسيره او كانت كثيرة حرف برأسه . وغلط من فهم ان هٰذه الاحرف متغائرة كلها بحيث يتعذر اجتماعها اما انه كيف عدد السبعة فتوجه اليه ابن الجزري وحقق ان التصرفات كلها ترجع الى السبعة . بقي الكلام في ان تلك الاحرف كلها موجودة او رفع بعضها وبقي البعض فاعلم انما قرءه جبريل عليه السلام في العرضة الاخيرة على النبي صلى الله عليه وسلم كله ثابت في مصحف عثمان ولما يتعين معنى الاحرف عند ابن جرير ذهب اليه رفع الاحرف الست منها وبقي واحد فقط [1]

ترجمہ: پھر جانو کہ بعض حضرات یوں سمجھے کہ ان احرف سبعہ میں ایک دوسرے سے تغایر کلی ہے بایں طور کہ ان میں کوئی ربط نہیں، بات اس طرح نہیں ہے بلکہ

---

[1] فیض الباری جلد ۳ ص ۳۲۲

یہ فرق اس طرح کے ہیں ① جیسے مجرد اور مزید فیہ یا دوسرے ابواب کے اسمی فرق ہیں یا ② یہ اختلافات بصورت صیغہ ہیں غائب اور حاضر وغیرہ کے اور ③ کبھی ہمزہ کے لکھے جانے کے یا اس کی تسہیل کے۔ سو کل ایسے اختلاف تھوڑے ہوں یا زیادہ، یہ ایک ایک حرف ہیں اور جس نے یہ سمجھا ہے کہ یہ سب حروف آپس میں بالکل ایک دوسرے سے جدا ہیں کہ یہ کبھی ایک ہو ہی نہیں سکتے اس نے غلطی کی ہے۔ پھر یہ سات کیسے ہوئے۔ ابن جزری نے اس طرف توجہ کی ہے اور پوری تحقیق سے کہا ہے کہ یہ سب فروق سات تک ہی پہنچتے ہیں۔

اس میں کلام رہا کہ وہ احرف سبعہ سب موجود رہے یا سب اٹھا لیے گئے سو معلوم رہے کہ حضرت جبریل نے اپنے آخری دور میں نبی پاک پر جو قرآن پیش کیا وہ پورے کا پورا مصحف عثمان میں موجود ہے اور ابن جریر کے ہاں احرف کے معنی ہی متعین نہیں ہو سکے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ احرف سبعہ میں سے چھ اٹھ چکے اور اب قرآن کریم ایک ہی حرف میں باقی ہے۔

مسئلہ کچھ اس طرح پیچیدہ ہے کہ عامۃ الناس ایک بات پر جمع نہیں کیے جا سکتے بجز اس کے کہ:

① ہمارے پاس جو قرآن مجید موجود ہے اسی ایک کو کتاب الٰہی سمجھیں۔

② قاری صاحبان جو مختلف قراآت کرتے ہیں ان قرأتوں کو احرف سبعہ نہ سمجھیں اور ان قرأتوں میں سے بھی کسی کے متواتر ہونے کا انکار نہ کریں قرا سبعہ کی قرآت وہ سبعہ ہوں یا عشرہ یہ اور ہیں۔

③ خود اسی ایک نسخہ قرآن کے مطابق پڑھیں اور اس اختلاف قرأت میں نہ الجھیں۔

④ موجودہ نسخوں میں جو بعض حروف کے اختلاف اوپر ظاہر کیے گئے اور حاشیہ میں دیئے گئے ہیں انہیں بھی متواتر سمجھیں تاکہ قرآن کریم میں کوئی حرف اور لفظ غیر یقینی نہ ہونے پائے۔

⑤ جن علماء کا یہ قول ہے کہ یہ احرف سبعہ صرف تسہیل امت کے لیے اترے تھے اب ان میں صرف وہی حرف اختیار کیا جائے جو حضرت عثمانؓ نے اپنے مصحف میں رکھا جیسا کہ امام طحاویؒ کی رائے ہے تو ان دوسرے وجوہ کے ترک کو صرف ترک عملی سمجھا جائے نہ کہ ترک اعتقادی۔

⑥ اور اگر عوام الناس میں یہ وجوہ احرف سبعہ مستفیض درجے میں معروف نہ ہوں تو انہیں ان

کے تسلیم کرنے پر مجبور نہ کیا جائے اور جنہیں ان کی تاریخ معلوم ہو جائے انہیں چاہیئے کہ ان کا انکار نہ کریں۔

(۷) غیر مسلموں سے اس موضوع پر بحث ہو تو ان کے سامنے امام طحاویؒ کا موقف رکھا جائے سواد اعظم اہل سنّت میں ۸۰ فیصد اہلِ علم امام طحاویؒ کے مسلک کے ہیں۔

اختلافِ قرات میں شیعہ نُقطہ نظر

شیعہ کتبِ حدیث جمہور مسلمانوں کی کتبِ حدیث سے مختلف ہیں۔ ان کے محدثین کے ہاں عامہ اور خاصہ کی اصطلاحات ہیں جو ہر مکاتبِ فکر کی ترجمان ہیں۔ شیعہ کے ہاں اختلافِ قرات پر دونوں طرح کی روایات پائی جاتی ہیں ان میں اختلافِ قرات کے قائلین بھی پائے جاتے ہیں اور منکرین بھی یہاں ہم ان کی تردید کے درپے نہیں، طلبہ کو اُن کے موقف پر بھی اطلاع ہونی چاہیئے۔ اس سے اگلے کئی اور مسائل کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

(۱) حضرت امام محمد باقرؒ (۱۱۴ھ) نے فرمایا :-

ان القرآن واحد نزل من عند واحد ولکن الاختلاف یجئ من قبل الرواۃ۔[۱]

ترجمہ بے شک قرآن ایک ہے اور ایک ہی کی طرف سے اُترا ہے اور جو اختلاف پائے جاتے ہیں وہ قرآن کے راویوں کی طرف سے ہیں۔

اس میں قرآن کو ایک مختلف فیہ چیز بتلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ راویوں کا اختلاف اخبار احاد میں مؤثر ہوتا ہے اخبار متواترہ میں نہیں۔ قرآن حضورؐ سے امت تک بطریق تواتر پہنچا ہے اس میں راویوں کا اختلاف کیسے راہ پکڑ سکتا ہے۔

یہ بات علامہ کلینی (۳۲۸ھ) کی تو ہو سکتی ہے حضرت امام محمد باقرؒ کی نہیں وہ تو قرآن کریم کو ایک مختلف فیہ کتاب سمجھتے ہیں اور اگر یہاں اختلاف قرأت کی طرف اشارہ ہے تو معلوم رہے کہ یہ اختلافِ قرأت راویوں کی پیداوار نہیں۔ اختلاف قرأت کی سہولت تو خود اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے اور اس کی حکمت اور ضرورت پر ہم پہلے بحث کر آئے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ امامی شیعہ قرآن پاک میں

---

[۱] اصول کافی جلد ۲ ص

اختلافِ قرأت کے قائل نہیں ہیں۔

(۲) حضرت امام جعفر صادق ؒ (۱۴۸ھ) کے نام پر بھی کلینی لکھتا ہے:۔

ان الناس یقولون ان القرآن نزل علیٰ سبعۃ احرف (فقال) کذبوا اعداء اللہ ولکنہ نزل علیٰ حرف واحد من عند الواحد۔[۱]

ترجمہ۔ لوگ (اہلسنت) کہتے ہیں قرآن سبعہ احرف پر اترا ہے۔ اللہ کے دشمن جھوٹ بولتے ہیں یہ ایک ہی حرف پر اترا ہے اور ایک ہی کی طرف سے ہے۔

اختلافِ قرأت تسلیم کرنے کی روایات

(۱) حضرت امام جعفر صادق ؒ روایت کرتے ہیں:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانی اٰت من اللہ عزوجل فقال ان اللہ یأمرک ان تقرأ القرآن علیٰ حرف واحد فقلت یارب وسع علیٰ امتی فقال ان اللہ یأمرک ان تقرأ القرآن علیٰ سبعہ احرف[۲]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف خدا کی طرف سے آنے والا آیا اور مجھے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن پاک ایک ہی حرف پر پڑھنے کا حکم دیتا ہے میں نے کہا اے میرے رب! میری امت پر کچھ سہولت ڈال اس پر حضرت جبریلؑ نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ آپ قرآن پاک سبعہ احرف پر پڑھائیں۔

(۲) شرح خصال میں ہے:۔

پیغمبر ہم در محضر اصحاب خود کہ از قبائل مختلف بودہ اند، ہمہ آنہا را تلاوت مے کردہ اند و ہر کدام مطابق لہجہ و لغت خود قرأت مخصوص را یاد کردہ اند دوم آنکہ قرآن بیک لغت بر پیغمبر نازل مے شد ولے پیغمبر چوں از خدا رخصت گرفتہ بود بلہجہ ہائے و قرأتہائے مختلفہ بامت یاد مے داد[۳]

---

[۱] اصول کافی جلد ۲ ص [۲] خصال لابن بابویہ جلد ۲ ص ۱۱ [۳] شرح خصال لابن بابویہ القمی جلد ۲ ص

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کے سامنے جو مختلف قبائل سے ہوتے تھے قرآن احرف سبعہ میں تلاوت کرتے تھے اور ہر شخص اپنے لہجہ و لغت کے مطابق اپنی مخصوص قرأت کو یاد کرتا تھا. قرآن تو بے شک ایک ہی لغت پر حضورؐ پر نازل ہوا تھا لیکن چونکہ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ سے اجازت لے رکھی تھی آپ اپنی امت کو مختلف قرأتوں میں قرآن یاد کراتے تھے۔

شیعہ اثنا عشریوں کے ہاں یہ دو طرح کی روایات ملتی ہیں ان دونوں میں کھلا ٹکراؤ ہے شیعہ ان میں سے کسی کو جھوٹ نہیں کہتے اسے تقیہ کے لفظ سے تقدس دیا جاتا ہے. اب یہ بات کہ کون سی بات، ان کا اصل عقیدہ ہے. اس کے لیے ان کا یہ علمی اصول ہمہ وقت پیش نظر رہے یہی ان کے ہاں متعارضات کا حل ہے.

دو طرح کی روایات میں شیعہ اصل الاصول

شیعہ اصول میں یہ دیکھا جائے گا کہ کونسی روایت عامہ کے خلاف ہے اس صورت میں اصل دین ان کے ہاں وہ ہوتا ہے جو عامہ (اہل سنت) کے خلاف ہو.

علامہ محمد بن یعقوب الکلینی لکھتا ہے:-

قلت فان کان الخبران عنکما مشہورین قد رواھما الثقات عنکم — قال ینظر فما وافق حکمہ حکم الکتاب والسنۃ وخالف العامۃ فیؤخذ بہ ویترک ماخالف حکمہ حکم الکتاب والسنۃ و وافق العامۃ — ماخالف العامہ ففیہ الرشاد[1]

ترجمہ: میں نے پوچھا کہ اگر آپ حضرات (ائمہ کرام) سے دو روایات شہرت کے درجہ میں ہوں جنہیں آپ سے ثقہ راویوں نے روایت کیا تو اس صورت میں ہم کیا کریں؟ آپ نے کہا دیکھا جائے کہ کتاب، وسنت کے موافق اور اہل سنت کے مخالف کونسی بات ہے اسے لے لیا جائے اور جو بات کتاب وسنت

---

[1] اصول کافی جلد ص

کے خلاف، اور عامہ کے موافق ہو اسے چھوڑ دیا جائے ـــ جو چیز عامہ (اہل سنت)
کے خلاف ہوگی بھلائی اسی میں ہے۔

علامہ طبرسی یہاں پر تقیہ کر گئے

علامہ طبرسی صاحب مجمع البیان نے جہاں موجودہ قرآن کی پوری تصدیق کی ہے وہاں وہ شیعہ کے اس اصول کی بھی پوری تردید کرتا ہے کہ قرآن کریم احرف سبعہ میں نہیں اترا وہ احرف سبعہ کے ماننے کو ہی شیعہ کا ظاہر مذہب بتاتا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ شیعہ طلبہ کے سامنے ان کا کون سا مذہب، پیش کیا جائے۔ طبرسی لکھتا ہے :۔

فاعلم ان ظاهرًا من المذهب الامامية انهم اجمعوا على جواز القرأة
بماتتداوله القراء منهم من القرات [1]

ترجمہ: جان لو کہ ظاہر مذہب امامیہ یہ ہے کہ وہ احرف سبعہ کے جواز پر جنہیں قراء کرام لوگوں میں پڑھ رہے ہیں اجماع کر چکے ہیں۔

ہمیں یہاں اس سے بحث نہیں کہ شیعہ مذہب اس مسئلے میں کیا ہے۔ شیعہ طلبہ کو اپنے مذہب سے کچھ روشناس کرانا تھا اور اس کے مناسب ہم نے چند روایات لکھ دی ہیں۔

؎ کس کا یقین کیجئے کس کا یقین نہ کیجئے !
لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ

سید علی نقی اثنا عشری نے موجز البیان ایک رسالہ لکھا ہے جو تجوید کی ضروریات پر مشتمل ہے۔ اس کے آخر میں موصوف نے حدیث انزل علی سبعة احرف پر تفصیل سے بحث کی ہے اور قرآن کریم کی مختلف قرآآت کا اقرار کیا ہے۔ اس پر قاری فتح محمد صاحبؒ نے یہ جملہ لکھا ہے :۔

ہر جماعت میں کتاب اللہ کے عاشق اور خدمت گزار پائے جاتے ہیں [2]

---

[1] تفسیر مجمع البیان جلد ۱ ص۱۲ [2] شرح شاطبیہ اردو ص۵۸

حفاظتِ قرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد:

اسلام کے ان بے شمار معجزات میں سے جن کی صداقت ہر مخالف و موافق سے اقرار لے چکی ہے ایک معجزہ قرآن پاک کی عدیم النظیر حفاظت ہے۔ کتب مقدسہ میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی رب العزت نے اسے وہ حیاتِ دوام بخشی کہ ہر طرح کی تحریف لفظی و معنوی ؏ سے پاک ہے۔ دنیا کتنے ہی انقلابات سے گزرے اس کے الفاظ میں قطعاً کسی شک کو راہ نہ ملے گی۔ اس کے صوری اور معنوی اعجاز کی شان تاریخ کے ہر دور میں اپنی صداقت کا سکہ منواتی رہی ہے۔ قرآن عزیز کا اپنا اعلان ہے:

انہ لکتٰب عزیز۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ (پ ۲۴ حم سجدہ)

؏ یہ ٹھیک ہے کہ ملحدین ہمیشہ قرآن پاک کی قطعیات پر تاویل و تحریف کے ہاتھ صاف کرتے رہے اور ان زنادقہ اسلام نے اسلام کے ہر قطعی فیصلے میں لچک پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تاہم اس میں بھی شک نہیں کہ جن آیاتِ کریمہ اور قطعیاتِ قرآنیہ کو تحریف کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے ان کی اصل مراد اور ان کے صحیح مطالب بھی کسی دور میں کلیتہً معدوم نہیں ہوئے جب بھی کسی نے کلامِ الہٰی کی صحیح مراد معلوم کرنے کی کوشش کی ہر پیاسا سیراب ہوتا رہا اور قرآن پاک بایں صورت ہر معنوی تحریف سے بھی پاک رہا۔ کتاب عزیز معنوی تحریف کا شکار صرف اسی صورت میں ہوسکتی تھی کہ اصل معانی و مطالب پردہ تحریف کے پیچھے چلے جائیں اور بالآخر کلیتہً مٹ جائیں نہ ان کا کوئی جاننے والا ہو اور نہ ان کا کوئی ماننے والا ہے جب تک صحیح مطالب اور اصل مرادات قرآنی بھی موجود رہیں اور ایک طبقہ ان کا بھی علمبردار رہے تو ان قطعیاتِ اسلام کو غلط مطالب کا جامہ پہنانے سے اصل کتاب محرف و مبتدل نہیں ہوسکتی اسی طرح جب تک قرآن پاک کی صحیح لفظی نقول موجود یا سینہ حفاظ میں محفوظ و منقول ہوں تو کسی مطبع والے کا بعض الفاظ قرآن کو غلط چھاپ دینا موجب تحریف نہیں اس لیے کہ اصل بھی تو موجود ہے جو پوری تاریخ اسلام میں کبھی مفقود نہیں جب تک اصل الفاظ و معانی موجود اور ممکن الوصول ہوں کسی مطبع کی غلطی یا کسی ملحد کی مستی کسی لفظی یا معنوی تحریف کا نشان نہیں بن سکتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ترجمہ۔ وہ ایسی کتاب عزیز ہے جس پر جھوٹ کا کوئی دخل نہیں۔ نہ آگے سے نہ پیچھے سے۔ یہ تنزیل اس ذاتِ حکیم وحمید کی طرف سے ہے۔

حفاظتِ قرآن اور پیغمبرِ آخر الزّمان

پہلی کتبِ مقدسہ اور سابق صحف سماویہ جہاں جہاں اور جتنے جتنے وقت کے لیے کائنات کے افقِ ظلمت کو ضیا بار کرتے رہے جب ان کا وقت قریب آیا تو ان کے نگران ان کی حفاظت نہ کر سکے اور وہ کتابیں حیاتِ دوام نہ پا سکیں یہ عمل بار بار ظہور پذیر ہوتا رہا اور تاویل و تحریف کی راہیں مدتوں آسمانی کتابوں کو تبدیل کرتی رہیں۔

ایسے حالات میں ربّ العزت پھر نئے پیغمبر کو بھیج دیتے جو اس ظلمت کدہ خاک میں پھر سے روشنی کا مینار بن جاتا یہ سلسلہ برابر چلتا رہتا نئے نئے احکام بھی ملتے رہتے اور پچھلی شرائع کا مطلع بھی بے غبار ہوتا رہتا۔ پس آسمانی کتابوں میں تبدیل و تحریف کی راہیں تمام کائنات پر ہمیشہ کی سیاہ رات نہ تھیں اس لیے کہ آفتابِ ہدایت پھر سے طلوع ہو جاتا تھا۔

جب حکمتِ خداوندی اس بات کی مقتضی ہوئی کہ آخری پیغمبر ایک عالمگیر حیثیت میں مبعوث ہو تو دربارِ ایزدی سے یہ بھی فیصلہ ہوا کہ اس آفتابِ ہدایت پر غروب کی منزل کبھی نہ آئے اس لیے کہ اگر اس کے پیش کردہ قانونِ ہدایت میں کوئی تبدیلی یا تحریف واقع ہو جائے تو اس کی اصلاح کی کوئی صورت باقی نہ تھی پس پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ خاتمیت کا تقاضا ہوا کہ قرآن پاک ابدی طور پر ہر قسم کی تحریف سے محفوظ و مصئون ہو۔

اگر کسی قسم کی نبوت بھی آنحضرتؐ کے بعد مقدر ہوتی تو حفاظتِ قرآن کا یہ عدیم النظیر اعلان ہرگز وجود میں نہ آتا اور خاتم النبیین کی لائی کتاب کے ابدی تحفظ کا التزام نہ ہوتا۔ آنحضرتؐ کے بعد نہ کسی ایسی نبوت کا امکان ہے جو نئے احکام لائے اور نہ کسی ایسی نبوت کی ضرورت ہے جو پچھلے احکام کا نقشہ صحیح کرے اس لیے کہ آخری شریعت ہر طرح کی تبدیلی و تحریف سے محفوظ ہے جسے کسی تصحیح کی ضرورت نہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص بھی قرآن پاک میں کسی قسم کی تحریف کا قائل ہو اس کے لیے

ضروری ہے کہ وہ حضورؐ ختمی مرتبت کے بعد کسی نہ کسی آسمانی مامور کا قائل ہو جس کے پاس سے اسے کتاب اللہ اصل صورت میں مل سکے یہ اور بات ہے کہ وہ اس کا نام نبی رکھے یا نہ۔ تاہم جب تک کسی معصوم آسمانی منصب اور کسی آئندہ مفترض الطاعت الہامی شخصیت کا اعتقاد نہ ہو۔ قرآن کریم کی عدیم النظیر حفاظت کبھی متزلزل نہیں سمجھی جاسکتی اور اس میں تبدیل و تحریف کا اعتقاد کسی طرح راہ نہیں پاسکتا۔

تورات کی حفاظت احبار یہود پر چھوڑی گئی تھی خدا تعالیٰ نے اُس کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا تھا

انّا انزلنا التوراۃ فیھا ھدًی ونورٌ یحکم بھا النّبیّون الذین اسلموا للذین ھادوا والرّبانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ وکانوا علیہ شھداء۔ (پ المائدہ ۴۴)

ترجمہ: ہم ہی نے تورات نازل کی تھی اس میں ہدایت اور نور تھا انبیاء بنی اسرائیل جو اللہ کے فرمانبردار تھے اسی تورات کے مطابق حکم کرتے رہے اور اسی کے مطابق مشائخ یہود اور ان کے علماء فیصلے دیتے رہے کیونکہ اللہ کی کتاب انہی کی حفاظت پر چھوڑی گئی تھی اور وہی اس کی خبر گیری پر مقرر تھے۔

شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

یعنی تورات کی حفاظت کا ان کو ذمہ دار بنایا گیا تھا قرآن کریم کی طرح انا لہ لحافظون کا وعدہ نہیں ہوا۔ تو جب تک علماء و احبار نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا تورات محفوظ و معمول رہی آخر دنیا پرست علماء سور کے ہاتھوں سے تحریف ہو کر ضائع ہوئی۔[۱]

امام بیہقی نقل کرتے ہیں کہ یحییٰ بن اکثم (متوفی ۲۴۲ھ) نے کہا کہ:۔

---

[۱] فوائد القرآن ص ۱۴۸

ایک یہودی خلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں آیا اور بہت اچھی باتیں کیں مامون الرشید نے اسے دعوت اسلام دی مگر اس نے انکار کر دیا جب ایک سال گزرا تو وہ مسلمان ہو کر ہمارے پاس آیا اور اس نے علم و فقہ میں اچھی گفتگو کی مامون نے اس سے پوچھا کہ تیرے اسلام لانے کا باعث کیا ہے؟

اس نے کہا:۔

میں نے آپ کے ہاں سے جاکر مذاہب کا امتحان کیا چنانچہ میں نے تورات کے تین نسخے لکھے اور ان میں کمی بیشی کر دی اور کنیسہ میں بھیج دیئے۔ تینوں بک گئے پھر میں نے انجیل کے تین نسخے لکھے اور ان میں کمی بیشی کر دی اور ان کو گرجا میں بھیجا وہ بھی فروخت ہو گئے پھر میں نے میں نے قرآن مجید کے تین نسخے لکھے اور ان میں بھی کمی بیشی کر دی اور انہیں وراقین کے ہاں بھیج دیا انہوں نے ان نسخوں کی ورق گردانی کی جب ان میں کمی بیشی پائی تو ان کو پھینک دیا اور نہ خریدا۔ اس سے میں نے جان لیا کہ یہ کتاب تحریف سے محفوظ ہے اس لیے میں مسلمان ہو گیا۔

یحییٰ بن اکثم کہتے ہیں کہ میں نے اسی سال حج کیا اور حضرت سفیان بن عیینہؒ سے ملاقات کی۔ میں نے ان کی خدمت میں یہ سارا واقعہ نقل کیا۔ انہوں نے فرمایا اس کا مصداق قرآن مجید میں موجود ہے۔ میں نے پوچھا کہاں؟ تو ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے توریت و انجیل کی بابت بما استحفظوا من کتاب اللہ فرمایا۔ لہٰذا ان کی حفاظت ان ہی پر چھوڑی گئی۔ قرآن کریم کی نسبت فرمایا۔ انا لہ لحافظون۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اسے تحریف و تبدیل سے محفوظ رکھا۔[1]

کیا آسمانی نوشتے تبدیل نہیں ہوتے؟

اہلِ اسلام جب پہلی کُتبِ مقدسہ کو منسوخ اور پھر محرف قرار دیتے ہیں تو اہلِ کتاب یہ

[1] خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۸۵ تلخیصاً

موضوع سامنے لے آتے ہیں کہ آسمانی نوشتے محل تبدیل بھی ہیں یا نہ. پھر اس پر وہ اس آیت شریفہ سے استدلال کرتے ہیں:۔

لا تبدیل لکلمٰت اللہ۔ (پ۱۱ یونس ۶۴)

ترجمہ: بدلتی نہیں اللہ کی باتیں۔

اس آیت کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن میں ہونی چاہیئے کہ قرآن پاک میں کلماتِ الہیہ کا اطلاق کئی طرح سے ہوا ہے۔

قرآن پاک میں کلماتِ الٰہیہ کا اطلاق

(۱) معلوماتِ الٰہیہ اور ان کے اسرار و حکم

(۲) خدائی فیصلے جو اعمال اور نتائج اعمال سے متعلق ہیں۔

(۳) احکامِ الٰہی جو اوامر و نواہی پر مشتمل ہیں۔

کلماتِ الٰہیہ کا اطلاق

قل لو کان البحر مداداً لکلمٰت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی و لو جئنا بمثله مدداً. (پ۱۶ الکهف ۱۰۹)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائیں تو بے شک سمندر خرچ ہو جائیں گے پر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی خواہ ویسے سمندر ہم اور لے آئیں۔

یہاں کلماتِ الٰہیہ سے مراد معلوماتِ الٰہیہ اور رب العزت کے اسرار و حکم ہیں جو باتیں ہمارے ظرف و استعداد کے مطابق تھیں وہ سب ہمیں بتلا دیں. جس جس کو جس جس بات کے علم کی ضرورت تھی. اس کے دروازے اس پر حسبِ استعداد وا کر دیئے. لیکن یہ معلومات اور اسرار اللہ رب العزت کے معلومات اور علوم و حکم میں سے اتنی بھی نہیں جتنی سمندر میں سے ایک قطرہ کی مقدار ہو۔

یہاں کلمات اللہ سے خدا کے احکام واخبار اور کتب سماویہ ہرگز مراد نہیں۔ اگر یہ مراد لیں تو پھر اس آیت کا مطلب (معاذ اللہ) یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اتنا باتونی ہے کہ اس کی باتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ کسی شان کا اظہار نہیں بلکہ ایک بہت بڑی تنقیص ہے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ بس یہاں کلماتِ الٰہیہ سے مراد معلوماتِ الٰہیہ ہیں جن کا خلاف نہیں ہو سکتا بشلاً اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ ابوبکرؓ ایمان پہ فوت ہوں گے اور ابوجہل کفر پہ مرے گا تو اب زمین و آسمان کی طاقتیں بھی جمع ہو جائیں تو ان معلوماتِ الٰہیہ کا خلاف کبھی نہیں ہوگا۔ لاتبدیل لکلمات اللہ میں کلمات اللہ سے مراد یہی معلوماتِ الٰہیہ ہوں تو حاصل یہ ہوگا کہ ان میں تبدیلی ناممکن ہے پس اس آیت کا مطلب یہ ہوگا۔

لاتبدیل لکلمات اللہ

معلوماتِ الٰہیہ کا خلاف کبھی نہیں ہو سکتا۔

کلماتِ الٰہیہ کا دوسرا اطلاق

خدائی فیصلے نہیں بدلتے اعمال اور نتائج اعمال سے متعلق سنت اللہ تبدیل نہیں ہوتی

الذین اٰمنوا وکانوا یتقون۔ لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا والاٰخرۃ۔ لاتبدیل لکلمات اللہ ذٰلک ھو الفوز العظیم۔ (پ یونس ۶۳، ۶۴)

ترجمہ۔ جو لوگ ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے ان کے لیے خوشخبری ہے حیاتِ دنیا میں اور آخرت میں بدلتی نہیں اللہ کی باتیں یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

یعنی اللہ کی باتیں اور اس کے وعدے اٹل ہیں جو بشارتیں دی ہیں ضرور پوری ہو کر رہیں گی۔ خدائی فیصلے تبدیل نہیں ہوتے اور کوئی طاقت انہیں بدل نہیں سکتی۔ سیاق و سباق پیش نظر رکھنے سے لاتبدیل لکلمات اللہ کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ یہاں کلمات سے مراد خدائی فیصلے ہیں کتب مقدسہ صحفِ سماویہ کا یہاں قطعاً کوئی تذکرہ نہیں۔ یہاں صرف اس مضمون کا بیان ہے کہ اعمال اور نتائج اعمال سے متعلق سنت اللہ تبدیل نہیں ہوتی خدا فیصلے بدلا نہیں کرتے۔

ہاں احکام مختلف زمانوں کے لیے مختلف ہو سکتے ہیں۔

کلمات الٰہیہ کا تیسرا اطلاق
وہ کلامِ الٰہی جو احکام و اخبار پر مشتمل ہو

اس معنی کو لا تبدیل لکلمات اللہ سے تطبیق دینا مشکل ہے اخبار الٰہیہ میں تبدیلی تو قطعاً ممکن نہیں[1] لیکن احکامِ الٰہیہ مختلف حالات کے مطابق مختلف ہوتے رہے ہیں اور ان میں نسخ اصولاً ممکن ہے پس لا تبدیل لکلمات اللہ میں کلماتِ الٰہیہ سے مراد کتبِ مقدسہ یا احکامِ الٰہیہ نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر انہیں اس زمانے سے مخصوص کر لیں جس زمانے تک کے لیے وہ ضابطہ عمل اور قانون حیات ہوں تو اس دور تک واقعی وہ کلماتِ الٰہیہ تبدیل نہیں ہو سکتے اور اگر کسی ناہنجار انسانی ہاتھ نے ان میں تحریف سے کام لیا تو اتنی بات یقینی ہے کہ غیر کلام الٰہی کلام الٰہی کا بدل ہرگز نہیں بن سکتا۔

ناسخ و منسوخ کی پوری بحث آپ کو ہمارے نسخ فی القرآن کے مضمون میں ملے گی لیکن اس مضمون کی مناسبت سے ہم اس کا کچھ حصہ یہاں بھی آپ کے سامنے پیش کیے دیتے ہیں۔

نسخ کا مفہوم

کسی حکمِ الٰہی کے منسوخ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ حکم جتنی مدت تک کے لیے دیا تھا اب وہ مدت ختم ہو چکی۔ اب نئے حالات اور نئے دور میں جو نئے احکام ہوں گے وہ پہلے احکام کے ناسخ کہلائیں گے علم اصول میں یہ قول منقول ہے:۔

هو النص الدال على انتهاء امد الحكم۔[2]

ترجمہ۔ ناسخ اس نص کو کہتے ہیں جو کسی حکم کی مدت کے ختم ہونے کا پتہ دے۔

---

[1] اس لیے کہ اس کا حاصل یا پہلی خبر کا خلاف واقع ہونا ہے یا دوسری خبر کا۔ بہر دو صورت جھوٹ کا تحقق ہونا ہے تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیرا [2] مسلم الثبوت جلد ۲ ص ۲۳ مصر

حصول المامول کی شروطِ نسخ میں چوتھی شرط یہ ہے:۔

ان یکون المنسوخ مقیدًا بوقت۔[1]

ترجمہ: امر منسوخ کسی مدت تک کے لیے مخصوص ہو۔

پس علم اصول کی رو سے نسخ کا مفہوم انتہائے حکم کا بیان[2] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ حکم خدا کے علم میں ایک زمانے تک سے خاص تھا اس زمانہ کی انتہا تک وہ حکم ختم ہو گیا اب اسے نئے حکم سے بدلا جائے یا نئے حکم سے بدلنے کے بغیر ختم کیا جائے وہ بہرحال منسوخ ہے۔

یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی حکم کو بعد میں منسوخ کرنا ہے تو پہلے وہ یہ حکم کیوں دیتا ہے اس لیے کہ ہر حکم جس جس اور جتنے جتنے وقت کے لیے مناسب ہوتا ہے آسمانی ہدایت اسی حکم کے قالب میں اترتی ہے اس تبدیلِ احکام کی شہادت ہمیں انجیل سے بھی ملتی ہے حضرت مسیح علیہ السلام تصدیقِ تورات کے بعد بعض احکام کی تبدیلی یوں بیان کرتے ہیں:۔

احکامِ الٰہی میں تبدیلی

تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا ــــ تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا تھا زنا نہ کرنا لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا ــــ یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے ــــ پھر تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ جھوٹی قسم نہ کھانا بلکہ اپنی قسمیں خداوند کے لیے پوری کرنا لیکن میں تم سے کہتا ہوں بالکل قسم نہ کھانا ــــ تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت

---

[1] حصول المامول ص۹۷ [2] دیکھیے تفسیر حقانی زیر آیت واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ (پ۱۴ النحل ۱۰۱)

لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا ـــ تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھ اور اپنے دشمن سے عداوت۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھ۔[1]

قرآن عزیز بھی بعض احکامِ الٰہی کی تبدیلی حضرت مسیح علیہ السلام سے حکایۃً نقل کرتا ہے:۔

مصدقاً لما بین یدی من التوراۃ ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم۔ (پ۳ آل عمران ۵۰)

ترجمہ۔ اور میں تم سے پہلی کتاب تورات کو سچا بتانے والا ہوں اور اس لیے کہ حلال قرار دوں بعض وہ چیزیں جو تم پر پہلے حرام کی گئی تھیں۔

لا تبدیل لکلمات اللہ کی ایک اور تفہیم

اس آیت شریفہ کی صحیح مراد اس کے سیاق و سباق کے پیش نظر یہی ہے کہ اعمال اور نتائج اعمال کے بارے میں سنت اللہ ہرگز تبدیل نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اس سے خواہ مخواہ احکامِ الٰہیہ ہی مراد لیے جائیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ کوئی اور اس کے احکام کو بدلنے کا اہل نہیں کسی کا یہ مقام نہیں کہ اس کے احکام کو بدل سکے۔ اگر کوئی اس کی جسارت کرے گا تو غیر کلام الٰہی کلام الٰہی کا بدل ہرگز نہ ہو سکے گا۔ احکام خدا کے ہی باقی رہیں گے اللہ کی بات بدلی نہیں جا سکتی۔ قرآن پاک ایک دوسرے مقام پر خود اس کا اعلان کرتا ہے:۔

لا مبدل لکلماتہ وھو السمیع العلیم۔ (پ۸ انعام ۱۱۵)

ترجمہ۔ کوئی بدلنے والا نہیں اس کی بات کو اور وہ ہے ہر وقت سننے والا اور جاننے والا۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ رب العزت خود بھی اپنے حکم کو نہیں بدل سکتا وہ مسلوب اختیار ہرگز نہیں کسی حکم کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بدل دیتے ہیں لا تبدیل لکلمات اللہ کے معنی لا مبدل لکلماتہ کے ہیں کہ کسی اور میں اس کے حکم کو بدلنے کی اہلیت نہیں اگر کوئی کوشش کرے گا تو وہ مفتری ٹھہرے گا اللہ کا حکم وہی ہو گا جسے اُس نے چھپانے کی کوشش کی تھی۔

---

[1] انجیل متی باب ۵ صـ ۸

کیا آسمانی نوشتوں میں تحریف ممکن ہے؟

اس کا بطلان بالکل بدیہی ہے جس کاتب کو کہیئے وہ ہر آسمانی کتاب میں چند حرکات یا چند الفاظ یا چند سطور کی کمی بیشی کر کے دکھا دے گا یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کتاب کے دوسری جگہ بصورت کتاب یا بصورت یاد محفوظ ہونے کے باعث اصل کتاب تحریف کا شکار نہ ہو سکے اور یہ اید ادت کلام الٰہی کی پوزیشن میں نہ آسکیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسانی ہاتھوں سے کلمات الٰہیہ غلط لکھے جا سکتے ہیں گو لکھنے والے کتنے بڑے مجرم کیوں نہ ہوں اور جب اصل بالکل باقی نہ رہے تو پھر تصحیف کاتبین تحریف کتاب کا موجب بھی ہو جاتی ہے۔

فویل للذین یکتبون الکتٰب بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عند اللہ (پ البقرہ ۷۹)

ترجمہ: سو خرابی ہے ان لوگوں کی جو کتاب میں اپنے ہاتھوں سے کچھ باتیں لکھ دیتے ہیں اور پھر کہنے لگتے ہیں کہ یہ اللہ کی باتیں ہیں۔

لا تبدیل لکلمات اللہ کی ایک اور تفہیم

کلام اللہ اور کتاب اللہ

پہلی کتب مقدسہ اصل میں کتاب اللہ ہیں جن کا مورد تنزیل نقوش کتابیہ تھے اور ملفوظیت ان میں بعد میں آئی تھی لیکن قرآن مجید کا مورد تنزیل نقوش کتابیہ نہیں کلمات الٰہیہ ہیں یہ کلام الٰہی ہے جسے مکتوبیت بعد میں ملی۔ تورات و انجیل کو کلام اللہ کہنے میں ذرا توسع اور تجوز کو راہ دینی ہوگی ورنہ حقیقت میں وہ کتاب اللہ ہیں کلام اللہ ہونے کی شان صرف قرآن عزیز کو ہی حاصل ہے۔

ہاں کتب سابقہ کے ماسوا اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و مقربین کو شرف ہمکلامی بخشا اسے کلام اللہ کہنے میں تامل نہیں لیکن ایسے کلام کی مکتوبیت عمل میں نہیں آتی رہی اور اگر اسے کہیں نقل بھی کیا گیا تو نقل بالمعنی کے طور پر۔ یہ شان صرف کتاب عزیز کو حاصل ہے کہ اس کی مکتوبیت کلمات الٰہیہ کے تابع رہی پس یہی کتاب ہے جو کلام بھی ہے اور پہلی سب کتابیں اور صحیفے کتب مقدسہ ہیں۔

لا تبدیل لکلمات اللہ کو اگر اسی مفہوم میں لیا جائے کہ آسمانی نوشتے تبدیل نہیں ہوتے

تو بھی مراد یہی ہے کہ کلام اللہ میں کسی تبدیل و تحریف کو راہ نہ ملے گی اور ظاہر ہے کہ یہ مضمون قرآن کی ابدی حفاظت پر ہی منطبق ہو گا نہ کہ پہلی کتب مقدسہ پر کیونکہ وہ اصالۃً کتاب اللہ تھیں جن کی کلامیت نقوش کتابیہ کے الفاظ مدلولہ سے حاصل ہوتی تھی۔ قرآن عزیز کی طرح نہیں کہ الفاظ مجردہ عن المکتوبیت بھی شان کلامیت رکھتے ہوں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ لکھتے ہیں :۔

> وہ مرتبہ فصاحت و بلاغت جو مناسب شانِ خداوندی ہے اور کتابوں میں اس لیے نہیں کہ ان کا مہبط خود صفت کلام خداوندی نہیں یا یوں کہو کہ عبارت ملائکہ ہے گو مضامین خداوندی ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ تورات و انجیل کی نسبت قرآن و حدیث میں کتاب اللہ کا لفظ تو آتا ہے کلام اللہ کا لفظ نہیں آتا۔[1]

کتاب اور کلام اللہ میں فرق

کتاب اللہ —— وہ کتاب ہے جس کے معنی و مطلب خدا کی طرف سے ہوں اور الفاظ و عبارت فرشتہ کے ہوں یا نبی کے۔

کلام اللہ —— وہ کتاب ہے جس کے حروف و الفاظ عبارت اور معنی و مطالب سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں فرشتے اور نبی کو اس میں دخل نہ ہو ہمارے فاضل دوست جناب صارم ازہری لکھتے ہیں :۔

> توریت، زبور، انجیل اور دیگر صحفِ انبیاء کتاب اللہ تھیں کلام اللہ نہ تھیں۔[2]

اُستاد المحدثین امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں :۔

> لم ینزل وحی الا بالعربیۃ ثم ترجمہ کل نبی لقومہ وکان یترجم ذلک جبریل علیہ السلام۔[3]

> ترجمہ۔ ہر وحی اصل میں عربی میں اترتی تھی نبی قوم کے سامنے اس کا ترجمہ پیش کرتے رہے یہ ترجمہ جبریل کیا کرتے تھے۔

---

[1] حجۃ الاسلام ص۳۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ دیوبند [2] تاریخ القرآن ص۱۶۷

پس وہ کتاب جس کا مورد خود صفت خداوندی ہے صرف قرآن کریم ہے جو خود عربی مبین ہے اور زبان میں حضرت جبریل علیہ السلام کا ترجمہ نہیں۔

تحریف بائبل پر بائبل کی اپنی داخلی شہادت

پہلے ان دو آیتوں کو ذہن نشین رکھیے:۔

(۱) اور جب ابرم کے لیے ہاجرہ سے اسماعیل پیدا ہوئے تب ابرم چھیاسی برس کا تھا۔[۱]

(۲) اور جب اس کا بیٹا اضحاق اس سے پیدا ہوا تو ابرام سو برس کا تھا۔[۲]

دونوں آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ حضرت اسماعیل چودہ برس تک اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے رہے اور اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کے بعد کوئی بھی اکلوتا نہ رہا۔ حضرت اسحٰق پر اکلوتا ہونے کا ایک لمحہ بھی نہیں آیا۔

اب سُنیئے

اپنے اکلوتے بیٹے کو جسے تو پیار کرتا ہے اسحاق کو لے اور زمین موریا میں جا اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے لیے چڑھا۔[۳]

تُو نے اپنے بیٹے ہاں اپنے اکلوتے کو مجھ سے دریغ نہ کیا۔[۴]

دیکھیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح اللہ ہونے کی شان کس طرح حضرت اسحٰق علیہ السلام کی طرف منتقل کی جا رہی ہے۔ اگر قربانی کا واقعہ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے ہی متعلق ہے تو پھر اکلوتے کا لفظ ان کے نام کے ساتھ بعد کی زیادتی ہے اور اگر وہ واقعی اکلوتے تھے تو پھر پہلی دونوں آیتیں بدلی ہوئی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام چودہ برس اکلوتے رہے اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر اکلوتا ہونے کا کوئی دور نہیں آیا۔ سب سے پہلے بیٹے حضرت

---

[۱] کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۶ [۲] ایضاً باب ۲۱ آیت ۵ [۳] ایضاً باب ۲۲ آیت ۲ [۴] ایضاً باب ۲۲ آیت ۱۲

ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔

فویل للذین یکتبون بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنًا قلیلًا فویل لھم مما کتبت ایدیھم و ویل لھم مما یکسبون۔

(پ البقرہ ۷۹)

ترجمہ۔ پس ان لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے جو کتاب اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ اس سے کچھ دنیوی فائدہ اٹھائیں سو ان کے ہاتھوں کے لکھنے پر بھی اور ان کے اس کسب پر بھی ان کے لیے عذاب ہے۔

وان منھم لفریقًا یلوون السنتھم بالکتاب لتحسبوہ من الکتاب وما ھو من الکتاب ویقولون ھو من عند اللہ وما ھو من عند اللہ۔

(پ۳ آل عمران ۷۸)

ترجمہ۔ اور ان میں سے ایک گروہ وہ ہے جو کتاب کو اپنی زبانیں موڑ کر پڑھتا ہے تاکہ تم اسے کتاب میں سے جانو حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ تحریف کیا ہے اور یہ کیسے واقع ہوتی ہے۔

نیز ان روایات سے واضح ہو گیا کہ آسمانی نوشتوں اور کتبِ مقدسہ میں تحریف ہرگز ناممکن نہیں اور اگر ان آسمانی کتابوں کا عام انسانی ہاتھوں سے تحریف ہونا ہی ناممکن تھا تو پھر اس عظیم پیشگوئی کی کوئی افادی حیثیت نہیں رہتی جس میں اللہ رب العزت نے قرآن عزیز کی ابدی حفاظت کا خود تکفل فرمایا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ (پ۱۴ الحجرات ۹)

ترجمہ۔ بے شک ہم نے ہی قرآن[1] نازل کیا اور یقینًا ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

---

[1] قرآن پاک کا ایک نام ذکر بھی ہے وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (پ۱۴ النحل) ان الذین کفروا بالذکر لما جاءھم (پ۲۴ حم سجدہ) وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارھم لما سمعوا الذکر (پ۲۹ القلم) ھذا ذکر مبارک انزلناہ (پ۱۷ انبیاء) وانہ لذکر لک ولقومک (پ۲۵ زخرف) ان ھو الا

یہاں قرآن کے نزول کو تنزیل سے ذکر فرمایا۔ تنزیل سے مراد بتدریج تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا ہے پس اس نزول سے وہ نزول اول مراد نہیں جو لوحِ محفوظ سے پہلے آسمان پر تھا اس لیے کہ وہ دفعۃً واقع ہوا تھا تدریجاً نہ تھا پس یہاں جس حفاظت قرآن کی بشارت دی جارہی ہے وہ لوحِ محفوظ میں لکھے یا پہلے آسمان پر اُترے قرآن کی نہیں بلکہ یہ اس قرآن کے ابدی تحفظ کا اعلان ہے جو آنحضرتؐ پر مختلف اوقات میں تدریجاً نازل ہوتا رہا ہے۔

انا نحن نزّلنا الذکر وانّا له لحافظون کے سباق پر نظر کریں تو دو باتیں نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں:۔

① ذکر سے مراد یہاں قرآن ہے حضور کی اپنی ذات نہیں۔

② یہاں جس قرآن کی ابدی حفاظت کا بیان ہے وہ وہی قرآن ہے جو حضورؐ کے مخالفین کے سامنے پیش شدہ تھا لوحِ محفوظ یا پہلے آسمان پر اُترا ہوا قرآن ہرگز مراد نہیں۔

وقالوا یا ایھا الذی نزّل علیہ الذکر انک لمجنون۔ لوما تاتینا بالملٰئکۃ ان کنت من الصادقین۔ ما ننزل الملٰئکۃ الا بالحق وما کانوا اذاً منظرین۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔ (پ۱۴ الحجر۹)

ترجمہ۔ اور انہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر ذکر نازل کیا گیا تو مجنون ہے۔ اگر تو سچوں میں سے ہوتا تو ہمارے پاس فرشتے لے کر کیوں نہ آتا۔ فرشتوں کو تو ہم موقع ہی سے بھیجا کرتے ہیں اور (جن کی طرف بھیجتے ہیں) پھر ان کو مہلت نہیں ملتی۔ بے شک ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

معلوم ہوا کہ آیت حفاظت قرآن کفار عرب کے انکار و استہزاء کی تردید میں نازل ہوئی تھی۔ صدر کلام میں انّ تاکید کے لیے لایا گیا ہے پھر انّ کے اسم اور خبر کے درمیان ضمیر فصل وارد ہوئی ہے

ذکر للعالمین (پ۱۳ یوسف، پ۲۳ ص) ان ھو الا ذکر و قرآن مبین (پ۲۳ یٰسین) ءانزل علیہ الذکر من بیننا (پ۲۳ ص) وقالوا یا ایھا الذی نزل علیہ الذکر (پ۱۴ حجر) ذکر کا لفظ قرآن کے علاوہ کسی اور معنی کے لیے آئے تو قرینہ ساتھ ہوگا جیسے ایک جگہ یہ لفظ آنحضرتؐ کے لیے بھی آیا ہے۔ قد انزل اللہ الیکم ذکراً رسولاً (پ۲۹ الطلاق) ذکر کی وہ حقیقت شرعی جو کسی قرینہ کی محتاج نہیں قرآن کریم ہے۔

ساتھ ساتھ متکلم واحد صیغہ جمع (نحن) سے ذکر کیا جا رہا ہے جس سے تعظیم و اجلال مقصود ہے پھر حکم کی تقویت کے لیے اسناد کا تکرار واقع ہو رہا ہے۔ انا له لحافظون میں ان تاکید کے لیے وارد ہے اس کے بعد پھر لام تاکید آرہا ہے جملہ کی اسمیت الگ تاکید لا رہی ہے یہ تمام امور خبر دے رہے ہیں کہ یہاں بڑی ہی مہتم بالشان بشارت کا ذکر ہو رہا ہے پس یہاں اگر کسی غار میں رکھے نسخے کی حفاظت کا ہی بیان تھا تو کفار عرب کی تردید کے سیاق اور اتنی تاکیدات کے اہتمام کا کوئی معنی باقی نہیں رہ جاتا۔ یہ قرآن عزیز کی حفاظت کی ہی بشارت ہے اور اسی قرآن عزیز کی حفاظت کا بیان ہے جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے :۔

ان نحن نزّلنا الذّکر ای القرآن وانا له لحافظون عن الزیادۃ والنقصان والتحریف والتغییر عن قتادۃ وابن عباس ومثله لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه۔[1]

ترجمہ۔ بے شک ہم نے ہی ذکر نازل کیا اس سے مراد قرآن ہی ہے اور ہم ہی اس کی ہر زیادتی اور کمی سے اور ہر تحریف و تغییر سے حفاظت کریں گے یہی معنی حضرت قتادہؒ اور ابن عباسؓ سے منقول ہیں اور اس میں نہ آگے سے نہ پیچھے سے کسی طرح بھی باطل کا دخل نہیں ہو سکتا۔

مُلّا فتح اللہ کاشانی نے بھی دونوں جگہ لفظ ذکر کا ترجمہ قرآن کیا ہے۔

حفاظت قرآن پر مُلّا خلیل قزوینی کا ایک اور اعتراض

خلیل قزوینی کہتا ہے کہ آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون ان آیات میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئیں اور نزّلنا صیغہ ماضی کا ہے پس اس آیت میں صرف اسی حصہ قرآن کے محفوظ ہونے کا بیان ہے جو اس وقت تک نازل ہو چکا تھا بعد میں نازل ہونے والے حصہ قرآن کے تحفظ کی یہاں کوئی ضمانت نہیں پس قرآن کے من حیث المجموع تحفظ کا دعوے صحیح نہیں مُلّا ئے قزوینی کہتا ہے :۔

[1] مجمع البیان جلد ۲ صـ۲۵ مطبوعہ ایران

این آیت بلفظ ماضی است و در سورہ مکیہ است و بعد ازیں سورہ بسیار نازل شدہ در مکہ چہ جائے مدینہ۔ پس دلالت نمے کند بر محفوظ بودن جمیع قرآن۔[1]

ملا جی کی یہ بات علم و فہم سے بہت گری ہوئی ہے ان کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ کچھ حصہ قرآن کی حفاظت کا تو وعدہ ہے اور کچھ حصہ قرآن کی حفاظت نہیں۔ جب کسی دستاویز کے بارے میں کہہ دیا جائے کہ اس کی کچھ عبارت تو اصلی ہے اور کچھ جعلی تو کیا اس سے ساری دستاویز مشتبہ نہیں ہو جاتی گی؟ عدالت کی فائل سے اگر کچھ کاغذات نکال لیے جائیں تو باقی فائل کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ ملا جی تو ذلک الکتٰب لاریب فیہ کا معنی بھی یہی کرتے ہوں گے کہ اس وقت تک جو حصہ قرآن نازل شدہ تھا اس میں تو شک نہیں البتہ بعد میں جو نازل ہوا وہ حصہ قرآن شک سے محفوظ نہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اندریں صورت آیت حفاظت قرآن کا ہونا نہ ہونا بالکل برابر ہو جاتا ہے اور اس کی افادیت ہر پہلو سے ناکام ہو جاتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنی مہمل اور بے فائدہ سی بات کو اس قدر تاکیدات عظمت و جلال اور اس قدر زور کمال سے آخر کیوں بیان کیا جا رہا ہے کیا یہ اسی کلام کی شان ہے جو انتہائے بلاغت پر اپنا لوہا منوا چکا ہو اور عرب کے تمام فصحاء و بلغاء اس کی نظیر لانے سے عاجز آ چکے ہوں۔

یہ آیت شریفہ کفار عرب کے انکار و استہزاء کی تردید میں نازل ہوئی تھی ظاہر ہے کہ وہ کسی خاص حصہ قرآن کے منکر نہ تھے بلکہ ان کا محل انکار قرآن من حیث القرآن تھا تصدیق قرآن کے لیے جو انہوں نے فرشتوں کی آمد طلب کی تھی وہ بھی کسی خاص حصہ قرآن سے متعلق نہ تھی بلکہ ان سب موقعوں پر قرآن من حیث القرآن ہی محل بحث بنا ہوا تھا ان مباحث میں حصہ منزل اور حصہ غیر منزل سب یکساں مراد تھے۔ سیاق و سباق اور موضوع کلام کے پیش نظر یہ پورے قرآن کے تحفظ کا ایک اصولی اعلان تھا۔

پس آیت انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون میں لہ کی ضمیر نزلنا کے عین مفعول (حصہ منزل) کی طرف نہیں لوٹ رہی کہ صرف اسی حصہ قرآن کے تحفظ کا اعلان ہو بلکہ کی ضمیر نزلنا کے مفعول کی جنس کی طرف لوٹ رہی ہے خواہ وہ منزل ہو یا ابھی غیر منزل ہو یہ قرآن من

---

[1] الصافی بشرح اصول الکافی جلد ۶ ص ۷۶ مطبوعہ لکھنؤ

حیث القرآن کے تحفظ کا خدائی اعلان ہے اور ضمیر کے اس طرح جنس کی طرف لوٹنے کے نظائر[1] بیشمار خود کتاب میں موجود ہیں۔

پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر میں ماضی بمعنی مضارع ہو بعض اوقات انتہائے یقین کے لیے مضارع کی تعبیر ماضی سے کر دیتے ہیں اور یہ بھی بلاغت کی ایک شان ہے۔ ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون اندریں صورت آیت حفاظت قرآن کا معنی یہ

---

[1] ھو الذی یتوفکم باللیل ویعلم ماجرحتم بالنہار ثم یبعثکم فیہ (پ الانعام) یہاں فیہ کی ضمیر اس دن کی طرف نہیں جو ماجرحتم بالنہار میں تھا بلکہ یہ ضمیر اس کی جنس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ۲۔ ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجہا لیسکن الیہا میں آدم وحوا کا ذکر ہے اور پھر اسی سلسلے میں فرمایا فلما اتٰھما صالحاً جعلا لہ شرکاء فیما اتٰھما فتعالی اللہ عما یشرکون۔ (پ الاعراف آخر) ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام شرک سے منزہ اور پاک ہیں پس ضمیر یہاں ان کے عین کی طرف نہیں ان کی جنس کی طرف لوٹ رہی ہے کہ انسان نے پھر شرک کا ارتکاب کرلیا ہے آیت کے آخری الفاظ فتعالی اللہ عما یشرکون جمع کے صیغے سے ہیں یہاں آدم وحوا مراد نہیں پس جعلا لہ شرکاء میں مطلق عورت مرد مراد ہیں اور ضمیر جنس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ۳۔ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین (پ المؤمنون) پہلے آدم علیہ السلام کے مٹی سے بننے کا تذکرہ ہے پھر اس کے قرار مکین میں نطفہ ہونے کا بیان ہے ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام اس منزل سے نہیں گزرے پس جعلناہ کی ضمیر عین آدم علیہ السلام کی طرف نہیں جنس آدم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ۴۔ ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلناھا رجوما للشیاطین (پ۲۹ الملک) جن ستاروں کو مصابیح فرمایا وہ ٹوٹنے والے ستارے نہیں جن سے رجم شیاطین ہوتا ہے یہاں عین مصابیح سے جنس مصابیح کی طرف کلام منتقل ہے۔ ۵۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ صوموا لرؤیۃ الھلال وافطروا لرؤیتہ۔ یہاں الھلال سے مراد ہلال رمضان ہے اور افطروا لرؤیتہ میں ضمیر اسی کی طرف لوٹ رہی ہے لیکن اس عین ہلال کی طرف نہیں بلکہ جنس کی طرف اور مراد اس سے شوال کا ہلال ہے۔

واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

ہوگا کہ بے شک ہمیں اسے نازل کر رہے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے جو اسے نازل کر رہا ہے وہی اسے محفوظ بھی رکھے گا۔

غلیل قزوینی نے حفاظتِ قرآن کے انکار کے لیے جو راستہ ہموار کیا ہے اس کے کانٹے دُور تک بچھے نظر آتے ہیں پھر تو وہ آیاتِ شریفہ جن میں قرآن کی شانِ اعجاز کا بیان ہے اور اُس کے ضمن میں تمام عرب کو تحدی کے ساتھ دعوتِ مبارزت دی گئی ہے ،صرف اسی حصہ قرآن سے متعلق ہوں گی جو آیت حفاظت قرآن سے پہلے نازل ہو چکا تھا اور جو قرآن اس آیت کے بعد نازل ہوا وہ حصہ قرآن ہرگز معجز نہیں اور گو فصحائے عرب اس بعد کے نازل شدہ کلام کی بھی نظیر نہ لا سکے تاہم وہ ہرگز معجز اور محفوظ نہیں اور نظیر نہ لا سکنا اس کے کلام الٰہی ہونے کا کوئی نشان نہیں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ۔ مُلّاجی کو اس میں حاصل بھی کچھ نہیں ہوا مگر دین کی پوری عمارت کو متزلزل کرنے میں انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔

؎ دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

تحریف قرآن کا معنوی انداز

تحریفِ معنوی سے قرآن کی اَبدی حفاظت

قرآن عزیز کی اَبدی حفاظت کا خود ربّ العزت نے تکفل فرمایا ہوا ہے اس عظیم پیشگوئی کے ضمن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں قرآن سے کیا مراد ہے ؟ صرف الفاظ وحی اور نقوش کتابیہ یا قرآن عزیز اس آخری وحی کے نظم و معنی کے مجموعہ کو کہتے ہیں علماء اصُول لکھتے ہیں :۔

هو اسم للنظم والمعنى جميعًا (منار متن نور الانوار) امرنا بحفظ النظم والمعنى فانه دلالة على النبوة (النفحة القدسية)[1]

[1] النفحة القدسية ص۳۱ یہ علامہ حسن شرنبلالی صاحب نور الایضاح کا ایک رسالہ ہے علامہ حسن شرنبلالی دسویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ گزرے ہیں رسالے کا پورا نام "النفحة القدسية فی احکام قراءة القرآن وکتابتہ بالفارسیة" ہے۔

ترجمہ۔ قرآن نام ہے ترتیب الفاظ اور معنی کے مجموعہ کا ہم قرآن پاک کی ترتیب الفاظ و معنی دونوں کی حفاظت کے لیے مامور ہیں کیونکہ یہ نبوت کا ایک نشان ہے۔

پس جب قرآن اس وحی ربانی کے "نظم و معنی" کے مجموعہ کا نام ہے تو قرآن عزیز کی اس ابدی حفاظت کا دائرہ بھی الفاظ کتاب اور مطالب کتاب ہر دو کو شامل ہوگا جس طرح اس کے نقوش کتابیہ ہر قسم کی تحریف لفظی سے محفوظ ہیں، اسی طرح اس کے معانی و مطالب بھی ہر قسم کی تحریف معنوی سے یقیناً مصئون ہوں گے۔

قرآن عزیز میں اگر معنوی تحریف کو راہ دے دی جائے اور صرف نقوش کتابیہ کے تحفظ کی ضمانت ہو تو قرآن کی ابدی حفاظت کا اعلان ایک بے معنی بات ہو کر رہ جاتی ہے الفاظ کی حفاظت خود مقصود نہیں ان کا تحفظ محض اس لیے ہے کہ وہ معانی و مطالب کی حفاظت کا ذریعہ بن سکیں الفاظ کا تحفظ معانی کی صحت کے لیے ہے حق یہی ہے کہ الفاظ کی ابدی حفاظت کی طرح اس کے معانی و مطالب کا تحفظ بھی اس پیشگوئی میں منطوی ہے۔

تحریف معنوی سے متعلق ایک سوال

پچھلی چند صدیوں سے کچھ ایسے نئے نئے مفسر سامنے آرہے ہیں جو تفسیرات صحابہ و تابعین کے خلاف قرآن عزیز کو نئے نئے معنی پہنا رہے ہیں تفسیری روایات کی مخالفت تو درکنار ان کے بیان کردہ معنی اکثر نشست الفاظ اور قواعد عربیت سے بھی متصادم ہوتے ہیں گو یہ غلط فکر اور خام علم مؤلفین ایک سلسلے میں مربوط نہیں ہو سکے لیکن اس میں شک نہیں کہ ایک مدت سے تحریف معنوی کا یہ سلسلہ قائم ہے۔ ان حالات کے پیش نظر قرآن پاک کی تحریف معنوی سے ابدی حفاظت کا دعوے کیسے کیا جا سکتا ہے۔

جواب: یہ صحیح ہے کہ قرآن پاک پر کام کرنے والے بعض نئے نئے مؤلفین علم و تحقیق سے بے نیاز ہو کر کئی قطعیات اسلام میں بھی انکار و الحاد کی راہ چل رہے ہیں اور ان کا یہ عمل یقیناً تحریف معنوی ہے لیکن ان کے اس عمل سے اصل قرآن ہرگز مشتبہ نہیں ہوتا کیونکہ اس کے اصل مطالب و معانی بھی اہل حق کے پاس موجود اور سب کے لیے ممکن الوصول ہوتے ہیں ان معانی میں بھی تواتر قائم ہے اور

آنحضرتؐ سے لے کر اب تک اہلِ حق کا یہ سلسلہ قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا پس قرآن معنیً بھی ہمیشہ کے لیے تحریف معنوی سے محفوظ رہے گا۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:۔

لا تزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لا یضرهم من خالفهم او خذلهم حتی یاتی امر الله۔

ترجمہ: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہے گا ان کے مخالف یا مدد نہ کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کسی نے قرآن کی صحیح مراد معلوم کرنے کی کوشش کی ہر پیاسا سیراب ہوتا رہا جب تک اصل تفسیر اور قرآنی مطالب کی صحیح تعبیر دنیا میں موجود اور ممکن الحصول ہو ان ملحدین زمانہ کی غلط تفسیرات سے کتاب اللہ میں تحریف نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کے متنورین تو بے شک محرّف ہیں لیکن قرآن ہرگز محرّف نہیں کوئی تحریف معنوی اس میں چل نہیں سکی۔ اہلِ حق کا تواتر ہر دور میں ان غلطیوں کی نشاندہی کرتا رہا ہے۔

جس طرح قرآن پاک کی لفظی نقول جب تک صحائف قرطاس میں مزبور اور سینہ حفاظ میں محفوظ ہیں کسی مطبع کی غلطی یا کسی حافظ کی لغزش سے قرآن کریم کو تحریف لفظی کا شکار نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اصل محفوظ اور موجود ہے۔ اسی طرح ادبی قلم اور حسنِ تحریر کے سہارے مفسر بن بیٹھنے والے متنورین کی غلط تفسیرات سے بھی کتاب اللہ ہرگز تحریف معنوی کا شکار نہیں ہو سکتی اس لیے کہ مبانی کی طرح اصل معانی بھی تو موجود ہیں جو تاریخ اسلام کے کسی دور میں مفقود نہیں ہوئے۔

یہ ہو سکتا ہے کہ کتاب اللہ کے صحیح وارث کسی دور میں قلیل ہوں اور کسی میں کثیر، کسی میں قوی ہوں اور کسی میں ضعیف لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ پورا صفحہ کائنات قرآن کی صحیح تعلیم سے یکسر خالی ہو۔

اسلام ایک زندہ مذہب

اسلام اگر ایک زندہ مذہب ہے تو تاریخ اسلام کے ہر دور میں اُس کی زندگی ضروری ہے وہ زندگی کسی درجے میں ہو اور حالات کتنے ہی اُلٹے کیوں نہ ہوں اس زندگی میں تسلسل لازمی ہے۔ ورنہ اسلام ایک زندہ حقیقت نہیں رہتا جب تک اسلام کی شاہراہِ حیات قائم ہے قرآن عزیز کے

مبانی اور معانی کبھی بھی پردہ تحریف کے پیچھے نہیں جا سکتے۔ ہر وہ مفسر جو سلف کے ذخیرہ سلف سے یکسر آنکھیں بند کر کے قرآن کو نت نئے مطالب کا لباس پہناتا ہے اس سے دریافت کیجئے کہ تمہارے بیان کردہ مطالب پچھلے ادوار اسلام میں سامنے تھے یا نہ؟ اگر موجود کہے تو تصحیح نقل اور ہر دور کے تسلسل کا مطالبہ کیجئے اور اگر وہ ان نئے مطالب کو پچھلی تاریخ اسلام میں مفقود البیان بتائے تو پھر سوال کیجئے کہ کیا تمہارے خیال میں قرآن اتنا عرصہ ایک مُردہ کتاب رہی اور تاریخ کے ان دوروں میں اس میں تحریف معنوی چلتی رہی؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ پورے عالم اسلام میں قرآن کے کسی حصے کی صحیح تعبیر کسی ایک مدت تک کلیۃً مفقود رہے؟ اس صورت میں کہنا پڑے گا کہ قرآن کریم کی ابدی حفاظت کا اعلان بالکل غلط اور بے معنی ہے یا کہ قرآن صرف نقوش کتابیہ کا نام ہے معانی اور مطالب مفہوم قرآنیت سے خارج ہیں۔ (معاذاللہ)

یاد رکھیئے اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور تاریخ کے ہر دور میں اس کی زندگی ضروری ہے قرآن پاک کی اَبدی حفاظت خود رب العزت نے اپنے ذمّے لے لی ہے اس کے مبانی بھی محفوظ ہیں اور معانی بھی۔ ان میں تحریف کی کوشش کرنے والے خود تو محرّف قرآن ہیں لیکن قرآن ہرگز محرّف نہیں وہ ایک زندہ کتاب ہے اور اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔

قرآن پر تحریف کا الزام
اور مخالفین کے مغالطہ انگیز سہارے

جن مخالفین اسلام نے مسلمانوں پر تحریفِ قرآن کا الزام لگایا ہے ان کے ترکش میں صرف تین قسم کے تیر ہیں جن میں سے کوئی بھی نشانے پر نہیں لگتا۔ انہوں نے تفسیری روایات اور ذخائر حدیث سے اب تک جو مواد جمع کیا ہے وہ ان تین انواع سے خارج نہیں۔

1. تفسیری جملے
2. منسوخ التلاوت آیات
3. تعدد قرأت

ان کے سوا جو کچھ ہے اور وضاع و کذاب راویوں کے جھوٹ اور بہتانات ہیں جن

ملحدین کے عقیدے میں قرآن خود ایک غیر محفوظ کتاب تھی اور وہ موجودہ مرتب قرآن کو صحیفہ عثمانی کہہ کر محرف اور مبدل قرار دیتے تھے انہوں نے اپنے جرم میں دوسروں کو شریک کرنے کے لیے کچھ ایسی روایات ضرور گھڑ رکھی ہیں جو تحریف کا شبہ پیدا کریں لیکن ان راویوں کا کذب دزوران کا مسلک کھلنے سے پوری طرح عیاں ہو جاتا ہے عامۃ الورود روایات زیادہ تر انہی تین اقسام پر مشتمل ہیں۔

① تفسیری نوٹ

صحابہ کرام، ائمہ دین اور قدمائے مفسرین تقریباً سب کی زبان عربی تھی۔ قرآنی مطالب کے حل میں بھی وہ عربی سے ہی کام لیتے تھے اور اسی زبان میں قرآن کی تفسیر کی جاتی تھی۔ قرآن پاک کے ساتھ ساتھ بعض اوقات ان تفسیری جملوں notes کا سلسلہ بھی روایت ہوتا رہا۔ کتب حدیث و تفسیر میں کئی مقامات پر آیات قرآنیہ ان تفسیری جملوں کے ساتھ منقول ہیں جب یہ روایات قرآنی آیات سے کچھ مختلف نظر آتی ہیں تو مخالفین فوراً کہہ اٹھتے ہیں کہ دیکھو مسلم لٹریچر میں بھی تحریف قرآن کی روایات موجود ہیں عوام کو یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ یہ تفسیری جملے خود قرآن میں کیے گئے اضافے ہیں معاذ اللہ

② آیات منسوخ التلاوت

وہ آیات جنہیں آنحضرتؐ پر کچھ وقت کے لیے نازل کیا گیا اور اس وقت کے گزرنے پر وہ قرآن کی حیثیت سے باقی نہ رہی تھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر ہدایت اب ان کی تلاوت بھی باقی نہ رہی تھی۔ کتب حدیث و تفسیر میں کہیں ان کا ذکر مل جائے تو مخالفین ان کے سہارے قرآن کریم میں اشتباہ پیدا کرنے لگتے ہیں۔

ہمارا یہ دعوےٰ کہ قرآن کریم ہر طرح کی تبدیل و تحریف سے محفوظ ہے اس سے مراد وہ قرآن ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لیے چھوڑا اس کے بعد اس میں ذرہ بھر کمی بیشی نہیں ہوئی اور وہ ہمیشہ کے لیے ہر تحریف سے محفوظ ہے اس اعلان تحفظ کا یہ مطلب نہیں کہ نزول قرآن اور تکمیل شریعت کے دوران میں اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی کسی آیت کو منسوخ نہیں کیا۔ آنحضرتؐ نے باذن الٰہی قرآن پاک کو نزولی ترتیب سے اصولی ترتیب کی طرف لوٹایا منسوخ التلاوت آیات کو تلاوت اور

قرآنیت سے خارج کیا۔ ہاں اس آخری آسمانی کتاب نے جو آخری شکل پائی اور جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو الوداع کہا اب اس میں قیامت تک کے لیے کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی پہلے جو کچھ ہوتا رہا خود نبی کے ذریعہ ہوتا رہا اور باذن الٰہی ہوتا رہا کسی امتی کا دست تحریف اس آخری آسمانی کتاب کو کسی دور میں بھی نہیں چھو سکا۔ ان منسوخ التلاوت آیات کے ذریعے مسلمانوں کو تحریف قرآن کا الزام دینا کہاں کا فہم اور کہاں کی دیانت ہے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

③ تعدد قرأت

قرآن پاک کی سات قرأتوں کا مسئلہ احرف سبعہ کی بحث میں ہم نے تفصیل سے ذکر کر دیا ہے کہ قرآن پاک لغت قریش میں نازل ہوا تھا لیکن آنحضرتؐ نے تسہیل امر، وسعت عمل اور دوسرے قبیلوں کے لہجہ و محاورہ کا پاس کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اس میں کچھ وسعت چاہی تھی۔

اقرأنی جبریل علی حرف فراجعتہ فلم ازل استزیدہ ویزیدنی حتی انتھی الی سبعۃ احرف۔[1]

ترجمہ۔ جبریل نے قرآن مجھے ایک ہی حرف پر پڑھایا تھا میں نے اس کی طرف مراجعت کی اور وسعت طلب کی وہ اور قرأت لاتے رہے اور یہ سلسلہ سات قرأتوں تک پہنچا۔

قرآن پاک ان سات قرأتوں میں سے کسی قرأت پر بھی پڑھ لیا جائے تو اس کی تلاوت پوری ہو جاتی ہے اور شریعت مطہرہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ رحمۃ للعالمین کی رحمت اور رأفت کی انتہا ہے کہ اس باب میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اتنی وسعت سے سرفراز کیا۔ ہاں مصحف میں مرکزی قرأت اب ایک ہی ہے۔

اس اجازت اور اختلاف قراآت کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن پاک کی اس پہلی قرأت کا کسی کو انکار ہے یا اس میں تشکیک کے کانٹے ہیں (معاذ اللہ) یہ سب قراآت آسمانی ہیں اور خود آنحضرتؐ سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا دوسری کا انکار نہیں نہ اس پہلی ٹکسالی

---

[1] مشکوٰۃ صد ۱۹۲ دہلی

قرأت سے فرار ہے اور نہ اس سلسلہ وسعت سے قرآن کی قرآنیت مخدوش ہوتی ہے۔ ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ یہ سات قرائتیں دین میں ایک ہیں ان کا حلال و حرام میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔۔

کتب حدیث و تفسیر میں اگر کہیں کوئی مختلف قرأت منقول ہوتی ہے تو مخالفین اسے الزام تحریف کے لیے ایک سہارا بنا لیتے ہیں حالانکہ اختلاف قرأت سے تحریف ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔

تحریف کا الزام دینے والوں کی خدمت میں آخری فیصلہ کُن گذارش

پُورے اسلامی لٹریچر اور سوادِ اعظم کے ذخیرہ حدیث و تفسیر میں سے ایک روایت یا ایک عبارت ہی ایسی پیش کیجیے:۔

(۱) جس کی نقل وضاع و کذاب قسم کے ناقلین کے ذریعے سے نہ ہو۔

(۲) اس روایت یا عبارت میں تفسیری جملے کا احتمال نہ ہو۔

(۳) وہ عبارت، نہ منسوخ التلاوت ہو نہ اس میں اختلاف قرأت ہو۔ بلکہ اس میں اس طرح کی تصریح ہو کہ:۔

(۱) یہ آیت اس طرح نہیں جیسا کہ پڑھی جاتی ہے بلکہ یہ تو اس طرح نازل ہوئی تھی۔ اس قسم کے الفاظ سے اس میں واقعی تحریف کا اقرار سمجھا جائے گا۔

(۲) عبارت میں وہ کمی بیشی اُمت کے ہاتھوں واقع ہونے کی صراحت ہو وہ عہدِ نبوت سے ماثور نہ ہو۔

(۳) وہ عبارت قرآنی مسئلے کا رُخ بدل دے اور اس کے راویوں کے ہاں اہل تواتر کسی جھوٹ پر جمع ہو سکتے ہوں۔

تحفّظ قرآن کے عملی اسباب

یُوں تو قرآن عزیز کی ابدی حفاظت کے خود رب العزت کفیل ہیں لیکن خدائے رب العزت نے عالم محسوسات میں اس کے کچھ عملی اسباب بھی پیدا فرمائے جن نفوسِ قدسیہ کو یہ توفیق حاصل ہوئی

کہ وہ تحفظ قرآن کے عملی وسائل بنیں وہ سب اس باب میں اللہ تعالیٰ کے نائبین ہیں اصالۃً قرآن کا تحفظ رب العزت کر رہے ہیں اور نیابۃً یہ حضرات قدسی صفات اس تحفظ قرآن کے عملی اسباب ہیں۔

(۱) حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرتؐ کے زمانے کی تمام قرآنی دستاویزات کو جو اس وقت تک متعدد صورتوں میں تھیں بڑے اہتمام سے یکجا کرایا نئے سرے سے لکھوایا اور قرآن پاک آنحضرتؐ کی اختیار کردہ ترتیب کے مطابق یکجا جمع ہو گیا۔

(۲) حضرت فاروق اعظمؓ نے قلمرو اسلامیہ میں تعلیم قرآن کا پورا اہتمام فرمایا ہر جگہ قاری اور معلمین بھجوائے اور تراویح کی مختلف جماعات کو ایک مرکزی جماعت پر جمع کر کے حفظ قرآن کا عالمگیر سنگِ بنیاد رکھا۔ پوری دنیائے عظیم اس تحفظ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

(۳) حضرت عثمان غنیؓ نے عہدِ صدیقی کے جمع کردہ قرآن کی متعدد نقلیں کرا کر سرکاری اہتمام سے اطراف بلاد میں بھجوا دیں اور ان کے سوا غیر مصدقہ نقول کو شائع نہ رہنے دیا مخلوط عبارات سب ضائع کر دیں گئیں اور قرآن ہر مرحلہ اشتباہ سے محفوظ ہو گیا۔

(۴) حضرت علی المرتضیٰؓ نے قرآن کی معنوی حفاظت کے لیے قرآن کی معنوی تحریف کرنے والے خوارج کے ساتھ جہاد کیا اور اس بات کی بنیاد رکھی کہ کلمہ پڑھنے والے بھی اگر تحریف معنوی کریں تو ان سے جہاد کیا جا سکتا ہے۔[۱]

(۵) حضرت زید بن ثابتؓ آنحضرتؐ کے زمانے میں کاتب وحی عہد صدیقی میں جامع قرآن عہد فاروقی میں معلم قرآن اور عہد عثمانی میں قرآن کریم کے ناقل اور ناشر تھے۔ تحفظ قرآن کا عملی مرکز انہی کی ذات والا صفات ہے۔

پھر علوم قرآنی کے تحفظ میں رب العزت نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور دوسرے کئی بزرگوں سے بیش بہا

---

[۱] آنحضرتؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں یہ پیشگوئی فرمائی تھی۔ ان منکم من یقاتل علی تاویل هٰذا القرآن کما قاتلت علیٰ تنزیله (مسند احمد جلد ۳ صد ۸۲ بحاشیہ کنز العمال) ترجمہ۔ بے شک تم میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو قرآن کے معانی کے لیے اسی طرح جہاد کریں گے جس طرح میں قرآن پاک کی تنزیل کے لیے جہاد کرتا رہا۔

خدمات لیں. فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

ان نفوسِ قدسیہ کے بعد تحفظ قرآن کا یہ سلسلہ باعتبار معانی اور باعتبار مبانی ہر اعتبار سے برابر چلتا آرہا ہے اور آج بھی حفاظ کرام نیابتِ خداوندی میں تحفظ قرآن کی عملی خدمت سرانجام دے رہے ہیں علمائے حق اس کے مطالب و معانی کی خدمت کر رہے ہیں اور حفاظتِ قرآن کا یہ سلسلہ انشاء اللہ العزیز اسی طرح قیامت تک چلتا رہے گا یہ سب خدامِ قرآن نائبین ذاتِ باری ہیں۔

فقہائے اسلام نے لکھا ہے کہ حفظِ قرآن امت پر فرض کفایہ ہے. ہر علاقہ میں اگر کچھ لوگ بھی قرآن پاک حفظ کرتے رہیں. تو وہاں کے سب مسلمان اس فریضہ شرعی سے سبکدوش سمجھے جائیں گے اور اگر کسی علاقے میں کوئی بھی حافظ قرآن نہ ہو تو پھر وہاں کی پوری مسلم آبادی گناہگار ہوگی اور سب پر ترکِ فریضہ کا عملی بار آئے گا. بلکہ علامہ زرکشی سے ملّا علی قاری نقل کرتے ہیں کہ جس شہر یا گاؤں میں کوئی قرآن کا حافظ نہ ہو وہاں کے رہنے والے سب گنہگار ہوں گے الّا یہ کہ وہ وہاں سے ہجرت کر جائیں.

حفظ القرآن فرض کفاية. [۱]

ترجمہ. قرآن کا حفظ کرنا امت پر فرض کفایہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظ قرآن کی احادیث کے پیشِ نظر قرآن بھولنے کو سب سے بڑا گناہ فرمایا ہے. آپ اپنا ایک مکاشفہ اس طرح بیان کرتے ہیں :۔

عرضت علی ذنوب امتی فلم ارذنباً اعظم من القران او اٰية اوتيها رجل ثم نسيها. [۲]

ترجمہ. مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد کر کے بھلا دے۔

اور حضورؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا :۔

الذی يقرأ القران وماهر به مع السفرة الكرام البررة والذی يقرأه وهو شديد عليه له اجران. [۳]

---

[۱] شامی جلد ۱ ص ۲۹ [۲] ترمذی جلد ۲ ص ۱۱۳ لکھنؤ وفی اسناده استغراب فان المطلب بن عبد الله لم يثبت له سماع عن النبیؐ [۳] ترمذی عن عائشہؓ و ابن ماجہ ص ۲۷۶

ترجمہ جو شخص قرآن پڑھنے میں ماہر ہو جائے تو وہ قرآن پاک پہنچانے والے نیک اور بزرگ سفیروں کے ساتھ ہوگا اور جس شخص کو قرآن پڑھنے میں مشقت ہوتی ہو اور پھر بھی پڑھتا رہے اُسے دُگنا اجر ہے۔

حاصل اینکہ قرآن پاک پڑھنا ہرگز نہ چھوڑا جائے اس کی تلاوت اور قرأت سے ہر علاقے میں زبانیں تر رہنی چاہیئیں جنہیں اس کے حفظ کرنے کی توفیق میسر ہوئی وہ اس یاد کو محفوظ رکھنے میں پوری محنت سے کام لیں۔ حفاظتِ قرآن کے یہ کام نیابتِ خداوندی میں امت کے سپرد ہیں کیونکہ اس عالمی آخری آسمانی کتاب کی اَبدی حفاظت کا خود رب العزت نے تکفل فرمایا ہے۔

حفظ القرآن

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :-

دنیائے علم میں الفاظ وہ قالب (ڈھانچے) ہیں جن میں معانی محفوظ کیے جاتے ہیں. لفظ وہ ڈبیہ ہے جس میں معنی حفاظت پاتا ہے انسانی زندگی میں اصل معانی ہیں جن کا لین دین الفاظ کے پیمانوں سے ہوتا ہے یہاں بات کو اہمیت دی جاتی ہے اس کے پیمانے کو چنداں قابلِ حفاظت نہیں سمجھا جاتا. خط آتا ہے ہم اسے پڑھتے ہیں بات معلوم ہوگئی اور بس — پھر ضروری نہیں کہ اس خط کی حفاظت کی جائے اصل چیز معنی و مفہوم تھا وہ حاصل ہو گیا. الفاظ اس کے تابع سمجھے جاتے ہیں ان کی زیادہ فکر نہیں کی جاتی.

دنیا میں صرف قرآن ایسی کتاب ہے جس کے معانی و مطالب کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ کی بھی تلاوت جاری ہوئی. اس کے معانی و مطالب (دعوتِ عمل دعمل کا پیغام) ہیں تو اس کے الفاظ بھی اتنے متبرک اور مقدس ہیں کہ ان کا پڑھنا بھی ایک مستقل عمل ہے اور یہ عبادت ہے اور اس پہ ثواب مرتب ہوتا ہے اور عمل کی تو آگے شان ہی کیا ہے — گویا قرآن صرف ایک ہدایت نامہ نہیں، ایک مقدس کلام بھی ہے جس کی مسلمانوں میں تلاوت جاری ہوئی. قاریوں نے اس کے مخارج کا حق ادا کیا اور علماء نے اس کے گرد اس کے مطالب کی حفاظت کا پہرہ دیا. دنیا میں اور کوئی کتاب ایسی نہیں جس کی تلاوت اس طرح جاری ہوئی ہو. جو اس کو محنت اور صفائی سے پڑھتے ہیں وہ اس کے ماہرین ہیں اور جو اسے زبانی یاد کرتے ہیں یا ہر وقت اسے اپنے ساتھ رکھتے ہیں وہ حملۃ القرآن ہیں اس کے حامل ہیں الفاظ کی اس محنت کے سبب قرآن پاک کی اَبدی حفاظت کا الٰہی وعدہ پورا ہو رہا ہے. اللہ تعالیٰ نے اس لاریب کتاب کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے لیکن وہ یہ کام حفاظ کرام سے لے رہے ہیں. یہ وہ سعادت مند لوگ ہیں جن کے عمل سے قرآن کی حفاظت کا الٰہی وعدہ پورا ہو رہا ہے.

قرآن کریم میں جس طرح علماء کا ذکر ہے شہداء کا ذکر ہے حافظوں کا اس طرح کہیں صراحت سے ذکر نہیں ملتا — علماء نے اس سلسلہ میں جو آیات پیش کی ہیں وہ زیادہ تر علم سے متعلق ہیں حفظ سے نہیں مثلاً

یہ کہ یہ کتاب اہلِ علم کے سینوں میں محفوظ ہے۔

بل ھو اٰیات بیّنات فی صدور الذین اوتوا العلم۔

اس میں قرآن کریم کے علم کی حفاظت مذکور ہے گو اس کے الفاظ کی بھی حفاظت ساتھ ہو کسی نے اسے آدھا کر لیا ہو یا کم و بیش۔۔۔ اب یہ کہ سارا قرآن لوگوں کے سینہ میں محفوظ ہو اس پر اس کی دلالت واضح نہیں۔ گو یہ قرآن کی ابدی حفاظت کا ایک انداز ضرور ہے ۔۔۔ مجموعی طور پر جسے حافظ کہتے ہیں اس کا ذکر قرآن کریم میں کہیں نہیں ملتا۔

قرآن کریم میں جہاں کہیں تلاوت کا ذکر ہے اس میں دونوں صورتیں آجاتی ہیں۔ زبانی تلاوت اور دیکھ کر تلاوت ۔۔۔ تلاوت بہر حال تلاوت ہے اور یہ اس بات کی شہادت ہے کہ قرآن کریم صرف ایک ذخیرہ علم یا دعوتِ عمل ہی نہیں یہ کلام مقدس ہے اور محض اس کی تلاوت بھی موجب اجر اور مستوجب ثواب ہے۔

حدیث میں ان لوگوں کے لیے جو زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھنے میں لگے ہوں یا اس کے سمجھنے میں محنت کر رہے ہیں اہل القرآن بھی کہا گیا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح حدیث پڑھنے پڑھانے والے لوگوں کو اہلحدیث کہا جاتا رہا اور تفسیر پڑھنے پڑھانے والے اہل تفسیر کہلاتے رہے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ حفاظِ کرام بھی اس صف میں (اہلِ قرآن کی صف میں) داخل ہیں ۔۔۔ اسی طرح ماہر بالقرآن سے بھی اچھی طرح قرآن پڑھنے والا مراد ہے، وہ دیکھ کر پڑھے یا یاد سے پڑھنے والا ہو دونوں اس میں آجاتے ہیں۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الماھر بالقران مع السفرة الکرام والذی یتعتع فیه وھو علیه شاق له اجران

متفق علیه[1]

ترجمہ: قرآن کریم پڑھنے میں مہارت رکھنے والا قرآن لانے والے فرشتوں کے ساتھ جگہ پائے گا اور جو شخص اس میں لکنت کرے اور اس کا پڑھنا اس پر گراں ہو پھر بھی وہ پڑھے تو اسے دو اجر ملیں گے۔

---

[1] مسلم ۱۳۲۹ ، ابن ماجہ ۳۸۶۹

قرآن میں حفظِ قرآن کے لیے جمع قرآن کے الفاظ

قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کے بارے میں تسلی دی گئی کہ اس کا آپ کے سینے میں جمع کرنا اور پھر اسے آپ کی زبان سے پڑھوانا یہ سب ہمارے ذمہ ہے۔ ارشاد ہوا:-

ان علینا جمعه و قرانه۔ (پ۲۹ القیامہ ۱۷)

ترجمہ: ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا اور پڑھانا (تیری زبان سے)

حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:-

جمع اللہ فی صدرك۔ اللہ تعالیٰ اسے آپ کے سینہ میں جمع فرمائیں گے۔

یہ قرآن کریم کا آپ کے حفظ میں آنا ہے سو قرآن کے پہلے حافظ آپ ہوئے۔ پھر آپ سے جمع قرآن کا یہ سلسلہ آگے چلا۔ مفسر قرآن حضرت قتادہؒ کہتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا۔

من جمع القرآن علی عهد النبی صلی اللہ علیه وسلم۔

حضورؐ کے زمانہ میں کس کس نے یاد کیا ہوا تھا۔

انہوں نے فرمایا:-

اربعة كلهم من الانصار ابی بن كعب معاذ بن جبل و زید بن ثابت وابو زید۔[1]

ترجمہ: چار آدمیوں نے اور وہ چاروں انصار میں سے تھے

حضرت انسؓ سے ثمامہ نے جو چار نام نقل کیے ہیں ان میں حضرت ابی بن کعبؓ کی بجائے حضرت ابوالدرداءؓ کا نام ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں چار کا عدد حصر کے لیے نہیں متعدد حضرات حضورؐ کے عہد میں حافظ قرآن ہو چکے تھے۔ ان دنوں حفظِ قرآن کے لیے عام جمع کا لفظ ہی استعمال ہوتا تھا۔

حدیث میں حافظِ قرآن کے لیے کیا الفاظ ہیں؟

حدیث میں حافظ قرآن کے لیے حامل القرآن کے الفاظ ملتے ہیں گو اس کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۴۸

ہے کہ جو قرآن کریم کو ساتھ ساتھ اُٹھائے پھرے لیکن یہ صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی نہ ابھی قرآن کریم ایک جگہ جمع ہوا تھا ہاں حافظ قرآن ضرور موجود تھے اور ان کے لیے صحیح بخاری میں جمع قرآن کے الفاظ ہی ملتے ہیں۔ صحیح بخاری جلد ۲ ص۷۴۸ میں ہے :۔

لم یجمع القرآن غیر اربعة۔

ترجمہ: چار شخصوں کے سوا کوئی پورا قرآن یاد نہ کر پایا تھا۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

من جمع القرآن متعه الله بعقله حتی یموت۔ [۱]

ترجمہ: جس نے پورا قرآن یاد کرلیا اللہ تعالیٰ اس کے حواس آخر زندگی تک قائم رکھیں گے۔

ہاں اُس دور میں حافظ قرآن کے لیے حاملِ قرآن الفاظ بھی عام ملتے ہیں اور یہ صرف انہی لوگوں پر آسکتے تھے جنہوں نے قرآن کریم کو اپنے سینوں میں اُٹھا رکھا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا :۔

حملة القرآن اولیاء الله فمن عاداهم فقد عادی الله ومن والاهم فقد والی الله۔ [۲]

ترجمہ: قرآن کریم کو اُٹھانے والے اللہ کے دوست ہیں جس نے ان سے عداوت رکھی اس نے اللہ سے عداوت کی اور جس نے ان سے محبّت کی بے شک اُس نے اللہ سے محبّت کی۔

اور آپ نے حضورؐ سے یہ بھی نقل فرمایا :۔

ان الله لیغضب فتسلم لملئکة لغضبه فاذا نظر الی حملة القرآن تملأ رضی۔ [۳]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کبھی حالتِ غضب میں ہوتے ہیں اور فرشتے اس کے غضب سے دَب جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ حملة القرآن کو دیکھتے ہیں تو وہ فضا کو رضاء الٰہی سے بھر دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :۔

---

[۱] کنز العمال جلد ۱ ص۵۱۸ [۲] رواہ ابو نعیم باسناد ضعیف [۳] رواہ الدیلمی بسند ضعیف

اشراف امتی حملۃ القرآن واصحاب اللیل رواہ الطبرانی[1]

ترجمہ: میری امت میں بڑے لوگ حملۃ القرآن ہیں اور وہ لوگ جو رات بھر عبادت میں لگے رہتے ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:۔

طوبی لاجواف تحمل ھذا وطوبی لالسنۃ تنطق بھذا[2]

ترجمہ: خوشخبری ہے ان سینوں کے لیے جو قرآن کو اٹھائیں اور ان زبانوں کے لیے جو اسے پڑھیں۔

یہاں بھی تحمل ہذا کے الفاظ ہیں حفظ کے نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک سیراب کرنے والی نہر ہے جسے ریان کہتے ہیں اس نہر پر ایک شہر آباد ہے جس کے ستر ہزار دروازے سونے اور چاندی کے ہیں۔ یہ کس لیے ہے؟ لحامل القرآن۔ قرآن کریم اٹھانے والے کے لیے۔[3]

یہ شہر سب حفاظ کرام کی آرام گاہ ہوگا یا ایک ایک حافظ کے لیے یہ پورے شہر کی وسعت ہوگی، یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

حفظِ قرآن کی محنت اپنے تاریخی تسلسل میں

پہلے حافظ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ کے سینہ میں خود اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو بٹھایا پھر اللہ رب العزت کی طرف سے جبریل ہر سال آپ کے ساتھ قرآن کریم کا دَور کرتے تھے اس سے قرآن کریم اپنی اصلی ترتیب پر آجاتا۔ اور یہ دوسری ترتیب صرف ترتیب رسولی نہ رہتی بلکہ اسے توقیفی توثیق ملتی۔

آنحضرتؐ نے پھر اپنی امت کو بھی حفظ قرآن کی ترغیب دی اور اس کی ترغیب بلطائف الطرق صحابہؓ کے دلوں میں اُتاری۔ یہاں تک کہ حفظِ قرآن علوم اسلامی کا ایک اہم موضوع بن گیا اور اب ہم دیکھتے ہیں کہ مسلم دُنیا کا کوئی کنارہ ایسا نہیں جہاں حفاظِ کرام کی اچھی خاصی تعداد ہر دور میں نہ ملتی رہی ہو۔

---

[1] مجمع الزوائد جلد ۷، صہ ۱۶۱ [2] رواہ الدارمی والطبرانی والبیہقی [3] رواہ الترمذی جلد ا صہ ۱۱۹

آنحضرتؐ کی قرآن یاد رکھنے کی عام ترغیبات

(۱) حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انما مثل صاحب القرآن کمثل صاحب الابل المعقلة ان عاهد علیها امسکها وان اطلقها ذهبت۔[۱]

ترجمہ: حافظ قرآن کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اونٹ باندھ رکھے ہوں۔ اگر ان کی نگرانی رکھے گا تو وہ انہیں رکھ سکے گا اور اگر انہیں چھوڑ دے تو وہ بھاگ جائیں گے۔

اس میں آپ حافظ قرآن کو اس طرف متوجہ کر رہے ہیں کہ قرآن کو پابندی سے پڑھتے رہو گے تو یہ یاد رہے گا ورنہ بھول جاؤ گے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو حفظِ قرآن کی کتنی فکر تھی اور نہ چاہتے تھے کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی آیت یاد کر کے پھر اسے بھلا دے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

فاستذکروا القرآن فانه اشد تفصیا من صدور الرجال من النعم رواه البخاری[۲]

ترجمہ: قرآن کریم کو خوب یاد رکھو وہ انسانوں کے سینوں سے اس سے زیادہ جلدی جاتا ہے جتنا اونٹ جلدی سے بھاگتے ہیں۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے یاد حصے کو مال کا درجہ بھی دیا۔ ایک شخص شادی کا طالب تھا اس کے پاس ادائے مہر کے لیے کوئی چیز نہ تھی۔ آپ نے اس سے پوچھا:

ماذا معک من القرآن؟

تجھے قرآن کی کچھ سورتیں یاد ہیں؟

اس نے کہا ہاں فلاں فلاں سورتیں مجھے آتی ہیں۔ آپ نے مزید پوچھا:۔

اتقرؤهن عن ظهر قلبك قال نعم قال اذهب فقد ملکتها بما معک من القرآن[۳]

ترجمہ: کیا تو انہیں اپنی یاد سے پڑھتا ہے اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا جا میں نے

---

[۱] رواہ البخاری جلد ۲ صفحہ ۷۵۲ [۲] رواہ البخاری [۳] بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۵۲

وہ عورت اس یاد قرآن کے عوض تیرے نکاح میں دی۔

اب یہ اس کے ذمہ ہوا کہ وہ اپنی اس بیوی کو قرآن کی یہ سورتیں پڑھائے۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ حضورؐ نے قرآن یاد کرنے کو کتنی اہمیت دی ہے۔ آپ کو اس بات کی بہت فکر رہتی تھی کہ مسلمانوں سے جہاں تک ہو سکے وہ زیادہ سے زیادہ قرآن یاد کر سکیں۔

(۴) حضرت موسیٰ الاشعریؓ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

تعاهدوا القرآن فوالذی نفسی بیده فهو اشد تفصیا من الابل فی عقلها [۱]

ترجمہ: قرآن کو پوری توجہ سے پڑھتے رہو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اونٹ اپنی رسیوں سے اتنا تیز نہیں بھاگتا جتنا قرآن بے پرواہی سے جلد بھول جاتا ہے۔

(۵) حضرت علی المرتضیٰؓ کہتے ہیں:۔

من قرأ القرآن فاستظهره فاحل حلاله وحرم حرامه ادخله الجنة وشفعه فی عشرة من اهل بیته كلهم قد وجبت له النار [۲]

ترجمہ: جس نے قرآن پڑھا اور اسے ظاہر سے یاد رکھا اس کے حلال کو حلال جانا اور اس کے حرام کو حرام سمجھا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخلہ دیں گے اور اسے اپنے گھر کے ان دس افراد کے لیے حق شفاعت دیں گے جن پر جہنم واجب ہو چکی ہو۔

استظهر کا معنی ہے حفظ عن ظهر قلبه۔ اقرب الموارد میں اس کے معنی دیئے گئے ہیں:۔

استظهر القرآن حفظه وقرأه ظاهرًا ای حفظًا بلا كتاب [۳]

اس سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم پڑھنے کو کتنی اہمیت دی۔ یہ آپ کی طرف سے قرآن یاد کرنے کی ترغیبات ہیں۔ امام بخاری نے اس مضمون پر یہ باب باندھا ہے:۔

باب القرأة عن ظهر القلب۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم بلا کتاب پڑھنے میں جو فضیلت ہے وہ اس محنت کی ہے جو حافظ قرآن کے یاد رکھنے کے لیے کرتا ہے لیکن جہاں تک مطلق قرأت کا تعلق ہے اس میں دیکھ کر پڑھنا اپنی آنکھوں

---

[۱] متفق علیہ [۲] رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ [۳] اقرب الموارد فی فصح العربیۃ والشوارد صد ۷۳۳

کو بھی اس سے منور کرنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

قرأۃ الرجل القرآن فی غیر المصحف الف درجۃ وقرأتہ فی المصحف
تضعیف علی ذالک الفی درجۃ۔[۱]

ترجمہ۔ بندے کا قرآن بغیر دیکھے پڑھنا ایک ہزار درجہ کی فضیلت رکھتا ہے اور اس کا دیکھ کر پڑھنا دو ہزار درجے کا اضافہ کرتا ہے

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے ہیں مے اس سے بڑا کوئی اور گناہ نہ پایا کہ کوئی شخص قرآن کا کوئی حصہ یاد کرے اور پھر اسے بھلا دے۔

عرضت علی ذنوب امتی فلم ارذنباً اعظم من سورۃ القرآن اوآیۃ
اوتیھا رجل ثم نسیھا۔[۲]

ترجمہ۔ مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے میں نے اس سے بڑا گناہ نہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی سورت یا آیت جو اسے آتی تھی بھلا دے۔

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ما من احدٍ تعلّم القرآن ثم نسی الا لقی اللّٰہ یوم القیٰمۃ اجذم۔[۳]

ترجمہ۔ کوئی ایسا نہیں جس نے قرآن سیکھا اور پھر اسے بھلا دیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور مجذوم بن کر آئے گا۔

پھر آپ کا نمازوں میں لمبی لمبی سورتیں پڑھنا اس امت کے ذوقِ حفظ کا پتہ دیتا ہے۔ قرآن کریم نماز کے اندر پڑھا جائے تو اس کا ثواب نماز سے باہر پڑھنے سے کہیں زیادہ ہوگا۔ اس میں بھی اس بات کی ترغیب ہے کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ حفظ قرآن کی دولت پائیں۔ آپ نے فرمایا:۔

قرأۃ الرجل فی الصلوٰۃ افضل من قرأۃ القرآن فی غیر الصلوٰۃ وقرأۃ القرآن
فی غیر الصلوٰۃ افضل من التسبیح والتکبیر۔[۴]

ترجمہ۔ آدمی کا نماز میں قرآن پڑھنا نماز سے باہر قرآن پڑھنے سے کہیں زیادہ افضل ہے اور نماز سے باہر قرآن پڑھنا تسبیحات اور تکبیرات سے زیادہ افضل ہے۔

---

[۱] رواہ البیہقی فی شعب الایمان [۲] جامع ترمذی جلد ۲ صہ ۱۱۹ [۳] رواہ مسلم والدارمی وابوداؤد جلد ا صہ ا [۴] رواہ البیہقی و الدارقطنی

حروفِ مقطعات پر بھی ثواب کا کھلا وعدہ ہے

معنی الفاظ کے ہوتے ہیں حروف کے نہیں الفاظ حروفِ مؤلفہ ہیں اور یہ جُڑ کر پڑھے جاتے ہیں حروفِ مقطعات علیحدہ علیحدہ پڑھے جاتے ہیں ملا کر نہیں جیسے الف لام میم انہیں الم نہیں پڑھا جاتا۔ اگر انہیں الم پڑھیں تو یہ حروفِ مؤلفہ ہو جائیں گے حروفِ مقطعات نہ رہیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من قرأ حرفًا من كتاب الله فله به حسنة والحسنة بعشر امثالها. لا اقول الم حرف الف حرف ولام حرف وميم حرف [1]

ترجمہ: جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا (گو حرف کے کوئی معنی نہیں ہوتے) اسے اس پر ایک نیکی کا ثواب ملے گا اور ایک نیکی اپنے سے دس گنا ثواب بھی لاتی ہے
میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم بھی ایک حرف ہے
سو الم پڑھنے پر تین نیکیاں ملیں گی۔

قرآن کی تلاوت محض معانی کے لیے نہیں اسکے کلمات کا زبان پر لانا بھی ثواب ہے۔

مغربی قوموں میں اکثریت عیسائیوں کی ہے عیسائی اپنی کتابوں کی اصل زبان کھو چکے ہوئے ہیں اب ان کے ہاں کام صرف تراجم سے چلتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں ان کی کتابوں کے الفاظ مقدس نہیں سو انہیں وہ کلام مقدس صرف معنوں کے پہلو سے کہتے ہیں الفاظ وکلمات کی جہت سے نہیں لیکن مسلمان اپنی کتاب کے اصل الفاظ اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں وہ عربی نہ بھی جانتے ہوں ان کے پاس عربی قرآن ضرور موجود ہوتا ہے۔ وہ جس ملک میں بھی جائیں قرآن ان کے پاس اپنی اصل زبان میں محفوظ ہوتا ہے۔

یہ مغربی قومیں چاہتی ہیں کہ مسلمان بھی کسی طرح اس موقف پر آجائیں کہ ان کے ہاں قرآن کے اصل الفاظ کا پہرہ باقی نہ رہے۔ مغرب زدہ مسلمانوں میں آج بھی کئی ایسے لوگ ملیں گے جو حفظِ قرآن کی محنت

---

[1] جامع ترمذی ص مستدرک کنزالعمال جلد ۱ ص۵۱۹

کے خلاف ہیں اور دینی مدارس کے خلاف وہ اس قسم کی باتیں کرتے عام سُنے جائیں گے مثلاً :-

(۱) جو لوگ قرآن پاک کے معنی نہیں جانتے اور وہ اس کے الفاظ طوطے کی طرح رٹتے ہیں اس کا کیا فائدہ؟ علمی کتابیں عمل کے لیے ہوتی ہیں انہیں سمجھ کر ان پر عمل کیا جاتا ہے مسلمانوں نے اس کے الفاظ رٹنے کو ہی بڑی نیکی بنالیا ہے؟

(۲) دُنیا میں کتابیں علم کا ذخیرہ ہیں. آپ اخبارات اور خطوط تو اس لیے پڑھتے ہیں کہ ان کی باتیں ہماری سمجھ میں آجائیں. تو یہ اللہ کی کتاب تمہارے ہاں اتنی اہمیت بھی نہیں رکھتی جتنی ان عام اخبارات اور مراسلات کی ہے؟

ہم جواباً کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن کریم کے معنی کی افادیت سے کب انکار کیا ہے؟ جو اسے سمجھ کر پڑھتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اس کے کیا کہنے ــ وہ اس علم و عمل سے ایک بڑی دولت پاگیا ــ لیکن اس سے انکار نہیں کرسکتے کہ اس کے الفاظ پڑھنا بھی ایک بہت بڑی دولت ہے اگر قرآن کریم کو بغیر سمجھے پڑھنا فضول ٹھہرے تو پھر تم اس بات پر آجاؤ گے کہ نماز بھی اسی زبان میں پڑھی جائے جس کو لوگ سمجھتے ہوں ــــ سو جب نماز عربی زبان سے خالی کرلی گئی تو پھر آہستہ آہستہ اسلام کے ایک بین الاقوامی دین ہونے کا تصور از خود باقی نہ رہے گا اور یہی یہ مغربی عوام چاہتے ہیں جن کے شکار ہوئے لوگ اب مسلمانوں میں یہ بات پھیلا رہے ہیں کہ جس بات کو سمجھا نہ جائے اس کے ذریعہ عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے. وہ یہ نہیں جانتے کہ قرآن پاک ایک مقدس کتاب ہے اس کے حروف و الفاظ اور کلمات سب مقدس ہیں. رمضان کے ختم تراویح میں اگر قرآن کا وہ حصہ پڑھا جاتا ہے جس کے معانی ہیں تو وہ بھی پڑھا جاتا ہے جو سرے سے الفاظ ہی نہیں حروف مقطعات ہیں.

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کتاب لاریب کے حروف و الفاظ میں تاثیرات بھی رکھ دی ہیں ان سے بڑے بڑے روحانی علاج بھی ہوتے ہیں اور وہ تاثیرات اس کے الفاظ کی ہوتی ہیں معانی کی نہیں. اس کی بحث علاج بالقرآن کے عنوان سے آگے کہیں آئے گی.

حفظ قرآن کا حسّی فائدہ

مسلمانوں میں انتظامی مسائل اور فقہی دلائل کے اعتبار سے اختلافات حضرت خاتم النبیین ؐ کی

وفات کے پچیس برس بعد ہی شروع ہو گئے. روایات کے اختلاف میں ہر ایک کی ترجیحات اپنی اپنی تھیں یہاں تک کہ حدیث کے ذخیرے بھی ایسے ایسے تیار ہوئے جس میں اپنے اپنے مکتبِ فکر کی آواز زیادہ سنائی دیتی ہے. امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) اور امام طحاوی (۳۲۱ھ) کی حدیث کی کتابیں سب کے سامنے ہیں. مؤطا امام مالک (۱۷۹ھ) اور کتاب الآثار امام محمد (۱۸۹ھ) اپنے اپنے افکار پر مرتب ہوئیں لیکن یہ حفظِ قرآن کی برکت ہے کہ مسلمانوں میں شدید ترین اختلافات کے باوجود قرآن پاک کا نسخہ ایک ہی رہا کسی فریق کو اس کی کوئی متوازی کاپی بنانے کی جرأت نہ ہوئی اور مسلمانوں میں ایک ہی قرآن موجود رہا — اگر کوئی ناہنجار اس کی کوئی دوسری کاپی پیش کرتا تو وہ اس کے پیچھے اس کے حفظ کی تاریخ کہیں سے نہ لا سکتا تھا. یہ حفظِ قرآن کی بدولت ہے کہ قرآن پاک چودہ سو سال کا فاصلہ طے کرنے کے بعد آج بھی ایک ہی ہے. اگر کسی یہودی صفت النسان نے روایات میں کوئی دوسرا قرآن تجویز کیا تو اس نے اسے کسی ویران غار میں جگہ دی پبلک کے سامنے وہ بھی اسے نہ لا سکا.

مسلمانوں نے یقین کی دولت قرآن سے ہی پائی

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اسلام پوری عقیدت سے آپ کے حاشیہ میں آ بیٹھنے کا ہی نام تھا. آپ کی وفات کے بعد ایسی مرکزیت کہ اس میں کسی کو کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ رہے قرآن پاک ہی میسّر کر سکتا تھا. مسلمانوں نے اس کی آیت آیت اور زیر وزبر کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا. امام نماز پڑھے اس میں غلطی کرے تو پچھلی صف سے لقموں کی صدائیں اٹھتی تھیں اور جب تک قرأت ہر شک اور شبہے سے صاف نہ ہو جائے نماز ادا نہ سمجھی جاتی تھی. احادیث میں اختلاف ہو سکتا تھا کہ یہ حضورؐ سے ثابت ہے یا نہیں. مسائل فقہ میں اختلاف ہوتا تھا کہ ان کا استخراج اور استنباط صحیح ہے یا نہ؟ لیکن قرآن پاک پوری امت میں ایک ایسا مرکزِ یقین تھا جس نے پوری امّت کو اپنے گرد جمع رکھا. یہ حفظِ قرآن کی محنت تھی جس نے قرآن کریم کو یہ درجہ یقین دیا کہ مسلمانوں کی جو عقیدت آنحضرت صلی اللہ علیہ علیہ وسلم سے تھی. آپ کے بعد قرآن کریم وہ مرکزِ عقیدت بنا جس سے مسلمانوں نے یقین کی دولت پائی اور وہ اسی یقین سے آگے چلتے رہے.

قرآن کریم زبانی یاد کرنے کے احادیث میں مختلف الفاظ

قرآن کریم زبانی یاد کرنے کے لیے حفظِ قرآن کے الفاظ احادیث میں بہت کم ملتے ہیں اور وہ احادیث بھی زیادہ تر نچلی کتابوں کی ہیں۔

(۱) تعلموا اللحن کما تتعلمون حفظه۔ (کنز العمال جلد ا صـ۶۱۱)

(۲) حفظ الغلام الصغیر کالنقش فی الحجر وحفظ الرجل بعد ما یکبر کالکتاب علی الماء۔

(کنز العمال جلد ا صـ۲۰۴)

ترجمہ: چھوٹے بچے کا قرآن کو حفظ کرنا ایسا ہے جیسے پتھر میں کوئی الفاظ نقش ہو جائیں اور بڑے کا یاد کرنا ایسا ہے جیسے پانی پر کوئی چیز لکھی جائے۔

حافظ کے لیے کہیں کہیں صاحب القرآن کے الفاظ بھی ملتے ہیں:

(۱) ان لصاحب القرآن عند کل ختمه دعوة مستجابة وشجرة فی الجنة۔ (جامع صغیر جلد ۲ صـ۵۰۵)

(۲) من دعا صاحب القرآن الی طعامه وسقاه من شرابه لفضل القرآن اعطاه الله عزّ وجل بکل حرف فی جوفه عشر حسنات۔ (رواه الدیلمی عن ابن عباسؓ)

(۳) انما مثل صاحب القرآن کمثل صاحب الابل المعلقة۔ (رواه البخاری جلد ۲ صـ۷۵۲)

(۴) لا ینبغی لصاحب القرآن ان یجد مع من جدّ ولا یجهل مع من یجهل وفی جوفه کلام الله۔ (رواه البیہقی والحاکم والطبرانی مجمع الزوائد جلد ۷ صـ۱۵۹)

حفاظ کرام کے لیے حامل قرآن اور حملۃ القرآن کے الفاظ عام ملتے ہیں مگر حافظ اسم فاعل کے صیغے میں ہمیں کہیں نہیں ملا:

(۱) لحامل القرآن دعوة مستجابة۔ (کنز العمال جلد ا صـ۵۱۷)

(۲) حملة القرآن هم المحفوفون برحمة الله۔ (تفسیر قرطبی جلد ا صـ۲۶)

(۳) فی الجنة نهر یقال له الریان... لحامل القرآن۔ (رواه ابن عساکر)

(۴) حامل القرآن حامل رایة الاسلام۔ (جامع صغیر جلد ۳ صـ۲۶۸)

(۵) اذا مات حامل القرآن اوحی الله الی الارض ان لا تاکلی لحمه۔ (کنز العمال جلد ا صـ۵۵۵)

(۶) ان حملة القرآن فی ظل اللہ یوم لا ظل الا ظله مع انبیاءه واصفیاءه۔ (جامع صغیر جلد ا ص ۲۲۵)

(۷) لحامل القرآن اذا عمل به شفع فی عشرة من اهل بیته (رواه احمد وابو داؤد وابن ماجه والطبرانی)

(۸) اکرموا حملة القرآن فمن اکرمهم فقد اکرمنی ..... فلا تنقصوا حملة القرآن حقوقهم ..... کاد حملة القرآن ان یکونوا انبیاء الا انهم لا یوحی الیهم۔ (رواه الدارقطنی)

(۹) یؤتی بحملة القرآن یوم القیٰمة فیقول عزوجل انتم وعاء کلامی اخذتم بما اخذ الانبیاء الا الوحی۔ (رواه الدیلمی)

(۱۰)

قرآن یاد کرنے والے کو حافظ نہ کہنے کی وجہ

قرآن کریم کا حافظ اللہ تعالیٰ ہے اور اس پر قرآن پاک کی نص وارد ہے سو اسی کو حافظ قرآن ہونے کی شان زیبا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظ کرام کو عام طور پر حملة القرآن کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے یہ آپ کا اللہ تعالیٰ کے حضور ادب کا ایک پیرایہ ہے کہ جو لفظ حقیقۃً اس کے لیے ہے آپ اسے اس کے بندوں پر اطلاق نہیں فرماتے اور اگر کہیں یہ ثابت بھی ہو جائے کہ آپ نے کسی کو حافظ (اسم فاعل کے صیغہ میں) کہا تو اس کی تاویل کی جائے گی کہ یہ لوگ ارادۂ الٰہی کے لیے بمنزلہ اسباب استعمال ہوئے ہیں۔

حافظ قرآن کے مختلف درجات

قرآن کریم یاد کرنے والوں کے مختلف درجات ہیں۔ ایک وہ جنہیں قرآن کریم دل میں حاضر ہو، وہ اسے عن ظہر قلب پڑھ سکیں۔ ایک وہ جنہیں پورا قرآن نہیں بیس بائیس پارے یاد ہوں، ایک وہ ہیں جنہیں چند سورتیں ہی یاد ہوں اور سورۂ فاتحہ کے حافظ تو سب مسلمان ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنا قرآن قرآن کسی کو زیادہ ہو اسی پیمانے پر اس کی عزت فرمائی ہے۔ مثلاً

(۱) جنگ احد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو دو شہیدوں کو ایک جگہ دفن کرنا چاہتے تھے اب کس مناسبت سے ایک کو دوسرے سے پہلے قبر میں اتارا جائے۔ آپ دریافت فرماتے ان میں

سے زیادہ قرآن کسے یاد تھا ؟ جواب ملنے پر آپ اسے مقدم کرتے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے :۔

ثم یقول ایہم اکثر اخذاً للقرآن فان اشیر الی احدھما قدمہ فی اللحد۔[1]

ترجمہ۔ پھر آپ پوچھتے ان میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد تھا۔ اگر آپ کو بتایا جاتا کہ اسے تو آپ اسے پہلے قبر میں اتارنے کا کہتے۔

جس کو کچھ بھی قرآن یاد نہ ہو اسے آپ نے ایک ویران گھر سے تشبیہ دی وہ بالکل حافظ قرآن نہیں جنت کے اپنے درجے میں جتنی قرآن کی آیات ہیں معلوم ہوا کہ جو پورے قرآن کے حافظ نہیں وہ اپنے درجے سے آگے نہ جا سکیں گے تاہم ہر ایک کو درجہ اپنے اپنے حفظ قرآن کے مطابق ملے گا۔ کبھی حافظ قرآن کا لفظ اس طرح بھی کہہ دیتے ہیں جیسے حدیث کے کثرت سے مطالعہ کرنے والے کو بھی حافظ الحدیث کہہ دیتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اسے ہر ایک حدیث یاد ہے۔ اس سیاق میں حضورؐ نے حملۃ القرآن کو بھی ذکر فرمایا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

الا ادلکم علی الخلفاء منی ومن اصحابی ومن الانبیاء من قبلی ؟ ھم حملۃ القرآن والاحادیث عنی وعنھم فی اللہ وللہ۔[2]

ترجمہ۔ کیا میں تمہیں اپنے اور صحابہؓ کے اور پہلے انبیاء کے جانشینوں کا پتہ نہ دوں ؟ وہ قرآن پاک کو اٹھانے والے اور احادیث کو اٹھانے والے اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا میں۔

پورے قرآن کے ختم کی فضیلت احادیث میں

(۱) اذا ختم العبد القرآن صلی علیہ عند ختمہ ستون الف ملک ۔ (کنز العمال صـ۱۵۱)

(۲) ومن شھد فتح القرآن فکانما شھد فتوح المسلمین حین تفتح ومن شھد ختم القرآن فکانما شھد الغنائم حین تقسم۔ (رواہ ابو الشیخ الدیلمی)

---

[1] کنز العمال جلد ا صـ۱۵۱

(۳) اذا ختم احدکم فلیقل اللّٰھمّ آنس وحشتی فی قبری۔ (کنز العمال جلد ا صفحہ ۲۰۷)

(۴) احب الاعمال الی اللہ الحال المرتحل الذی یضرب من اوّل القرآن الیٰ اٰخرہ کلما حل ارتحل۔ (رواہ الترمذی)

(۵) من ختم القرآن فلہ دعوۃ مستجابۃ۔ (رواہ الطبرانی مجمع الزوائد جلد ۷ صفحہ ۱۷۲)

(۶) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اذا قرأ قل اعوذ برب الناس افتتح من الحمد ثم قرأ من البقرۃ الیٰ واولٰئک ھم المفلحون ثم دعا بدعاء الختمۃ ثم قام۔

(رواہ الدارمی کذا فی الاتقان من علوم القرآن)

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کریم کی آخری سورت پڑھتے تو پھر قرآن کریم کو الحمد سے شروع کر دیتے اور پھر سورۃ البقرہ کی پہلی آیات اولٰئک ھم المفلحون تک پڑھتے۔ پھر آپ ختم قرآن کی دعا مانگتے اور پھر آپ تشریف لے جاتے۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ بات حضورؐ کے عہد میں ہی واضح اور طے تھی کہ قرآن کریم کی آخری سورۃ قل اعوذ برب الناس ہے اور قرآن کی ابتدا سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ بقرہ سے ہوتی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب حضورؐ کی اختیار کردہ تھی اور یہ کوئی ایسی ترتیب نہیں جو صحابہؓ کے ہاتھوں عمل میں آئی ہو۔ صحابہؓ نے اسے اسی ترتیب پر جمع کیا جو وہ حضورؐ سے سنتے تھے۔

یہ صحیح ہے کہ یہ ترتیب نزولی نہیں مگر اس میں بھی کسی شک کو راہ نہیں کہ یہ ترتیب رسولی ہے۔ یہاں یہ بات ضمناً وارد ہوئی ہے اس کی اصل بحث ترتیب القرآن کے عنوان سے پہلے ہو چکی ہے۔

ان احادیث میں قرآن پاک کو اسی ترتیب سے یاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جو حضورؐ نے اختیار فرمائی تھی اور اسی پر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

لسانُ القرآن

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

قرآن کریم ایک مخزن علم ہے اور ظاہر ہے کہ علم کی اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی اسے جس زبان میں لائیں یہ اس کا لباس پہن لیتا ہے قرآن کریم کے حقائق اور احکام ہر زبان میں لائے جاسکتے ہیں اور ہر زبان میں انہیں بیان کیا جاسکتا ہے اور دنیا کی کوئی زبان نہیں جس میں قرآن کریم کا ترجمہ موجود نہ ہو۔

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن کریم علاوہ اپنے حقائق ومعانی کے اپنے الفاظ میں بھی ایک معجزہ ہے اپنے خاص ادبی پیرایہ میں اپنے خاص اسلوب میں اپنی خاص ترتیب میں اور اپنی خاص لفظی حفاظت میں یہ شروع سے اقوام عالم کے سامنے ہمیشہ ایک چیلنج بن کر پیش ہوا ہے۔ اگر یہ انسانی کلام ہے تو تم بھی ایک اس جیسی سورت بنا لاؤ ــــ ایک اُمّی ایسی کتاب پیش کرے جس کا مقابلہ کسی شخص اور کسی قوم سے نہ ہوسکے تو ظاہر ہے کہ اس کی ضرور اپنی ایک زبان ہوگی اور اسے تاریخ کے کسی موڑ پر اس زبان سے الگ نہ کیا جاسکے گا مسلمان جہاں بھی ہوں اور جس زبان کے بھی ہوں وہ قرآن کریم کو ہمیشہ اس کی اپنی زبان میں لے کر چلیں گے اور یہ زبان ایک خاص خطہ ارضی کی ہی زبان نہیں وہ اسلام کی سرکاری زبان ہوگی اسے ہم یہاں لسان القرآن کے نام سے پیش کرتے ہیں۔

قرآن کریم ہمیشہ سے اپنے آپ کو قرآن عربی کے طور پر پیش کر رہا ہے اس کی کتابیت جہاں کہیں ظاہر ہوئی اس کی عربیت ساتھ ساتھ رہی اور عربیت بھی وہ جسے عربی مبین کہا گیا۔

قرآن کریم کا اپنے بارے میں دعویٰ کہ اس کی عربی زبان ہے

حٰمٓ ۝ والکتٰب المبین ۝ انا جعلناہ قرآنًا عربیًا لعلکم تعقلون ۝

(پ۲۵ الزخرف)

ترجمہ. قسم ہے اس واضح کتاب کی. ہم نے کیا ہے اسے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھو.

حٰمٓ. تنزیل من الرحمٰن الرحیم. کتاب فصّلت اٰیاته قراٰناً عربیًا لقوم یعلمون. (پ۲۴ حٰم سجدہ ۳)

ترجمہ. اتارا ہوا ہے بڑے مہربان رحم کرنے والے کی طرف سے. ایسی کتاب جس کی آیتیں کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں قرآن ہے عربی زبان کا ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں.

یہ ایک اُمّی کا کام نہیں اس کے پس پردہ کوئی اور ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا کوئی پردے کی بات نہ تھی اُونچے طبقہ کے سب لوگ (اشراف قریش) جانتے تھے کہ آپ نے کسی دوسرے انسان کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا اور نہ کہیں آپ نے کچھ لکھنے کی مشق کی ہے ایسا ہوتا تو بے شک ان کے لیے شک کرنے کی کچھ گنجائش تھی لیکن سب جانتے تھے کہ آپ اُمّی ہیں لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم آپ نے نہیں پائی.

ان حالات میں آپ نے دفعتًہ ایک ایسی کتاب لکھانی شروع کر دی جو عجیب و غریب مضامین پر مشتمل ہے اس کے حقائق آفاقی اور علوم جملہ کائنات کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں اور اس کی ہدایات جملہ بنی نوع انسان کے لیے ایک فطری لائحہ عمل ہیں اور وہ اس کتاب معجز کو ترتیب دے رہا ہے ان کی یہ بات قرآن کریم میں بھی اس طرح نقل کر دی گئی :-

ولقد نعلم انهم یقولون انما یعلمه بشر لسان الّذی یلحدون الیه اعجمی وهٰذا لسان عربی مبین. (پ۱۴ النحل ۱۰۳)

ترجمہ. اور ہم خوب جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسے تو کوئی اور شخص قرآن سکھا جاتا ہے. جس کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس کی تو زبان ہی عجمی ہے اور یہ قرآن عربی مبین میں ہے

اس کے نام میں اختلاف ہے جبر، یسار، عائش، یعیش کئی عجمی غلاموں کے نام

لیے گئے ہیں جن میں سے کوئی یہودی تھا کوئی نصرانی، تعجب ہے کہ اتنے قابل انسانوں کا تو نام بھی تاریخ نے پورے تیقن اور تعین کے ساتھ یاد نہ رکھا اور جو ان سے سیکھ کر محض نقل کر دیا کرتے تھے دنیا اُن کے قدموں پہ گر پڑی، حتیٰ کہ جنہوں نے ان کو نبی نہ مانا دنیا کا سب سے بڑا مصلح اور کامل انسان ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔ وہ لوگ قرآنی علوم و معارف کو آپ کی امیّت مسلّمہ سے تطبیق نہ دے سکتے تھے اسی لیے کہنا پڑتا تھا کہ کوئی دوسرا شخص آپ کو یہ باتیں سکھلا جاتا ہے بے شبہ آپ سکھلائے ہوئے تھے لیکن سکھلانے والا کوئی بشر نہ تھا وہ رب قدیر تھا۔ [1]

یہاں اُمّی کا معنی ان پڑھ کا نہیں آپ اسی طرح اپنی فطرت پر تھے گویا آج ماں نے جنم دیا ہو اور آپ کی یہ اُمیّت کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی آپ نے لکھنے کی کہیں مشق نہ کی تھی اور نہ لکھ سکتے تھے یہ وجہ تھی جس کے باعث ان مخالفوں نے یہ بات بنائی کہ آپ کے پسِ پردہ کوئی اور علمی شخصیت ہے۔ ایسی عظیم قابلیت رکھنے والا انسان ایسا صاحبِ نظر و بصیرت اور ایسا فاضل ادیب خطّہ حجاز میں کیسے چھپا رہ سکتا تھا؟ اور اس کی قابلیت کے یہ جوہر بدوں کسی تمہید و ارتقاء کے اس نقطہ کمال پر کیسے پہنچ گئے؟ یہ وہ سوالات تھے جو انہیں کسی عجمی شخصیت کی طرف اشارہ کرنے پر مجبور کرتے تھے اس کا جواب قرآن عزیز نے یہ دیا کہ قرآن تو عربی مبین ہے تم اسے کسی عجمی شخصیت کی طرف کیسے نسبت کر سکتے ہو۔

وانه لتنزيل رب العٰلمين ۔ نزل به الرّوح الامين ۔ علىٰ قلبك لتكون من المنذرين ۔ بلسان عربيّ مبين ۔ (پ ۱۹ الشعراء ۱۹۵)

ترجمہ۔ اور قرآن پروردگارِ عالم کا اُتارا ہوا ہے۔ اسے روحُ الامین آپ کے قلب پر لے کر اُترے ہیں تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ اُتارا ہے قرآن عربی مبین میں۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ :-

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر قرآنی علوم و معارف کے فقط معانی نہیں

---

[1] فوائد القرآن صد ۳۶۱

اُتارے گئے کہ پیغمبر نے انہیں آگے اپنے الفاظ کا جامہ پہنایا ہو بلکہ قرآن کی پوری عبارت آپ کے قلب مبارک پر اتاری جاتی تھی. اگر قرآن عزیز محض ایک القائی کتاب ہوتی تو اس کے نزول کے لیے کسی زبان کی تخصیص نہ ہوتی. زبان کا درجہ اسے نزول کے متصل نہیں بلکہ بعد میں ملتا. حقائق کے لیے کسی زبان کی تخصیص نہیں ہوتی انہیں جس زبان میں لائیں وہ اسی قالب میں اُتر آئیں گے علم کی اپنی کوئی زبان نہیں جیسے کہ زبان خود کوئی علم نہیں. قرآن پاک کا عربی مبین میں نازل ہونا اس امر کی کھلی شہادت ہے کہ یہ محض ایک القائی کتاب نہیں جیسا کہ مسیحی قومیں انجیل کے بارے میں گمان کرتی ہیں یہ ایک الہامی inspired کتاب ہے جس کی پوری عبارت خدا کی طرف سے ہے۔

(۲) قرآن کے لیے عربیت لازم ہے قرآن اسے ہی کہیں گے جو عربی میں ہو قرآن پڑھنا بھی وہی ہے جو عربی میں پڑھا جائے اور قرآن لکھنا بھی وہی ہوگا جو عربی میں لکھا جائے. قرآنیت عربیت کے بغیر متصور نہیں. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاصلوٰۃ الابقرآن کہ نماز قرآن کے بغیر نہیں ہوتی. تو نماز کی زبان بھی عربی ہی ہوگی کیونکہ قرآن عربی ہی میں پڑھا جا سکے گا ترجمہ قرآن تو قرآن نہیں سمجھا جاتا. اظہار، نورالانوار اور توضیح وغیرہ کتب اصول میں ہے :-

ھو اسم للنظم والمعنی جمیعًا.

ترجمہ. قرآن نام ہے ترتیب الفاظ اور معنی کے مجموعہ کا.

ترتیب الفاظ زبان کے بغیر ممکن نہیں جب قرآن پاک کے الفاظ ایک نظم اور ترتیب رکھتے تو ظاہر ہے کہ قرآن کی ایک اپنی زبان بھی ہوگی. قرآن کی یہ زبان عربی مبین ہے.

ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

ھو اسم للمنزّل باللفظ العربی المنظوم ھذا النظم الخاص المکتوب فی المصاحف المنقول الینا نقلاً متواترًا والاعجمی انما یسمی قرآنًا مجازًا ولذا یصح نفی اسم القرآن عنه [۱]

---

[۱] رد المحتار شامی جلد ۱ صـ۲۵۷

ترجمہ۔ قرآن اس کتاب کا نام ہے جو عربی لفظوں میں اس خاص نظم و ترتیب سے اتری جو ان صحیفوں میں ہے جو ہم تک پہنچے۔ اس میں ان کی نقل متواتر ہے۔ اس کے غیر عربی ترجمے کو مجازی طور پر قرآن کہا جاتا ہے اسی لیے اس سے قرآن کے نام کی نفی درست ہوگی۔

فقیہ کبیر علامہ برہان الدین المرغینانی صاحب ہدایہ کتاب التجنیس میں لکھتے ہیں۔

ویمنع من کتابۃ القرآن بالفارسیۃ بالاجماع لانّہ یؤدی للاخلال بحفظ القرآن لانّا امرنا بحفظ النظم والمعنی جمیعاً فانّہ دلالۃ علی النبوۃ۔[1]

ترجمہ۔ قرآن مجید کو غیر عربی میں لکھنا بالاجماع ممنوع ہے کیونکہ ایسا کرنا قرآن مجید کے محفوظ رہنے میں رکاوٹ پیدا کردے گا ہم لوگ قرآن مجید کے الفاظ و معنی دونوں کی حفاظت کے مامور ہیں کیونکہ نبوت کی راہ کا پتہ اسی سے ملتا ہے۔

قرآن مجید غیر عربی میں لکھنے کے ممنوع ہونے سے مراد قرآن کے نام سے اسے غیر عربی میں لکھنا ہے یہ تب ہے کہ پوری عبارت لکھنی ہو کسی اور عبارت کے ضمن میں ایک دو آیتوں کا غیر عربی میں لکھ لینا اور انہیں مجازاً آیت کہہ دینا ہرگز منع نہیں اور پورے قرآن کو غیر عربی میں لکھنے کی ممانعت بھی اسی صورت میں ہے کہ اصل عربی ساتھ نہ رہے اگر اصل عربی قائم رکھے کہ اس کا ترجمہ یا تفسیر کسی اور زبان میں لکھ لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

محقق ابن الہمام (۸۶۱ھ) فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:-

ان اراد ان یکتب مصحفاً بھا یمنع فان فعل اٰیۃً او اٰیتین لا فان کتب القرآن وتفسیر کل حرف و ترجمۃ جاز۔[3]

ترجمہ۔ اگر کوئی شخص قرآن مجید کو فارسی میں لکھنے کا قصد کرے تو اسے روک دیا جائے لیکن اگر الفاظ قرآن بھی ساتھ ساتھ لکھا چلا جائے تو پھر اس کا ترجمہ کرنا

---

[1] والظاہر ان الفارسیۃ غیر قید (رد المحتار شامی جلد ۱ صـ۳۵۸) [2] الماخوذ من النفعۃ القدسیۃ صـ۳۱ للعلامہ حسن الشرنبلالی صاحب نور الایضاح [3] فتح القدیر جلد ۱ صـ۲۰۱ مطبوعہ مصر باب کیفیۃ الصلوٰۃ ونحوہ فی رد المحتار جلد ۱ صـ۳۵۸

اور دوسری زبان میں تفسیر کرنا جائز ہے ہاں ایک دو آیتیں اکیلی غیر عربی میں لکھ سکتا ہے۔

ایک شخص نے شیخ ابی بکر محمد بن فضل کے زمانے میں سوال کرلیا کہ ہمارے زمانے میں بچوں کو عربی پڑھنا شاق ہے تو کیا ہم انہیں فارسی زبان میں قرآن کریم پڑھا دیا کریں؟ اس پر شیخ نے فرمایا:۔

ان ھٰذا کان یرید ان یبطل کتاب اللّٰہ۔

ترجمہ۔ یہ شخص اللہ کی کتاب کو گم کر دینا چاہتا ہے۔

اور پھر فتوےٰ لکھا:۔

من تعمّد ذلك یکون زندیقاً او مجنوناً فالمجنون یُداوی والزندیق یقتل۔ [۱]

ترجمہ۔ جو شخص قرآن پاک کو عربی کے سوا کسی اور زبان میں عمداً لکھے وہ یا زندیق ہو سکتا ہے یا دیوانہ۔ اگر دیوانہ ہے تو اُس کا علاج کرایا جائے اور زندیق ہے تو قتل کر دیا جائے۔

آیئے اب اس مسئلہ میں حنبلی فقہ کا بھی مطالعہ کریں سعودی عرب میں امام احمدؒ کے قول پر ہی فتویٰ دیا جاتا ہے مغنی ابن قدامہ کے حاشیہ میں ہے:۔

قام بعض المرتدین من اعاجم ھٰذا العصر یدعون الیٰ ترجمۃ القرآن وانما مرادھم التوسل بذلك الیٰ سھیل الرّدۃ علیٰ قومھم ونبذ القرآن المنزّل من عند اللّٰہ وراء ظھورھم وھو انّما نزل باللسان العربی کما ھو مصرح فی الاٰیات المتعددۃ۔ [۲]

ترجمہ۔ اس زمانہ کے عجمی لوگوں میں بعض مرتدین لوگوں کو محض ترجمہ قرآن کی دعوت دے رہے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنی قوم پر مرتد ہونے کی راہ آسان کر دیں اور اس قرآن کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عربی زبان میں اترا تھا پس پشت ڈال

---

[۱] کفایہ شرح ہدایہ بہامش فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۲۴۹ [۲] المغنی مع الشرح الکبیر جلد ۱ صفحہ ۵۳۰

دیں وہ تو عربی میں اُترا تھا اور قرآن کا عربی میں اُترنا کئی آیات میں تصریح کے ساتھ موجود ہے۔

مالکی مسلک کے متقدر عالم ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی لکھتے ہیں :-

امر عمر بن الخطاب ان لا یقرأ القران الا عالم بالعربیۃ۔ (التذکار)

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ نے حکم دے رکھا تھا کہ قرآن وہی شخص پڑھے جو عربی میں پڑھ سکتا ہو۔

علم و ترقی کے اس دور میں کچھ ایسے لوگ بھی اُٹھے ہیں جو علماء کے خلاف اظہارِ نفرت کو اپنی ترقی پسندی کا نشان سمجھتے ہیں اور محض اس لیے کہ وہ ملحدین اور متنورین کے ہاں آزاد خیال سمجھے جائیں اعمالِ دین ۔ شعائر اسلام اور علمائے کرام کے خلاف وہ طرح طرح کے ریمارکس پیدا کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ بار ہا یہ بھی کہتے گئے سُنے گئے ہیں کہ علماء نے قرآن کا ترجمہ کرنے کو کفر قرار دیا تھا اور دہلی کے علماء انگریزی سیکھنے کو حرام قرار دیتے تھے۔

اس قسم کی باتیں حقیقت سے خالی ہیں۔ علمائے اسلام کا فتویٰ ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ کرنا بالکل جائز اور صحیح ہے اور وہ عملاً قرآن کریم کے اردو ترجمے کر کے ثابت کر چکے ہیں کہ ترجمۂ قرآن کو ناجائز قرار دینا ہم پر ملحدین کی ایک تہمت ہے۔ اسی طرح دوسری کوئی زبان سیکھنی کوئی عیب نہیں ہے بلکہ بہتر ہے :- من تعلم لسان قوم امن شرھم۔

ترجمہ۔ جو شخص کسی قوم کی زبان سیکھ لے وہ اس کے شر سے امن میں آجاتا ہے۔

ہاں زبان سیکھنے سے مراد اگر یہ ہو کہ اپنی تہذیب اور اپنے کلچر کو غیر ملکی تہذیب اور کلچر میں گم کر دیا جائے اور مسلمان اپنی اصل کو بھول جائے تو یہ بے شک جائز نہیں۔ جہاں تک اصل ترجمے کا تعلق ہے اس کا کوئی مخالف نہیں۔ ہاں ترجمے کی کچھ شرائط ضرور ہیں اور جو شخص ان شرائط کو پورا نہ کر پائے اس کے لیے ترجمہ کرنا ضروری نہیں۔

ایک ملحدانہ راہِ عمل

بعض لوگ اُردو وغیرہ میں نماز پڑھنے کی ملحدانہ راہیں ہموار کر رہے ہیں وہ قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں :-

لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون . (پ النساء ۴۳)

ترجمہ۔ نماز کے قریب نشے کی حالت میں نہیں بلکہ اس وقت جاؤ جب تمھیں علم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

اس سے پتہ چلا کہ نماز اسی زبان میں پڑھنی چاہیئے جس میں ہمیں پتہ چل رہا ہو کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔

جواباً گذارش ہے کہ یہاں علم کا اجمالی درجہ مطلوب ہے پورا علم ہرگز مراد نہیں اگر کسی نمازی کو اتنا معلوم ہو کہ وہ سُبحانک اللّٰہم پڑھ رہا ہے یا سورۃ فاتحہ، التحیات اس کی زبان سے نکل رہا ہے یا وہ قل ہو اللہ احد کی قرأت کر رہا ہے، درود شریف پڑھ رہا ہے یا تسبیحات کہہ رہا ہے تو علم کے اس اجمالی درجہ سے اس نشے کی نفی ہو جاتی ہے جس کے ہوتے ہوئے اس نماز کے قریب آنا منع تھا یہاں علم کا مقابلہ جہل سے نہیں نشے سے ہے۔ اگر کسی کو اس درجے میں علم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور اس کی زبان سے کیا نکل رہا ہے تو وہ پورا مکلف ہے کہ نماز پڑھے اسے بصورتِ جہل نماز سے کنارہ کش ہونا ہرگز جائز نہیں۔ ترجمہ آتا ہو تو بڑی سعادت ہے اور عبادت کی پوری لذت ہے لیکن ترجمے کو اس آیت کی رُو سے ضروری قرار دینا یا نماز ہی اپنی جانی ہوئی زبان میں لے آنا اس کا اس آیت میں کوئی جواز نہیں۔ جو لوگ بے ہوشی اور نشے میں اِدھر اُدھر کی لایعنی باتیں کرتے ہیں وہ ان باتوں کی زبان سے جاہل نہیں ہوتے بے ہوشی کی بنا پر ان باتوں کی مرادات اور ان کے مصداق سے غافل ہوتے ہیں۔

نماز کو اردو میں لانے کی تحریک خطبہ عبادت کی تاریدسے شروع ہوتی ہے۔ پہلے خطبۂ عبادت کو اُردو لانے کی کوشش کی جاتی ہے اور پھر اذان اور نماز دونوں کے لیے میدان ہموار ہو جاتا ہے۔

پیش نظر رہے کہ خطبہ جمعہ اور خطبہ عید خطبہ عبادت ہیں خطبہ تعلیم نہیں۔ تذکیر و تعلیم ان میں ضمناً آتی ہے اصالۃً یہ ذکر و عبادت ہیں ان کے علاوہ خطبات تعلیم بھی ہیں جن کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں آنحضرتؐ اور خلفائے راشدینؓ نے خطبات تعلیم بلا تعین اوقات ارشاد فرمائے۔ خطباتِ تعلیم اسی زبان میں ہونے چاہیئں جسے سامعین سمجھ رہے ہوں لیکن خطبہ عبادت اسی زبان میں ہونا ضروری ہے جو ہماری مرکزی عبادت (نماز) کی زبان ہے۔ اگر کچھ اصحابِ توفیق معنی بھی سمجھتے جائیں

اور نصیحت لیتے رہیں تو زہے قسمت لیکن اگر کچھ لوگ مطالب نہ پا سکیں تو عبادت ان کی بھی ادا ہو جائے گی وہ تذکیر سے تو محروم رہے مگر ذکر کی فضیلت انہوں نے بھی پالی۔ جو حضرات خطبہ جمعہ کو اصالتاً خطبہ تعلیم اور ضمناً عبادت سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ اصالتاً خطبہ عبادت ہے تعلیم ضمناً ہے۔

جن لوگوں نے خطبہ کو اردو میں لانے کی کوشش کی ہے وہ دراصل خطبہ عبادت اور خطبہ تعلیم میں فرق نہیں سمجھتے وہ اس کے نتائج پر بھی نظر نہیں رکھتے کہ بالآخر یہ نماز کو اردو میں لانے کی ایک کڑی ہو گی۔ یاد رکھیے کہ قرآن کریم نے خطبہ جمعہ کو ذکر قرار دیا ہے۔ تذکیر نہیں کہا گو ضمناً اس کا تحقق بھی ہو جائے۔

فاسعوا الیٰ ذکر اللہ۔ (پ۲۸ الجمعہ)

ترجمہ۔ جب تمہیں جمعہ کے دن بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف جلدی آؤ۔

عربی مُبین سے مراد

اس بات کی وضاحت کے بعد کہ قرآن کریم کی زبان عربی مُبین ہے۔ یہ جاننا چاہیئے کہ عربی مبین سے کیا مراد ہے اس کے لیے اس کا پس منظر یاد رکھیئے :۔

جاہلیت کے عرب صلاح و مشورہ اور اجتماعی فکر و تعمیر کی خوبیوں سے پورے آشنا تھے۔ وہ اس قسم کے اجتماعات چھوٹی مجلسوں سے لے کر اسواق (میلے) تک بڑے اہتمام سے منعقد کرتے ان دنوں بھی عربوں کا اجتماعی مرکز اور کعبہ عقیدت مکہ تھا۔ ان کا سب سے بڑا تاریخی اجتماع سوق عکاظ مکہ ہی قریب منعقد ہوتا۔ یہ بازار ذیقعد کی یکم سے لے کر بیس تاریخ تک لگا رہتا اور تمام ادبی مذہبی تجارتی اور قومی مہمات یہیں طے ہوتیں۔ شاعروں اور خطیبوں کو اپنے اپنے کمالات دکھانے کا یہیں موقع ملتا تھا۔

قریش مکہ کے رئیس اور خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ انہیں سارے عرب میں نہایت عزت اور احترام سے دیکھا جاتا تھا رحلۃ الشتاء والصیف میں صرف وہی اشراف رستوں کے خوف و خطر[1] سے

---

[1] اطعمھم من جوع وامنھم من خوف (پ۳۰ قریش)

محفوظ تھے. سوق عکاظ میں بھی انہی کا اقتدار و اختیار چلتا تھا. وہ مختلف اطراف سے آئے ہوئے اہلِ کمال کے اشعار و خطبات کو پوری توجہ سے سنتے ان کے بہترین الفاظ عمدہ ترکیبات اور محاورات کو اپنا لیتے اور اپنی زبان کے کمزور پہلوؤں کو ترک کرتے چلے جاتے. یہاں تک کہ اُن کی زبان بلاغت کی انتہا کو پہنچ گئی. سالہا سال کی ارتقائی منزلوں سے گزر کر جب یہ زبان اپنے نقطہ کمال کو پہنچی تو اس نے عربی مبین نام پایا. ملک کا علمی اور ادبی معیار یہی قریش کی زبان تھی اور اسی زبان میں قرآن پاک نازل ہوا. حضرت امیر عثمانؓ نے کاتبین قرآن کو نصیحت فرمائی تھی :۔

فاكتبوها بلسان قريش فان القرآن انزل بلسانهم.[1]

ترجمہ: اسے قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ قرآن پاک انہیں کی زبان میں نازل ہوا ہے

قرآن پاک میں غرائب لغات بھی ہیں. یہ عربی مبین کے منافی نہیں ان غرائب سے قرآن پاک کے ذوق عربیت اور اس کی ادبی وسعت کا پتہ چلتا ہے. حدیث میں وارد ہے :۔

اعربوا القرآن والتمسوا غرائبه.[2]

ترجمہ: قرآن کے معانی اچھی طرح سمجھو اور اس کے غرائب کی تحقیق کرو.

غرائب سے وہ الفاظ و محاورات مراد ہیں جو عام عربوں میں معروف نہ تھے. علامہ زجاج اخفش ابن درید اور راغب نے بہت سے غرائب قرآن کی نشاندہی کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا ذوقِ عربیت منتہائے کمال پر تھا. اہلِ علم کا اختلاف ہے کہ قرآن پاک میں معرب الفاظ وارد ہیں یا نہ. حضرت امام شافعی، ابن جریر، ابو عبیدہ، قاضی ابوبکر باقلانی اور ابن فارس جیسے اکابر قرآن کے کسی لفظ کو معرّب (عربی میں لایا ہوا) تسلیم نہیں کرتے. وہ ان روایات کو جن میں بعض الفاظ قرآن حبشی، رومی، نبطی اور فارسی کے بیان کیے گئے ہیں. توارد لغات اور اتحاد السنۃ پر محمول کرتے ہیں دوسرے بعض علماء کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں کئی الفاظ معرب ہیں مگر ان کا ہونا عربی مبین کے خلاف نہیں وہ ان معرّب الفاظ کی پوری نشاندہی کرتے ہیں.

ہمارے نزدیک قرآن کریم کا کوئی لفظ اس طرح تو معرب نہیں کہ قرآن نے خود کسی غیر عربی

---

[1] جامع بخاری جلد ۲ ص۷۴۶ [2] رواہ البیہقی یہاں اعراب سے مراد نحویوں کی اصطلاح نہیں مطلق ادراک معانی مقصود ہے [3] دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن جلد ۱ ص۱۳۶ مصر

لفظ کو عربی میں داخل کیا ہو البتہ غیر زبانوں کے وہ الفاظ جو نزولِ قرآن سے پہلے عربوں میں آ چکے تھے اور قریش عرب انہیں عربی مبین میں اپنا چکے تھے ان میں سے بعض الفاظ قرآن میں ضرور وارد ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ اختلاف محض لفظی ہے۔ قرآن کریم کی عربیت عربی مبین کی شان سے کہیں نہیں گرتی اور زبان کی شوکت و جلالت اور فصاحت و سلاست ہر مقام پہ قائم رہتی ہے۔

قرآن کے قریب کرنے والی دوسری زبانیں

قرآن کے حروفِ تہجی کئی مشرقی زبانوں میں ہو بہو پائے جاتے ہیں۔ عربی فارسی اردو سندھی اور پشتو کے ابجد ایک ہیں۔ انیسویں صدی تک ترکی بھی انہی ابجد میں لکھی جاتی رہی ہے۔ مسلم سلاطین ہندوستان آئے تو وہ اپنی فارسی زبان ساتھ لائے اور دیکھتے دیکھتے فارسی زبان پورے ہندوستان کی سرکاری زبان بن گئی۔

ہندوستان میں زیادہ آبادی اگرچہ ہندوؤں کی تھی مگر مسلمان اپنے کلچر اور اپنی سرکاری زبان سے پورے ہندوستان پہ چھا گئے تھے۔ یہ اسی طرح ہوا ہے جس طرح انگریزوں کی آمد سے برصغیر پاک و ہند میں انگریزی زبان کا عروج ہوا اور سکولوں اور دفتروں میں انگریزی کلچر چھا گیا۔ کسی تہذیب کو قریب لانے یا دور کرنے میں اس کی زبان کو بڑا دخل ہوتا ہے۔

قرآن کے حروفِ تہجی جن جن زبانوں میں ایک ہیں وہ زبانیں اسلامی تہذیب میں اپنی تاریخ رکھتی ہیں۔ فارسی اور اردو میں جتنا اسلامی لٹریچر آ چکا ہے اس کا ایک فیصد بھی ہمیں ہندی چینی اور جاپانی زبانوں میں نہیں ملتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں اسلام پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن اس میں زیادہ کام خود مستشرقین کے ہاتھوں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اسلامی لٹریچر ابھی تک یورپ میں اپنی تہذیب اور اپنی تاریخ کو نہیں لے جا سکا۔

ترکی زبان کو عربی حروف سے خالی کر دیا گیا

پہلی جنگِ عظیم میں اتراک جرمنوں کے ساتھ تھے اور یورپ کا یہ مرد بیمار ابھی تک خلافت کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے جرمنوں کی شکست کے بعد ان کے اتحادی بھی انگریزی انتقام کی زد میں تھے انگریزوں نے اس لیے کہ آئندہ ترکی مسلمانوں کی سیاسی قوت نہ بن سکے ترکی زبان کو عربی حروف سے خالی کرنے اور انگریزی حروف تہجی میں لانے کا فیصلہ کر لیا اور دیکھتے دیکھتے ترکی زبان ایک مشرقی زبان کی بجائے

یورپ کی زبانوں کا ایک حصہ بن گئی اور ان کی تہذیب قرآن کے حروفِ تہجی سے یکسر دُور ہو گئی۔

ہندوستان میں بنگال سب سے بڑا اسلامی صوبہ تھا۔ انگریزوں نے اپنے دورِ اقتدار میں ہر ممکن کوشش کی کہ یہاں کی علمی زبان بنگلہ رہے۔ اس کے ادب کی ایک اپنی چھاپ ہو یہ اس لیے کہ ان کی عام زبان جہاں تک ہو سکے قرآن کے حروفِ تہجی سے دور رکھی جائے اور عربی یہاں اسلامی تہذیب اور کلچر میں بنیادی حیثیت حاصل نہ کر پائے۔

صوبہ گجرات میں بھی مسلمان ایک بڑی تعداد میں تھے یہاں گجراتی زبان بولی جاتی تھی یہاں بھی انگریز حکومت کی یہ مصلحت رہی کہ اردو یہاں کی عام زبان نہ ہونے پائے کیونکہ اردو کے حروفِ تہجی اور قرآن کریم کے حروف تہجی ایک سے ہیں اور گجراتی کے حروفِ تہجی قرآن والے نہیں۔

تحریکِ پاکستان میں مسلمانوں نے جہاں اپنی جداگانہ تہذیب کا نعرہ لگایا وہاں ایک یہ تحریک بھی تھی کہ مسلمان جس صوبے میں بھی ہوں وہ اپنی سرکاری زبان اردو لکھوائیں اس میں یہی ایک مصلحت تھی کہ مسلمانوں کو ایک قوم بنانے کے لیے انہیں ان زبانوں پر لانا چاہیئے جو عربی حروف تہجی میں لکھی جاتی ہوں اور قرآن کریم تمام ممالک اسلامی میں اپنے عربی حروف میں بھی پڑھا جائے اسے عربی حروف سے نکالنے اور رومن حروف میں لانے کی ہر کوشش ناکام بنادی جائے۔

مسلمان جہاں بھی گئے قرآن کریم کو عربی زبان میں لے کر گئے اور انہیں ان ممالک کی کوئی مصلحت قرآن کی زبان سے بے گانہ نہ کر سکی۔ یورپ ہو یا کینیڈا و امریکہ چین ہو یا جاپان بنگلہ دیش ہو یا برما یا آسام یا افریقہ کا کوئی ملک، جہاں بھی مسلمان ہیں ان کی نمازیں اور ان کی اذانیں سب عربی میں ہو رہی ہیں اور قرآن کی زبان صرف عرب ممالک کی زبان نہیں اسلام کی سرکاری زبان بھی مانی جاتی ہے۔

اس پہلو سے عربی کو لسان القرآن کے نام سے پیش کرنا اور جہاں تک ہو سکے اپنے کلچر کو قرآن کے حروف تہجی کے قریب کرنا تمام مسلمانوں کا مشترک فریضہ ہے یورپ کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ قرآن کریم کو رومن حروف میں لانے سے یکسر بچیں اور قرآن کے خادم کے طور پر جہاں بھی ہو سکے ان زبانوں کے قریب آئیں جو قرآن کے قریب کرنے والی ہوں۔ قرآن کریم کو عثمانی رسم الخط سے نکالنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

اپنی تہذیب اور کلچر کا تحفظ بہر صورت ضروری ہے۔ زبان اپنے کلچر کا حصہ ہوتی ہے اور مشرقی اقوام کی اپنی مشرقی زبانوں سے دُوری بالآخر انہیں اپنی اصل سے بے گانہ کردیتی ہے۔ اسلام گو مشرق اور مغرب دونوں کے لیے ہے لیکن اس میں بھی کسی شک کو راہ نہیں کہ اس کی ابتدا، مشرق سے ہوئی تھی۔

ترجمۃ القرآن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

علم کی اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی اسے جس زبان کا بھی لباس پہنائیں پہن لیتا ہے. قرآن کریم ایک نہایت اہم علمی دستاویز ہے لوگوں کو اس کے مطالب سے آشنا کرنے کے لیے اس کے تراجم ہر زبان میں ہونے چاہییں. بسا اوقات عدالتوں میں بھی اس کے حوالے زیر بحث آجاتے ہیں۔

عیسائی مشنری اور قادیانی مبلغین بھی کئی دفعہ مسلمانوں کو گھیر لیتے ہیں اور قرآن کے حوالے سے وہ کچھ کہتے ہیں جو قرآن نے نہیں کہا ہوتا۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس کوئی صحیح ترجمہ قرآن ہو تاکہ لوگوں کو ان دونوں قوموں کے ضعف استدلال پر مطلع کیا جاسکے. علمی پہلو سے ترجمہ قرآن کی ہر غیر عرب کو ضرورت ہے اس سے ہر شخص کو اسلام کے بارے میں کچھ ابتدائی درجے کے معلومات حاصل ہو جاتے ہیں پھر اس کا مطالعہ جتنا گہرا ہوتا جائے گا وہ اس کے گہرے مطالب کو بھی پا سکے گا.

البتہ قرآن کریم کے مشکل اور پیچیدہ مقامات کو صرف تراجم کے ذریعہ سمجھا نہیں جاسکتا. ان کے لیے علماء کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے یہ قرآن ہے تو سب مسلمانوں کے لیے لیکن اسے سمجھتے صرف عالم ہیں۔

وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون (پ ۲۰ العنکبوت ۴۳)

ترجمہ. اور یہ امثال ہیں جنہیں ہم سب لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں لیکن سمجھتے انہیں صرف علماء ہیں اور پھر علماء بھی مختلف درجات کے ہیں ان میں سب سے اونچے وہ حضرات ہیں جو اجتہاد کے درجے کو پہنچے ہوئے ہوں یہ ترجمہ کی افادی حیثیت علمی پہلو سے ہے عبادت کے پہلو سے ترجمہ قرآن ہرگز قرآن نہیں قرآن وہی ہے جو کلام الٰہی ہے اور اس کا نظم حروف اور نظم الفاظ سب خدا کی طرف سے ہیں۔

عبادت کے طور پر جو قرآن پڑھا جائے وہ عربی ہی میں پڑھا جائے گا جسے پاک ہاتھوں کے سوا کوئی نہ چھوئے وہ یہ عربی الفاظ ہی ہیں ترجمہ سے اس کی صرف علمی خدمت ہوتی ہے۔

ترجمے کی شرائط

کسی کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں لے جانے کے لیے چند شرطیں ہیں:۔

(۱) مترجم دونوں زبانوں میں پوری مہارت رکھتا ہو۔ خصوصاً جس زبان سے ترجمہ کرنا ہے اس پر پورا عبور ہو۔ اس کے ادب، اسلوب، لغات، محاورات اور گرامر پہ پوری پوری نظر ہونی چاہیئے۔

(۲) جس عبارت کا ترجمہ کرنا ہے اس میں اگر کئی معنوں کا احتمال ہے تو ترجمہ میں خاص ایک معنی کو نہ لیا جائے بلکہ اس کے لیے دوسری زبان کے بھی ایسے ہی الفاظ لائے جائیں جو اصل کی طرح خود کئی معنوں کے محتمل ہوں۔

(۳) اصل کلام میں اگر تخصیص و تعمیم یا احتراز و اطلاق کی قیود موجود ہیں تو دوسری زبان میں بھی ویسی ہی قیود لگانی چاہیئیں۔ کنایات و استعارات کو صراحت اور حقیقت میں لانے کی بجائے دوسری زبان میں بھی کنایات اور استعارات کی صورت میں ہی ترجمہ کرنا چاہیئے۔

(۴) علمی اور مرکزی کتابوں کے ترجموں میں کسی ایک علاقے کے محاورات کی پابندی نہیں ہونی چاہیئے انہیں دوسری زبان کے ایسے انداز میں ترجمہ کرنا چاہیئے جو زیادہ سے زیادہ آبادی کے لیے سمجھنے کا موجب ہو۔

(۵) ترجمے کو اصل سے بڑھنے نہ دے اپنی کسی خاص غرض کے لیے پہلے ترجموں میں تصرف کرنا یا بین القوسین جملے ساتھ لگانا ترجمہ نہیں بلکہ ترجمہ پہ ایک اضافہ ہے اور اپنے مخصوص فرقہ وارانہ نظریات کے لیے ترجمے میں تصرف کرنا تو نہایت ہی مذموم ہے۔

یہ ترجمے کے ۔اہم اصولی تقاضوں کا بیان ہے۔ قرآن کریم کے ترجمہ کے لیے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے کچھ اور شرطیں بھی بیان کی ہیں:۔

(۱) مترجم بد مذہب اور بے قید نہ ہو جس طرح تفسیر میں متدین ہونے کی شرط ہے اسی طرح ترجمہ میں بھی غیر متدین شخص کے فاسد اور غلط خیالات کی آمیزش سے اس کا ترجمہ قابل اطمینان نہیں ہو سکتا۔

(۲) علوم مذکور جو تفسیر کے لیے ضروری ہیں مترجم ان میں ماہر ہو۔ ضروری ہے کہ اس میں علم کی یہ وسعت ہو۔

(۳) علم قرأت، صرف و نحو، علم ادب، معانی و بیان، فقہ، حدیث و کلام کا ضرور فاضل ہو۔[1]

تراجم القرآن:

اب ہم قرآن کریم کے چند مشہور تراجم کا تعارف پیش کرتے ہیں اس سے پتہ چلے گا کہ علماء کرام نے ترجمہ قرآن میں ہمیشہ پیش قدمی کی ہے اس سے کبھی دوسروں کو نہیں روکا۔

فارسی تراجم

(۱) ترجمہ سید شریف جرجانی[2] (متوفی ۸۱۶ھ)

یہ ترجمہ ہمارے بلاد میں شیخ سعدی شیرازی کے نام سے معروف ہے ارباب مطبع نے رغبت عام کے لیے اس کی نسبت بدل رکھی ہے یہ ترجمہ بارہا چھپا ہے۔

(۲) ترجمہ حسین واعظ کاشفی (متوفی ۹۱۰ھ)

یہ ترجمہ تفسیر حسینی کے ضمن میں بارہا شائع ہوا ہے۔

(۳) ترجمہ نظام نیشاپوری

---

[1] البیان فی علوم القرآن ص۲۷۳ [2] بحر خزر کے ساحلی صوبہ جرجان میں پیدا ہوئے علامہ سعد الدین تفتازانی کے معاصر تھے تیمور نے شیراز فتح کیا تو یہ اس وقت شاہ شجاع کے ہاں معلم تھے تیمور نے پھر انہیں سمرقند بھیج دیا انہوں نے تفسیر کشاف پر بھی ایک حاشیہ لکھا [3] یہ ترجمہ میر علی شیر نوائی کے لیے لکھا گیا تھا حسین واعظ کاشفی ایک پیشہ ور واعظ تھے ہرات کے دار السیادت سلطانی میں وعظ کہتے تھے عجیب دلکش آواز تھی علم نجوم اور فن انشا میں کمال حاصل تھا در پردہ شیعہ تھے روضۃ الشہداء انہی کی تصنیف ہے براؤن لکھتے ہیں کہ تاریخی نقطہ نظر سے اس کی کوئی اہمیت نہیں واعظ کاشفی کا ترجمہ نہایت نفیس ہے تفسیر چنداں معتبر نہیں دہلی کے ابتدائی اردو ترجموں کا اس کے ترجمہ سے تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان مترجمین کے سامنے اس وقت یہ ترجمہ ضرور ہوگا واللہ اعلم بالصواب واعظ کاشفی کے شیعہ ہونے کی تصریح منتخب التواریخ ص۴۲۸ مطبوعہ ایران میں موجود ہے۔

(۴) آقا نعمتُ اللہ طہرانی

(۵) ترجمہ مرزا خلیل اصفہانی

(۶) ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

نہایت عمدہ اسلوب میں ہے ضمیروں کی الجھنؒ ایسے نفیس انداز میں حل کرتے ہیں کہ قرآنی مراد بالکل واضح ہو جاتی ہے اس ترجمے پر حضرت شاہ صاحب کے نہایت مختصر فوائد بھی درج ہیں اس کا نام فتح الرحمٰن ہے۔

(۷) ترجمہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن محدث دیوبندیؒ۔

حکومت افغانستان نے یہ ترجمہ اپنے خرچ سے بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع کیا ہے یہ ترجمہ دراصل حضرت شیخ الہندؒ کے اردو ترجمے کا ہے اس کی پوری فنی رعایات کے ساتھ افغانی فارسی میں ایک کامیاب ترجمہ ہے تین ضخیم جلدوں میں نہایت نفیس آرٹ پیپر پر شائع شدہ ہے۔

قرآن حکیم کے اُردو تراجم

(۱) ترجمہ شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ

یہ بامحاورہ ترجمہ ۱۲۰۵ھ میں مکمل ہوا۔ آئندہ ترجموں کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۲) ترجمہ شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ

تحت اللفظ ترجمہ ہے سید نجف علی شاہ صاحب سے ترجمہ پڑھتے اور لکھتے تھے اور شاہ صاحب اس پر نظر ثانی فرما دیتے تھے۔ سب سے پہلے ۱۲۵۶ھ میں کلکتہ کے نامی پریس سے شائع ہوا۔

(۳) ترجمہ مولوی عبد السلام سلام

یہ ترجمہ اردو نظم میں ہے ۱۲۵۰ھ کے قریب لکھا گیا ۱۲۸۵ھ میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔

(۴) ترجمہ مولانا فتح محمد تائب لکھنوی

یہ ترجمہ خلاصۃ التفاسیر کے ساتھ پانچ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔

(۵) ترجمہ مولانا امیر علی ملیح آبادی۔

لہ ایران میں یہی ترجمہ زیادہ ہے۔

یہ ترجمہ تفسیر مواہب الرحمٰن کے ساتھ شائع ہوا. مترجم نے ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری کا بھی ترجمہ کیا ہے۔

(۶) ترجمہ مولانا عبدالحق دہلوی

یہ ترجمہ تفسیر حقانی کے ساتھ آٹھ جلدوں میں شائع ہوا ہے. پہلی جلد ۱۲۰۵ھ میں اور آٹھویں ۱۳۱۸ھ میں شائع ہوئی۔ پھر یہ بارہا شائع ہوتا رہا ہے۔

(۷) ترجمہ مولانا وحید الزماں حیدر آبادی

مترجم اہل حدیث مسلک کے قریب ہیں متعدد کتابوں کے مترجم ہیں۔

(۸) ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب

مترجم سر سید کے ساتھیوں میں سے تھے. حضرت مولانا تھانوی نے اصلاحِ ترجمہ دہلویہ کے نام سے اس پر تنقید کی ہے۔

(۹) ترجمہ مرزا حیرت دہلوی

مترجم نے ڈپٹی نذیر احمد کا تعاقب بھی کیا ہے. مولانا تھانوی نے اصلاح ترجمہ حیرت کے نام سے اس پر بھی تنقید فرمائی ہے۔

(۱۰) ترجمہ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی

معتمد اور مستند ترجمہ ہے مترجم حضرت شیخ الہندؒ کے خاص شاگرد ہیں۔

(۱۱) ترجمہ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ

۱۳۲۰ھ میں لکھا گیا. نہایت عام فہم اور مفید مطلب ہے. تفسیر بیان القرآن کے ساتھ اور علیحدہ بھی بارہا شائع ہو چکا ہے۔

(۱۲) ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ

حضرت شاہ عبدالقادرؒ کی روشنی میں اردو تراجم کا شاہکار ہے ۱۳۳۶ھ میں مکمل ہوا. کلامی اور فقہی اعتبار سے بے مثل ہے. شیخ الاسلام مولانا عثمانیؒ کی تفسیر کے ساتھ متعدد بار ہندوپاکستان، ہانگ کانگ اور افغانستان وغیرہ میں شائع ہو چکا ہے سعودی حکومت نے بھی اسے بارہا شائع کیا ہے۔

(۱۳) ترجمہ مولانا فتح محمد خاں جالندھریؒ

بہت مقبول ترجمہ ہے تاج کمپنی نے بھی شائع کیا ہے۔

⑭ ترجمہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی

مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے تفسیری حاشیہ کے ساتھ کئی دفعہ شائع ہوا ہے۔

⑮ ترجمہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

یہ ترجمہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کا متفق علیہا اور مصدقہ ترجمہ ہے۔

⑯ ترجمہ مولانا عبدالماجد دریاآبادی

۱۳۶۳ھ میں مکمل ہوا۔ تاج کمپنی نے اسے مترجم کے نہایت عمدہ حاشیے کے شائع کیا ہے۔

⑰ ترجمہ مولانا احمد سعید دہلوی

نہایت ہی لطیف اور جدید پیرایہ بیان میں قابل اعتماد اُردو ترجمہ ہے۔

نوٹ: شیعہ کے ہاں ملا مقبول دہلوی اور مولوی فرمان علی کے ترجمے رائج ہیں۔ مرزائی لوگ محمد علی صاحب لاہوری کے اردو اور انگریزی ترجموں کو بہتر سمجھتے ہیں مسلمانوں کے انگریزی ترجموں میں علامہ یوسف علی سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور، مولانا عبدالماجد دریاآبادی اور پکتھال کے ترجمے زیادہ معتمد ہیں۔ انگریزی میں پروفیسر اے۔ جے آربری کا منظوم انگریزی ترجمہ خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ تاہم انگریزی تراجم میں کوئی بھی بعد صحیح نہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اصل عربی کو قائم رکھتے ہوئے قرآن پاک کا ترجمہ کرنا بالکل جائز ہے اور علماء اسلام نے ہر ملک کے تقاضے کے مطابق قرآن عزیز کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا ہے اگر کسی عالم نے کسی زمانے میں ترجمہ قرآن کی مخالفت کی ہے تو اس کا منشاء صرف یہ تھا کہ قرآن کریم کو عربی سے علیحدہ کر کے صرف دوسری زبان میں باقی رکھنا جائز نہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے علماء کو حجۃ الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مدتوں پہلے اس فکر سے فارغ کر چکے ہوئے ہیں۔ یتیمۃ البیان میں ہے :۔

وبالجملۃ علماء الھند مجمعون علیٰ جواز تراجم القرآن فی ھٰذا العصر وعلماء مصر ومشیخۃ الازھر افردوا ھٰذہ المسئلۃ بالتالیفات ینفضم فیھم الی الاٰن امرھا[1]

---

[1] یتیمۃ البیان ص۲۷

ترجمہ۔ ہندوستان کے علماء سب متفق ہیں کہ قرآن کریم کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنا اس زمانے میں بالکل جائز ہے لیکن علمائے مصر اور مشائخ ازہر اس مسئلہ میں کئی مختلف رسالے لکھ چکے ہیں اور معاملہ اب تک طے نہیں ہوا۔

بایں ہمہ تراجم اصل قرآن وہی ہے جو عربی ہے قرآنیت کے لیے عربیت لازم ہے۔ نماز قرآن کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ پس اردو زبان یا کسی اور زبان میں نماز پڑھنا کسی طرح درست نہیں۔ نماز قرآن کے بغیر نہیں اور قرآن عربیت کے بغیر نہیں۔ نماز کو اپنی زبانوں میں منتقل کرنا اور قرآن کو عربیت سے بے نیاز کرنا مرکز اسلام سے گریز پائی ہے۔ عربی زبان محض ایک زبان نہیں اسے مسلمانوں کی مرکزی زبان ہونے کی حیثیت بھی حاصل ہے اور اس کا بقدر ضرورت سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے

علمائے ہند کی وسعت نظری

یہ بات علمائے ہند سے چلی تھی کہ قرآن کریم کو کسی دوسری زبان میں نہ لایا جائے اس کے مطالب مضامین احکام اور تفسیریں تو بے شک دوسری زبانوں میں لکھے جائیں لیکن متن قرآن ایک ہی رہے۔ یہ علمائے ہند کی وسعت نظری تھی کہ محدثین دہلی خود ترجمہ قرآن کے لیے اُٹھے اور قرآن کریم کے بامحاورہ اور لفظی ہر طرح کے ترجمے کیے۔ ان کی تفصیل آپ کو تراجم قرآن کے عنوان میں ملے گی یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کی اپنی زبان عربی ہے اور اسے کسی پہلو سے بھی عربی مبین سے نہیں نکالا جا سکتا اور نہ اس کا کوئی ایسا مترجم ہو سکتا ہے جو اسے اُردوئے مبین میں لے آئے

عربی سیکھنا تمام قوموں پر فرض ہے

امت اجابت کا فرض ہے کہ اس کا ہر فرد بقدر ضرورت عربی سیکھے اور ایسے حالات پیدا کرے کہ تمام قومیں قرآن کریم کے قریب آئیں اور اللہ کی حجت ان پر تمام ہو۔ تمام دُنیا حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت ہے۔ ترجمہ قرآن سے علمی حد تک مدد لی جا سکتی ہے لیکن اپنی عبادت کی زبان اس عربی مبین کو ہی جانیں۔ عربیت دارجہ بھی اس کی جگہ نہیں لے سکتی قرآن کریم کی وجہ سے عربی سیکھنا تمام قوموں پر فرض ہے۔

حضرت امام شافعیؒ ارشاد فرماتے ہیں :-

ان اللہ تعالیٰ فرض علیٰ جمیع الامم تعلم اللسان العربی بالتبع لمخاطبتهم بالقرآن والتعبد به.[1]

اس پر شارح لکھتے ہیں :-

ولم ینکر ذالك علیه احد من علماء الاسلام لانه امر مجمع علیه و ان اهمله الاعاجم لبعد ضعف الدین والعلم.

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت تمام قوموں پر عربی سیکھنا فرض کیا ہے یہ حکم انہیں قرآن مجید کے مخاطب بنانے اور اس کے مکلف کرنے کے ضمن میں ثابت ہوتا ہے امام شافعیؒ کے اس فتوے کا علماء اسلام میں سے کسی نے انکار نہیں کیا یہ اجماعی مسئلہ ہے اگرچہ بعض عجمی اسے نظر انداز کر رہے ہیں۔

---

[1] مغنی مع الشرح الکبیر جلد ۱ صفحہ ۵۲۰ صرف خط کشیدہ عبارت حضرت امام شافعیؒ کی ہے جو ان کے علم اصول کے رسالے سے منقول ہے باقی کلام شارح کا ہے۔

تجویدُ القرآن

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

تجویدالقرآن کا معنی ہے قرآن کریم کو سنوار کر پڑھنا ۔ اللہ تعالیٰ نے ابتداءِ وحی میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دے دی تھی کہ قرآن کریم کو کھول کھول کر پڑھیں، اس کے حرف صاف صاف ادا ہوں۔ اس حکم میں یہ بتلانا تھا کہ قرآن کریم صرف ایک پیغام عمل نہیں یہ بار بار پڑھنے اور سنوار سنوار کر پڑھنے اور سمجھنے کی شئے ہے۔ اس کا مقصد بے شک عمل ہے مگر اس کا پڑھنا بھی ایک مستقل عبادت ہے اور یہ پڑھنا بے شک ایک کارِ ثواب ہے۔ سورۃ مزمل پہلے نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔ اس میں قرآن پاک ایک پیرایہ عبادت بھی ٹھہرایا گیا اور اسے کھول کھول کر پڑھنے کا حکم ہوا ؛

ورتّل القرآن ترتیلاً ۰ انا سنلقی علیك قولاً ثقیلاً ۰ (پ۲۹ المزمل ۴)

ترجمہ ۔ اور آپ قرآن کو کھول کھول کر پڑھیں صاف صاف۔ ہم آپ پر ایک وزن دار بات ڈالنے والے ہیں۔

ابھی پورا قرآن نہ اُترا تھا ۔ یہ جو فرمایا کہ آپ قرآن پاک کو صاف صاف پیرائے میں پڑھیں تو اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی ہر آیت قرآن ہے اور جو احکام اور آداب پورے قرآن کے ہیں وہ ایک آیت کے بھی ہیں اور ایک آیت پڑھنا بھی قرآن پڑھنا ہے۔

ایک ایک حرف سمجھ میں آئے تو پڑھنے میں فہم و تدبر میں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر ہوتا ہے ذوق و شوق اور بڑھتا ہے اور بات کتنی وزن دار کیوں نہ ہو وہ دل میں اُترتی ہے اور عمل کے قدم چلنے لگتے ہیں ۔ آپ پر ایک وزن دار بات (وحیِ الٰہی) اُتاری جارہی تھی اس لیے حکم ہوا کہ اسے ترتیل سے پڑھیں اس سے وحیِ الٰہی کا تحمل آسان ہو جائے گا۔

اصولِ فقہ کی رو سے ترتیل واجب ہے امر اصلاً وجوب کے لیے ہوتا ہے صاحب نورالانوار لکھتے ہیں :-

علامہ جزری (۸۳۳ھ) لکھتے ہیں :۔

الاخذ بالتجوید حتم لازم من لم یجود القرآن آثم

ترجمہ. قرآن کریم کھول کھول کر پڑھنا لازمی طور پر ضروری ہے جو قرآن کریم کو تجوید سے نہ پڑھے وہ گنہگار ٹھہرے گا۔[1]

صحابہ کرامؓ قرآن کریم کو صرف حکم و عمل کے لیے نہیں دیکھتے تھے وہ اسے صحیح پڑھنے پر بھی محنت کرتے تھے. حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کی منزلتِ علمی سے کون واقف نہیں آپ کے ایک شاگرد نے آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی اور فقراء پر مد نہ کی :۔

انّما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها۔ (پ۱۰ التوبہ ۶۰)

تو آپ نے اسے ٹوکا اور فرمایا :۔

آنحضرتؐ نے ہمیں اس طرح نہیں پڑھایا تھا.[2]

اس نے پوچھا تو پھر اسے کس طرح پڑھیں آپ نے پھر خود یہ آیت پڑھی اور للفقراء پر مدکی. آپ فرماتے ہیں :۔

واللہ لقد اخذت من فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بضعًا وسبعین سورۃ ولقد علم اصحاب النبیؐ انی من اعلمہم بکتاب اللہ وما انا بخیرہم۔[3]

ترجمہ. میں نے خود حضورؐ کی زبان سے اسی کے قریب سورتیں سیکھی ہیں اور سب صحابہؓ جانتے ہیں کہ میں ان میں کتاب اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں گو میں سب سے افضل نہیں ہوں۔

کوفہ کس قدر بڑا مرکزِ علم ہوگا جہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر روز کتاب وسنّت کا درس دیتے تھے اس سے اس کی منزلتِ علمی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ

---

[1] تفسیرات احمدیہ صہ [2] رواہ الطبرانی [3] صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۷۴۸

کو شدّ و مدّ کی پوری وضاحت سے قرآن پڑھاتے تھے۔ سو تجوید کی ابتداء خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی ہے۔ حضرت علامہ نسفی (۷۰۰ھ) ورتل القرآن کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

(ورتل القرآن) بیّن وفصّل من الثغر المرتل ای المفلج الاسنان وکلام رتل بالتحریک ای مرتل وثغر رتل ایضًا اذا کان مستوی البنیان او اقراء علیٰ تؤدة بتبیین الحروف وحفظ الوقوف واشباع الحرکات (ترتیلًا) وھو تاکید فی ایجاب الامر وانه لابد به للقاری[1]

ترجمہ۔ قرآن ترتیل سے پڑھیں واضح کرکے اور کھول کھول کر حروف اپنی حدود ترتیب سے نکلیں کھلے دانتوں سے کلام مرتل تب ہوگا کہ اپنے مخارج سے برابر ہو کر نکلے یا اس طرح پڑھے کہ ادائگی میں تمام حروف واضح ہو کر ادا ہوں اور جہاں وقف کرنا ہے اس کا دھیان رہے اور جہاں حرکت ہے وہ کھل کر آئے۔ رتل کے بعد ترتیل کا لفظ تاکید کے لیے ہے کہ امر وجوب کے لیے ہے اور پڑھنے والے کے لیے ترتیل سے چارہ نہیں۔

حضرت قتادہؒ (۱۱۸ھ) کہتے ہیں میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قرأت کرتے تھے آپ نے بتایا آپ حروف کو کھینچ کر پڑھتے تھے۔ امام بخاریؒ نے صحیح میں ایک باب اس عنوان سے باندھا ہے:۔

باب مدّ القرأة حدثنا قتادة قال سألت انس بن مالکؓ عن قرأة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال کان یمدّ مدًّا۔[2]

آپ کی اس طرح پڑھنے سے آواز بہت خوبصورت اور پُرسوز ہو جاتی تھی اور آپ کو اس میں لحن داؤدی کی لذت ملتی تھی۔ آپ نے ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو مخاطب کرکے فرمایا:

یاابا موسیٰ لقد اوتیت مزمارًا من مزامیر آل داؤد[3]

ترجمہ۔ اے ابوموسے! تجھے آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک ساز ملا ہے۔

---

[1] مدارک التنزیل جلد ۳ ص۱۸۸ [2] صحیح بخاری جلد ۲ ص۷۵۴ [3] ایضاً ص۷۵۵

حافظ ابن جوزی (۵۹۷ھ) لکھتے ہیں :۔

بے شک امت کا جس طرح اللہ کی کتاب قرآن مجید کے معانی سمجھنا اور اس کی حدود قائم رکھنا ایک عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کا خوب صحیح اور درست پڑھنا اور حروف کو اس طریق سے ٹھیک ادا کرنا بھی بہترین عبادت ہے جو قرأت کے اماموں سے منقول اور حضرت نبوی تک سلسلہ بہ سلسلہ متصل ہے — جو فصیح ترعربیت ہے اس کی نہ مخالفت جائز ہے نہ اس کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرنا جائز ہے۔ قرأت کے بارے میں بعض تو محسن (قابل ثواب) ہیں اور بعض خطا کار (گنہگار) اور بعضے معذور و ناچار ہیں۔[1]

آنحضرتؐ کے قرآن میں سند یافتہ چار صحابہؓ

آنحضرتؐ نے اپنے پاس بیٹھنے والے اور حاضر باش صحابہؓ کے سامنے قرآن کریم برابر پڑھا آپ سب مومنین کے سامنے قرآن ایک جیسا پڑھنے کے مامور تھے۔ قرآن کریم میں اس کی شہادت یتلوا علیھم ایاتہ کے الفاظ میں موجود ہے۔ یعلمھم الکتاب والحکمۃ کے الفاظ میں تعلیم قرآن بھی آپ کی ذمہ داری میں دی گئی تھی۔ پھر آپ نے جن کو قرآن کریم پڑھایا ان میں صف اول کے ان چار بزرگوں کو سند ملی۔ آپ نے فرمایا :۔

خذوا القرآن من اربعۃ من عبد اللہ بن مسعودؓ و سالمؓ ومعاذؓ و ابی ابن کعبؓ۔[2]

ترجمہ۔ تم قرآن ان چار شخصوں سے لو، عبد اللہ بن مسعودؓ سے، حضرت سالمؓ سے، حضرت معاذؓ سے اور حضرت ابی بن کعبؓ سے۔

ان چار میں بھی محل الفضلاء دار العلم کوفہ کے صدر نشین حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ پہلے نمبر پر رہے حضورؐ نے فرمایا :۔

من اراد ان یقرأ القرآن غضاً کما انزل فلیقرأ علی قرأۃ ابن ام عبد۔[3]

---

[1] منقول از مجالس الابرار صفحہ ۳۴۰ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۴۸ [3] الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۳۱۹ عن عبد اللہ بن عمر مرفوعاً

ترجمہ۔ سو جو چاہے کہ قرآن کریم کو اس طرح پڑھے جیسے یہ نازل کیا گیا تو اسے چاہیئے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے مطابق پڑھے

سو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرامؓ کو ترتیل سے قرآن پڑھنے کی تعلیم دیتے تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا صحیح پڑھنا اہم الواجبات میں سے ہے اور جو قرآن کریم کو قواعد کے مطابق صحیح نہ پڑھے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گنہگار لکھا گیا ہے۔

ترتیل کے لغوی اور شرعی معنی

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں :۔

لغت کی رو سے ترتیل کے معنی واضح اور صاف پڑھنے کے ہیں اور شریعت میں ترتیل قرآن پڑھنے میں سات چیزوں کی رعایت رکھنے کا نام ہے وہ سات امور یہ ہیں :۔

(۱) ہر حرف کو اس کے صحیح مخرج سے اس کی صفات سمیت ادا کیا جائے۔

(۲) ہر حرف کی آواز اس سے ملتے جلتے دوسرے حرف سے جدا ہو۔

(۳) زبر۔ زیر۔ پیش کو اس طرح صاف پڑھے کہ ایک دوسرے کا وہم نہ ہو۔

(۴) آواز اتنی ضرور نکلے کہ خود پڑھنے والے کے کان اُسے ضرور سن سکیں۔

(۵) آواز اس طرح نکالنا کہ اس میں عاجزی اور دردمندی پائی جائے۔

(۶) تشدید و تمدید (شدّ اور مدّ) کا پورا دھیان رہے اور اس پر عمل ہو۔

(۷) خوف کا مضمون آجائے تو پڑھنے والا ذرا ٹھہر جائے اور خدا سے پناہ چاہے۔

ان سات امور کو ادا کرنے اور ان کا دھیان رکھنے سے ترتیل کے اصولی آداب سب عمل میں آگئے۔ یہ سات امور ہم نے اپنی عبارات میں پیش کیے ہیں تاکہ طلبہ کو یاد کرنے میں آسانی رہے حضرت شاہ صاحبؒ کی اپنی عبارت اردو ترجمہ میں حسب ذیل ملاحظہ کیجیئے :۔

۱۔ پہلے حرفوں کو صحیح نکالنا ۔ یعنی اپنے مخرج سے نکالنا تاکہ طا کی جگہ تا اور ضاد کی جگہ ظا نہ نکلے۔ ۲۔ دوسرے وقوف (وقف کرنا) کی جگہ پر اچھی طرح ٹھہرنا تاکہ وصل

اور قطع کلام بے موقع نہ ہونے پائے اور کلام کی صورت مبتدل نہ ہو جائے۔ ۳۔ تیسرے حرکتوں میں اشباع کرنا یعنی زیر زبر پیش کو آپس میں امتیاز دینا تاکہ ایک دوسرے سے ملنے اور مشتبہ ہونے نہ پائے

چوتھے آواز کو تھوڑا سا بلند کرنا تاکہ قرآن شریف کے الفاظ زبان سے کان تک پہنچیں اور وہاں سے دل پر اور دل میں کوئی کیفیت پیدا کریں۔ جیسے ذوق اور شوق اور خوف اور دہشت۔ اس واسطے کہ قرآن شریف کے پڑھنے سے یہی چیزیں مطلوب ہیں۔ پانچویں اپنی آواز کو اچھا کرنا اس طور سے کہ اس میں دردمندی پائی جاوے تاکہ دل پر جلدی تاثیر کرے اور مطلب حاصل ہووے اس واسطے کہ جو مضمون خوش آوازی سے دل تک پہنچتا ہے تو اس سے روح کو لذت ہوتی ہے اور قومی بھی اس کو جلد جذب کر لیتے ہیں اور اس سبب سے روح پر اس کی تاثیر بھی ہوتی ہے۔ اسی واسطے اطباء نے کہا ہے کہ جب کسی دوا کی کیفیت دل کو پہنچانا منظور ہو تو اس دوا کو خوشبو میں ملا کر دیا جائے اس واسطے کہ دل خوشبو کا جاذب ہے یعنی کھینچنے والا تو اس خوشبو کے ساتھ اس دوا کو بھی جلدی کھینچ لے گا اور اسی طرح جس دوا کی کیفیت جگر یعنی کلیجے کو پہنچانا منظور ہو تو اس کو مٹھائی میں ملا کر دیا جائے۔ اس واسطے کہ جگر مٹھائی کا عاشق ہے تو وہ بھی اس کو کھینچ لے گا۔ چھٹے تشدید اور مد کا جس جگہ پر ہیں وہاں لحاظ رکھنا اس واسطے کہ شد اور مد کی رعایت کے سبب سے کلام الٰہی میں عظمت اور بزرگی نمودار ہوتی ہے اور تاثیر میں بھی مدد کرتا ہے۔ ساتویں اگر قرآن شریف میں کوئی خوف کا مضمون سُنے تو وہاں تھوڑا ٹھہر جاوے اور حق تعالیٰ سے پناہ طلب کرے[1]

---

[1] تفسیر عزیزی پ ۲۹ ص ۳۱۱ اردو ترجمہ

قرآن کریم خوش الحانی سے پڑھنا مسنون ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس حسنِ صوت سے قرآن کریم پڑھتے تھے اُسے حضرت براءؓ سے سُنیں،۔

(۱) حضرت براء بن عازبؓ (۲، ھ) کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عشاء کی نماز میں والتین والزیتون سُنی ہیں نے ایسا حسنِ صوت کہیں نہیں سُنا۔

قرأ فی العشاء والتین والزیتون فما سمعت احدًا احسن صوتًا منہ۔[۱]

حضرت ام سلمہؓ سے حضورؐ کی قرأت کے متعلق پوچھا گیا آپ نے کہا آپؐ ایک ایک حرف کھول کر پڑھتے تھے۔[۲]

(۲) حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے حضورؐ نے فرمایا۔

اقرؤا القران بلحون العرب واصواتھا وایاکم ولحون اھل العشق و اھل الکتاب۔[۳]

ترجمہ۔ قرآن کو عرب کے لہجوں اور آواز میں پڑھو اور اہلِ عشق کے لہجوں سے بچو اور یہود و نصاریٰ کی لے سے بچو۔

بغوی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

لا تنثروہ نثر الدقل ولا تھذوہ کھذ الشعر۔ قفوا عند عجائبہ و حرکوا بہ القلوب ولا یکن ھم احدکم اخر السورۃ۔[۴]

ترجمہ۔ قرآن کو نہ بکھیرو۔ نہ اسے شعروں کی طرح کھینچو۔ اس کے عجائب پر ٹھہراؤ کرو۔ اور اس سے دلوں کو حرکت دو اور سورت کو آخر تک ختم کرنا ہی تمہارا قصد نہ ہو۔

(۳) حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں۔ ورتل القران ترتیلًا میں ترتیل سے مراد حروف کی تجوید، ان کی عمدہ ادائیگی اور اس کے اوقاف کا پورا علم رکھنا ہے۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ بھی ترتیل کا یہی معنی کرتے تھے کہ حروف کو کھول کھول کر پڑھو۔

---

[۱] صحیح مسلم جلد ا صد ۱۸۷ [۲] رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی۔ مظہری جلد ۱۲ صد [۳] رواہ البیہقی فی شعب الایمان [۴] مظہری جلد ۱۲ صد ۱۵۵ تفسیر عزیزی پ ۲۹ صد ۲۱۳

امام تفسیر حضرت حسن بصریؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت مجاہد (۱۰۰ھ) کہتے ہیں ایسی ترتیل کہ اس میں ارسال ہو۔

حضرت عبید الملیکی کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

یا اھل القرآن لاتتوسدوا القرآن واتلوہ حق تلاوتہ من اٰناء اللیل و النھار واخشوہ وتغنوہ وتدبروا ما فیہ لعلکم تفلحون ولا تعجلوا ثوابہ فان لہ ثوابًا۔ [1]

ترجمہ۔ اے قرآن والو قرآن کو سرہانہ نہ بناؤ اس کی تلاوت رات دن جیسا کہ حق ہے کرو۔ قرآن کو پھیلاؤ اور اسے خوش آوازی سے پڑھو۔ اس پر غور کرو۔ جلدی جلدی نہ کرو۔ اس کی تلاوت ثواب ہے۔

تجویدِ قرآن ایک باقاعدہ فن کی صُورت میں

قرآن کریم کی ہدایت ورتل القرآن ترتیلًا شروع سے چلی آرہی تھی اس پر پہلے عمل کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ جس اچھی آواز سے قرآن پڑھتے اس کی مثال نہ تھی۔ آپؐ کے بعد دس صحابہ کرامؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ قرآن کریم کو کھول کھول کر پڑھتے اور حروف کا پورا پورا حق ادا کرنے میں ممتاز تھے۔ انہی میں وہ چار حضرات ہیں جن کا نام لے کر آپ نے اپنی اُمت سے کہا کہ قرآن ان سے سیکھو۔ ان میں آپ نے پہلے منبر پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام رکھا۔ ان کی مسندِ علمی کوفہ تھی اسی مسند کے جانشین امام ابوحنیفہؒ ہوئے۔

اس صورتِ حال سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کو پوری عمدگی اور تجوید حروف سے پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سے شروع ہو چکا تھا۔ آگے چل کر اسی نے ایک فن کی شکل اختیار کی۔ پھر امت میں محسنین (اچھی طرح پڑھنے والے) بھی تھے۔ خطا کار بھی تھے اور

---

[1] رواہ البیہقی مظہری جلد ۱۲ صفحہ ۱۵۶

معذور وناچار بھی تھے۔

حافظ ابن جوزی (۵۹۷ھ) کی یہ عبارت آپ دیکھ آئے ہیں :-

بے شک امت کا جس طرح اللہ کی کتاب قرآن مجید کے معانی سمجھنا اور اس کی حدود قائم رکھنا ایک عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کا خوب صحیح اور درست پڑھنا اور حروف کو اسی طریق سے ٹھیک ادا کرنا بھی بہترین عبادت ہے جو قرأت کے اماموں سے منقول اور حضرت نبویؐ تک سلسلہ بہ سلسلہ متصل ہے جو فصیح تر عربیت ہے جس کی نہ مخالفت جائز ہے اور نہ اس کو چھوڑ کر دوسرا امر اختیار کرنا جائز ہے۔ قرأت کے بارے میں بعض محسن ہیں (قابل ثواب) اور بعض خطاکار (گنہگار) اور بعضے معذور وناچار ہیں[1]

تجوید کے پہلے ائمہ فن

جس طرح ائمہ مجتہدین حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام سفیان الثوریؒ، امام اوزاعیؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام شافعیؒ، امام اسحٰقؒ اور امام احمدؒ استنباط احکام اور استخراج مسائل میں امت کے امام ٹھہرے اور لوگ عملی فقہ میں ان کے پیچھے چلے ہیں۔

فن قرأت میں حضرت عاصمؒ (۱۲۷ھ) حضرت حمزہؒ (۱۵۶ھ) امام کسائیؒ (۱۸۹ھ) ابن کثیر مکیؒ (۱۲۰ھ) نافعؒ (۱۶۹ھ) ابوعمرو بصریؒ (۱۵۴ھ) اور ابن عامر شامیؒ (۱۱۸ھ) اس فن کے امام قرار پائے۔ ان میں پہلے تین عاصمؒ، حمزہؒ اور کسائیؒ کوفہ میں ہوئے ـــ ابن کثیرؒ مکہ میں ـــ نافعؒ مدینہ میں ـــ ابوعمروؒ بصرہ میں اور ابن عامر شام میں اس فن کا مرجع بنے۔

کوفہ میں اس فن پر زیادہ توجہ رہی۔ اوّلاً اس لیے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کا علمی مرکز تھا۔ ثانیاً یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام سفیان ثوریؒ جیسے جبال علم کا مسکن تھا۔ ثالثاً یہ شہر نو آبادیات میں سے تھا۔ یہاں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد تھی اسے حضرت عمرؓ نے وہاں چنے ہوئے اور سمجھ دار لوگ آباد کر کے بسایا تھا اور ظاہر ہے کہ نو آبادیات (سٹیلائٹ ٹاؤن

---

[1] مجالس الابرار ص ۳۴

اور ماڈل ٹاؤن وغیرہ) میں عام طور پر اونچی سوسائٹی کے لوگ ہی زیادہ آباد ہوتے ہیں. امام نوویؒ (۶۷۶ھ) کوفہ کے بارے میں لکھتے ہیں :-

دار الفضل و محل الفضلاء بناها عمر بن الخطاب۔[1]

ترجمہ. کوفہ علم و فضل کا گھر اور فاضلوں کی ایک چھاؤنی تھا اسے حضرت عمرؓ نے بسایا تھا۔

آپ نے یہاں عرب کے ذہین ترین لوگ بسائے تھے اور ان کے لیے وہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے مرجع علم بزرگ کا انتخاب کیا تھا.

ان سات قراء کرام کے علاوہ یعقوب بن اسحٰق حضرمی بصری (۲۰۵ھ) جعفر یزید قعقاع مدنیؒ (ھ) اور خلف بن ہشام کوفی (۲۲۹ھ) بھی اس فن کے امام ہیں. قرأت کے یہ کُل دس امام ہوئے آج قاریوں کی سند قرأت عشرہ انہی حضرات تک پہنچتی ہے۔

دوسرے دور کے قراء کرام

امام عاصم کوفی سے پہلے راوی شعبہ اور دوسرے امام حفص ہیں امام حمزہ کے پہلے راوی خلف اور دوسرے خلاد ہیں. امام کسائی سے اسے روایت کرنے والے اول ابو الحارث اور دوسرے شیخ دوری ہیں. ابن کثیر مکی کے پہلے راوی بزی اور دوسرے قنبل ہیں. امام نافع سے اسے قالون اور ورش نے لیا اور ابو عمر بصری سے اسے شیخ دوری اور شیخ سوسی نے لیا—ابن عامر شامی کے پہلے راوی ہشام اور دوسرے ابن ذکوان تھے.

نوٹ : ہندوستان، پاکستان، افغانستان اور ترکی میں اس فن میں امام حفص کی سند چلتی ہے اساتذہ فن زیادہ اسی روایت کے ہوئے ہیں. آپ کے استاد امام عاصم کوفی تابعی ہیں اور انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زر بن حبیشؒ اسدی اور عبداللہ بن حبیب سلمیؒ سے پڑھا اور ان حضرات نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ سے قرآن کی سند لی—اور ان سب نے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن پڑھا تھا۔

---

[1] شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۸۵

قاری حمزہ سے قرأت سیکھنے والوں میں علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان حضرات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

① ابوعبدالرحمٰن محمد بن فضیل الکوفی (۱۹۵ھ)
② ابواسحٰق بن یوسف واسطی (۱۹۵ھ)
③ ابومحمد بن عبیداللہ بن موسےٰ الکوفی (۲۱۳ھ)
④ ابوعبدالرحمن عبداللہ بن یزید (۲۱۳ھ)

ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید بہت بڑے مقری تھے آپ نے یہ فن قاری نافع سے بھی سیکھا تھا۔ ابواسحٰق اسماعیل بن ابن کثیر المدنی (۱۸۰ھ) نے امام کسائی سے تجوید و قرأت کی تعلیم حاصل کی تھی یہ حضرات صرف قاری نہ تھے حفاظِ حدیث میں سے بھی تھے۔ ابو اسماعیل حماد بن زید بصری (۱۷۹ھ) سے کون واقف نہیں آپ بلند پایہ قاری بھی تھے اور ممتاز حافظ حدیث تھے۔

تیسری صدی کے مشہور قراء کرام

ابوعبید قاسم بن سلام البغدادی (۲۲۴ھ) امام لغت ہیں مگر آپ علم تجوید و قرأت کے بھی امام تھے آپ نے کتاب القرآت لکھی یہ سبعہ قرأت سمیت ۲۵ قرأتوں پر مشتمل ہے قرأت سبعہ میں سے ہیں۔ ابن عامر کی قرأت، حمزہ کی قرأت اور کسائی کی قرأت اس میں موجود نہیں۔ ایک کتاب القرآت احمد بن جبیر بن محمد الکوفی نزیل انطاکیہ (۲۵۸ھ) کی ہے۔ آداب القرأت کے مصنف ابن قتیبہ (۲۷۶ھ) ہیں۔ ہشام بن عبدالملک (۲۵۱ھ) بھی اونچا محدث اور ممتاز قاری تھا۔

① ابویعقوب اسحٰق بن بہول التنوخی الانباری (۲۵۲ھ)
② ابوعبداللہ احمد بن ابراہیم الدورقی البغدادی (۲۴۲ھ)
③ ابوزکریا یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی الکوفی (۲۲۸ھ)
④ ابواسحٰق اسماعیل قاضی الازدی (۲۸۲ھ)
⑤ ابوالفضل احمد بن نصر البصری (۲۹۰ھ)۔

یہ حضرات اپنے وقت کے مشہور مفسرین کرام اور علم تجوید کے ماہرین تھے۔[1]

---

[1] دیکھئے تذکرۃ الحفاظ جلد ا صد ۲۲۴ صد ۴۵۵

چوتھی صدی کے مشہور قراء کرام

① ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (۳۱۰ھ)

② ابوحفص عمر بن سہل دینوری (۳۳۰ھ)

③ ابوالحسین احمد بن جعفر البغدادی (۳۳۶ھ)

④ ابواحمد محمد بن احمد عسال (۳۴۹ھ)

⑤ ابوبکر محمد بن حسن النقاش (۳۵۱ھ)

آپ علل القراآت اور کتاب السبعہ کے مؤلف ہیں۔

⑥ ابوالحسین محمد بن محمد نیشاپوری (۳۶۸ھ)

⑦ ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن اصفہانی (۳۶۹ھ)

⑧ امام حدیث ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی (۳۸۵ھ)

⑨ ابوالفرج معانی بن زکریا النہروانی (۳۹۰ھ)

⑩ امام ابوبکر بن مجاہد (ھ) مؤلف کتاب السبعہ

یہ پہلی کتاب ہے جس میں صرف قراآت سبعہ کی بحث کی گئی ہے آپ ان میں امام نافع کو سب سے پہلے لائے ہیں۔

ابن خالویہ حسین بن عبداللہ نحوی (۳۷۰ھ) نے کتاب السبعہ کی نہایت عمدہ شرح لکھی اور اس فن پر ایک مستقل کتاب کتاب القراآت بھی قلمبند کی۔

ابن حداد القیروانی (۴۰۰ھ) کی کتاب توضیح المشکل بھی اسی صدی کی ہے۔ مشہور محدث حاکم نیشاپوری (۴۰۵ھ) اور ابوعلی حسین بن احمد شیرازی (۴۰۵ھ) بھی اسی دور کے قراء کرام تھے۔

پانچویں صدی کے مشہور قراء کرام

① ابومحمد عطیہ بن سعید الاندلسی (۴۰۸ھ)

② ابوالفتح محمد بن احمد البغدادی (۴۱۲ھ)

③ ابوالفضل محمد بن جعفر خزاعی (۴۰۸ھ)
آپ کی کتاب المنتہیٰ فی العشر دس قرأتوں پر مشتمل ہے۔
④ ابوعبداللہ محمد بن سفیان القیروانی مالکی (۴۱۵ھ)
آپ نے الہادی فی السبعہ سات قراءتوں پر لکھی۔
⑤ ابوعمر احمد بن محمد المقری الأندلسی (۴۲۹ھ)
⑥ ابوالعباس احمد بن ابی العباس (۴۳۰ھ)
کتاب الہدایہ فی السبعہ اور التیسیر آپ کی تالیف ہیں۔
⑦ ابوالحسن علی بن حسن میمون الدمشقی (۴۳۶ھ)
⑧ حافظ ابوعمرو عثمان بن سعید الاموی الدانی الاندلسی (۴۴۴ھ)
صاحب طبقات القراء اور صاحب التیسیر شرح کتاب السبعہ
⑨ ابوعمر عثمان بن سعید القرطبی (۴۴۴ھ)
⑩ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد النمری المالکی (۴۶۳ھ)
تالیفات میں المدخل فی القرآآت اور الاکتفاء بہت مشہور ہیں۔
⑪ ابوطاہر احمد بن علی بن عبیداللہ (۴۹۶ھ)
آپ نے المستنیر فی العشرہ میں ۱۵۶ روایات وطرق کو جمع کیا ہے۔

چھٹی صدی کے مشہور قراء کرام

① ابوعلی حسین بن محمد الاندلسی (۵۱۴ھ)
② ابوالعلاء حسن بن احمد ہمدانی (۵۶۹ھ)
یہ قرأت اور علوم قرآن میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے قرآآت عشرہ پر ایک کتاب لکھی، ایک کتاب علم تجوید اور معرفتِ قراء پر دس جلدوں میں لکھی۔
③ ابوالعز محمد بن حسن بندار قلانسی واسطی (۵۲۱ھ)
آپ نے ارشاد المبتدی اور کفایہ کبریٰ اس فن میں لکھیں۔

④ ابوجعفر بن علی بن احمد غرناطی الاندلسی (۵۴۰ھ)
آپ نے الاقناع اور الغایہ سبعہ میں لکھیں۔

⑤ ابوالکرم مبارک بن حسن شہرزوری البغدادی (۵۵۰ھ)
مؤلف المصباح الزاہر فی العشرۃ المتواترہ

⑥ شیخ القراء والمحدثین حافظ مشرق ابوالعلاء حسن بن احمد ہمدانی (۵۶۹ھ)
مؤلف غایۃ الاختصار فی العشرہ۔ مفردہ یعقوب۔

⑦ ابوالقاسم خلف بن احمد الشاطبی الاندلسی (۵۹۰ھ)
آپ نے ۱۱۷۳ اشعار میں شاطبیہ نظم میں لکھی۔

⑧ علامہ راغب اصفہانی (۵۰۲ھ)

⑨ نورالدین ابوالحسن الباقولی (۵۴۳ھ)

⑩ علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن جوزی (۵۹۷ھ)

ساتویں صدی کے مشہور قراء کرام

① ابوالقاسم عیسیٰ بن عبدالعزیز اسکندری (۶۲۹ھ)

② شارح شاطبیہ علم الدین ابوالحسن علی بن محمد سخاوی (۶۴۳ھ)

③ سیف المناظرین علم الدین ابومحمد قاسم بن احمد الأندلسی (۶۶۱ھ)

④ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن اسمٰعیل ابوشامہ (۶۶۵ھ)

⑤ ابوالعباس احمد بن علی اندلسی (۶۴۰ھ)

⑥ عمادالدین ابوالحسن علی بن یعقوب موصلی (۶۸۲ھ)

⑦ عبدالظاہر بن نشوان ردمی (۶۹۹ھ)

⑧ موفق الدین ابوالعباس احمد بن یوسف کواشی موصلی (۶۸۰ھ)

⑨ تقی الدین یعقوب بن بدران جرائدی (۶۸۸ھ)

آٹھویں صدی کے نامور قراء کرام

① برہان الدین ابو اسحٰق ابراہیم بن عمر جعبری (۷۳۲ھ)

علامہ ابو شامہ کے استاد تھے احکام الہمزہ، الشرعۃ فی السبعہ، نزہتہ البررہ فی العشرہ، نہج الاباثہ فی الثلثہ انہی کی تصنیفات ہیں۔ شاطبیہ کی بہترین شرح آپ کی سمجھی جاتی تھی یہ ۶۹۱ھ میں لکھی گئی تھی۔

② شرف الدین ابو القاسم ہبۃ اللہ الشافعی (۷۳۸ھ)

امام ابو المعالی آپ کے شاگرد تھے۔

③ شیخ النحاۃ والمحدثین ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن علی الاندلسی (۷۴۵ھ)

صاحب عقد اللالی فی السبع العوالی۔

④ سیف الدین ابو بکر عبد اللہ شمسی (۷۶۵ھ)

اس صدی میں پچاس سے زیادہ کتابیں اس فن پر لکھی گئیں جن کے نام عنایاتِ رحمانی کے مقدمہ میں دیئے گئے ہیں۔

علمِ قرأت تاریخ میں ہر دور میں مسلسل رہا ہے

یہ آٹھ صدیوں کا تاریخی تسلسل ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ان قراء کرام میں آپ کو بڑے بڑے محدثین بھی ملیں گے۔ اگلی صدیوں میں بھی اس فن کا یہی تسلسل رہا ہے۔

نویں صدی کے مشہور محدث علامہ سیوطی (۹۱۱ھ)

دسویں صدی کے شارحِ بخاری علامہ قسطلانی (۹۲۳ھ)

یہ حضرات اس فن کے بھی امام تھے اور دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) تو علمی دنیا میں معروف ہی قاری کے نام سے ہوئے۔ آپ کی شاطبیہ کی شرح اور مقدمہ جزری کی شرح اس فن کی عظیم یادگار ہیں۔

چودہویں صدی میں ہندوستان میں بھی اس فن نے نکھار پایا اور اس فن کی کتابیں اردو میں لکھی جانے لگیں۔ چودہویں صدی کے مجدد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) ہوئے ہیں،

آپ نے اس فن میں اپنا حصہ ڈالا اور تنشیط الطبع اردو تالیف فرمائی. اس میں آپ نے قراآت سبعہ میں سے ہر ہر روایت کے قواعد بتا کر پاؤ سیپارہ میں قراآت کو جمعًا پڑھنے کی ترکیب بتائی ہے.
اس دور کے امام فن مولانا قاری عبدالرحمٰن (۱۳۴۹ھ) ہیں. دیوبند کے قاری عبدالوحید صاحب اور الٰہ آباد کے قاری ضیاء الدین (۱۳۱۷ھ) قاری عبداللہ صاحب گنگوہی ثم مرادآبادی (۱۳۶۵ھ) سب ان کے شاگرد ہوئے ہیں.

یہ سب حضرات جو اس فن کے اپنے اپنے دور اور اپنے اپنے حلقے میں امین رہے. ان کی خدماتِ قرآن ہماری تاریخ کا عظیم سرمایہ ہیں. اور یہ حضرات واقعی اس فن کے امام گزرے ہیں. امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) نے اس فن کے امام جعبری (۷۳۲ھ) سے نقل کیا ہے کہ اس فن میں امام وہ ہے جس میں یہ صفات پائی گئیں :۔

(۱) کلام مجید نہایت پختہ یاد ہو.
(۲) ہمیشہ اس کے پڑھانے میں مشغول رہے.
(۳) الفاظ کی تجوید میں پورا ماہر ہو.
(۴) تجوید کی ابتدائی اور انتہائی منزلوں سے واقف ہو.
(۵) قراآت اور روایات بھی ضبط ہوں.
(۶) نحوی اور لغوی تراکیب میں بھی ماہر ہو.
(۷) علم اشتقاق اور علم صرف سے واقف ہو.
(۸) ناسخ اور منسوخ کی پہچان راسخ ہو.
(۹) تفسیر اور تاویل میں ملکہ رکھتا ہو.
(۱۰) مسائل صرف ونحو کے قواعد سے نہ نکالتا ہو.
(۱۱) صاحب وقار اور مستقل مزاج ہو.
(۱۲) حیا اور عدل کی صفات رکھتا ہو.
(۱۳) پرہیز اور متقی ہو.
(۱۴) حق تعالیٰ کے مقربین میں سے ہو.

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحبؒ لکھتے ہیں کہ قراء سبعہ میں واقعی یہ تمام صفات موجود تھیں۔[1]
یہ وہ صفاتِ کریمہ ہیں جن کی وجہ سے یہ حضرات باتفاقِ امت اس فن کے امام مانے
گئے ہیں۔

علمائے ہند کی فن قرأت اور تجوید کی خدمات

یوں تو ہندوستان میں لاتعداد قراء کرام نے بصدق دل اور خلوص تام اس فن کی خدمت کی۔
تاہم ایک تسلسل ظاہر کرنے کے لیے ہم یہ چند نام ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔

(۱) الدرۃ الفریدہ
شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔

(۲) فیوضِ رحمانی
قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی

(۳) ہدایۃ القراء
مولانا قاری حافظ ہادی حسن (بھوپال)

(۴) شرح سبعہ
امام القراء ابو محمد محی الاسلام (پانی پت)

(۵) شرح شاطبیہ
قاری محمد سلیمان دیوبندی (مظاہر العلوم)

(۶) افضل الدرر اور فوائد مکیہ
مولانا قاری عبدالرحمٰن مکی الٰہ آبادی (کانپور)

(۷) شرح جزری
مولانا شاہ کرامت علی جونپوری (بنگال)

(۸) تیسیر التجوید

---

[1] دیکھئے عنایات رحمانی جلد اول ۲۱ مقدمہ

⑨ مولانا قاری عبدالوحید صدر مدرس شعبہ قرأت دیو بند
⑩

پاکستان میں فن قرأت اور تجوید کی خدمات

ہندوستان میں الہ آباد اور پانی پت فن قرأت کے دو علمی مرکز سمجھے جاتے تھے۔ الہ آباد کے قاری محمد عبداللہ صاحب، ۱۸۵۷ء کے معرکہ کی ناکامی کے بعد مکہ ہجرت کر گئے تھے۔ وہاں آپ نے مکہ کے مرکزی قراء سے (جیسے شیخ محمد متولی الشیخ ابراہیم وغیرہ) مزید مشق کی اور اپنے فن کو خوب نکھارا قاری عبدالرحمٰن صاحب فوائد مکیہ آپ کے چھوٹے بھائی تھے۔ قاری عبدالخالق اور قاری عبدالمالک بھی آپ کے بھائی اور شاگرد تھے۔ ان حضرات کا مرکز علم وقرأت الہ آباد تھا۔ قاری عبدالرحمٰن صاحب نے مکہ سے لوٹنے کے بعد اسی جگہ کو اپنا مرکز بنایا۔ آپ کے شاگردانِ گرامی میں قاری عبدالوحید صاحب (دیو بند) قاری حفظ الرحمٰن صاحب (دیو بند) قاری عبدالمالک صاحب (کراچی) قاری محب الدین صاحب (بنگال) قاری سراج احمد صاحب (لاہور) اور قاری محمد صدیق صاحب اور متعدد دوسرے قاری صاحبان ہوئے۔ پانی پت میں مولانا قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی (۱۳۷۲ھ) مرکزی استاد تھے۔ آپ پندرہ واسطوں سے مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے استاد قاری عبدالرحمٰن توکلی اور حافظ محمد یعقوب تھے اور یہ حضرات بہ توسط قاری عبدالرحمٰن محدث انصاری حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کے شاگرد ہیں۔

پاکستان میں زیادہ تر انہی دو سلسلوں کے قراء کرام ہیں۔ قاری عبدالمالک صاحب کے شاگرد اور پانی پت کے قاری محی الاسلام کے شاگرد۔

① قاری عبدالمالک صاحب پاکستان آکر مرکز علم دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار کے سبعہ قرأت کے صدر مدرس بنے۔ پھر آپ لاہور تشریف لے آئے اور لٹن روڈ پر اپنا مدرسہ ترتیل القرآن قائم کیا۔ قاری محی الاسلام بھی ۱۳۶۶ھ میں پاکستان چلے آئے۔

② قاری محی الاسلام عثمانی (۱۳۷۲ھ) کے شاگردوں میں قاری فتح محمد صاحب مہاجر مکی (۱۴۰۷ھ) اور ان کے شاگردوں میں قاری رحیم بخش صاحب (۱۴۰۲ھ) صدر مدرس شعبہ قرأت جامعہ خیرالمدارس ملتان

پانی پتی سلسلہ کے قاریوں کے اُستاد ہیں۔ ان کے ان شاگردوں سے رحیمی طرز ایک اصطلاح بنی ہوئی ہے۔

① قاری محمد طاہر رحیمی صاحب۔ مدینہ منورہ
② قاری محمد عبداللہ مرحوم جامعہ انوریہ جامع مسجد نور ساہیوال
③ قاری عبیداللہ مرحوم خیرالمدارس ملتان
④ قاری محمد یٰسین صاحب فیصل آباد
⑤ قاری نصراللہ صاحب فیصل آباد
⑥ قاری اہل اللہ صاحب فیصل آباد
⑦ قاری حبیب الرحمٰن صاحب دارالعلوم کبیروالہ

قاری عبدالمالک صاحب کے مشہور شاگردانِ گرامی

① حضرت مولانا قاری اظہار احمد صاحب تھانوی پروفیسر جامعہ اسلامیہ اسلام آباد
② قاری سید حسن شاہ صاحب بخاری (مانسہرہ) استاد تجوید القرآن موتی بازار رنگ محل لاہور
③ قاری خدا بخش صاحب
④ قاری عبدالرحمٰن صاحب ڈیروی مدرس دارالعلوم الاسلامیہ پرانی انارکلی لاہور
⑤ قاری عطاء اللہ صاحب استاذ و بانی مدرسہ ترتیل القرآن لٹن روڈ لاہور
⑥ قاری حفظ الرحمٰن صاحب (دیوبند) استاد قاری عبدالعزیز شوقی
⑦ قاری محمد شاکر صاحب فرزند حضرت قاری عبدالمالک صاحب
⑧ قاری محمد افضل صاحب (تلہ گنگ) استاذ تجوید مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی
⑨ قاری محمد صدیق صاحب لکھنوی۔ آپ نے قاری عبدالمالک سے لکھنؤ میں تجوید پڑھی۔
⑩ قاری محمد عبدالوہاب صاحب مکّی
⑪ قاری تقی الاسلام صاحب دہلوی مدرسہ انوار القرآن توحید نگر لاہور سابق استاد ریاض
⑫ قاری محمد ذاکر صاحب (سعودی عرب) ⑬ قاری محمد شاکر صاحب
⑭ قاری غلام نبی صاحب (بلوچستان) کوئٹہ میں ان کا مدرسہ ہے۔

حضرت قاری محمد شریف صاحب لاہوری کے نامور تلامذہ

① قاری فیاض الرحمٰن علوی مدیر مرکزی دار القراء پشاور
② قاری نُورالحق صدر مدرس مدرسہ تدریس القرآن ہری پُور
③ قاری فضل ربّی مدیر معہد القرآن الکریم مانسہرہ
④ قاری عبدالرب ارشد ملتان ریڈیو اسٹیشن
⑤ قاری محمد تقی الاسلام دہلوی توحید پارک لاہور
⑥ قاری محمد عمر دارالقراء ماڈل ٹاؤن لاہور
⑦ قاری محمد اشرف بن شیخ محمد شریف دار القراء لاہور

قاری اظہار احمد تھانوی کے مشہور شاگردان گرامی

① مولانا قاری احمد میاں صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی
② مولانا قاری سید بزرگ شاہ الازہری مترجم قرآن چترالی زبان
③ قاری مومن شاہ صاحب صدر مدرس تجوید القرآن رنگ محل لاہور
④ قاری محمد ادریس صاحب
⑤ قاری سعید احمد صاحب صدر شعبہ قرآت جامعہ اشرفیہ لاہور
⑥ قاری محمد عثمان انور صاحب استاذ مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار رنگ محل لاہور
⑦

نوٹ: قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ کے شاگردوں میں قاری رحیم بخش صاحبؒ کے بعد قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی محلہ قدیر آباد ملتان۔ قاری محمد عیسیٰ صاحب کالونی ۲ خانیوال کی خدمات بھی لائق تحسین ہیں۔

قرأت قرآن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

انسان فطری طور پر نغمہ پسند واقع ہوا ہے انسان کی اسی طلب نے بڑھتے بڑھتے موسیقی کی شکل اختیار کی ہے۔ سانپ بین سُن کر اپنے ہوش بھول جاتا ہے۔ موسیقار اسی جوش نغمہ میں اپنے آپ کو آگ لیتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی ساز کی لَے میں گھر کر اپنا آپ بھول جاتے ہیں۔ حُدی خواں اپنے زورِ نغمہ سے اونٹوں کی قطار کو کھینچے چلا جاتا ہے۔ یہ شوق نغمہ پرندوں میں عام ملتا ہے۔

اسلام میں گانا بجانا جائز نہیں اور ساز و مزامیر سے ہوش کھونا جائز نہیں۔ ڈھول کی تھاپ اور طبلے کی چھاپ قوالی میں بھی جائز نہیں۔ اسلام میں انسان کے اس فطری ذوق کو قرآن کریم کی اعلیٰ تلاوت تحسین صوت اور قرأت سے پُورا کیا گیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو چلتا ہوا پانی ٹھہر جاتا تھا۔

اب اس دور میں قرآن کریم ہے جس کی عمدہ اور اعلیٰ تلاوت اور اس کے ساتھ عمل میں آنے والی تحسینِ صوت سے انسان اپنا یہ فطری تقاضا پُورا کر لیتا ہے۔

قرآن کا صَوتی حُسن و جمال

قرآن کریم کا پڑھنا صرف اس کے الفاظ سے گزرنا ہی نہیں اس کا صحیح پڑھنا ایک مستقل فن ہے جس پر ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ قرآن کریم اس فن کے مطابق پڑھنا یہ قرأتِ قرآن ہے۔

الہامی کتابیں علم کا مخزن اور ہدایت کا پیغام ہوتی ہیں۔ قرآن کریم بھی اپنی ذات میں اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ایک راہِ عمل ہے (ھدًی للمتقین) ہے تاہم اس کی اپنی کچھ صفات بھی ہیں جن میں دنیا کی کوئی الہامی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور کتابیں صرف پیغام message ہیں الفاظ letters کا کوئی اپنا علیحدہ عمل نہیں۔ مگر قرآن کریم کے علمی پہلوؤں کے وراء اس کے

کے الفاظ کی بھی ایک شان ہے۔ دیگر الہامی کتابوں کی زبانیں تک اب زندہ نہیں صرف ترجموں سے کام چل رہا ہے۔ وہ دنیا کے کسی ملک کی اب بولی نہیں ہیں مگر قرآن پاک ایسی واحد کتاب ہے جسکی نہ صرف زبان زندہ ہے بلکہ اس کے الفاظ میں بھی ایک روحانی شان ہے اور اس کا پیرایہ بیان بھی تلفظ و قرآت میں ایک اپنی شان رکھتا ہے۔

قرآن کے صوتی حسن نے ایک بڑے خلا کو پورا کیا

انسان فطری طور پر گانے اور حسن صوت کا گرویدہ ہے۔ اسلام میں گانے پر پابندی عائد کی گئی ہے اس کا کہنا گانا اور سننا تینوں ناجائز ٹھہرائے گئے۔ جس طرح سانپ کی فطرت ہے کہ وہ بین بجے تو جھومتا ہے انسان کی فطرت ہے کہ وہ ترنم اور تغنی سے جھومتا ہے گانے کے جھٹکے انسان کی حیوانیت پر پڑتے ہیں اور اسلام حیوانی جذبات کو دبانے کی تعلیم دیتا ہے تاہم یہ صحیح ہے کہ انسان میں موسیقی Music کی جو فطری کشش تھی اسے قرآن کے صوتی حسن سے پورا کیا گیا۔ قرآن کے صوتی حسن کا پرتو انسان کی حیوانیت پر نہیں روحانیت پر پڑتا ہے اور یہ Music کا بدل نہیں نعم البدل ہے۔

قرآن کریم کے حروف کھول کھول کر ترتیل سے پڑھے جائیں تو ان میں خود ایک لطافت ایک سوز ایک کشش اور ایک دردمندی اُبھرتی ہے۔ ان الفاظ میں جو معانی لپٹے ہیں وہ اُبھرتے ہیں اور اُن سے ان الفاظ و حروف کی ایک مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم کا یہ عجیب صوتی حسن و جمال ہے۔

ے
پرتو حسنت نگنجد در زمین و آسمان
در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردۂ

قرآن کریم بے شک وزن و قافیہ اور آیات کے ایک حد و فاصلے کا پابند نہیں لیکن اس کے باوجود جب یہ پڑھا جاتا ہے تو اس میں ایک عجیب نغمہ کی سی ادا پیدا ہو جاتی ہے ہم یہاں آپ کے سامنے اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیات پر ذرا توجہ کریں اور کان دھریں یہ نہ نظم ہے نہ نثر ــــ یہ ہے کیا؟ اس میں عقلیں حیران ہوش قربان اور کوششیں

درماندہ ہیں۔

① وجوہٌ یومئذٍ ناضرۃٌ الی ربھا ناظرۃ ○ ووجوہٌ یومئذٍ باسرۃٌ تظن ان
یفعل بھا فاقرۃ ○ (پ۲۹ القیمہ ۲۲)

ان نو آیتوں کو — ان کے نظم و ربط کو — ہر ایک کے آخر کی رآ کو — اور پھر یوم آخرت پر متوجہ کرنے کی اچانک ادا کو — غور سے دیکھیں جب قاری ان کے ایک ایک حرف کو کھول کھول کر پڑھے گا جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حسنِ صوت سے بھی نوازا ہو تو اس تلاوت کا عجیب سحر انگیز نقشہ آپ کے سامنے آجائے گا۔

فاذا برق البصر ○ وخسف القمر ○ وجمع الشمس والقمر ○ یقول
الانسان یومئذٍ این المفر ○ کلا لاوزر ○ الیٰ ربک یومئذٍ المستقر ○
ینبؤا الانسان یومئذٍ بما قدم واخر ○ (پ۲۹ القیمہ ۷-۱۳)

پھر یہ بھی دیکھئے :-

وجوہٌ یومئذٍ ناضرۃٌ الیٰ ربھا ناظرۃ ○ (پ۲۹ القیمہ ۲۳)

ضاد اور ظاء، قریب المخرج حروف ایک دوسرے کے وزن میں آئیں تو اس تلاوت میں ایک عجیب صوتی جمال پیدا ہوتا ہے۔ جو ضاد اور دال (د) کے قریب ہونے میں نہیں — اسے پڑھیں اور پھر اگلی آیات کو اس کے ساتھ ملائیں۔ آپ کے دل و دماغ اس سحر انگیز واردات کی گواہی دیں گے :-

ووجوہٌ یومئذٍ باسرۃٌ تظن ان یفعل بھا فاقرۃ ○

بلاغت اس انتہا پر ہے کہ ایک قیامت ہے جو واقع ہوگئی۔ پھر آگے چلئے :-

کلا اذا بلغت التراقی ○ وقیل من راق — وظن انہ الفراق ○ والتفت
الساق بالساق الیٰ ربک یومئذٍ المساق ○

قیل من کے بعد جو سکتہ ہے وہ اگلے لفظ راق کو عجیب اثر انگیز کر رہا ہے۔

جو شخص عربی جانتا ہو اور ان آیتوں کے معنی سمجھتا ہو تو ان آیات کی تلاوت اسے اپنے صوتی اعجاز سے بالکل دم بخود کر دے گی ہم اسے یہاں حسنِ قرأت کی بحث میں لا رہے ہیں اس لیے ترجمہ

ساتھ نہیں دے رہے اسے آپ خود ملاحظہ کرلیں۔

(۲) پھر ان آیات کا ترنم بھی سُنیے اور سر دُھنیے :-

فلا اقسم بالخنّس الجوار الکنّس — واللیل اذا عَسْعَسَ والصبح اذا تنفّس۔

(پ ۳۰ التکویر ۱۵)

خنّس اور کنّس کا وزن — عسعس اور تنفّس اور پھر رات اور صبح کا مقابل — رات کا چھا جانا اور صبح کا دم مارنا (پو پھٹنا) ایک عجیب ادا میں وارد ہے۔

(۳) پھر ان آیات پر بھی غور کریں اور قرآن کے صوتی حسن و جمال کا نقشہ دیکھیں الفاظ کے آخر میں نُون کس حسنِ صوت کا نتیجہ دیں گے اسے حضرت براء بن عازبؓ (۲۷ ھ) کی روایت میں دیکھیں :-

والتین ۰ والزیتون ۰ وطور سنین ۰ وھٰذا البلد الامین ۰ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۰ (پ ۳۰ التین)

یہاں تین، سنین اور پھر تقویم کی صوتی مناسبت دیکھیں۔

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ عشاء کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۃ والتین پڑھی پھر اس پڑھنے کا کیا نقشہ بچھا اسے حضرت براءؓ کے لفظوں میں آپ پہلے دیکھ آئے ہیں۔

فاسمعت احدًا احسن صوتًا منہ [1]

ترجمہ۔ اس سے زیادہ حسین آواز میں نے کبھی نہ سُنی تھی۔

(۴) جنّتیوں کو دوزخ سے دور رکھا جائے گا اس کے لیے لفظ زحزح دیکھیں یہ اپنی آواز سے ہی ایک دُور کے فاصلے پر لے جا رہا ہے پڑھنے والا اسے اپنے حال سے دُور جائے بغیر پڑھ ہی نہیں سکتا۔ اب جب اس دُوری کو عن النّار کے ساتھ جوڑیں تو جنت اور جہنم میں ایک عجیب فاصلہ نظر آئے گا اس پہ پھر جنّت میں داخل ہونے کی خبر ہے اور پھر اس پہ جب فقد فاز (سووہ اپنے انجام میں کامیاب ہوگیا) کی بشارت چسپاں ہو تو تلاوت میں ایک ایک حرف کھلتا نظر آئے گا۔ قرآن پڑھنے کی یہ شان ترتیل ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۸۷

فمن زحزح عن النّار وادخل الجنّة فقد فاز ۔ (پ۴ آل عمران ۱۸۵)
ترجمہ: پھر جو کوئی دور رکھا گیا آگ سے اور ڈال دیا گیا جنت میں اس کا تو کام بن گیا۔

⑤ کافر کو جب پیپ پلائی جائے گی اور وہ اُس کے حلق سے نیچے نہ اُتر سکے گی اس گھونٹ کی گرانی کو قاری کی قرأت میں دیکھیں آپ اس میں ایک عجیب جھٹکا محسوس کریں گے۔

ویسقٰی من ماءٍ صدید یتجرّعہ ولا یکاد یسیغہ و یاتیہ الموت من کل مکانٍ وماھو بمیّت ۔ (پ۱۳ ابراھیم ۱۷)
ترجمہ: اور اسے پلایا جائے گا پیپ کا پانی وہ بڑے تکلف سے اس کا گھونٹ بھرے گا اور وہ آسانی سے اس کے نیچے نہ ہوگا اور ہر طرف سے اسے موت آلے گی اور وہ مرا ہوا نہ ہوگا۔

اسی موت ہونے اور نہ ہونے کو قرآن کریم دوسرے مقام پر اس طرح بیان کرتا ہے:۔
لا یموت فیھا ولا یحیٰی ۔ (پ۳۰ الاعلیٰ)
ترجمہ: وہ وہاں نہ مرا ہوگا اور نہ زندہ۔
اس سے اُوپر بلاغت کی انتہا اور کیا ہو سکتی ہے۔

اس قسم کی مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن پاک صرف ایک پیغام یا محض ایک منبع علم نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا ہر حرف اور لفظ اپنی جگہ متبرک ہے۔ اس کے پڑھنے سے ہوا میں جو جنبش ہو وہ لہر مریض پر اُترے تو اسے بھی اس میں عافیت ملتی ہے۔

موت برحق ہے اور ہر انسان اس کی لپیٹ میں ہے۔ ملک الموت اپنے کام میں لگا ہوا اور مریض جان کنی سے گزر رہا ہو تو اس وقت بھی سورۂ یٰسین سے لدی ہوا کی لہریں اسے سکون دیتی ہیں۔ سو قرآن شریف صرف ایک لائحہ عمل نہیں اس کی تلاوت خود ایک عمل ہے اور اس کے لفظ لفظ اور حرف حرف میں اثر ہے۔

دال کے صوتی حسن کا دلآویز نقشہ

ان بطش ربک لشدید ۰ انه هو یبدیٔ ویعید ۰ وهو الغفور الودود ۰
ذو العرش المجید ۰ فعال لما یرید ۰ هل اتاك حدیث الجنود ۰ فرعون وثمود ۰
بل الذین کفروا فی تکذیب ۰ والله من وراءهم محیط ۰ بل هو
قرآن مجید ۰ فی لوح محفوظ ۰ (پ۳۰ البروج ۲)

سورت کی ابتداء میں بھی اس حسنِ صوتی کی اٹھتی لہر کو دیکھیں۔

والسماء ذات البروج ۰ والیوم الموعود ۰ وشاهدٍ ومشهود ۰ قتل اصحاب
الاخدود ۰ النار ذات الوقود ۰ اذهم علیها قعود ۰ وهم علی ما یفعلون
بالمؤمنین شهود ۰

یہ صوتی حسن وجمال اس معنوی لطافت، ادبی فصاحت اور اخروی سعادت کے علاوہ ہے جو ان الفاظ اور ان کے اس بے مثل پیرایہ سے اٹھ اٹھ کر سننے والے کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ اگر کوئی خارجی دباؤ راہ میں رکاوٹ نہ ہو تو ناممکن ہے کہ سخت سے سخت دل بھی اس کے سامنے گھاؤ ہوئے بغیر رہیں۔

الفاظ کی اس شوکت وجزالت نے قرآن پاک کے پڑھنے کو ایک فن کا درجہ بخشا ہے قرآن کریم کے علاوہ دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں جس کا پڑھنا بھی ایک فن کا درجہ اختیار کر گیا ہو۔ اسلام میں جس طرح فقہاء، ومحدثین علم نبوت کے وارث اور امین ہیں۔ قراء کریم بھی اس فن کو نکھارنے میں امت میں آواز روح الامین ہیں۔

قاری صاحبان کے لیے اصولی ہدایت

تجوید میں افراط اور تفریط دونوں سے بچنا چاہیئے۔ تجوید کے بہانے گانوں کی طرزوں پر آجانا یقیناً تفریط ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بے ذوق کسی کو تحسین صوت کرتا پائے اور اس پر گانے کی نے اختیار کرنے کا عیب دھرے تو یہ افراط ہوگی اس سے بھی بچنا ضروری ہے تحسینِ صوت قرأت کی صفات میں سے ہے۔

اسلام میں قرآن پڑھتے گانے کی لَے سے تو روکا گیا ہے لیکن تحسین صوت اور زینت قرأۃ کا اسی جگہ حکم دیا گیا ہے یہ وہ راہِ اعتدال ہے جو افراط اور تفریط کے بین بین ہے اور قاری صاحبان کو اس راہِ وسط کو کبھی نہ چھوڑنا چاہیئے۔

ایک اور بڑی غلطی جو حسنِ قرأت کی محفلوں میں دیکھنے میں آئی ہے وہ ہے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے قرآن پڑھنا — یہ قواعدِ صحیحہ سے بھی پڑھا جائے تو یہ تجوید لارضاء الخلق ہے۔ اللہ کی رضا کے لیے جو تجوید قرآن ہوتی ہے وہ خلوت و جلوت اور سفر و حضر میں ایک جیسی ہوتی ہے یہ بات کہ لوگوں کے سامنے تو صحیح پڑھا جائے اور اپنے ہاں تنہائی میں پڑھیں تو وہ مجلس کا سا اہتمام نہ ہو یہ بات بُری ہے۔ قراء کرام کو چاہیئے کہ جب بھی قرأت کریں ایک سی وضعداری اختیار کریں۔

عام مسلمانوں کے سامنے قرأت کی ایک اصولی ہدایت

جس جگہ عوام اور ناواقف لوگوں کی کثرت ہو اور قرآتِ سبعہ و عشرہ کے اختلافات سے لوگ ناواقف نہ ہوں مناسب یہ ہے کہ وہاں حفص کی روایت کے سوا دوسرے اختلافات نہ پڑھے جائیں ورنہ عوام اپنی ناواقفیت کے سبب اعتقادی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ چنانچہ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اور چیزوں میں تو اختلاف تھا ہی ان قاریوں نے قرآن میں بھی اختلاف کر دیا اور یہ قاعدہ شرعیہ آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ اگر خواص کے مستحب پر عمل کرنے سے عوام کے

حرام میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو جائے تو خواص کے لیے بھی اس مستحب پر عمل کرنا منع ہو جاتا ہے ــــ یہ بھی ضروری ہے کہ دوسری قراآت روایت حفص اور تجوید کی تکمیل کے بعد پڑھائی جائیں۔ [1]

روایت حفص کے خلاف ایک نئی آواز

ان دنوں کچھ ایسے لوگ بھی اٹھے ہیں جو فقہ اہل العراق فقہ حنفی اور کوفہ کی علمی منزلت کے خلاف باتیں کرنے کو دین کی ایک بڑی خدمت سمجھتے ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ کوفہ اپنے وقت میں ایک مشہور دارالعلم تھا اور اسے حضرت عمرؓ نے بسایا تھا۔ قاری حفص بھی کوفی ہیں جن کی قرأت پر آج ہر جگہ قرآن پڑھا جاتا ہے۔

اس جوشِ تعصب میں ان لوگوں نے بہت کوشش کی ہے کہ جس طرح بھی ہو پائے قرآن پاک کو اس کوفی چھاپ سے نکال کر کسی دوسری قرأت میں لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ سعودی حکومت کو جزائے خیر دے انہوں نے روایت حفص پر قرآن پڑھنے کو سب قراآت پر راجح قرار دیا ہے۔ حجاج کرام کو وہاں سے ہر سال جو مصحف کریم تحفے میں ملتا ہے اس کے آخر میں یہ لکھا ہوا ملے گا۔

کتب ھٰذا المصحف وضبط علیٰ مایوافق روایة حفص بن سلیمان بن المغیرة الاسدی الکوفی لقرأة عاصم بن ابی النجود الکوفی التابعی۔

جو لوگ کوفہ کے علمی مرکز سے بغض رکھتے ہیں معلوم نہیں وہ اس کوفی قرأت کو کس طرح گوارا کرتے ہوں گے۔

اس پر ہم قرأتِ قرآن کی اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

---

[1] ارشاد قاری فتح محمد صاحبؒ مہاجر مکی

اسلوب القرآن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

اسلوب پیرایہ بیان کو کہتے ہیں انگریزی میں اسے سٹائل style کہہ سکتے ہیں علم کی دنیا میں اظہارِ خیال بڑا اہم مرحلہ ہے اور تاریخ میں اس کے لیے نظم اور نثر دونوں سلسلے چلے ہیں جہاں بات سمجھا کر چلنا ہو وہاں زیادہ نثر چلتی ہے۔ عدالتوں اور کاروبار کی کاروائیاں کبھی ادبی پیرایوں میں نہیں ہوتیں لیکن جہاں گہرے حقائق، قلبی احساسات، ما فوق الطبیعات اور ذہنی مدوجزر کی باتیں ہوں وہاں اہلِ علم ادبی پیرایوں میں چلتے ہیں اور ان خیالات اور احساسات کے لیے شعر کی زبان زیادہ ساتھ دیتی ہے۔ ہر دائرہ علم میں لوگ حسب حال نثر و نظم کے پیرایوں میں چلے ہیں۔

قرآن کریم اپنے مطالب عالیہ اور حقائق غامضہ میں اونچی ادبی شان کا متقاضی ہے اور اپنے مقاصد میں بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے ایک صاف پیرایہ بیان چاہتا ہے۔ اس صورتحال میں یہاں نہ نظم کو راہ ہے نہ صرف نثر کو۔ اس جہاں میں رہتے ہوئے عالمِ برزخ اور عالمِ آخرۃ کی باتیں بتلانا اور جنت اور دوزخ کے نقشے بیان کرنا کوئی آسان بات نہیں لیکن بنی نوعِ انسان اظہارِ خیال میں اب تک انہی دو راہوں نظم و نثر میں چلے ہیں اور انہوں نے اب تک قرآن کریم کے سوا کوئی اور پیرایہ بیان دیکھا ہی نہیں تھا۔ قرآن کریم اترا تو ایک عجیب ادبی پیرائے میں اترا ہدایت پانے کے لیے اس سے سہل کوئی اور ہدایت تامہ نہیں اور ہر غلط فکر اور الجھی سوچ کو گرانے کے لیے اس سے اوپر کوئی پرواز نہیں اس کا یہی پیرایہ بیان ہے جس سے بڑے بڑے اہلِ دانش اس کے آگے ہتھیار پھینک گئے اور کوئی بڑے سے بڑا مفکر اور ادیب اسکی مثال نہ لاسکا۔

قرآن پاک کا پیرایہ بیان نہ نظم ہے نہ نثر یہ دونوں سے الگ ایک نرالا اسلوب اور ایک نیا طرزِ کلام ہے جس کی کوئی نظیر عرب میں پہلے سے موجود نہ تھی۔ کچھ لوگ اسے شعر کہنے کی جسارت کرتے ہیں تو آسمان سے جواب ملتا ہے:۔

وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ ان ھو الا ذکر و قرآن مبین۔ (پ ۲۲ یٰسین ۶۹)

ترجمہ: ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر کہنا سکھایا نہ یہ آپؐ کی شان کے لائق تھا یہ تو ذکر ہے اور قرآن مبین ہے۔

اور جو لوگ اسے نثر کہنا چاہتے تھے وہ اس کی لاثانی بندش اور بے مثل روانی کو دیکھ کر اسے نثر کہنے سے بھی جھجکتے تھے۔ الغرض یہ ایک عجیب اندازِ بیان ہے جس میں عقلیں اب تک حیران ہیں یہ وہ ذخیرہ علم ہے جس کے سامنے سب علوم ماند ہیں۔ یہ اسلوب بیان بہت پیارا اور دلآویز ہے اور یہ صحیح ہے کہ اس کتاب مقدس کے حفظ میں اس کے نرالے اسلوب کا بھی بہت دخل ہے اور اس کے صوتی اثرات بھی اس خاص اسلوب میں ڈھل کر ظاہر ہوتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اس کی اصل زبان عربی ہے مگر عرب و عجم، ایشیا اور یورپ ہر ملک کے رہنے والے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس میں نظم کی سی لذت اور نثر کا سا وقار محسوس کرتے ہیں اس کے الفاظ میں ایسی حلاوت ہے کہ جو لوگ اسے سمجھتے نہیں وہ بھی اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کا بار بار پڑھنا ایک ذوق پیدا کرتا ہے اور اس کے حفظ کے لیے ایک خاص شوق اُبھرتا ہے۔

کسی علمی یا تاریخی مضمون کو جب ایک بار سے زیادہ بیان کیا جائے تو سننے والوں کے لیے کچھ بے لطفی اور انقباض سا پیدا ہوتا ہے لیکن قرآن کریم کا اسلوب کچھ اس قسم کا واقع ہوا ہے کہ جب ایک مضمون دوسری بار آتا ہے تو وہ بالکل ایک نیا مضمون معلوم ہوتا ہے اور وہ ایک نیا ہی لُطف پیدا کرتا ہے۔

قرآن پاک کے اس نرالے اسلوب کا ہی نتیجہ ہے کہ ایک طرف جاہل سے جاہل شخص اس کے بنیادی اصولوں کو بے تکلف سمجھ سکتا ہے اور دوسری طرف رازیؒ و آلوسیؒ بھی اس کے علوم و معارف کا احاطہ کرنے سے عاجز نظر آتے ہیں، ایک چھوٹی سی آیت کے لیے دفتروں کے دفتر بھی لکھ ڈالے جائیں تو اس کے اسرار و حِکَم منضبط نہیں ہوتے اور اگر سیدھے سادے معنی بیان کرنا ہوں تو بسا اوقات ترجمہ بھی دلوں کو مطمئن کر دیتا ہے اور ذہن کے سارے غبار دُور کر دیتا ہے۔

ایک سوال

قرآن کریم جب ایک ضابطہ حیات ہے تو اس کی ترتیب قانون کی دوسری کتابوں کی طرح مبوب اور منظم کیوں نہیں؟ ایک موضوع کی جملہ جزئیات سلسلہ وار ایک ہی جگہ مرتب کیوں نہیں ایسا کیوں نہیں کہ تعلیم توحید تصدیق رسالت، احوالِ آخرت، مسائل نماز، احکام زکوٰۃ، آدابِ رمضان، مناسکِ حج وغیرہ علیحدہ علیحدہ سورتوں اور مستقل پاروں میں بیان ہوں مختلف انبیاء کے واقعات کے لیے بھی مستقل سورتیں موجود ہوں. قرآن پاک زندگی کو اس قسم کی ترتیب سے کیوں پیش نہیں کرتا؟

جواب ـ نرالے اسلوب میں نرالی ترتیب

قرآن کریم بے شک ایک اسلامی دستور العمل ہے لیکن یہ محض ایک مجموعہ قوانین نہیں بہت سے دیگر حقائق حکیمانہ مکالمات اور واقعات پر بھی مشتمل ہے قانون کی عام کتابیں جزئیات کے ساتھ اس لیے سلسلہ وار مرتب ہوتی ہیں کہ ان کا نفاذ بزور قوت اور ان کا اجراء بذریعہ اقتدار ہوتا ہے۔
قرآن عزیز اسلامی ضوابط زندگی کو ان کے حِکَم و مصالح اسرار و رموز، تعامل کے سابق نظائر اور فکر آخرۃ کے نصائح کے ساتھ پیش کرتا ہے یہ نری قانون کی کتاب نہیں وعظ کی کتاب بھی ہے. حدُود و تعزیرات کے ابواب بھی اس میں وعظ و ارشاد کو ساتھ لیے ہوئے ہیں.

ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب. (پ۲ البقرہ ۱۷۹)
ترجمہ. اور تمہارے لیے بدلہ لینے میں زندگی ہے اے دانشورو.

اس ترتیب بیان سے اسلامی صداقتیں اور حقائق کائنات از خود دلوں میں اُترتے چلے جاتے ہیں اور اسے ایک ضابطہ حیات کے طور پر قبول کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے. اسلام کے اصول و فروع قوت کی بجائے دلائل و اخلاق کے ساتھ پیش ہوتے ہیں. ربّ العزت ان سب امور کو اس طرح مِلا جُلا بیان کرتے ہیں کہ ایک ایک سُورت پُورے اسلام کی ترجمان ہو جاتی ہے. یہ محض ایک قانون کی کتاب نہیں وعظ و ارشاد کے حکیمانہ اسرار بھی اس کے ہر بیان میں لپٹے ہوئے ہیں.
قرآن پاک ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف بڑی خوبی اور لطافت سے منتقل ہوتا

ہے توحید کے مضمون سے احکام کی طرف، قصص سے عقائد کی طرف اور احکام سے آثار قدرت کی طرف اُس حسنِ انتقال سے منتقل ہوتا ہے کہ ہر مضمون مقصود بالذات نظر آتا ہے۔ ایک مضمون یا ایک واقعہ اگر دوسری بار بیان ہوتا ہے تو اس انداز اور شان کے ساتھ کہ وہی پہلا مضمون یا قصہ ایک نیا واقعہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ قرآن عزیز مختلف مضامین کے مابین ایسا لطیف ربط اور حیرت انگیز تسلسل قائم کرتا ہے کہ یہ ترتیب طوقِ بشر سے خارج نظر آتی ہے۔ آسمان پر چمکتے ستارے ایک عام نگاہ میں کس بے ترتیبی سے بکھرے پڑے ہیں لیکن علمائے ہیئت Astronomy اور ماہرین نجوم سے پوچھو کہ ان منتشر چمکتے ہوئے نورانی تاروں میں کیا تناسب اور توازن ہے۔ اگر ایک ستارہ نظامِ فلکی کو توڑ کر اپنے مقام سے نکل جائے تو کتنے بڑے بڑے انقلابات پیش آسکتے ہیں۔

اسی طرح قرآن پاک میں ایک مضمون کی آیات جب مختلف مقامات پر بکھری دکھائی دیتی ہیں تو نامحرم نگاہیں بہت پریشان ہو جاتی ہیں لیکن وہ لوگ جنہوں نے پُورے خلوص و وفا سے زندگیوں کا کچھ حصہ قرآن کو دیا ہے وہ اس کے اسرار و معارف کے پُورے رمز شناس ہیں انہیں پتہ ہے کہ اگر ایک آیت اپنے محل سے بدل جائے تو رب العزت کی صفت کلام اور اس کا سارا نظام کس طرح درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس موضوع پر علامہ ابو جعفر کی کتاب "البرہان فی مناسبۃ ترتیب سور القرآن" اور علامہ برہان الدین کی کتاب "نظم الدرر فی تناسب الآی والسور"، ہمارے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں۔

قرآن کے نئے اسلوب پر ایک قدیم شہادت

ہمارا یہ دعوےٰ کہ قرآن پاک کا اسلُوب نرالا ہے یہ نہ نظم ہے نہ نثر اس میں نظم کی سی لذت اور نثر کا سا وقار ہے۔ ہمارا ہی دعویٰ نہیں جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) نے اسے نثر اور شعر سے جُدا رکھا ہے مندرجہ ذیل روایت میں نثر اور شعر دونوں وارد ہیں۔ آپؓ نے فرمایا:

لا تنثروہ نثر الدقل ولا تھذوہ کھذ الشعر قفوا عند عجائبہ وحرکوا بہ القلوب ولا یکن ھم احدکم اخر السورۃ۔[1]

---

[1] ماخوذ از تفسیر عزیزی پ ۲۹ ص ۳۱۲

ترجمہ: نہ بکھیرو قرآن کے لفظوں کو جیسے ناقص کھجوریں اِدھر اُدھر گرتی ہیں اور نہ لپیٹو قرآن کو جیسے شعر لپیٹے جاتے ہیں (اپنے قافیہ اور روی میں لائے جاتے ہیں اور ان میں جلدی کی جاتی ہے) ٹھہرو اس کے عجائبات پہ اور اس سے دلوں کو ہلا کر رکھ دو اور اس کی فکر میں نہ لگو کہ اس سورت کا آخر کب آئے گا؟

نثر پڑھنے کے کوئی قاعدے نہیں ہوتے مگر قرآن پاک کو پڑھنے کے قاعدے ہوں گے اسے نثر وقل کے پیمانے میں لانے سے منع فرمایا اور اس کے پڑھنے میں شعر کا سا مزہ لینے سے بھی منع کیا. کیونکہ بعض اوقات شعر اس لیے بھی جلدی پڑھتے ہیں کہ اس کا وزن پہلے مصرعہ سے کہیں چھوٹا یا بڑا محسوس نہ ہو.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اس ارشاد میں بتلایا ہے کہ قرآن پاک اپنے اسلوب میں نہ نثر ہے نہ نظم اس کا اپنا ایک اسلوب ہے اور اس اسلوب کے کچھ اپنے حقوق ہیں ان کا دھیان کرو.

اسلوبِ قرآن پر ایک اور سوال

بعض مخالفین کہتے ہیں کہ نزول قرآن سے پہلے عرب میں کئی ایسے بلند پایہ خطیب گزرے ہیں کہ آنحضرتؐ کو ان کے خطبے اور اشعار سننے کا بارہا موقع ملا تھا اس سلسلہ میں وہ قس بن ساعدہ اور امیہ بن الصلت وغیرہ کے نام لیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کے کلام میں بعض ایسے فقرے ملتے ہیں جن کا اسلوب، قرآن کی بعض چھوٹی چھوٹی آیات کے انداز پہ ہے یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا اسلوب نرالا نہیں پہلے سے اس کے آثار موجود تھے.

جواب: قس بن ساعدہ اور امیہ بن الصلت کے جن خطبات اور اشعار سے استدلال کیا گیا ہے ان کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ وہ سب اپنے ثبوت میں موضوع اور اپنی تاریخی نسبت میں ناقابلِ اعتماد ہیں کسی صحیح سند سے وہ قس بن ساعدہ اور امیہ بن الصلت سے منقول نہیں. سو ہم ان خطبات کا جاہلی ہونا تسلیم نہیں کرتے وہ قطعاتِ کلام آنحضرتؐ سے پہلے کے نہیں آپ سے کافی بعد کے ہیں. بنوامیہ اور بنوعباس کے بعض درباری شعراء اور خطباء کی عادت تھی کہ بعض اوقات اپنی وجاہت اور ثقاہت ظاہر کرنے کے لیے اپنے کلام کو عہد جاہلی کی طرف نسبت کر دیتے تھے

ان متاخرین کے کلام میں اگر کہیں اسلوب قرآنی کی پیروی ملے اور وہ اسے عہد قدیم کی طرف نسبت کردیں تاکہ ان کی نظر وسیع تر ظاہر ہو اور قدما کے کلام پر ان کی دھاک بیٹھ جائے تو اس چال سے اصل کلام عہد جاہلی ہرگز نہ بن سکے گا۔

ان وضاعین میں حماد الراویۃ (متوفی ۱۵۵ھ) اور خلف الاحمر کی بہت شہرت ہے۔ اصمعی کہتے ہیں کہ حماد اعلم الناس ہے اگر وہ اشعار میں کمی بیشی نہ کرے اس قول کی تشریح میں عربی کے بلند پایہ ادیب علامہ یاقوت لکھتے ہیں :۔

اصمعی نے یہ اس لیے کہا ہے کہ حماد کے متعلق یہ خیال عام تھا کہ وہ اپنے اشعار کو قدیم شعرائے عرب کی طرف منسوب کردیتا ہے۔[۱]

اس شخص کا شعرائے جاہلیت کے اندازِ بیان اور ان کے اسالیب پر قادر ہونا علماء ادب نے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح خلف احمر عہدِ جاہلیت کے محاورات اور لغات میں اس قدر ماہر تھا کہ اپنے طبع زاد اشعار قدیم شعراء کے نام سے پڑھنے میں اسے کوئی باک نہ تھا۔ علامہ ابو الطیب عبدالواحد اللغوی کہتے ہیں :۔

کان خلف یضع الشعر وینسبه الی العرب فلا یعرف۔[۲]

ترجمہ: خلف احمر خود شعر وضع کرتا ہے اور انہیں اس طرح عربوں کی طرف منسوب کردیتا تھا کہ پتہ ہی نہیں چلنے دیتا تھا۔

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سے پہلے کے بعض خطباء اور شعراء کے اسالیب کا پیرو قرار دیتے ہیں ان کے ذمہ ہے کہ اپنی پیش کردہ نقول ایسے اسناد سے ثابت کریں جن میں حماد اور خلف الاحمر جیسے وضاعین کی کارکردگی کو کوئی دخل نہ ہو۔ علامہ سیوطی نے ایسے بعض خطبات پر خوب تنقید فرمائی ہے۔[۳]

پروفیسر مارگولیوتھ۔ جو اس قسم کے اعتراضات کے لیے ہر تنکے کا سہارا لیتے ہیں خود تسلیم کرتے ہیں کہ :۔

---

[۱] معجم البلدان جلد ۱ صـ ۶۶۵ [۲] ایضاً جلد ۱۱ صـ ۶۸

[۳] دیکھئے اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ جلد ۱ صـ ۲۸ مصر

قدیم شاعری کا اکثر حصہ قرآن کے اسلوب پر وضع کر لیا گیا ہے۔[1]

حقیقت یہی ہے کہ قرآن کریم نے جس نرالے اسلوب سے دنیا کو روشناس کرایا ہے اس کی کوئی نظیر پہلے سے موجود نہ تھی اگر کوئی ایسا نمونہ کلام پہلے موجود ہوتا تو جب قرآن نے عرب کے فصحاء وبلغاء کو پوری تحدی سے مقابلہ کے لیے آواز دی تھی تو وہ اسے لے کر میدانِ مبارزت میں ضرور نکلتے۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت کے خطباء وشعراء کو وہ نظائر کیوں میسر نہ آئے جواب ہمارے ان کرم فرماؤں کو مل رہے ہیں؟ جب اس مقابلہ کے وقت کوئی ایسا نمونہ کلام پیش نہیں ہو سکا تو ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ سب مواد بہت بعد کی پیداوار ہے قرآن ان کے پیچھے نہیں' یہ خود قرآنی اسالیب کی پیروی میں وضع ہوئے ہیں اور اس میں بھی وہ بُری طرح ناکام ہیں۔

تکرار فی القرآن پر ایک سوال

قرآن کریم میں انبیاء گذشتہ کے واقعات میں بہت تکرار ہے یہ تکرار قرآن کے اسلوب پر ایک جرح ہے جو مخالفین کی طرف سے کی گئی ہے۔

جواب: قرآن کریم نے مخالفین کو کہا تھا کہ اگر تمہیں میرے کلامِ الٰہی ہونے میں شک ہے تو اس جیسے کلام کی ایک ہی سورت بنا لاؤ۔ اس کا جواب ان کی طرف سے یہ ہو سکتا تھا کہ جو الفاظ ایک مضمون کے بیان کے تھے وہ تو قرآن نے استعمال کر لیے اور اس مضمون کی ادائیگی اتفاقاً ایک اچھے انداز میں ہو گئی۔ علاوہ ازیں قصص کا دائرہ بلاغت حقائق وافکار کے دائروں کی طرح زیادہ وسیع نہیں یہ بہت تنگ ہے اس لیے اگر یہ مضمون کسی ویسی ہی بلیغ ترکیب میں دوبارہ نہ آسکے تو کوئی تعجب نہیں اگر کسی کو دعوٰے ہے تو وہ ہی ان مضامین کو ان جیسی دوسری تراکیب میں لا کر دکھائے۔

قرآن کریم نے ان مضامین کو مختلف لفظوں اور مختلف طریقوں میں پیش کیا ہے کہیں مختصر اور کہیں مفصل اور ہر دفعہ اس میں بلاغت کا اعلیٰ ترین درجہ ملحوظ ہے پس کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں بلکہ قرآن کا عالمگیر چیلنج اور نکھر گیا کہ تم کسی لفظوں سے اور کسی طریقہ پر جو تمہارے نزدیک ممکن ہو بقدر

---

[1] ماخوذ از سیرت النبی علامہ شبلی جلد ۱ صد ۱۸۳

مذکورۂ قرآن کی نظیر لے آؤ. ایک بات کو مختلف عبارتوں میں پیش کرنا اور بلاغت کا معیار ہر دفعہ ایک رکھنا بلغار کے نزدیک ایک بڑی ہی مشکل بات ہے اور قدرتِ بشری سے خارج ہے. قرآنِ کریم اگر کلامِ بشری ہوتا تو اس میں یہ تکرار ہرگز نہ ہوتا.

تکرار قصص کی دوسری وجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی قوم کی شرارتوں اور بے وجہ مخالفتوں سے ملول خاطر ہوجاتے تو اللہ تعالیٰ حضور اکرمؐ کی تسلی خاطر کے لیے پچھلے انبیار کے واقعات کو بار بار نقل کرتے تاکہ حضورؐ کے دل کو تسلی ہو.

وکلاّ نقص علیك من انباء الرّسل ما نثبّت به فؤادك وجاءك فی هٰذه الحقّ وموعظة وذکریٰ للمؤمنین. (پ۱۲ ہود ۱۲۰)

ترجمہ. اور یہ پیغمبروں کے تمام قصّے جو ہم تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں یہ تمہارے دل کو مضبوط کرنے کے لیے ہیں اور ان میں تمہارے پاس حق اور ایمان والوں کے لیے نصیحت اور تذکیر ہے.

چونکہ اس قسم کے تذکرے بار بار گزرتے اور ایسی تکلیفات کا بار بار سامنا کرنا پڑتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے پچھلے انبیار کرام کے ان صبر آزما مرحلوں کو بھی بار بار پیش کیا تاکہ اُن کی یاد سے آپ کا دل تسلی پکڑے.

پیشِ نظر رہے کہ قرآن پاک جب کسی واقعے یا مضمون کو دوسری بار پیش کرتا ہے تو اس میں صرف تکرار نہیں مضمون کی زیادتی اور لطافت ایک اور ذوق بلاغت پیش کرتے ہیں جسے تاکید اور تاسیس کے مختلف مدارج سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یہ تکرارِ محض نہیں جو مخل فصاحت ہو. سورۃ الرحمٰن میں بھی تکرار نہیں تاسیس کار فرما ہے.

قرآن پاک کے اسلوب بیان کے بعد اب اس کے اسلوب نصیحت پر بھی غور کیجیے. معنوی اعتبار سے یہ کامیاب ترین پیرایہ بیان ہے.

قرآن کریم کا اسلوب نصیحت

قرآن کریم نے جہاں انسان کو حقائق کائنات اور انفسی و آفاقی آیات پر غور و فکر کی بارہا دعوت دی ہے وہاں ابتدائی نصیحت اور فکرِ آخرت کے لیے ایک بڑی سیدھی راہ بھی پیش کی ہے اس کے مضامین جتنے گہرے ہیں اتنے آسان بھی ہیں اگر ایک طرف اس کی بلندیوں میں رازیؒ اور طنطاویؒ حیران نظر آتے ہیں تو دوسری طرف یہ فطرت انسانی کے اتنا قریب بھی ہے کہ معمولی توجہ سے اس میں ہدایت کی راہیں کھلی نظر آتی ہیں۔

ولقد یسرنا القران للذکر فھل من مدکر۔ (پ۲۷ القمر ۱۷)

ترجمہ۔ اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے نہایت آسان کر دیا ہے کیا ہے کوئی جو سوچنے والا ہو۔

اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی اور آپ کے بچ نکلنے کا ذکر تھا اسے قرآن کریم نے ان لفظوں میں بیان کیا:۔

ولقد ترکنھا ایۃ فھل من مدکر۔ فکیف کان عذابی و نذر۔

(پ۲۷ القمر)

ترجمہ۔ اور ہم نے اسے ایک نشان بنا چھوڑا۔ سو ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا۔ پھر میرا عذاب اور ڈرانا کیسا رہا۔

اس کے بعد قرآن کریم کے آسان ہونے کا اس طرح ذکر فرمایا گیا۔

قرآن کریم کا اسلوب نصیحت یہ ہے کہ بلند تر صداقتیں عام فہم مثالوں سے عام ذہنوں میں اتاری جائیں ارشاد ہوتا ہے:۔

وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون۔ (پ۲۰ العنکبوت ۴۳)

ترجمہ۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے لاتے ہیں لیکن انہیں صرف عالم ہی سمجھ پاتے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ ان سے بھی کما حقہا اہل علم ہی مستفید ہو سکتے ہیں تاہم دین فطرت کے

عام تعارف اور عامۃ الناس میں غور فکر کی راہیں کھولنے کے لیے قرآن کا یہ اسلوب نصیحت نہایت مؤثر رہا ہے۔

ویضرب اللہ الامثال للناس لعلھم یتذکرون ۔ (پ۱۳ ابراہیم ۲۵)

ترجمہ۔ اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ سوچیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:۔

ولقد صرفنا للناس فی ھٰذا القراٰن من کلّ مثل فابی اکثر الناس الّا کفورًا۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۹)

ترجمہ۔ اور ہم نے ہر مثال کو کئی کئی صورتوں میں پھیر کر اس قرآن میں بیان کیا لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔

قرآن عزیز نے ان کی خیر خواہی کے لیے عجیب و غریب مضامین بار بار مختلف پیرایوں میں طرح طرح کی مثالوں سے بیان کیے ہیں تاکہ بات ان کے ذہن میں اچھی طرح سے اتر جائے قرآن عزیز مضمون کو عام فہم کرنے کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے۔ غیر مرئی صداقتیں نقشوں سے ذہن میں اتاری جاتی ہیں۔ تمثیل کی غرض یہ ہوتی ہے کہ غیر محسوس اور غیر مرئی حقیقت کو عوامی ذہن کے قریب کرنے کے لیے کسی ایسی صورت سے نسبت دی جائے جو روز مرہ کے مشاہدیں پہلے سے محسوس اور واضح ہو۔ جن حقائق تک عوام النّاس کی نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں۔ تمثیلات کے ذریعہ ان کا مشاہدہ کرادیا جاتا ہے۔ انسان کے اخلاقی کردار تمثیلی پیرایہ میں ایں طرح سامنے لائے جاتے ہیں کہ بعض اخلاق کی عظمت اور بعض اخلاق کی نفرت محسوس صورت میں آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ اپنے کیے کام کو برباد کرنے کی مثال اس سے زیادہ بلیغ کیا ہوگی۔

ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثًا تتخذون ایمانکم دخلاً بینکم ان تکون امۃ ھی اربٰی من امۃ۔ (پ۱۴ النحل ۹۲)

ترجمہ۔ اور نہ تم ہونا اس عورت کی طرح جس نے اپنا کاتا ہوا سوت محنت کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تم ٹھہراتے ہو اپنی قسموں کو ایک دوسرے میں دخل دینے کا بہانہ کہ ایک طبقہ چڑھا ہوا ہے دوسرے سے۔

امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) رقمطراز ہیں :-

ان المقصود من ضرب الامثال انها تؤثر فی القلوب مالا یؤثر وصف الشئ فی نفسه وذلك لان الغرض من المثل تشبیه الخفی بالجلیّ و الغائب بالشاهد فیتاکد الوقوف علی ماهیته ویصیر الحس مطابقاً للعقل وذلك نهایة الایضاح الا ترے ان الترغیب اذا وقع فی الایمان مجرداً عن ضرب مثل له لم یتاکد وقوعه فی القلب کما یتاکد وقوعه اذا مثل بالنور واذا زهد فی الکفر بمجرد الذکر لم یتاکد قبحه فی العقول کما یتاکد اذا مثل بالظلمة واذا اخبر بضعف امر من الامور وضرب مثله بنسج العنکبوت کان ذلك ابلغ فی تقریر صورته من الاخبار بضعفه مجرداً ولهذا اکثر الله تعالیٰ فی کتابه المبین و فی سائر کتبه امثاله قال تعالیٰ وتلك الامثال نضربها للناس[1]

ترجمہ: مثالیں اس لیے بیان کی جاتی ہیں کہ ان کا اثر دلوں پر اصل چیز کے بیان کرنے سے بھی زیادہ ہوتا ہے مثال سے غرض یہ ہوتی ہے کہ جو چیز مخفی ہے اسے کسی جلی چیز سے تشبیہ دی جائے اور جو غائب ہے اس کی مثال حاضر سے لائی جائے تاکہ اس کی ماہیت کا پوری طرح پتہ چل جائے اور حس عقل کے مطابق اتر جائے اور یہ بات بڑی واضح ہے ایمان کی ترغیب مثال کے بغیر کتنی کیوں نہ دلائی جائے دل پر اس کا وہ اثر نہیں ہوتا جو اسے نور کی تمثیل دے کر ہوتا ہے اسی طرح کفر سے کتنا ہی متنفر کیوں نہ کیا جائے اس کی قباحت عقل میں اتنی نہیں جمتی جتنی اسے اندھیرے سے مثال دے کر واقع ہوتی ہے کسی چیز کا ضعف بیان کیا جائے اور اس کی مثال مکڑی کے جالے سے لائی جائے تو اس کی ذہن میں رسائی اس کے مجرد ذکر سے زیادہ ہوگی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور اس سے پہلی کتابوں میں امثال بہت بیان کی

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۲ صہ ۷، طبع جدید مصر

ہیں اور فرمایا کہ یہ مثالیں ہیں جنہیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں۔

رب العزت کی انتہائی شفقت اور رحمت ہے کہ بلند حقیقتیں تمثیلات کے پیرایہ میں آسان کردی جاتی ہیں لیکن حق قبول کرنے کی سعادت جن کی قسمت میں نہیں ہوتی وہ ان مثالوں سے سبق حاصل کرنے کی بجائے اُلٹا ان مثالوں پر ہی اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ مخالفین قرآن کریم کے اس اسلوب نصیحت پر کبھی یُوں لب کشا ہوتے ہیں کہ خدا کی شان کے لائق نہیں کہ وہ معمولی اور حقیر چیزوں کو جیسے مکڑی مچھر وغیرہ مثالوں میں پیش کرے۔

مخالفین یہاں ایک بڑی غلطی کر رہے ہیں مثال کا انطباق مثال دینے والے کی حیثیت سے نہیں ہوتا بلکہ جس کی مثال ہے اس کی حیثیت پیش نظر ہوتی ہے۔ اگر وہ حقیر اور کمزور ہے تو تمثیل بھی ایسی ہی حقیر اور کمزور چیزوں سے ہوگی۔ مثال دینے والے کی عظمت کا اس سے کیا تعلق۔

حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں :۔

> مثال سے توضیح وتفصیل ممثل لہ کی مطلوب ہوتی ہے مثال دینے والے کی حقارت اور عظمت سے کیا بحث اور یہ مطلوب جبھی ہوگا کہ مثال اور ممثل لہ میں پوری مطابقت ہو ممثل لہ حقیر ہوگا تو اس کی مثال بھی حقیر ہونی چاہیئے۔ ورنہ تمثیل ہی بیہودہ سمجھی جائے گی۔ ہاں اگر تمثیل میں یہ ضروری ہوتا کہ مثال اور مثال دینے والے میں موافقت ضروری ہوتی تو بے وقوفوں کا اعتراض چل سکتا تھا مگر اس کا تو کوئی بے وقوف بھی قائل نہ ہوگا۔ تورات انجیل اور کلام حکماء و سلاطین میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ اس کے خلاف کہنا کفار کی حماقت اور عناد کی بات ہے۔[1]

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا۔ (پ البقرہ)

ترجمہ۔ بے شک خدا کو عار نہیں کہ کوئی مثال مچھر کی یا اس چیز کی جو (حقارت اور چھوٹائی میں) اس سے بڑھ کر ہو بیان کرے۔

ادبی اعتبار سے مچھر کی مثال میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ ممثل لہ اپنی تحقیر میں مچھر کی عملی

---

[1] موضح الفرقان ص

تصویر ہو اس انتہائے حقارت کو بیان کرنے کے لیے جتنی ادنیٰ سے ادنیٰ مثال تلاش کی جائے گی اتنی ہی مقتضائے حال کے مطابق ہوگی یہی تمثیل کی بلندی اور بلاغت کی انتہا ہے اس غایت تحقیر میں جانا پستی کی طرف انتقال نہیں بلندی کی طرف ایک قدم ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن کریم اس مقام پر مثلاً مابعوضۃ فما دونہا کی بجائے مثلاً ما بعوضۃ فما فوقہا کی تعبیر اختیار کرتا ہے۔ گو یہ فوقیت حقارت اور چھوٹائی میں ہو جیسا کہ آیت مذکورہ کے ترجمہ میں ہم نے اشارہ کر دیا ہے مچھر کو تو پھر بھی کوئی نہ کوئی اچھا عنوان مل سکتا ہے لیکن یہ کفار و مشرکین تو اس کے بھی اہل نہ تھے۔

؎ پشہ سے سیکھ شیوۂ مردانگی کہ وہ
جب قصد خوں کو آئے تو پہلے پکار دے

جو لوگ ایمان کی حقیقت سے محروم تھے اور بزعم خود اپنے آپ کو "مومن" کہتے تھے ان کے لیے ایمان کی ایک محسوس صورت پیش کر دی گئی۔ صف اوّل کے صحابہؓ کو ایمانیات کی مثالی صورت میں پیش کیا انہیں معیارِ ایمان قرار دیتے ہوئے سمجھا دیا کہ اگر تم حقیقتِ ایمان کا تفصیلی جائزہ نہیں لے سکتے تو اپنے آپ کو ایمان کی اس کسوٹی "صحابہ کرامؓ کے ایمان" کے مطابق کرنے کی کوشش کرو تم ایمان پا جاؤ گے۔

واذا قیل لھم اٰمنوا کما اٰمن النّاس قالوا انؤمن کما اٰمن السّفھاء الا
انھم ھم السفھاء ولٰکن لا یعلمون۔ (پ البقرہ)

ترجمہ۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تم ویسا ایمان لاؤ جیسا کہ یہ لوگ (صحابہ کرامؓ) ایمان لائے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ کیا ہم ان بیوقوفوں کو معیار ایمان قرار دیں خبردار یہ خود ہی بے وقوف ہیں مگر جانتے نہیں۔

دوسرے مقام پر اسی مثال کو ان الفاظ میں پیش کیا:۔

فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا وان تولّوا فانّما ھم فی شقاق۔

(پ آخر البقرہ ۱۳۷)

ترجمہ پس اگر یہ لوگ اسی طرح ایمان لائیں جیسا کہ تم (اے صحابۂ پیغمبر خاتمؐ) ایمان لائے ہو تو بے شک یہ ہدایت پر ہیں اور اگر یہ (اس اصول سے) پھر جائیں تو پھر یہ محض ضد پر ہیں۔

یہاں قرآن کریم کی جملہ مثالوں کا احاطہ مقصود نہیں انہیں ہم انشاءاللہ آگے ایک مستقل عنوان میں پیش کریں گے۔ یہاں ہم قرآن کریم کے اسلوب پر بات کر رہے ہیں۔ قرآن کریم بات کو ذہن نشین کرانے کے لیے اس کے لیے مثالیں لاتا ہے اور یہ اسلوب تقریباً ہر آسمانی کتاب میں پایا گیا ہے۔

قرآن کریم کے اسلوب نصیحت کی ایک بہار مثالوں کے علاوہ اس کی نہایت مؤثر مضمون بندی میں بھی ہے ہر سورت کا آغاز وسط اور خاتمہ خصوصی شان کے حامل ہیں کلام اس انداز سے شروع ہوتا ہے کہ سننے والا ابتداء میں اس کی عظمت اور بلندی کا معترف ہو جاتا ہے انداز بتا رہا ہوتا ہے کہ کوئی نہایت ہی اعلیٰ مضمون بیان ہونے والا ہے وسط اس کی تصدیق کر دیتا ہے اور تفصیل کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ پھر خاتمہ اس کا پورا ماحصل چند لفظوں میں لپیٹ کر اس مضمون پر مہر لگا دیتا ہے آیات کے فواتح و مقاطع میں عجیب مناسبت ہے اس موضوع میں مراصد المطالع فی تناسب المقاطع والمطالع ایک قابل دید کوشش ہے۔

انجیل (نئے عہد نامے) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بار بار تمثیل پیش کرتے دکھایا گیا ہے خدا کی طرف سے تمثیلات مکاشفوں کی صورت میں دکھائی جاتی ہے اور بندوں کی طرف سے عام مشاہدت کو بطور تمثیل پیش کیا جاتا ہے۔

سُوَرُ القرآن

تقسیم القرآن فی صحف الرحمٰن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

قرآن کریم لوح محفوظ میں ایک مسلسل کتاب کی صورت میں نہیں مختلف صحیفوں میں تقسیم تھا پھر ایک ایک صحیفہ میں بھی باستثنار چھوٹے صحف کئی کئی ابواب Chapters تھے. امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں جو بڑے ابواب باندھے ہیں وہ کتاب العلم. کتاب الصلوٰۃ. کتاب الزکوٰۃ. کتاب الحج وغیرہ ناموں سے لکھے ہیں. صحیح بخاری کے اندر یہ مختلف کتابیں ہیں ـــ قرآن کریم بھی ایک کتاب ہے مگر اس میں بھی متعدد صحیفے ہیں اور ان میں مضبوط تحریریں پائی جاتی ہیں اور یہ صحیفے اور ان میں پائی گئی تحریریں یہاں پہلے حضورؐ کی زبان پر آئیں اور آپ کی تلاوت سے پھر یہ صحابہؓ کی دستاویزات بنیں. پھر سرکاری طور پر انہیں محفوظ کیا گیا ان کی نقلیں لی گئیں اور آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی اترا یہ قرآن دنیا کے اطراف و اکناف میں موجود و محفوظ اور مقرو و مزلو ہے نہ اس میں آگے سے باطل شامل ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے. یہ ایک الٰہی تنزیل ہے.

رسول من اللہ یتلوا صحفاً مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ. (پ۳۰ البینۃ ۳)

ترجمہ. اللہ کا رسول پڑھ رہا ہے پاک صحیفے ان میں ہیں قائم رہنے والی تحریریں.

یاد رکھیے یہ تحریریں قائم رہنے والی ہیں انہیں زمانے کی کوئی دستبرد نہ مٹا سکے گی.

صحف کے معنی لکھنے کے ہوتے ہیں اسے باب اِفعال میں اِصحاف کہیں گے جس کے معنی اوراق منتشرہ کو ایک جگہ لکھنے کے ہیں مصحف اسی سے اسم مفعول ہے صحیفہ بھی اسی نوع کا ایک تحریری مجموعہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آیات اُترتیں آپ انہیں ان کی مناسبت سے ان کے متعلقہ صحیفے میں لکھوا دیتے تھے. اس طرح قرآن کئی صحیفوں میں تقسیم ہے. ان صحیفوں کے مجموعہ کو بھی مصحف کہتے ہیں.

قرآن کے اصول پہلی کتابوں میں بھی دیئے گئے تھے

قرآن کریم کے اُصول جن پہلی کتابوں میں پائے جاتے رہے وہ پہلی کتابیں بھی صحیفے کہلاتی تھیں

ان اصولوں پر مشتمل ہونے کے سبب سے انہیں بھی صحیفہ کہا گیا ہے۔ گو وہ صحیفے حضرت ابراہیمؑ پر اترے یا وہ تورات میں موجود ہوں "آخرت ہی باقی رہنے والی ہے اور یہی خیر ہے" الاٰخرۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون ـــ یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد پیرایوں میں آیا ہے ـــ اس کے بارے میں خبر دی گئی۔

والاٰخرۃ خیر وابقیٰ ان ھٰذا لفی الصحف الاولیٰ ـــ صحف ابراھیم وموسیٰ۔ (پ۳۰ الاعلیٰ ۱۹)

قرآن کریم کا ایک نام مصحف ہے اور اس کے اندر مختلف صحیفے ہیں انہی صحیفوں کو قرآن کریم کی مختلف سورتیں کہا جاتا ہے۔ سُور عربی میں دیوار اور فصیل کو کہتے ہیں فصیل شہر کی خارجی دیوار کو کہتے ہیں۔ جس طرح فصیل شہر کا احاطہ کرتی ہے اس طرح جو قطعہ آیات ایک مضمون یا چند متناسب مضامین کا احاطہ کرے اسے بھی ایک سورت کہہ سکتے ہیں۔ قرآن کریم ایک کتاب ہے مگر یہ متعدد (۱۱۴) سورتوں پر مشتمل ہے۔

کبھی یہ لفظ ان اصطلاحی معنی میں نہیں چند آیات پر بھی آجاتا ہے لیکن مراد اس سے بھی نازل شدہ بات ہوتی ہے نہ کہ اپنی کہی بات۔

واذا ما انزلت سورۃ نظر بعضھم الیٰ بعض۔ (پ۱۱ التوبۃ ۱۲۷)

ترجمہ۔ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو ان میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں۔

کلامِ الٰہی کا سننا ان پر بہت شاق گزرتا ہے خصوصاً وہ آیات جن میں ان کے عیوب کھولے جاتے ہیں اس وقت ایک دوسرے کی طرف کن انکھیوں سے اشارہ کرتے اور ادھر اُدھر دیکھتے قالہ شیخ الاسلام:

یہاں سورت کا لفظ چند آیات کے معنی میں ہے یہ اپنے اصطلاحی معنی میں نہیں ایک اور مقام پر فرمایا:۔

واذا انزلت سورۃ ان اٰمنوا باللہ وجاھدوا مع رسولہ استأذنک اولوا الطول منھم۔ (پ۱۰ التوبۃ ۸۶)

قرآن کریم کی سورتوں میں تقسیم توقیفی ہے

قرآن کریم کی پاروں میں تقسیم اور رکوعوں میں تقسیم انسانی تقسیم ہے لیکن قرآن کریم کی سورتوں میں تقسیم توقیفی ہے جو لوحِ محفوظ کے صحیفوں کے مطابق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر سورتوں کا نام لے لے کر ان کی طرف رغبت دلائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے ہاں بھی قرآن ان سورتوں کے ایک مجموعہ کا نام ہے اور قرآن کریم کی یہ سورتوں میں تقسیم خدا کی طرف سے ہے یہ انسانوں کی اپنی نہیں۔

قرآن کریم کی دس سورتوں کے بعد گیارہویں سورت میں کہا گیا کہ اگر یہ کلام واقعی انسانی کلام ہے تو تم بھی ایسی دس سورتیں گھڑ لاؤ:۔

قل فأتو بعشر سور مثله مفتريات. (پ ۱۲ ہود ۱۳)

پہلی دس سورتوں کو یہاں دس سورتیں کہا گیا ہے یہ ان کا دس سورتیں ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان شدہ ہے اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ الانفال اور التوبہ دو سورتیں ہیں ایک نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ سورتوں کا نام لے لے کر ان کے بارے میں کوئی خاص بات کہی ملاحظہ کیجئے:۔

آنحضرتؐ نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو کہا الا تكفيك اٰية الصيف فی اٰخر سورة النساء[1] فتنہ دجال سے بچانے کے لیے فرمایا من حفظ عشر اٰيات من اوّل سورة الكهف عصم من فتنة الدجال[2]۔ یہ بھی فرمایا من قرأ اٰيتين من اٰخر سورة البقرة فی ليلة كفتاه[3]۔ اور یہ بھی فرمایا من قرأ ثلث اٰيات من اٰخر سورة الحشر وكل الله به سبعين ملكاً يصلون عليه حتى يمسى[4]۔ اور یہ بھی فرمایا۔ من قرأ سورة الواقعة فی كل ليلة لم تصبه فاقة ابداً[5]

امام ابو بکر الانباری فرماتے ہیں:۔

يوقف جبريل النبی صلی الله عليه وسلم علی موضع الاٰية والسورة فاتساق السور كاتساق الاٰيات والحروف كله عن النبیؐ فمن قدم سورة او اخرها فقد افسد القراٰن[6]

ترجمہ۔ حضرت جبریل آنحضرتؐ کو آیت اور سورت کا مقام بتلاتے تھے سو سورتوں کا جوڑ آیتوں اور حروف کے جوڑ کی طرح ہے اور ان میں ہر ایک بات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے

---

[1] صحیح مسلم صـ ۳۵ ج ۲ [2] ایضاً صـ ۲۷۱ ج ۱ [3] سنن ابی داؤد صـ ۱۹۸ ج ۱ [4] جامع ترمذی صـ ۲۱۳ ج ۲ [5] مشکوٰۃ صـ [6] الاتقان صـ

جس نے کسی سورت کو اپنے مقام سے آگے یا پیچھے کیا اس نے نظمِ قرآن کو بدل ڈالا۔

شانِ نزول اور مواقع النزول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور تابعین نے جس طرح شانِ نزول کی معرفت ضروری سمجھی اس طرح مقامِ نزول کو بھی انہوں نے بڑی احتیاط سے یاد رکھا اور مواقع نزول کی تعیین میں یہاں تک اہتمام کیا کہ مکی اور مدنی سورتوں کی تعیین تو ایک طرف ان حضرات نے حضری و سفری، نہاری و لیلی، صیفی و شتائی بلکہ فراشی و نومی اور ارضی و سمائی آیات تک کی تعیین کر دی ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

مکی اور مدنی آیات کی تفصیل و تعدید سے پہلے مکی اور مدنی کی اصطلاحی حدود بیان کرنی ضروری ہیں اہل علم اس کی تعیین دو اعتبارات سے کرتے ہیں:۔

(۱) مکی سے مراد وہ سورتیں ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں خواہ ہجرت سے پہلے خواہ ہجرت کے بعد فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے موقع پر ان کا نزول ہوا اور مدنی سورتوں سے مراد وہ سورتیں ہیں جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اس اصطلاح کے مطابق وہ سورتیں جو سفر وغیرہ میں اُتریں مکی یا مدنی کسی ذیل میں نہ آسکیں گی اور ایک تیسری قسم کی ضرورت لاحق ہو گی۔ زیادہ سے زیادہ مکہ کے نواحی علاقوں جیسے منیٰ، عرفات اور مزدلفہ وغیرہا میں نازل ہونے والی سورتوں کو مکی اور مدینہ کے مضافات جیسے بدر، احد، سلع وغیرہا میں نازل ہونے والی سورتوں کو مدنی کہہ سکیں گے لیکن سارے سفروں کو مکی اور مدنی کی یہ تقسیم پھر بھی جامع نہ ہو گی اور ایک تیسری قسم کی صورت بہرحال لاحق ہو گی۔

(۲) مکی سے مراد وہ سورتیں ہیں جو ہجرت سے پہلے آپ کی زندگی میں نازل ہوئیں۔ مقامِ نزول خواہ مکہ ہو خواہ اور کوئی جگہ۔ حتیٰ کہ اگر کوئی سورت مدینہ کی طرف سفر کرتے ہوئے راستے میں نازل ہوئی تو اسے بھی مکی ہی کہا جائے گا۔ اسی طرح مدنی سورتوں سے مراد وہ سورتیں ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔ مقامِ نزول خواہ مدینہ ہو خواہ مکہ ہو خواہ کوئی اور جگہ۔

اس صورت میں مکی و مدنی سے مراد مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرف نسبت نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی کی طرف نسبت مراد ہو گی اور آپ کی حیاتِ طیبہ کے انہی دو ادوار

کے اعتبار سے قرآن کریم مکی اور مدنی دو قسم کی سورتوں میں منقسم ہوگا۔ پس حالتِ سفر میں نازل ہونے والی آیات اور سورتیں بھی انہی میں سے کسی ایک ذیل میں درج ہوں گی اور مکی اور مدنی کی تقسیم سارے قرآن کو شامل ہوگی۔

یہ دوسری اصطلاح ہی زیادہ مقبول اور علمی حلقوں میں مشہور ہے اور یہی مختار عند الجمہور ہے علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

المدنی ما نزل بعد الھجرۃ وان کان فی غیر المدینۃ والمکی ما نزل وان کان فی غیر مکۃ وھو الاصح۔[1]

ترجمہ۔ مدنی آیات سے مراد وہ آیات ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں گو وہ مدینہ کے علاوہ کسی اور جگہ اُتری ہوں اور مکی سے مراد وہ آیات ہیں جو ہجرت سے پہلے اُتریں گو وہ مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ اُتری ہوں یہی بات زیادہ صحیح ہے۔

المکّی والمدنی

قرآن کریم کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں پر مشتمل ہے جن میں سے ستاسی (۸۷) مکی اور ستائیس (۲۷) مدنی ہیں۔

(۱) فاتحۃ الکتاب مکی ہے اور سورۃ بقرہ سے سورۃ مائدہ تک چار لمبی سورتیں مدنی ہیں۔

(۲) آگے سورۃ انعام (ماسوائے تین آیات کے جو مدینہ میں اُتریں) اور سورۃ اعراف دونوں مکی ہیں۔

(۳) پھر سورۃ انفال اور سورۃ توبہ دونوں مدنی ہیں۔

(۴) اس کے بعد سورۃ یونس سے سورۃ احقاف تک (ماسوائے الحج، النور، الاحزاب کے) سب (۳۵) مکی ہیں۔

(۵) پھر سورۃ محمد، سورۃ فتح اور سورۃ حجرات تینوں مدنی ہیں۔

(۶) اس کے بعد سورۃ ق سے سورۃ قمر تک پانچ مکی سورتیں ہیں۔

(۷) پھر سورۃ الرحمٰن سے لے کر سورۃ تحریم تک (ماسوائے الواقعہ کے) گیارہ سورتیں مدنی ہیں۔

---

[1] رد المحتار جلد ۱ صد ۶۶ مصر

(۸) پھر سورۃ ملک سے سورۃ قدر تک (باستثناء سورۃ دہر) اکتیس مکی سورتیں ہیں۔

(۹) اس کے بعد سورۃ البینہ اور زلزال دو مدنی سورتیں ہیں۔

(۱۰) اور اس کے بعد سورۃ العادیات سے آخر قرآن تک (ماسوائے سورۂ نصر کے) چودہ سورتیں مکی ہیں۔ یہ کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔

اگرچہ مکی اور مدنی دونوں طرح کی سورتوں میں جملہ علوم قرآنی سے بحث ہوتی ہے تاہم ان کے عمومی تقابل میں ان میں کچھ امتیازات بھی سامنے آتے ہیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو آپ کا رخ خطاب زیادہ مشرکین کی طرف ہوتا تھا۔ مسلمانوں میں اعمال کی تلقین نسبتۃً کم تھی۔ اسلام کی اخلاقی بزرگی کے زیادہ مظاہر اسی مکی زندگی میں سامنے آتے۔ ہم ان امتیازات کو یہاں یوں لپیٹتے ہیں:۔

مکی اور مدنی سورتوں کے مضامین کا عمومی تقابل

(۱) مکی سورتوں کے موضوع زیادہ تر عقائد ہیں۔ اصلاح نظر کے لیے حقائق کائنات اور اصول دانش پر زیادہ زور دیا گیا ہے وجود باری، توحید ذات، توحید صفات، بعثت رسل بشر، انزال کتب اور حشر و نشر جیسے بنیادی مسائل زیادہ تر عقلی دلائل سے پیش کیے گئے ہیں۔ فکر آخرت کے لیے پہلی قوموں کے وہ عبرت آموز واقعات بھی پیش کیے گئے ہیں جو عربوں میں بالعموم مشہور تھے ان بیانات سے مقصود تاریخ دانی یا قصہ خوانی نہیں بلکہ مختلف قوموں کی غلطیوں سے آئندہ نسلوں کو درسِ عبرت دینا ہے۔

مدنی سورتوں کے موضوع زیادہ تر اعمال ہیں، عبادات، اخلاق اور معاملات کے اصول و فروع کا بیان ہے۔ قانونی جزئیات اور حرام و حلال کی تفصیلات ہیں۔ تمدن و سیاست کے لیے واضح ہدایات ہیں۔ اندازِ بیان مناظرانہ کی بجائے حکیمانہ ہے۔ رغبت و رہبت کی میزان قائم ہے۔ عقائد اور احوال آخرت بھی ضمناً مذکور اور ہر جگہ ملحوظ ہیں۔

(۲) مکی سورتوں میں مخاصمہ زیادہ تر مشرکین سے ہے اور مدنی سورتوں میں مقابل بالعموم یہود و نصاریٰ ہیں ان سورتوں میں ارشادات عامۂ مسلمانوں سے متعلق ہیں اور انہی خطابات میں فروع اسلام کی تکمیل ہوتی ہے۔ مکی سورتوں میں خطاب پوری نوع انسانی سے ہے۔ ان میں زیادہ تر اسلامی

اصولوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ مکی سورتوں کے الفاظ خطاب عام طور پر یا ایہا الناس اور یا بنی آدم وغیرہ ہیں اور مدنی سورتوں میں بیشتر خطاب یا ایہا الذین آمنوا سے ہے کہیں کہیں یا اہل الکتاب کہہ کر اہل کتاب کو بھی مخاطب کیا گیا ہے۔

(۳) مکی سورتوں کی زبان مدنی سورتوں کی نسبت کچھ دقیق ہے صنائع و بدائع بھی بیشتر مکی سورتوں میں ہی ہیں جن عربوں کو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر ناز تھا۔ ان کے کمالات کا مرکز یہی مکہ کی سرزمین تھی۔ انہیں عاجز کرنا اور مقابلہ کی دعوت دینا یہیں زیادہ مناسب تھا اس فضا کی جھلک مکی سورتوں میں عام پائی جاتی ہے۔ مدنی سورتوں میں زبان زیادہ سلیس اور کچھ قانونی انداز کی ہے۔ مدنی سورتوں کے بیشتر ارشادات اوامر و نواہی اور احکام سے متعلق ہیں اور ظاہر ہے کہ احکام کا پیرایہ جتنا سادہ اور سلیس ہو بہتر ہوتا ہے۔

(۴) مدنی سورتیں مکی سورتوں کی نسبت زیادہ طویل ہیں کیونکہ مکی سورتوں میں سے ہر ایک سورت ایک مستقل موعظہ اور ایک نرالا پیرایہ بیان ہے۔ افادی پہلو سے یہی مناسب تھا کہ انہیں زیادہ سے زیادہ عنوانوں کے ساتھ پیش کیا جائے۔ یہ بیان مقتضائے حال کے مطابق انتہائے بلاغت پر ہیں۔ مدنی سورتوں میں چونکہ احکام و مسائل اور مسلسل واقعات کا بھی بیان ہے اس لیے وہ سورتیں نسبتۃً لمبی ہیں لیسے مضامین ایک پیرایہ بیان میں ادا ہو سکتے ہیں۔

ایک تنبیہ

اہل علم کا اتفاق ہے کہ بعض آیات تعظیم غایت اور تذکیر موکد کے لیے دو دفعہ بھی نازل ہوئیں سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص کے نزول کو بھی مکرر بتایا گیا ہے۔ سورۃ اخلاص قل ہو اللہ احد مکہ میں مشرکین کے جواب میں اور مدینہ میں اہل کتاب کے مقابلہ میں نازل ہوئی۔ علامہ زرکشی نے برہان میں اور علامہ سیوطیؒ نے الاتقان[1] میں اس موضوع کو ایک مستقل عنوان سے بیان کیا ہے۔ اس امر کے پیش نظر وہ بہت سے اشکالات جو بعض آیات کے مکی اور مدنی ہونے کے مختلف روایات سے پیدا ہوتے ہیں ختم ہو جاتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں اصطلاح کا اختلاف اثر انداز ہو رہا ہو جس کی تفصیل پہلے ہو چکی ہے کہ مکی اور

---

[1] الاتقان جلد ۱ صفحہ ۳۵ مصر

مدنی کی تعریف definition میں اہل علم میں اختلاف رہا ہے یہ تطبیق صرف اس صورت میں ہے کہ روایات مختلفہ اپنی اپنی جگہ اسناداً صحیح ہوں۔

قرآن پاک کے فواتح

سُورتوں کے شروع ہونے کے مختلف انداز

(۱) چودہ ۱۴ سورتیں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے شروع ہوتی ہیں۔ پانچ ۵ الحمد کے ساتھ دو ۲ تبارک کے ساتھ سات ۷ لفظ سبحان اور اس کے مشتقات کے ساتھ شروع ہوتی ہیں۔

(۲) اُنتیس ۲۹ سورتیں حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں ان کی مجموعی تعداد (بحذف مکررات) کل حروف تہجی کا اس طرح نصف ہے کہ ہر صنف حروف کا نصف اس میں شامل ہے۔

(۳) دس ۱۰ سورتیں بلفظ ندا شروع ہوتی ہیں۔ پانچ ۵ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالقاب مختلفہ مخاطب ہیں اور پانچ میں امت اجابت یاایہا الذین آمنوا کے خطاب سے مخاطب ہے۔

(۴) تئیس ۲۳ سورتیں جملہ خبریہ سے شروع ہوتی ہیں جیسے یسئلونک عن الانفال اور براءۃ من اللہ ورسولہ وغیرہا۔

(۵) پندرہ ۱۵ سورتیں قسم سے شروع ہوتی ہیں جیسے والضحیٰ۔ والتین۔ والعصر وغیرہا۔

(۶) سات ۷ سورتوں کی ابتدا حرف شرط سے ہوتی ہے جیسے اذا وقعت الواقعہ اور اذا جاء نصر اللہ وغیرہا۔

(۷) چھ ۶ سورتیں بصیغہ امر شروع ہوتی ہیں جیسے قل اوحی الیّ انہ استمع نفر من الجن اور قل ہو اللہ احد وغیرہا۔

(۸) چھ ۶ سورتیں بصیغہ استفہام شروع ہوتی ہیں جیسے ہل اتیٰ علی الانسان اور الم نشرح وغیرہا۔

(۹) تین ۳ سُورتیں بد دعا کے ساتھ شروع ہوتی ہیں۔ ویل للمطففین۔ ویل لکل ہمزہ اور تبت یدا ابی لہب وتب۔

(۱۰) ایک سورت کی ابتدا حرف تعلیل سے ہوتی ہے لایلف قریش۔

قرآن مجید کی سورتیں شاہی فرامین کی طرح ہیں. خطوط شاہی کبھی حمد باری تعالیٰ سے شروع ہوتے ہیں اور کبھی اس کے بغیر، کسی کا عنوان پہلے بیان ہوتا ہے اور کسی کا نہیں. کسی کی ابتدا بھیجنے والے کے نام سے اور کسی کی ابتدا مکتوب الیہ کے خطاب سے. پھر بعض مختصر ہوتے ہیں اور بعض مطول و مفصل. اسی طرح قرآن کریم کے فواتح اور سورتوں کے شروع ہونے کے انداز مختلف ہیں.

جس طرح قصائد میں پہلے تشبیب ہوتی ہے اور اس کے بعد مقصد کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اسی طرح بعض سورتوں کی ابتدا بڑی زوردار تمہید سے ہے جیسے والصافات صفًا فالزاجرات زجرًا۔ اذا الشمس کوّرت اور والسماء ذات البروج وغیرہا. اور اُس کے بعد قرآن کے مضامین عالیہ کا بیان ہے بعض سورتوں کے اختتام کا وہ انداز ہے جو شاہی خطوط کے اواخر کا ہوتا ہے ان میں مخاطب کو خصوصی توجہ دلانے کے لیے پہلے احکام کا حاصل پھر دہرایا جاتا ہے ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن ... اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

سُورتوں کے فواتح اور مقاطع میں فرق

(۱) سورۃ البقرہ کا آغاز ھدی للمتقین اور یومنون بالغیب کی صفات سے ہوا تھا ایمان اور تقویٰ کے ساتھ دعویٰ عمل اور اپنی خودی باقی نہیں رہی۔ اس کا پتہ بندوں کی عاجزی. توبہ. طلب مغفرت اور رحم کی اپیل سے چلے گا. سورت کا خاتمہ ان الفاظ سے ہوتا ہے.

واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولنا فانصرنا علی القوم الکافرین.

سورت کی ابتدا اور انتہا میں یہ مناسبت بتلاتی ہے قرآن کریم کی ہر سورت بجائے خود ایک مکمل کتاب ہے تبھی تو ان کے مفاتح اور مقاطع میں یہ ربط موجود ہے. اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں میں تقسیم توقیفی ہے یہ انسانوں کی اپنی قائم کردہ نہیں.

(۲) الحمد نماز کا نہایت اہم جزو ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی. دن رات میں پانچ نمازیں ہیں. قرآن کریم میں پانچ سورتوں کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد سے ہوتا ہے :

۱. الفاتحہ ۲. الانعام ۳. سورۃ الکہف ۴. سورۃ سبا ۵. سورۃ فاطر

(۳) اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ سورتوں کے آغاز میں حرفِ ندا سے خطاب فرمایا ہے:۔

۱۔ یا ایہا النبی اتق اللّٰہ (پ۲۱ الاحزاب)

۲۔ یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللّٰہ لک۔ (پ۲۸ تحریم)

۳۔ یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء۔ (پ۲۸ الطلاق)

۴۔ یا ایہا المدثر۔ (پ۲۹ المدثر)

۵۔ یا ایہا المزمل۔ (پ۲۹ المزمل)

(۴) پھر اس امت کو بھی پانچ سورتوں کی ابتداء میں حرفِ ندا سے خطاب کیا ہے:۔

۱۔ یا ایہا الناس اتقوا ربکم۔ (النساء)

۲۔ یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود۔ (المائدہ)

۳۔ یا ایہا الناس اتقوا ربکم ان زلزلۃ الساعۃ شیء عظیم۔ (الحج)

۴۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی اللّٰہ ورسولہ۔ (الحجرات)

۵۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء۔ (الممتحنہ)

(۵) پانچ سورتوں کا آغاز فعل تسبیح سے ہوا:۔

۱۔ سبح للّٰہ ما فی السموات۔ (حدید)

۲۔ سبح للّٰہ ما فی السموات۔ (صف)

۳۔ یسبح للّٰہ ما فی السموات۔ (جمعہ)

۴ یسبح للّٰہ ما فی السموات۔ (تغابن)

۵۔ سبح اسم ربک الاعلیٰ (اعلیٰ)

ان میں دو ماضی دو مضارع اور ایک فعل امر ہے۔

(۶) پانچ سورتوں کا آغاز قل سے کیا گیا:۔

۱۔ قل اوحی الیّ (الجن) ۲۔ قل یا ایہا الکافرون (الکافرون)

۳۔ قل ھو اللّٰہ احد (الاخلاص) ۴۔ قل اعوذ برب الفلق (الفلق)

۵۔ قل اعوذ برب الناس۔ (الناس)

پندرہ۱۵ سورتوں کا آغاز قسم کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ ان کی تفصیل ہم ان شاء اللہ العزیز ایمان القرآن کے عنوان کے تحت کریں گے۔

ہم یہاں قرآن کریم کی ۱۱۴ سورتوں کو اپنے مختلف عنوانوں سے ذکر کرتے ہیں طلبہ انہیں اس ترتیب سے بآسانی یاد کر سکیں گے۔

(۱) سبع طوال (سات لمبی سورتیں)

۱۔ البقرہ۔ ۲۔ آل عمران۔ ۳۔ النساء۔ ۴۔ المائدہ۔ ۵۔ الانعام۔ ۶۔ الاعراف۔ ۷۔ الانفال والبرأۃ۔

(۲) مئین (کم و بیش سو آیتیں رکھنے والی سورتیں)

سورۃ یونس سے سورۃ فاطر تک ۲۶ سورتیں ہیں۔

(۳) مثانی (یہ سورۃ یٰسین سے سورۃ ق تک ہیں)

ان میں پچھلے انبیاء اور ان کی امتوں کے حالات اور عبرت و نصائح ہیں)

(۴) مفصل (ان کی دو فہرستیں ہیں)

۱۔ اوساطِ مفصل۔ یہ لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب تک ہے۔

۲۔ قصارِ مفصل، یہ آخر قرآن کریم تک۔

قرآن کریم کی یہ تقسیم ترتیب رسولی کے اعتبار سے ہے۔ ترتیب نزولی حسب بیان علامہ سیوطیؒ اس طرح واقع ہوئی :۔

۱۔ اقرأ ۲۔ نٓ ۳۔ المزمل ۴۔ المدثر ۵۔ تبّت ۶۔ تکویر ۷۔ الاعلیٰ
۸۔ واللیل ۹۔ والفجر ۱۰۔ والضحیٰ ۱۱۔ الم نشرح ۱۲۔ والعصر ۱۳۔ العادیات ۱۴۔ کوثر
۱۵۔ تکاثر ۱۶۔ یکذب بالدین ۱۷۔ الکافرون ۱۸۔ الم تر ۱۹۔ الفلق ۲۰۔ الناس
۲۱۔ الاخلاص ۲۲۔ النجم ۲۳۔ عبس ۲۴۔ القدر ۲۵۔ والشمس ۲۶۔ والسماء۔
۲۷۔ والتین ۲۸۔ قریش ۲۹۔ القارعہ ۳۰۔ القیامہ ۳۱۔ ہمزہ۔ ۳۲۔ المرسلات
۳۳۔ ق ۳۴۔ البلد ۳۵۔ الطارق ۳۶۔ الساعۃ ۳۷۔ ص۔ ۳۸۔ الاعراف ۳۹۔ قل اوحی ۴۰۔ یٰسین ۴۱۔ الفرقان ۴۲۔ الملئکۃ ۴۳۔ مریم۔ ۴۴۔ طٰہٰ ۴۵۔ الواقعہ
۴۶۔ الشعراء ۴۷۔ طٰس ۴۸۔ النمل ۴۹۔ طسم ۵۰۔ القصص۔ ۵۱۔ اسرائیل ۵۲۔ یونس ۵۳۔ ہود۔
۵۴۔ یوسف ۵۵۔ الحجر ۵۶۔ الانعام ۵۷۔ الصافات۔

ایمانُ القرآن

قرآن کریم کی قسمیں

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

عام طور پر قسم تعظیم کے لیے ہوتی ہے جس میں ذات معظم کے تصرف اور گرفت کے ڈر سے انسان اپنے آپ کو سچ کہنے پر مجبور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں دو باتیں ہر مذہب اور ہر عقیدے میں تسلیم کی گئی ہیں۔ اوّلاً یہ کہ اس کا علم محیط ہے کوئی بات اس کے علم سے پردہ میں نہیں رہ سکتی۔ ثانیاً اس کی ہمہ گیر قدرت سے کوئی مخلوق باہر نہیں ــــ یہ دو عقیدے اسے حق کہنے پر مجبور کرسکتے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ میں جھوٹی کھا کر اپنے آپ کو عذابِ الٰہی کی گرفت میں دوں گا۔ اس خوف سے وہ سچ بولنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جھوٹی قسم آبادیوں کو ویرانوں میں بدل دیتی ہے۔

قسم کا یہ تصور شروع سے انسانی سوسائٹی میں چلا آیا ہے اور بہت سے مقدمات ہیں جو قسم اُٹھانے سے حل ہوتے ہیں سو قسم کی عظمت کا کوئی انکار نہیں کرتا۔

ہاں کسی ایسی چیز کی قسم کرنا جس کا علم نہ محیط ہوا اور نہ اس کی قدرت ہمہ گیر ہو قطعاً جائز نہیں۔ قسم واقعات پر بھی دی یا لی جاتی ہے اور حقائق پر بھی ــــ واقعات پر قسم دینے یا لینے سے حقوق کے فیصلے ہوتے ہیں اور حقائق پر قسم اس وقت کھائی جاتی ہے جب ان کے مقابل کوئی فریق نہ ہو۔ حقائق کائنات میں کسی چیز کے بارے میں مزید یقین پر گواہی دینی ہو اور اکثر لوگ کسی بات کی پختگی ظاہر کرنے کے لیے قسم اپنے تکیہ کلام میں لے آتے ہیں۔

(۱) قسم کی پہلی قسم اپنے اوپر کسی ذات عالی کی گرفت کا اقرار کرنا ہے اور اسی گرفت سے بچنے کے لیے بات صحیح صحیح کہہ دینا ہے خواہ اس پر کوئی سزا کیوں نہ آئے۔

(۲) قسم کی دوسری قسم کسی آفاقی حقیقت پر اپنے عقیدے کی پختگی کا مزید یقین دلانا ہے۔ بندے جب قسمیں کھائیں تو ان کی قسم پہلی قسم میں سے ہوگی۔ اس میں جس کی قسم کھائی جا رہی ہے اس کی تعظیم اور اور اس کے تصرف کا اقرار ہوگا۔

اسی عام تصرف کے باعث بعض لوگوں نے قرآن کریم کی قسموں پر اعتراض کیا ہے کہ ربُّ العزت کو

کسی کی تعظیم کی کیا ضرورت. سو اس موضوع پر یہ اصول پیش نظر رہے کہ :۔

بعض مقامات پر قرآن کریم اپنے مضمون و مدعا کو قسم کے ساتھ بیان کرتا ہے اس مقام پر جس چیز کی قسم ہوتی ہے اسے مدعا پر بطور گواہ پیش کیا جاتا ہے یہ قسم اپنے مضمون پر ایک شہادت ہوتی ہے اس قسم کی قسمیں اونچے ادب میں بکثرت ملتی ہیں. فصحائے عرب کے کلام میں بھی اس کی بہت مثالیں ملتی ہیں. ایک عاشق اپنے محبوب کو جب یوں کہتا ہے کہ تیرے سُرخ ہونٹوں اور مشکیں زلفوں کی قسم تو ایک دلربا محبوب ہے تو اس کا معنی یہی ہے کہ ہونٹوں کی یہ رنگت اور زلفوں کی یہ نکہت تیرے محبوب ہونے کی ایک کھلی شہادت ہے. قسم بارادہ شہادت اس قسم سے بالکل مختلف ہے جو باعتقادِ تصرف کھائی جاتی ہے اس میں مُقسَم بہ (جس کی قسم کھائی جائے) کے متعلق یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ بات پوری نہ ہونے کی صورت میں وہ مجھے نقصان پہنچانے پر قادر ہے میں اس کی گرفت سے کسی طرح باہر نہیں. قسم باعتقاد تصرف تو صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے. خدا کے سوا کسی کے بارے میں یہ اعتقاد تصرف جائز نہیں. لیکن قسم بارادہ شہادت ہر اس چیز کی جائز ہے جس کو کسی مدعا پر بطور گواہ پیش کیا جائے. چلپی حاشیہ مطول میں اس کی تصریح موجود ہے۔

عربوں کا یہ خصوصی ذوق ہے کہ جب انہیں کسی بات کا یقین ہو جائے تو اس کی سچائی کو دوسروں پر واضح کرنے کے لیے وہ قسم کا پیرایہ اختیار کر لیتے ہیں بات بات پر واللہ باللہ کہتے ہیں. قرآن کریم لغت عرب پر اُترا ہے. سو اس میں عربوں کے اس پیرایہ بیان کی رعایت کی گئی ہے قرآن کریم میں لائی گئی قسمیں جواب قسم پر ایک شہادت پیش کی گئی ہیں۔

عام قاعدہ ہے کہ کسی بات کو پختہ کرنے کے لیے یا اس پر شہادت لائی جاتی ہے یا اس پر قسم گذرائی جاتی ہے. جب کسی بات پر گواہ نہ ملیں تو پھر قسم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے. مدعی گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ قسم کھا کر بھی فارغ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی بات کی تصدیق کے لیے گواہ پیش کیے ہیں اور قسمیں بھی کھائی ہیں — گواہ اس کے کون ہیں خدا کے فرشتے اور علماء کرام اور قسم کے پیرایہ میں وہ اس دعوے پر زندہ شہادت ہیں جن کی قسم کھائی جا رہی ہے۔

قرآن کریم میں ہے :۔

شهد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم قائماً بالقسط۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کے فرشتوں نے بھی گواہی دی اور ان اہل علم نے بھی جو انصاف کے ساتھ کھڑے ہیں۔

ایک جگہ اس پیرائے میں بات کہی۔

قل ای وربی انہ الحق۔ (پ یونس)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں مجھے اپنے رب ہونے کی قسم یقیناً وہ حق ہے۔

ایک جگہ فرمایا:۔

وفی السماء رزقکم وما توعدون فورب السماء والارض انہ الحق۔ (پ الذاریات)

ترجمہ۔ اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور وہ جس کا تم سے وعدہ دیا جاتا ہے۔ تو قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی بے شک وہ برحق ہے۔

ایک عرب یہ آیت سنتے ہی چلا اٹھا کہ کس نے رب العزت کو غضبناک کیا ہے کہ اسے قسم کھانے کی ضرورت ہوئی خدا کا قسم کھانا کسی معمولی بات پر تو نہیں ہو سکتا۔[2]

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے بارادہ شہادت کے طور پر کئی جگہ آسمان، سورج، چاند اور زمانے وغیرہ کی قسم کھائی ہے۔ قرآن کریم کی پندرہ سورتوں کو قسم سے شروع کیا گیا ہے۔ جو لوگ ان قسموں پر اعتراض کرتے ہیں دراصل وہ قسم باعتقاد تعرف اور قسم بارادہ شہادت میں فرق نہیں کر سکے۔ یہ قسم کی دو علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں اور دونوں کی غایت جدا جدا ہے۔ ہماری عام قسمیں پہلی قسم کی ہیں اور قرآن کی اکثر قسمیں دوسری قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔

بندے اور خدا کی قسم میں فرق

قسم اس چیز کی کھائی جاتی ہے جو اپنے سے برتر و بالا ہو اور وہ اس پر (قسم کھانے والے پر) گرفت بھی کر سکے۔ اس لیے شریعت نے بندوں کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ ایک اللہ رب العزت کے سوا کسی اور نام پر قسم کھائے۔ یہ اس لیے کہ بندے کے نفع ونقصان پر صرف خدا کا قبضہ ہے اس میں

[1] الاتقان جلد ۲ صہ ۱۳۳ [2] دیکھیے الاتقان جلد ۲ صہ ۱۳۳

اس کا کوئی شریک نہیں کہ بندہ اس کے نام کی بھی قسم کھا سکے۔

اللہ رب العزت کے لیے یہ صورت حال نہیں۔ کوئی اس سے بڑا نہیں وہ اپنے نام سے قسم کھائے اپنی کسی صفت سے قسم کھائے یا اپنی مخلوقات میں سے کسی کی دوسروں پر برتری ظاہر کرنے کے لیے قسم کھائے تو اس میں عالمِ شہادت میں اپنی بات پر شہادت فراہم کرتا ہے سو اس پیرائے میں قسم کھانا ہرگز اس کی شان کے خلاف نہیں۔

اللہ کی قسموں کے مقسم بہ

علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ مقدسہ کی بھی قسم کھائی ہے۔ اپنے افعالِ مقدسہ کی بھی قسم کھائی ہے اور اپنی مخلوقات میں کسی کو عزت دیتے ہوئے اس کی بھی قسم کھائی ہے اور یہ قسم دراصل اپنے اس فعل عالی کی قسم ہے جس نے اس مخلوق کو یہ عزت بخشی۔

ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقواها۔ (پ الشمس)

ترجمہ! اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس ذات کی جس نے اسکو درست بنایا پھر اسکو بدکرداری اور پرہیزگاری دونوں کا القا کیا۔

اس میں اپنے اس فعل مقدس کی قسم ہے جس سے نفسِ انسانی نے یہ مقام پایا۔

اللہ تعالیٰ کی اپنی برگزیدہ مخلوق کی قسمیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ جو اللہ تعالیٰ کی طاعتِ محضہ تھی اس کی اس طرح قسم کھائی۔

لعمرك انهم لفی سکرتهم یعمهون۔ (پ الحجر)

ترجمہ۔ آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

مخلوقات جمادات، نباتات اور حیوانات پر مشتمل ہے

یہاں ہم انہی مخلوقات پہ دسترس رکھتے ہیں انہی تک ہمارا ہاتھ پہنچتا ہے۔ سورج اور چاند تک اور لوح و قلم تک یا عالم ملکوت و لاہوت تک ہماری رسائی نہیں چاند تک پہنچے بھی مگر ابھی اس تک قبضہ نہیں پا سکے تاہم اس میں شک نہیں کہ یہ انواعِ مخلوقات بھی اللہ رب العزت کے جلال و عظمت کے نشان ہیں۔

شیخ الاسلام اللہ رب العزت کے قسم کھانے کے وسیع دائرہ کو اس طرح ذکر کرتے ہیں :۔

دنیا میں کئی قسم کی چیزیں ہیں جن کی قسم لوگ کھاتے ہیں۔ ۱۔ اپنے معبود کی۔ ۲۔ کسی معظم محترم ہستی کی۔ ۳۔ کسی مہتم بالشان چیز کی۔ ۴۔ کسی محبوب یا نادر شئی کی اس کی خوبی یا ندرت جتانے کے لیے جیسے کہتے ہیں فلاں کی قسمت کی قسم کھایئے۔ پھر بلغاء یہ بھی رعایت کرتے ہیں کہ مقسم بہ مقسم علیہ کے مناسب ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ مقسم بہ کو مقسم علیہ کے لیے شاہد ہی گردانا جائے جیسے ذوق نے کہا ہے ؎

اتنا ہے تیری تیغ کا شرمندۂ احسان سر میرا تیرے سر کی قسم اُٹھ نہیں سکتا

یہاں اپنے سر کے نہ اُٹھ سکنے پر محبوب کے سر کی قسم کھانا کس قدر موزوں ہے شریعت حقہ نے غیر اللہ کی قسم کھانا بندوں کے لیے حرام کر دیا لیکن اللہ کی شان بندوں سے جُداگانہ ہے وہ اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے اور عموماً ان چیزوں کی جو اس کے نزدیک ۱۔ محبوب یا۔ ۲۔ نافع یا۔ ۳۔ وقیع و مہتم بالشان ہوں یا ۴۔ مقسم علیہ کے لیے بطور شاہد و حجت کام دے سکیں۔ ؎

اللہ رب العزت کی کچھ ان قسموں پر بھی نظر کیجیے اور غایت قسم خود دریافت کیجیے۔ آپ ان شاء اللہ خود اس قسم کی لطافت کو پالیں گے۔ یہ تین سے زیادہ قسمیں آپ کے سامنے ہیں :۔

(۱) لا اقسم بیوم القیٰمۃ ولا اقسم بالنفس اللوامۃ أیحسب الانسان ان لن نجمع عظامہ۔ (القیامہ)

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں ایسے جی کی جو ملامت کرتا ہے۔ کیا سمجھتا ہے آدمی کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے۔

(۲) لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد ووالد وما ولد لقد خلقنا الانسان فی کبد۔ (البلد)

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور آپ کے لیے جواز ہو گا اس شہر میں اور قسم ہے جننے کی (باپ کی) اور جو جنا اور ہم نے انسان کو محنت میں بنایا۔

؎ فوائد القرآن ص ۶۶۷

(۳) فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس واللیل اذا عسعس والصبح اذا تنفس انه لقول رسول کریم۔ (التکویر)

ترجمہ: سو قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے، سیدھے چلنے اور دبک جانے والے ستاروں کی اور رات کی جب وہ اُٹھنے لگے اور صبح کی جب وہ دم مارے۔ بے شک یہ (قرآن) کہا ہوا ہے ایک عزت والے بھیجے ہوئے کا۔

(۴) فلا اقسم بمواقع النجوم وانه لقسم لو تعلمون عظیم وانه لقرآن کریم فی کتاب مکنون۔ (الواقعہ)

ترجمہ: سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور یہ قسم اگر تم سمجھو تو بڑی قسم ہے اور بے شک یہ قرآن کریم لکھا ہوا ہے ایک چھپی کتاب میں (لوحِ محفوظ میں جو دوسروں سے پردے میں ہے)

(۵) فلا اقسم بالشفق واللیل وما وسق والقمر اذا اتسق لترکبن طبقاً عن طبق۔ (الانشقاق)

ترجمہ: سو میں قسم کھاتا ہوں شام کی سُرخی کی اور رات کی اور اس کی جو اس میں سمٹتا ہے اور چاند کی جب وہ پُورا بھرے تم کو چڑھنا ہے درجے پر درجہ۔

(۶) فلا اقسم بما تبصرون ومالا تبصرون انه لقول رسول کریم۔ (الحاقہ)

ترجمہ: سو میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو اور جو تم نہیں دیکھتے یہ کہا ہے ایک پیغام لانے والے سردار کا۔

(۷) والنازعات غرقاً والناشطات نشطاً والسابحات سبحاً فالسابقات سبقاً فالمدبرات امراً۔ (النازعات)

ترجمہ: قسم ہے سختی سے کھینچنے والے ڈوب کر اُتر نے والے فرشتوں کی اور کھول کر بند چھڑا دینے والے فرشتوں کی اور تیرنے والوں کی تیرنے پر اور آگے بڑھ جانے والوں کی پھر کام بنانے والوں کی (اللہ کے) حکم سے۔

(۸) والسماء ذات البروج والیوم الموعود وشاهدٍ ومشهود قتل اصحاب الاخدود

ترجمہ. قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں اور وعدہ کیے ہوئے دن کی اور حاضر ہونے والے دن کی اور ان کی جن کے پاس حاضری ہوگی مارے گئے خندقوں والے.

⑨ والسماء والطارق وما ادراك ما الطارق النجم الثاقب ان كل نفس لما عليها حافظ. (الطارق)

ترجمہ. قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں آنے والے کی اور آپ کیا سمجھیں اندھیرا پڑے کون آنے والا ہے وہ ایک روشن ستارہ ہے.

⑩ والفجر وليال عشر والشفع والوتر والليل اذا يسر هل فى ذلك قسم لذى حجر. (الفجر)

ترجمہ. قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور اس رات کی جب وہ اس رات چلے کیا ہے ان چیزوں کی قسم، پوری عقلمند کے واسطے.

⑪ والضحى والليل اذا سجى ما ودعك ربك وما قلى وللاخرة خير لك من الاولى. (الضحى)

ترجمہ. قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب وہ قرار پکڑے آپ کے پروردگار نے آپ کو چھوڑ نہیں دیا اور نہ وہ ناراض ہوا اور البتہ پچھلی بہتر ہے آپ کے لیے پہلی سے.

⑫ والليل اذا يغشى والنهار اذا تجلى وما خلق الذكر والانثى ان سعيكم لشتى. (الليل)

ترجمہ. قسم ہے رات کی جب وہ چھا جاوے اور دن کی جب وہ روشن ہو اور اس کی جو اس نے پیدا کیے نر اور مادہ. بے شک تمہاری سعی طرح طرح کی ہے.

⑬ والشمس وضحها والقمر اذا تلها والنهار اذا جلها والليل اذا يغشها والسماء وما بنها والارض وما طحها ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقوىها. (والشمس)

ترجمہ. قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی اور چاند کی جب آوے اس کے پیچھے اور دن کی جب وہ اس کو روشن کرے اور رات کی جب وہ اس کو ڈھانپ لے

اور آسمان کی جیسا اس کو بنایا اور زمین کی جیسا اس کو پھیلایا اور جی کی اور جیسا اسے ٹھیک بنایا پھر اسے سمجھ دی بدکرداری کی اور سمجھ داری کی۔

⑭ والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ (التین)

ترجمہ: قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر کی بیشک ہم نے انسان کو بہترین انداز ے پر بنایا۔

⑮ والذاریات ذروًا فالحاملات وقرًا فالجاریات یسرًا فالمقسمات امرا انما توعدون لصادق۔ (الذاریات)

ترجمہ: قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار بکھیرتی ہیں اور بوجھ اٹھانے والے بادلوں کی پھر نرمی سے چلنے والی کشتیوں کی اور ان فرشتوں کی جو حکم کے موافق تقسیم کرتے ہیں بیشک جس چیز کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے ہو کر رہے گی۔

⑯ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت (العصر)

ترجمہ: قسم ہے زمانے کی انسان بے شک خسارے میں جا رہا ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔

ان قسموں پر غور کیجئے ان میں آپ کو زیادہ تر آفاقی حقیقتوں پر متوجہ کیا گیا ہے۔ سورج، چاند، ستارے آسمان و زمین روشنی اور اندھیر استاروں کی مختلف گردشیں ہواؤں کی مختلف سمتیں۔ بادلوں کی کرشمہ کاریاں پو کا پھٹنا، صبح کا دم مارنا، دھوپ کا اترنا، اندھیرے کا چھا جانا، شفق کے رنگ یہ سب آفاقی حقیقتیں ہیں قرآن کریم ان سب پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

پھر نفس انسانی اور نفوس ملکیہ اپنی جگہ ایک دوسری طرح کی حقیقتیں ہیں۔ فرشتے اور ان کی مختلف انواع ایک تیسری طرح کی حقیقتیں ہیں۔ قرآن کریم نے ان سب کو الہٰی قسموں میں پیش کیا ہے یہ ناممکن ہے کہ انسان ان سب میں غور کرلے اور پھر ان میں سے ہر ایک کے جواب قسم کو نہ پالے۔ ان قسموں کو ایک تسلسل سے پڑھنے کے ساتھ ان انسانوں کے دل ہل جاتے ہیں جن کی انسانیت جاگتی ہو۔

جمادات میں سے اس نے پہاڑوں کی قسم کھائی (والطور وکتاب مسطور) خانہ کعبہ کی قسم کھائی (وھذا البلد الامین) نباتات میں والتین والزیتون کی قسم کھائی حیوانات میں والعادیات ضبحًا کی قسم کھائی شمس وقمر کی قسم (والشمس وضحٰھا والقمر اذا تلٰھا) مواقع النجوم کی قسم (فلا اقسم بمواقع النجوم) فجر وعصر کی قسم (والفجر ولیالٍ عشر اور والعصر کی قسم)

زمانے کی قسم کھائی تو اس پر پوری انسانی زندگی کو معرضِ زوال میں اُترتے دکھایا — والعصر کا مقسم علیہ کیا ہے؟ ان الانسان لفی خسر — پھر انسان کو مایوسی کے کنوئیں میں گرنے سے بچانے کے لیے ایک روشنی کی کرن دکھائی اور بتلایا کہ ایمان بالآخرت رکھنے والوں کے لیے یہ دنیا فنائے محض نہیں موت صرف ایک جہان سے دوسرے جہان میں انتقال ہے اسے یوں ظاہر فرمایا :۔

الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔

یعنی وہی لوگ ان الانسان لفی خسر کی مایوسی سے نکل سکتے ہیں جو آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور اس زندگی کو بہتر بنانے کے لیے نیک اعمال بجالائیں نیکی کو آگے پھیلائیں اور اس راہ میں جو سختیاں آئیں انہیں صبر سے جھیلیں

حاصل اس بحث کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے بندوں کو اپنی عظمت و وحدت اور اپنے انبیاء و مرسلین کی نبوت و رسالت منوانے کے لیے ہر طرح کے عقلی و نقلی دلائل دیے انہیں انفس و آفاق پر متوجہ کیا قرون ماضیہ کی تاریخ سے انہیں ابدی سچائیوں پر متوجہ کیا۔ ان تمام ذرائع اور دلائل سے انہیں حق پر آنے کی دعوت دی پھر بھی انسانوں نے اس طرف کان نہ دھرے تو اس کا غضب بھڑکا اور نوبت بایں جا رسید کہ ایک ہی پیرایہ جو تصدیق حق کا رہ گیا تھا (یعنی قسم کھا کھا کر اپنی بات کی تصدیق لانا) وہ بھی اللہ تعالیٰ نے ساتھ ساتھ اختیار فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بحیثیت ایک عرب ہونے اپنی باتوں کی تصدیق کے لیے بار ہا یہ پیرایہ قسم اختیار فرمایا — ہم آج بھی دیکھتے ہیں کہ گواہ عدالتوں میں صدقِ عہد کے لیے قسم اُٹھا کر ہی اپنا اعتبار قائم کرتے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے کتاب التبیان فی اقسام القرآن میں اور علامہ سیوطیؒ نے تفسیر الاتقان میں اس پر گرانقدر بحثیں کی ہیں۔ اس پر ہم ایمان القرآن کی اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب

مقام القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

قرآن اللہ کا کلام ہے کلام اللہ کی صفت ہے یہ اس کی مخلوق نہیں کلام جب حروف و الفاظ کی ادا میں آئے تو یہ کلام لفظی ہوگا. بایں طور کہ یہ اللہ کا کلام ہے یہ کلام نفسی ہے اس کی حقیقت تک ہماری رسائی نہیں اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ہم اسے حروف و الفاظ کی صورت میں جانتے اور پہچانتے ہیں۔

قرآن میں ملفوظیت اور مکتوبیت بعد میں آئی ہے ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا. اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کے پہلو سے یہ بات قطعی ہے کہ یہ مخلوق نہیں اور اس کی صفات اس کا غیر نہیں. دورِ اوّل میں جو اعتقادی فتنے اُٹھے وہ قرآن کریم کو مخلوق کہتے تھے. شیعہ اور معتزلہ دونوں اسے مخلوق کہتے ہیں. اللہ تعالیٰ نے کن کہا تو کائنات وجود میں آگئی. کُن مخلوق نہیں اس کا کلام ہے اور کائنات بے شک مخلوق ہے۔

قرآن کے معنی

لفظ قرآن قرأة (بمعنی پڑھنے) سے ہے اس صورت میں اس کا معنی پڑھنا کے ہوں گے قرآن کریم میں ہے:۔

ان علینا جمعه وقرانه ۔ (پ۲۹ القیمہ ۱۷)

اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔

مصدر اپنے مشتقات میں بھی استعمال ہوتا ہے اس صورت میں اس کا معنی مقروء (قرات سے اسم مفعول) کے ہوں گے یعنی "بار بار پڑھی جانے والی کتاب" یہی ہے اور اس اعتبار سے کوئی دوسری کتاب اس کی برابری نہیں کر سکتی یہی ایک کتاب ہے جو اپنی اصل زبان میں اب تک

برابر پڑھی جا رہی ہے۔

انا انزلناہ قرآناً عربیا۔ (پ۱۲ یوسف ۲)

یہاں قرآن مقروء کے معنی میں ہے۔

قرآن کا مصداق

قرآن کا مصداق صرف الفاظ نہیں جو پڑھے اور لکھے جاتے ہیں ان کے ساتھ ساتھ اس کے وہ معنی بھی ہیں جو اس کے نزول کے ساتھ ساتھ سمجھے اور بوجھے گئے۔ قرآن کریم عربی میں اُترا اور حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں کی زبان بھی عربی تھی۔ سو اس کلام سے جو معنی و مفہوم اس وقت سمجھا گیا اس کے ساتھ یہ کلامِ الٰہی سمجھا جائے گا اور قرآن الفاظ کے اس نظم اور ان کے معنی کے مجموع کا نام ہوگا جب ہم کہیں گے یہ قرآن کریم قیامت تک محفوظ ہے یہ کبھی انسانی ہاتھوں کی دستبرد کا شکار نہ ہوگا تو اس سے معنی کی حفاظت بھی ساتھ مراد ہے۔

قرآن کریم کو اگر کوئی غلط پڑھ جائے تو اسے تحریف نہ کہیں گے کیونکہ اس کی تصحیح کے لیے فوراً حافظ بول پڑیں گے۔ تراویح میں جب کبھی امام بھولے پیچھے سے لقمہ آتا ہے اس طرح جب کوئی مفسد قرآن کے معنی بدلے تو علماء فوراً بول پڑتے ہیں اور قرآن کی محفوظیت برقرار رہتی ہے۔ مرزا غلام احمد نے جب آیت خاتم النبیین کے معنی بدلے تو کیا سب علماء نے بلا امتیاز فرقہ و مسلک اسے لقمہ نہیں دیا، اور اسے نہیں ٹوکا؟

سو حق یہ ہے کہ قرآن کا مصداق الفاظ و معانی دونوں ہیں اور دونوں کی حفاظت موعود ہے قرآن نام ہے اس خاص نظم الفاظ کا اور اس کے معنی کا۔

قرآن ایک ہی ہے

قرآن ایک ہی ہے۔ اسلام میں دو قرآن کا کوئی تصور نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات بالکل فطرت کے مطابق ہیں اور صحیفہ فطرت میں قرآن کریم کی تعلیمات اور بھی روشن نظر آتی ہیں لیکن قرآن کریم اور صحیفہ فطرت کو دو قرآن نہیں کہہ سکتے۔ جن لوگوں نے قرآن اور سائنس میں یکسانیت دکھانے کے لیے

دو قرآن اور دو اسلام وغیرہ کے عنوان اختیار کیے یہ ان کی شاعرانہ تعبیریں ہیں اور قرآن شعر نہیں کہ اسے ان اداؤں میں ادا کیا جائے۔

وما علّمناه الشعر وما ینبغی له ان هو الا ذکر وقران مبین. (پ۲۳ یٰسین ۶۹)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھایا اور نہ یہ آپ کی شان کے لائق تھا یہ ایک نصیحت نامہ ہے اور قرآن مبین ہے یعنی خود بولنے والی کتاب۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی باوجودیکہ آپ کی سیرت پاک ہمہ تن قرآن تھی دوسرا قرآن نہیں کہا جا سکتا آپ بلاشبہ مخلوق ہیں اور داغِ امکان سے متّسم لیکن قرآن کریم مخلوق نہیں اللہ رب العزت کا کلام ہے اور کلام اس کی صفت ہے۔

اگر کسی خطیب نے یہ بات کہی کہ قرآن دو ہیں ایک وہ جو یہ علمی خزانہ ہے اور کتابی شکل میں ہے دوسرا وہ جو مدینہ کی گلیوں میں چلتا پھرتا تھا تو ایک خطیبانہ اور شاعرانہ تعبیر ہے قرآن ایک ہے اور اس کی کوئی دوسری کاپی نہیں ہے۔

اس طرح ہم اپنے ہاں اصلی قرآن اور جعلی قرآن کو بھی جگہ نہیں دے سکتے کیونکہ جعلی قرآن دنیا میں کہیں نہیں ہے جن لوگوں کا عقیدہ موجودہ قرآن پر نہیں وہ اپنے تصوّر میں ایک دوسرا قرآن تجویز کیے ہوئے ہیں جو قیامت سے پہلے غار سرمن رای سے برآمد ہوگا لیکن ان کے یہ وہمیات صرف روایات کی شکل میں ہیں. قرآن کی کوئی دوسری کاپی ان کے ہاں بھی موجود نہیں ہے جسے وہ اصلی کہیں اور ہم اسے جعلی کہہ سکیں. سو قرآن ایک ہی ہے اس کی کوئی متبادل کاپی دنیا میں اب تک نہ کسی نے دیکھی اور نہ سُنی ہے. اس قرآن پر اعتراض کرنے والوں اور اس کی اس ترتیب کو اللہ اور اس کے رسُول کی طرف سے نہ ماننے والوں کو ہمت نہیں ہوسکی کہ قرآن پاک کا کوئی دوسرا نسخہ اس کے متوازی کہیں رکھا دکھا سکیں.

الفاظِ قرآن کی وسعت

قرآن پاک بے شک اسی ایک کتاب کا نام ہے لیکن اس کی کچھ اور قرأتیں بھی ہیں ان میں متواتر اور مشہور قرأتیں ہیں اور شاذ اور احاد بھی — جو قرأتیں متواتر ہیں. باوجودیکہ وہ اس مرکزی قرأت

سے مختلف ہیں ان پر بھی قرآن کا لفظ آ سکتا ہے لیکن وہ الفاظ جن کی نقل ہم تک شہرت کے ساتھ نہ ہوئی یا دہ قرآت شاذہ ہیں وہ اصطلاحی قرآن نہیں ہیں۔

قرا سبعہ اور قرا عشرہ کی قرآت قرآن کریم کے حکم میں ہیں یہ مرکزی قرأت کے ساتھ علیٰ سبیل الجمع اکٹھی ہیں علیٰ سبیل الخلاف پڑھی نہیں جاتیں پھر قرآت مشہورہ اور شاذہ میں بھی فرق ہے قرآت مشہورہ سے احکام کے حق میں استدلال کیا جا سکتا ہے قرآت شاذہ سے نہیں۔

مثلاً قسم توڑنے کی سزا تین روزے ہیں اور رمضان کا روزہ توڑنے کی سزا دو ماہ کے روزے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں دونوں کے ساتھ متتابعات (پے در پے روزے رکھنے) کی قید موجود ہے۔ کفارہ قسم کے روزوں کے بارے میں یہ قسم ہم تک بہ سبیل شہرت پہنچی ہے۔[1] لیکن رمضان کے روزوں کے بارے میں یہ پے در پے روزوں کی قید بطریق شاذ مروی ہے فقہاء نے اوّل میں اس کا اعتبار کیا ہے کہ یہ تین روزے پے در پے رکھے جائیں۔ اور اس سے پتہ چلا کہ قرأت مشہورہ اور قرأتِ شاذہ میں بھی بایں طور فرق ہے کہ اوّل الذکر سے احکام کے حق میں استدلال کیا جا سکتا ہے۔

متواتر قرآت کا پتہ ہمیں کتب تفسیر اور حدیث سے ملتا ہے۔ ان قرآت کے حامل قرآن کی کوئی اور متبادل کاپی نہیں ہے بطور کتاب قرآن پاک ایک ہی ہے اور اس کا کوئی متبادل نسخہ دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے۔

الفاظ قرآن کی تقسیم

قرآن پاک کی آیات (احکام) اپنے موضوع کے لحاظ سے چار قسم پر ہیں:۔

۱۔ خاص ۲۔ عام ۳۔ مشترک ۴۔ ماؤل

---

[1] فلم یجد فصیام ثلٰثۃ ایام ذلک کفارۃ ایمانکم (پ المائدہ ۸۹) قال ابراھیم نخعی فی قرأتنا ثلٰثۃ ایام متتابعات — عن ابی العالیۃ قال کان ابی یقرؤھا فصیام ثلٰثۃ ایام متتابعات — عن مجاھد کل صیام فی القرآن متتابع الا قضاء رمضان۔

(المصنف جلد ۳ صـ۸۸ لابن ابی شیبہ)

خاص وہ لفظ ہے جس کی وضع کسی ایک خاص معنی کے لیے ہوئی ہو۔ اس لفظ کا مصداق کئی افراد بھی ہو سکتے ہیں جب یہ خاص لفظ وارد ہو تو اس میں اس حقیقت اور مفہوم پر نظر ہوتی ہے جو ان سب افراد میں مشترک طور پر پائی جائے۔

ان الانسان لفی خسر میں انسان خاص ہے گو اس کے افراد کروڑوں اور اربوں ہیں لفی خسر کا حکم خاص انسان کے لیے ہے اور اس میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔

یاایھاالذین امنواارکعوا واسجدوا میں رکوع و سجود کا ایک خاص مفہوم ہے جو نماز سے ہی پورا ہوتا ہے صرف سر جھکانے سے نہیں جو رکوع کے لفظی معنی ہیں یہاں الفاظ ارکعوا واسجدوا خاص نماز کے معنی میں ہیں عام نہیں۔

عام

یہ وہ عام حکم ہے جو اپنے جملہ مخاطبین کو شامل ہوتا ہے گو ان کے اپنے اپنے حالات مختلف ہوں جیسے وہ لفظ جس کو ایک معنی و مفہوم کے متعدد افراد کے لیے ایک ہی دفعہ وضع کیا گیا ہو جیسے۔

واذا قریٔ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون۔ (پ ۹ الاعراف ۲۰۴)

خاص

یہ حکم گو خاص نماز کے بارے میں آیا ہے امام احمد اس پر اجماع نقل کرتے ہیں لیکن الفاظ عام ہیں سو جہاں بھی قرآن پڑھا جا رہا ہو دوسروں کے ذمہ اس کی طرف کان لگانا اور اسے سننا ہے شان نزول کے باعث اسے نماز سے خاص نہیں کیا جا سکتا الفاظ کے عموم کو دیکھا جائے گا العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص المورد۔

مشترک

ایسا لفظ جس کے کئی معنی ہوں مشترک کہلاتا ہے لیکن موقع کے لحاظ سے اس کے صرف ایک ہی معنی مراد ہوں گے والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء، میں لفظ قروء حیض اور طہر دونوں

معنوں میں مشترک ہے۔ اسی طرح واللیل اذا عسعس والصبح اذا تنفس میں لفظ عسعس فعل مشترک ہے۔ اس کے معنی آگے ہونا بھی ہیں اور پیچھے ہونا بھی ۔ سو یہ لفظ مشترک ہے۔

مؤوّل

لفظ مشترک میں جو کئی معنی کا احتمال پایا گیا ہے ان میں سے کسی ایک معنی کو قرائن (ظنیہ) سے راجح کرنا اس لفظ کو مؤول بنا دیتا ہے۔ خبر واحد سے مشترک کی جو تاویل کی جائے گی وہ بھی ظنی ہوگی اور قیاس سے جو اسے کسی ایک معنی سے خاص کیا جائے گا یہ بھی ایک ظن سمجھا جائے گا۔ مشترک کی قرائن ظنیہ میں سے کسی سے تاویل کرنا اس لفظ کو مؤول کے درجہ میں لے آتا ہے۔

الفاظ قرآن کی اس تقسیم کے باوجود قرآن کا ایک ایک لفظ قطعی الثبوت ہے اس کی دلالت جس معنی پر قطعی ہوگی اسے اس معنی میں تسلیم کرنا فرض ہوگا۔ ہاں دلالت میں کسی پہلو سے ظن آجائے تو اس کے مطابق حکم بدلتا جائے گا۔

قرآن نے ایک بات کہی جو ایک معنی خاص پر قطعی الدلالۃ ہے اب کسی دلیل ظنی سے اسے کمزور نہ ہونے دیا جائے گا مثلاً وضو میں پاؤں دھونے فرض ہیں اور قرآن پاک میں یہ حکم دیا گیا ہے اب اگر ایک خبر واحد بتائے کہ آنحضرتؐ نے پاؤں دھونے کی بجائے جرابوں پر مسح کیا ہے تو اس دلیل ظنی سے قرآن پاک کے قطعی حکم میں تبدیلی نہ کی جا سکے گی۔

ہاں چمڑے کے موزوں پر مسح یہ حضورؐ سے خبر متواتر سے منقول ہوا ہے اور اس کی اجازت ایک دلیل قطعی سے منقول ہے۔ سو ان موزوں پر دور حاضر کی پتلی جرابوں کو قیاس نہ کر سکیں گے

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ایسے موقعوں پر قرآن کریم کو ہمیشہ اوّل رکھا ہے اور خبر واحد سے اس کے عام کی تخصیص جائز قرار نہیں دی۔

نصوص قرآن کے چار پیرائے

قرآن پاک کی آیات کبھی تو عبارۃً ایک مسئلے کو بیان کرتی ہیں جیسے شہیدوں کو مردے نہ کہو وہ زندہ ہیں اور کبھی قرآن پاک قرآن پاک سے دلالۃً وہ مسئلہ سمجھا جاتا ہے جیسے انبیاء کو جن کا درجہ شہداء

سے بھی آگے ہے) زندہ سمجھنا۔ حیاتِ انبیاء قرآن پاک سے دلالۃً ثابت ہے اور حیاتِ شہداء عبارۃً۔

نصوص قرآن کے چار پیرائے ہیں:۔

۱. عبارۃ النص ۲. دلالۃ النص ۳. اشارۃ النص ۴. اقتضاء النص

عبارۃُ النص

عبارۃ النص اسے کہتے ہیں جس کے لیے کلام لایا گیا ہو یہ وہ معنی و مفہوم ہے جس کے لیے کلام کیا گیا ہے۔

دلالۃُ النص

کسی عبارت میں جو حکم مذکور ہو اس حکم کی علت جہاں جہاں پائی جائے وہاں وہاں وہ حکم جاری سمجھا جائے گا اسے دلالۃ النص کہیں گے۔ قرآن کریم میں ہے والدین کو اُف تک نہ کہو۔ لا تقل لھما اف۔ (پ۱۵ اسرائیل ۲۳) اس میں حکم کی علت والدین کو تکلیف دینا ہے۔ سو ہر وہ فعل یا قول جس سے ماں باپ کو اذیت پہنچے اس کا اِصدار ممنوع ہوگا۔ اس آیت کی دلالت ان سب امور سے روک رہی ہے جو کسی طرح بھی والدین کے لیے اذیت کا سبب بنیں۔

اشارۃُ النص

کلام اس معنی و مفہوم کے لیے نہ کیا گیا ہو لیکن اس کلام سے تھوڑی سی توجہ اور معمولی غور و فکر سے وہ بات بھی سمجھی جائے وہ اشارۃ النص ہے یہ بات اس کلام میں پورے طور پر واضح نہیں ہوتی۔

قرآن پاک میں جہاں یہ کہا گیا ہے کہ دودھ پلانے والیوں کا خرچہ کھانا اور کپڑا باپ کے ذمہ ہے وعلی المولود له رزقھن وکسوتھن (پ۲ البقرہ ۲۳۳) اس سے یہ بات از خود سمجھ میں آرہی ہے کہ بچوں کا نسب باپ کی طرف سے چلتا ہے اور وہی بچے کا ہر طرح سے ذمہ دار ہوگا۔ یہ دوسرا مسئلہ اشارۃ النص سے ثابت ہوا گو اس کے لیے کلام نہیں کیا گیا۔

اقتضاء النص

عبارت کا اپنے الفاظ کے مفہوم و مدلول سے زائد کسی ایسے معنی پر دلالت کرنا جس پر شرعاً یا عقلاً کلام کی صحت موقوف ہو۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:۔

ان اللہ وضع عن امتی الخطاء والنسیان۔[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور بھول کا بوجھ اٹھا دیا ہے۔

اس سے تین باتیں مفہوم ہو سکتی ہیں:۔

(۱) اس امت سے خطا اور بھول ہو ہی نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اس کو یکسر اٹھا لیا ہے

(۲) اس امت سے کسی عمل میں خطا اور بھول صادر ہو تو وہ عمل باقی نہ رہے گا۔ خدا اس امت کو اس غلطی پر نہ رہنے دیں گے سو وہ غلطی کالعدم ہو کر رہ جائے گی۔

ان دونوں معنی کے لحاظ سے اس امت کے کسی عمل میں صدق اور سچائی کا ثبوت بہم نہیں پہنچتا یا غلطی غلطی نہ ہوگی اور یا عمل عمل نہ رہے گا اور یہ دونوں باتیں شریعت کی رو سے غلط ہیں۔ حضورؐ کے ارشاد کے بے معنی ٹھہرنے کا کوئی امکان نہیں۔ پس اس کا تقاضا ہے کہ یہاں خطا اور نسیان سے پہلے اس لفظ کو زائد کیا جائے جو اسے واقع اور حقیقت کے مطابق کر دے وہ لفظ اثم کا اضافہ ہے اور مراد اثم الخطاء والنسیان سے درگزر کرنا ہے وہ تیسرا معنی یہ ہے اور یہی نص کا تقاضا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور بھول کا گناہ اٹھا لیا ہے یعنی وہ ان گناہوں میں ماخوذ نہ ہوں گے۔

علامہ نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

فان الناسی لا اثم علیہ بالاجماع۔[2]

ترجمہ۔ سو ایسے لوگوں پر بالاتفاق سزا نہیں ہے۔

---

[1] فی روایۃ ان اللہ تعالیٰ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورھا مالم تعمل بہ او متکلم متفق علیہ مشکوٰۃ صہ۱۸ [2] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صہ ۲۵۴

کلام کی صحت کا عقلی تقاضا

قرآن کریم میں ہے:۔

واسئل القریۃ التی کانت حاضرۃ البحر۔ (پ۹ الاعراف ۱۶۳)

ترجمہ۔ سو آپ پوچھیں قریہ والوں سے جو دریا کے کنارے تھے۔

سوال اور پوچھنا کسی جاندار سے ہی ہو سکتا گفتگو اور بات چیت کسی انسان سے ہی ہو سکتی ہے جانور سے بھی نہیں سو یہاں دیوار سے بات چیت کرنا کیا معنی؟ اور اس بستی سے پوچھنے کی کیا صورت؟

اقتضاء النص یہ ہے کہ القریۃ سے پہلے کوئی ایسا لفظ مقدر مانا جائے جس سے عقلاً کلام الٰہی صادق ٹھہرے وہ لفظ اہل یا اصحاب ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ آپ اس بستی کے رہنے والوں سے پوچھ دیکھیں۔

نص کے یہ چاروں پیرائے بیان قرآن ہیں لیکن ہر ایک پیرایہ قرآن کی روشنی مختلف انداز میں پھیل رہی ہے اور یہ سب پیرائے مقام قرآن کی مختلف منزلیں ہیں۔

قرآن پاک علم کے ماخذ کی حیثیت سے

خود قرآن میں اس کے احکام واجب الاتباع ٹھہرائے گئے ہیں اور حضور اکرمؐ کو بھی ان احکام کا مکلف کیا گیا ہے آپ ان احکام پر عمل پیرا ہونے کے پابند ہیں سو امت کے لیے بھی علم کے ماخذ کی حیثیت سے قرآن کو اولیت حاصل ہو گی۔ اسلام میں پہلا ماخذ علم اسے ہی سمجھا گیا ہے۔ سنت کی طرف تب رجوع کیا جائے گا جب وہ مسئلہ قرآن پاک میں نہ ملے۔

آنحضرتؐ نے حضرت معاذؓ کو یمن میں قاضی بنا کر بھیجا اور پوچھا کس طرح فیصلے کرو گے۔ انہوں نے کہا کتاب اللہ کے موافق۔ آپؐ نے پوچھا اگر وہ تجھے کتاب اللہ میں نہ ملے تو انہوں نے کہا پھر میں سنت سے فیصلہ کروں گا۔ وہاں بھی نہ ملے تو پھر میں اجتہاد کروں گا (فقہ سے کام لوں گا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کو پسند فرمایا۔

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ۔[1]

---

[1] رواہ ابو داؤد جلد ۳ صہ مشکوٰۃ صہ

محدثین حدیث کے چراغ لے کر ہمیشہ قرآن کے سائے میں چلے ہیں.

اصول فقہ میں علم کا پہلا ماخذ قرآن کریم کو بیان کیا گیا ہے لیکن یاد رہے کہ یہ مجتہد کے لیے ہے جو قرآن پاک سے غیر منصوص مسائل کا استخراج اور استنباط کر سکے. البتہ قرآن پاک کے وہ مسائل جن میں صرف نقل عبارت ہے کسی اجتہاد اور استنباط کی ضرورت نہیں اسے ہر شخص بیان کر سکتا ہے مثلاً

(۱) لڑکے کا حصہ لڑکی سے دُگنا ہے.

(۲) وضو میں منہ دھونا ہاتھ کہنیوں تک دھونا سر کا مسح اور پاؤں دھونا فرض ہے.

(۳) روزہ رکھنے والا سفر میں اسے دوسرے دنوں میں بدل سکتا ہے.

پھر آگے یہ مسئلہ کہ اگر اس نے سفر میں روزہ رکھا تو روزہ ادا ہو گا یا نہیں یا یہ کہ افضل کیا ہے اس میں پھر مجتہد کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ حدیث کی صریح عبارت سے بھی عامی استدلال نہیں کر سکتا. ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث منسوخ ہو کسی پہلے دور سے تعلق رکھتی ہو. اس عامی کو پتہ نہیں ہو گا کہ اس موضوع پر اور احادیث بھی ہیں جن کو ملحوظ رکھے بغیر اس ایک حدیث کا حاصل سمجھا نہیں جا سکتا۔ مختصر بات یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے براہ راست استنباط کرنا یہ صرف مجتہد کا حق ہے وہ خطا بھی کر جائے تو اُسے ایک اجر ملے گا لیکن عامی اپنے کسی ٹوٹکے میں صحیح بات بھی پالے تو وہ اپنی اس اصولی غلطی میں قابل معافی نہ ہو گا اس لیے کہ اس نے غیر مجتہد ہوتے ہوئے مجتہد کی پوزیشن اختیار کی ہے یہ اسے نہ چاہیئے تھا.

قرآن و حدیث میں جو مسائل منصوص نہیں یا منصوص ہیں مگر وہ بظاہر متعارض ہیں مجتہدین ان میں اجتہاد کر کے اپنے فیصلے امت کو دے چکے ان میں صحیح بات پانے والے مصیب اور نہ پانے والے مخطئ دونوں ہوں گے مگر خطرہ کسی کی پیروی میں نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخطئ کو بھی ایک اجر کی بشارت دے چکے ہیں.[1]

اصُول فقہ اور اصُول مناظرہ میں فرق

اصولاً تو پہلا ماخذ علم قرآن ہی ہے مجتہدین کا آپس میں مناظرہ ہو تو بات قرآن سے ہی چلے گی لیکن مدعیان اسلام میں بات عام سطح پر ہو تو بات استدلال سنت سے ہونا چاہیئے. قرآن کریم کا پیرایہ بلاغت

---

[1] دیکھئے صحیح بخاری جلد۲ صہ

بہت اونچا ہے اور ایک ایک بات میں کئی کئی وجہیں نکلتی ہیں جنہیں مجتہدین ہی بہتر طور پہ پا سکتے ہیں سو ایسے موقعوں پر استدلال سنّت سے ہونا چاہیئے۔ سنّت پھیلتے ہوئے احتمالات کو سمیٹتی ہے اور اور نظریات کو عملیات کی شکل دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا :۔

عن عمر انه قال سیأتی ناس یجادلونکم بشبهات القرآن فخذوهم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب الله الدارمی ونصر المقدسی فی الحجة اللالکائی فی السنة وابن عبدالبر فی العلم[1]

ترجمہ۔ کچھ ایسے لوگ اٹھیں گے جو قرآن کریم کی متشابہات سے تم سے جھگڑیں گے سو انہیں سنن سے پکڑنا۔ اصحاب سنن ہی قرآن کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ سے بھی کنز العمال ص۱۰۱ میں ایک روایت انہی الفاظ سے منقول ہے۔ آپ نے حضرت ابن عباسؓ کو جب خوارج کے مقابلہ میں بھیجا تو فرمایا :۔

ان خاصموك بالقرآن خاصمهم بالسنة کنز العمال[2]

ترجمہ۔ اگر وہ خارجی تمہارے سامنے قرآن پیش کریں تو تم ان کے سامنے سنّت سے استدلال کرنا۔

اس میں حجیتِ قرآن سے انکار نہیں پہلا ماخذ علم مسلمانوں کے لیے بے شک قرآن ہی ہے لیکن اس کی بلندیوں تک کامیابی سے پہنچنا مجتہدین کے سوا اور کس کو میسر ہو سکتا ہے۔ سنّت سے استدلال اس لیے زیادہ مفید رہتا ہے کہ اس میں کوئی دو پہلو کی بات نہیں اور مخالف کو اس سے کوئی راہ فرار نہیں ملتی، یہ مضمون نہج البلاغہ میں ان الفاظ میں دیا گیا ہے :۔

لاتخاصمهم بالقرآن فان القرآن حمال ذو وجوه تقول ویقولون ولکن حاججهم بالسنة فانهم لن یجدوا عنها محیصاً[3]

ترجمہ تم ان سے قرآن کے حوالے سے بحث نہ کرنا کیونکہ قرآن پاک بہت سے حقائق اٹھائے ہوئے ہے اور اس میں بات کی کئی جہات نکلتی ہیں، تو ایک بات

---

[1] کنز العمال جلد ۱ ص۱۰۸ [2] حقیقۃ الفقہ حصہ اول ص۲۴ مولانا انوار اللہ فاروقی بانی جامعہ نظامیہ حیدر آباد دکن
[3] نہج البلاغہ مصری جلد ۲ ص۔ شرح نہج البلاغہ للہیثم البحرانی

کہے گا اور وہ دوسری بات لے آئیں گے تم ان سے سنت کی رو سے بحث کرنا یہاں وہ سنت سے خلاصی نہ پا سکیں گے۔

مقلدین کا آپس میں مناظرہ ہو اور مسئلہ عقیدت کا ہو تو حوالہ قرآن و حدیث کی بجائے کتب عقائد سے دینا چاہیئے۔ اہل السنۃ والجماعت کے تمام عقائد منقح صورت میں کتب عقائد میں آگئے ہیں اور پھر ان پر سالہا سال حاشیہ در حاشیہ محنتیں ہوتی رہی ہیں اب چودھویں صدی میں عقائد حقہ کو نئے سرے سے قرآن و حدیث سے ثابت کرنا اور پچھلی کتب عقائد کو لائق اعتماد نہ سمجھنا کہ شاید ان پر بات اس طرح نہ کھلی ہو ایک بہت بڑے اعتقادی فتنے کو راہ دینا ہے۔

اور اگر مسئلہ عمل سے متعلق ہے تو اس پر امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے مجتہدین اپنے فیصلے دے چکے ہیں اب نئے سرے سے ان مسائل فقہ کو طے کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر دونوں طرف مقلدین ہیں تو باہمی تنازع کو کتب عقائد اور کتب فقہ سے تو ختم ہو سکتے ہیں قرآن و حدیث سے براہ راست استدلال کرنا مجتہدین کا حق ہے۔ مقلدین کتاب و سنّت کی عبارت تو پیش کر سکتے ہیں لیکن ان سے مسئلے کو مستنبط کرنا اس کا حق انہیں نہیں ہے۔

باب ۳۔ اعتقادی طور پر ہمیں یہ تسلیم ہے کہ اسلام میں پہلا ماخذ علم بے شک قرآن ہے اور اس کا ایک ایک لفظ متواتر ہے اس کی کوئی بات محتاج ثبوت نہیں۔ ہاں اس کی دلالت اپنے کسی معنی پر کس درجے میں ہے۔ سو یہ نصوص قرآن کے مختلف پیرائے ہیں۔

۱۔ عبارۃ النص ۲۔ اشارۃ النص ۳۔ دلالۃ النص ۴۔ اقتضاء النص

اور مسئلہ جس دلالۃ سے ثابت ہوگا اسی کے مطابق اس کا حکم ہوگا۔

اس تفصیل سے قرآن کریم کے بارے میں کسی حد تک اس کے درجے اور اس کی حیثیت کا تعارف ہو جاتا ہے اور یہ وہ گہرے مسائل ہیں جنہیں کسی حد سے محدود نہیں کیا جا سکتا۔

فقہ حنفی کی جو کتابیں دلائل کے ساتھ لکھی گئی ہیں (جیسے ہدایہ) ان میں سر فہرست استدلال قرآن سے ہوتا ہے پھر سنّت سے۔ اقوال فقہاء کی باری بعد میں آتی ہے۔

سو یہ کہنا صحیح نہیں کہ مقلدین کے ہاں اصل شریعت اپنے امام کا قول ہے کتاب و سنّت نہیں یہ وہی کہہ سکے گا جس نے کبھی فقہ کی بڑی کتابیں نہ دیکھی ہوں۔

علومِ القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد:

قرآن کریم پر جامع نظر کرلے سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کے علوم ان تین دائروں میں پھیلے ہوتے ہیں:۔

۱. آیاتِ احکام ۲. آیاتِ کلام ۳. آیاتِ نظام

تذکیرِ نظام پھر آگے تین دائروں کو شامل ہے:۔

۱. تذکیر آیات اللہ ۲. تذکیر بایام اللہ ۳. تذکیر بما بعد الموت

تذکیر کے یہ تین دائرے سب خواص وعوام کے لیے ہیں، عالم ہوں یا جاہل سب ان آیات سے نصیحت پکڑتے ہیں اور سب لوگ اس راہ سے ہدایت پر آنا محسوس کرتے ہیں یہ وہ راہ نہیں جسے صرف عالم محسوس کرسکیں اور مجتہدین ان کی گہرائی میں اُتر سکیں۔

وتلك الامثال نضربها للناس۔ (پ العنکبوت)

ترجمہ: اور یہ امثال ہیں جنہیں ہم سب لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں۔

جو لوگ قرآن پاک کی آیات سنتے ہی اس کی صداقت پر جا پہنچے ان کے لیے قرآن بہت سہل واقع ہوا ہے۔

(۱) تذکیر بآلاء اللہ میں مشاہدات سے سچائی کی راہ تلاش کی جاسکتی ہے۔

(۲) تذکیر بایام اللہ میں ان تاریخی وقائع میں سے سبق حاصل کرنا ہے جو ہر کسی کو معلوم رہے

(۳) تذکیر بما بعد الموت میں بذریعہ وحی اگلے جہاں سے کچھ پردے اُٹھتے ہیں۔

آیاتِ احکام

آیاتِ احکام میں ان امور کا بیان ہے جن میں کرنے اور نہ کرنے کے احکام اور ان کے درجات بیان ہوئے جو کام کرنے کے ہیں ان کے درجات فرض، واجب، سُنّت، مستحب اور مباح ہیں اور جو

کام نہ کرنے کے ہیں ان کے درجات حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی میں دائر ہیں۔ پھر ان میں وہ حکم بھی ہیں جو عزیمت کے حکم میں ہیں اور وہ بھی جو رخصت کا حکم رکھتے ہیں۔ آیاتِ احکام میں عبادات اور معاملات دونوں قسم کے ان میں شامل ہیں وہ تدبیر منزل ہو یا سیاست اور سیاست شہری ہو یا ملکی یا عالمی آیاتِ احکام میں یہ سب مضامین آتے ہیں۔ آیاتِ احکام کو پوری طرح سمجھنا یہ مجتہدین کا کام ہے۔ اور وہی صحیح طور پر ان سے احکام کشید کر پاتے ہیں۔

آیاتِ علم کلام

آیاتِ کلام سے مراد وہ آیات ہیں جن میں یہود و نصاریٰ مشرکین و ملحدین، زنادقہ اور منافقین اور آئندہ پیدا ہونے والے فِرقِ باطلہ کی تردید اور ان کے شبہات کا ازالہ ہے ان آیات میں خطابی انداز ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے انہیں علم مباحثہ کا عنوان دیا ہے۔ آیاتِ کلام پوری طرح سمجھنا متکلمین کا کام ہے۔ ہاں علم کلام اسی حد تک لائق اعتماد ہے کہ اس کی کوئی بات کتاب و سنت کے خلاف نہ جانے پائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

جاننا چاہیئے کہ معانی جو قرآن مجید سے مفہوم ہوتے ہیں وہ پانچ علموں سے باہر نہیں

(۱) اوّل علم احکام

از قسم واجب مستحب مکروہ اور حرام

یہ احکام خواہ عبادات کے بارے میں ہوں یا معاملات کے بارے میں — تدبیر منزل سے متعلق ہوں یا سیاست مدن سے — اس علم کی تفصیل فقہاء کے ذمہ ہے۔

(۲) دوم علم مناظرہ

چار گمراہ فرقوں کے ساتھ مثلاً یہود و نصاریٰ مشرکین اور منافقین

اس علم کی تفریع متکلمین کا کام ہے مناظر انہی حضرات میں سے نکلتے ہیں۔

(۳) علم تذکیر بآلاء اللہ

اللہ کے نشانوں اور ان کی نعمتوں کے حوالے سے اس کی یاد

(۴) علم تذکیر بایام اللہ
اللہ کی قدرت کے وہ وقائع جنہیں دنیا پہلے دیکھ چکی ان سے سبق حاصل کرنا۔
(۵) علم تذکیر بما بعد الموت
موت کے بعد کیا ہوگا اس کے حوالے سے لوگوں کو خدا کی طرف لانا۔

علومِ قرآن کا پیرایہ بیان اپنا ہے

(۱) قرآن مجید میں ان علوم کا بیان قدیم عربوں کی روش پہ ہوا ہے متاخرین کا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا، یہ خود بعد کی پیداوار ہے۔
(۲) آیاتِ احکام میں اختصار جیسا کہ متن نویسوں کا قاعدہ ہے نہیں کیا اور غیر ضروری قیود کی تنقیح کا التزام جیسا کہ اصولیوں کا قاعدہ ہے وہ بھی نہیں کیا ہے۔
(۳) علم مباحثہ کی آیات میں اقوالِ مشہورہ مسلّمہ اور خطابیاتِ نافعہ کا التزام کیا ہے اور ترتیب براہین میں منطقیوں کے اسلوب کی پیروی نہیں کی۔[1]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آج قرآن پاک کو محض ڈکشنری کی مدد سے یا تراجم کے مطالعہ سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ جب تک کوئی شخص اسالیب عرب نہ پہچانتا ہو وہ قرآن مجید کو نہیں جان سکتا۔

ان علومِ قرآن سے جو چشمے پھوٹے

(۱) آیاتِ احکام میں ناسخ و منسوخ، مجمل و مفصل، عام و خاص کے مباحث چلے
(۲) آیاتِ کلام میں توحید و رسالت، وجود ملائکہ، ایمان بالقدر اور مرکر جی اُٹھنے کے مباحث چلے انہی میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین و ملحدین کے افکار و اعمال کے پردے چاک ہوئے۔
(۳) تذکیر بآلاء اللہ سے مسلمانوں میں علم کائنات کا تجسس پیدا ہوا۔
(۴) تذکیر بایام اللہ سے مسلمانوں میں علمِ تاریخ نے نشو و نما پائی، حدیث کی کتابوں میں بدء الخلق

[1] الفوز الکبیر صـ۴۲، صـ۵ مختصراً

کتاب المغازی اور ماجاء فی تخلیق السموات والارض جیسے ابواب سامنے آئے۔

⑤ تذکیر بما بعد الموت سے عالم برزخ، عذاب قبر، حیات برزخی، وقوع قیامت، بعثت، میزان اور عدل و احسان جیسے مباحث چلے

قرآن بیان کرنے والے کن کن میدانوں میں چلے

علوم قرآن سے علم کے جو چشمے پھوٹے ان سے قرآن بیان کرنے والوں کو علوم قرآن کی مختلف راہیں معلوم ہوئیں اور وہ اپنی اپنی پسند کی شاخوں میں چلے یہ موضوع مختلف انواع تفسیر کا ہے اور یہ وہیں بیان ہوگا۔ یہاں ہم حضرت شاہ ولی اللہ کے حوالے سے الفوز الکبیر کا باب چہارم نقل کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

جاننا چاہیئے کہ مفسرین کی جماعتیں مختلف ہیں:۔

① ایک جماعت صرف ان آثار کی روایت پہ کمربستہ ہے جو آیات سے مناسبت رکھتی ہوں خواہ احادیث مرفوعہ ہوں یا موقوفہ یا کسی تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی روایت ——یہ طریقہ محدثین کا ہے۔

② اور ایک گروہ اسماء وصفات کی آیات میں تاویل کرتا ہے کہ ان میں سے جس آیت کو مذہب تنزیہہ حق جل وعلا شانہ کے موافق نہیں خیال کرتے اس کے ظاہری معنی نہیں لیتے۔ یہی گروہ مخالفین کے ایسے اعتراضات کو جو کہ بعض آیات پہ کرتے ہیں رد کرتا ہے یہ شان متکلمین کی ہے۔

③ اور ایک قوم مسائل فقہیہ کا استنباط کرتی اور بعض مجتہدات کو بعض پر ترجیح دیتی اور مخالف دلیل کا جواب دیتی ہے۔ یہ فقہاء اور اہل اصول کی روش ہے۔

④ ایک جماعت قرآن مجید کے لغات کی تشریح کرتی۔ اور ہر محاورہ کے باب میں کلام عرب کی نہایت کثرت کے ساتھ سندیں پیش کرتی ہے یہ نحویین اور اہل لغت کی وضع ہے۔

⑤ اور ایک گروہ علم معانی اور علم بیان کے نکات کو تمام تر بیان کرتا ہے اور کلام اللہ

کی داد ان علوم کے اعتبار سے دیتا ہے۔ یہ ادیبوں کا آئین ہے۔

(۶) اور بعض لوگ قرآن مجید کی ان قرأتوں کو جو ائمہ سے مسلسل منقول چلی آرہی ہیں نہایت ایضاح اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں یہ قراء کی حالت ہے۔

(۷) اور کچھ آدمی علم سلوک یا حقائق کے نکات کو ادنیٰ مناسبت سے بیان کرتے ہیں۔ یہ صوفیوں کی روش ہے۔

الحاصل تفسیر کا میدان نہایت وسیع ہے اور اس میں چلنے والے ہر مسلمان کا قصد اس کے معانی سمجھنے کا ہے اور ہر ایک نے ایک خاص فن میں غور و خوض کیا اور اپنی قوت فصاحت اور سخن فہمی کے مطابق بیان کیا ہے اور اپنی جماعت کے افراد کے مذہب کو منظور رکھا ہے۔ یہ وجہ ہے جس سے فن تفسیر نے ایسی وسعت بے پایاں حاصل کی جس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کیا جا سکتا اور نیز اسی وجہ سے تفسیر میں اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ مفسرین کے ایک گروہ کا خیال ان تمام علوم کے یکجا کرنے کا بھی ہوا ہے اور کبھی عربی میں اور کبھی فارسی میں کتابیں لکھیں اور ان کے طول و اختصار میں فرق ہے جس نے علم کے دامن کو اور بھی وسیع کر دیا ہے۔

اس فقیر کو الحمد للہ ان تمام فنون میں خاص مناسبت حاصل ہے اور علوم تفسیر کے اکثر اصول اور ایک معقول مقدار اس کے فروع کی معلوم ہے اور اس کے ہر فن میں اجتہاد فی المذاہب کے قریب قریب تحقیق و استقلال حاصل ہو گیا ہے ان کے علاوہ فنون تفسیر کے دو تین اور فن بھی فیضِ الٰہی کے لامتناہی دریا سے القاء ہوئے ہیں۔[1]

اس عبارت کے ضمن میں حضرت شاہ صاحب نے اپنے علمی موقف کا بھی ذکر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مجتہد مطلق کے علمی مرتبہ پر نہ تھے آپ (امام ابو حنیفہ رح کے) مقلد تھے۔ ہاں آپ دوسرے درجے میں مجتہد فی المذہب کے مرتبہ میں تھے اور اس میں بھی امام ابو یوسف اور امام محمد

[1] الفوز الکبیر ص۲۶

کے مرتبہ پر نہیں امام طحاوی اور کرخی کے مرتبہ کے تھے اور یہ بھی ایک بڑا علمی مقام ہے۔ آپ فیض الٰہی سے علمِ قرآن کی وہ دولت پائے ہوئے تھے کہ علم کا یہ مقام بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے آپ کے علوم کا پھیلاؤ دیکھنا ہو تو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی، حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی، حضرت شاہ اسماعیل شہید اور حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کی تالیفات میں دیکھیں اور پھر انہی علوم کی ایک جھلک آپ کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کتابوں میں بھی ملے گی۔ علمائے دیوبند انہی سے (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے) علم کی سند لیتے ہیں اور انہی کو اپنی جماعت کا پیشوا سمجھتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے مذکورہ بالا بیان کے بعد الفوز الکبیر میں ایک مستقل فصل اس عنوان سے قائم کی ہے:۔

"ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم میں سے دو دو تین تین حرف رسالہ ہذا میں لکھے جائیں" اور پھر تقریباً پانچ صفحات میں آپ نے اس پر کلام کیا ہے۔

طلبہ کو چاہیے کہ الفوز الکبیر سے ان صفحات کا مطالعہ کریں — یہاں ہم علوم القرآن کے اس مبحث کو اس سے زیادہ نہیں پھیلانا چاہتے۔ یہاں آپ کے ہاتھ میں ایک ایسی چابی آگئی ہے کہ جہاں تک آپ چاہیں قرآن کے کسی موضوع کو ان کے حوالے سے پھیلا سکتے ہیں۔ وکفیٰ بہ قدوۃ۔

حقائق القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

یوں تو قرآن کریم میں حقائق ہی حقائق ہیں کوئی بات خلافِ حقیقت نہیں. کیا عقائد اور کیا اعمال ہر بات حقیقت کے ترازو پر تُلی ہے. تاہم اس کے ضابطہ اخلاق میں کچھ ایسے حقائق بھی ملتے ہیں جو فکرو دانش کے لاتعداد مراحل کا ایک تاریخی نچوڑ ہیں. ان میں آپ کو بہت سی ابدی حقیقتیں مختلف پیرایوں میں اور مختلف احکام کے ضمن میں لپٹی ملیں گی جن پر دنیا کے عقلاء اور دانشور ہمیشہ سے متفق رہے ہیں گویا دنیا کے عقل و تجربہ کا یہ اجتماعی کارنامہ ہے جسے اللہ رب العزت نے بھی اپنے ہاں قبولیت بخشی. ہم ان میں صرف پندرہ ابدی حقیقتیں یہاں نقل کرتے ہیں جنہیں جھٹلانا کسی کے بس کی بات نہیں حقیقت حقیقت ہے اور ان پر ہمیشہ سے سب کا اتفاق چلا آرہا ہے :-

(۱) خیر الامور اوسطھا.

بہترین بات درمیان میں ہوتی ہے.

(۲) من جھل شیأً عاداہ.

جو کسی چیز کو نہ جانے وہ اس کا مخالف رہتا ہے.

(۳) اِحْذَر شرّ من احسنت الیہ.

جس کا تو محسن ہے اس کے شر سے بچ.

(۴) لیس الخبر کالمعائنۃ.

شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ.

(۵) فی الحرکات برکات.

حرکت کرنے سے ہی برکتیں ملتی ہیں.

(۶) حین تقلی تدری.

تُو جس سے نفرت کرے اسے جان لے گا.

(۷) لا یلدغ المومن من جحر مرتین۔
مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔
(۸) من اعان ظالماً سلط علیہ۔
جو کسی ظالم کی مدد کرے گا اس پر بھی کوئی مسلط ہو گا۔
(۹) کما تدین تدان۔
جیسی کرنی ویسی بھرنی۔
(۱۰) لا تلد الحیۃ الا حیّۃ۔
سانپ سے سانپ ہی پیدا ہوتے ہیں۔
(۱۱) للحیطان اذان۔
دیوار ہم گوش دارد۔
(۱۲) الجاھل مرزوق والعالم محروم۔
کبھی جاہل لے جاتا ہے اور جاننے والا رہ جاتا ہے۔
(۱۳) الحلال لا یاتیک الا قوتاً۔
حلال بقدر ضرورت ملتا ہے اور حرام امڈ کر آتا ہے۔
(۱۴) ایک ایک اور دو گیارہ۔
دوسرے کے بیان سے پہلے کی کمزوری ختم ہو جاتی ہے۔
(۱۵) بجلی اندر سے بھی جھانک لیتی ہے
ڈاکٹر اس سے ایکسرے کا کام لیتے ہیں۔
(۱۶) دھوئیں کا فضا میں پھیلاؤ
آسمان تک دھوئیں کا چھا جانا۔
(۱۷) قسم چاند کی جب پورا بھر جائے تم طبقہ بہ طبقہ چڑھو گے۔
ان میں تیرہ وہ امور ہیں جن پہ مضارب بن ابراہیم نے سوالات کیے اور شیخ حسن بن مفضل نے اس پہ قرآن پاک کی آیتیں پڑھیں۔ بعد کے چار نکات میں ایک بیان مولانا محمد حسن محدث فیض پوری

کا دوسرا ایک حجازی عالم اور ایک ڈاکٹر کا ہے۔ تیسرا تاریخ نکالنے کے ایک ماہر عالم کا ہے جس نے ایک خلاباز کے سامنے سورۃ الانشقاق کی ایک آیت پڑھی تھی۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی نے لطائف القرآن کے نام سے مضارب بن ابراہیم کے یہ سوالات یکجا کر دیئے ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء فلیراجع۔

دنیا کی مسلم اور ابدی حقیقتوں کو بھی کبھی مختلف پیرایوں میں لاکر کھولا جاتا ہے اور کبھی انہیں مناسب مثالوں میں اتارا جاتا ہے۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں قرآن کریم کے پیرایہ مثال سے بھی کچھ امثال طلبہ کے سامنے رکھیں تا وہ جان سکیں کہ مثال اور ممثل لہ میں کیا کیا مناسبات ہوتی ہیں اور قرآن کس شان بلاغت سے موقع کی مثال لاتا ہے۔

مضارب ابن ابراہیم نے حضرت حسن بن مفضل سے کہا کہ آپ عربی اور عجمی ضرب الامثال کی اصل اپنی ذہانت سے کتاب اللہ سے نکال لیتے ہیں۔ کیا آپ اس عربی ضرب المثل خیر الامور اوسطہا کے کسی ماخذ کی قرآن کریم سے نشاندہی فرمائیں گے۔

① حسن بن مفضل نے جواباً برجستہ فرمایا کہ اس ضرب المثل کے قرآن کریم میں چار ماخذ موجود ہیں جو یہ ہیں:۔

قوم موسیٰ علیہ السلام کو جب ایک مقتول کے قاتل کا پتہ معلوم کرنے کے لیے ایک بچھڑا ذبح کر کے اس کا گوشت مقتول کے بدن سے لگانے کا حکم دیا گیا۔ اس پہ بتایا گیا کہ وہ باذن خداوندی زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتلائے گا۔ حق تعالیٰ نے جواباً اسی خیر الامور اوسطہا کی جانب راہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بچھڑا ایسا معتدل ہو کہ:۔

۱۔ لا فارض ولا بکر عوان بین ذٰلک۔ (البقرہ ۶۸)

نہ بالکل بوڑھا ہو نہ بہت بچہ (بلکہ) پٹھا ہو دونوں عمروں کے وسط میں۔

قرآن کریم نے اپنے برگزیدہ بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ان کے خیر الامور اوسطہا ہونے کے وصف کو امتیازی حیثیت دے کر ارشاد فرمایا کہ:۔

۲۔ والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما۔ (پ۱۹ فرقان ۶۷)

ترجمہ۔ اور (طاعات مالیہ میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ) وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ

اسراف کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے خیر الامور اوسطہا کے اصول کی نشاندہی فرماتے ہوئے بخل اور اسراف دونوں کو ناپسندیدہ قرار دیا اور اعتدال قائم رکھنے کا حکم دیا۔

۳۔ ولا تجعل یدک مغلولۃ الیٰ عنقک ولا تبسطہا کل البسط۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۲۹)

ترجمہ۔ اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے ہی باندھ لے اور نہ بالکل ہی کھول دے۔

پھر نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کو اس خیر الامور اوسطہا کے دائرے میں محدود رکھنے کا امر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا :۔

۴۔ ولا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذٰلک سبیلا۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۱۱۰)

ترجمہ۔ اور اپنی نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھیے اور نہ بالکل ہی چپکے چپکے پڑھیے۔ دونوں کے درمیان ایک راہ اختیار کیجیے۔

ان چاروں آیات میں جو مختلف موضوعات میں نازل ہوئیں اس ایک فطری اصول کی نشاندہی کی گئی ہے۔

(۲) اس کے بعد مضارب نے عرض کیا کہ ضرب المثل من جہل شیئا عاداہ (جس شئے سے آدمی ناواقف ہوتا ہے تو اس کا دشمن بن جاتا ہے) کا ماخذ قرآن کریم میں کیا ہے۔ حسن بن مفضل نے فرمایا۔ اس کے ماخذ قرآن کریم میں دو ہیں :۔

۱۔ بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ۔ (پ۱۱ یونس ۳۹)

ترجمہ۔ بلکہ وہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے (جس کے صحیح ہونے) کو وہ خود اپنے احاطہ علم میں نہ لائے۔

یعنی جس چیز کو نہ سمجھ سکے تو اس کے دشمن ہو گئے اور تکذیب شروع کر دی۔ اس میں اسی اصول کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۲۔ وان لم یہتدوا بہ فسیقولون ھٰذا افک قدیم۔ (پ۲۶ الاحقاف ۱۱)

ترجمہ۔ اور جب ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہ کہیں گے یہ قدیمی جھوٹ ہے۔

یعنی بوجہ قرآن کریم میں غور و فکر نہ کرنے کے ہدایت کو پا نہ سکے. اب ازراہِ عناد اس کو جھوٹ قرار دے دیا۔

③ اس کے بعد مضارب نے عرض کیا کہ احذر شر من احسنت الیہ اس کے شر سے بچیئے جس کے ساتھ تم نے حسنِ سلوک اور احسان کیا ہے حسن بن مفضل نے فرمایا کہ اس کی اصل بھی قرآن کریم میں موجود ہے :-

وما نقموا منھم الآ ان اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ۔ (پ التوبہ ۷۴)

ترجمہ اور یہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنی مہربانی سے دوسروں سے بے نیاز بنا دیا۔

یعنی اللہ اور رسول کی عطا و بخشش پر بجائے شکر گزاری کے جب انہوں نے مخالفانہ راہ اختیار کی تو مخالفت کی انتہا کر دی کہ دینِ حق کے ہی منکر ہو گئے۔

④ پھر مضارب نے عرض کیا کہ لیس الخبر کالمعاینۃ (سُنی ہوئی بات آنکھوں دیکھی حقیقت کے برابر نہیں ہو سکتی) اس کا قرآنی ماخذ کیا ہے ؟

علامہ حسن نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کی تھی کہ رب ارنی کیف تحی الموتیٰ (اے میرے پروردگار! مجھے دکھلا دیجئے کہ آپ مُردوں کو کس کیفیت سے زندہ کرتے ہیں) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی۔ (پ البقرہ ۲۶۰)

کیا تم کو یقین نہیں ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یقین کیوں نہ لاتا (لیکن اس غرض سے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ) میرے قلب کو اور سکون ہو جائے۔

لفظ بلیٰ میں اس کا اعتراف ہے کہ آپ کی قدرتِ کاملہ کی خبر پر میرا ایمان کامل ہے لیکن لیس الخبر کالمعاینۃ کے مطابق مشاہدہ کا درجہ خبر سے ذرا آگے ہے اس لیے میں اسے بھی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

⑤ مضارب نے ایک اور بات پوچھی کہ مثل مشہور ہے فی الحرکات برکات (حرکت میں برکت ہے) کیا اس کا بھی کوئی قرآنی ماخذ ہے جس میں کہا گیا ہو کہ ہمت کرو گے تو راہیں کھُلیں گی۔

شیخ حسن نے فرمایا قرآن کریم نے فی الحرکات برکات کی واضح نشاندہی اس آیت کریمہ میں موجود ہے :۔

ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغماً کثیرًا وسعۃ۔ (پ۵ النساء ۱۰۰)

ترجمہ۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش۔

یعنی زمین پر پھیلی ہوئی برکتیں جب ہی حاصل ہوں گی کہ جب تم اللہ کے لیے زمین پر چلو پھرو گے گھر بیٹھے نہیں، حرکت میں برکت ہے۔

(۶) مضارب نے پھر سوال کیا کہ کما تدین تدان (جیسا کرو گے ویسا بھرو گے) مشہور ضرب المثل ہے۔ کیا اس کی قرآنی اصل بھی موجود ہے؟ شیخ حسن نے فرمایا اس بارے میں قرآنی راہنمائی یہ ہے کہ:۔

من یعمل سوءً یجزبہ۔ (پ۵ النساء ۱۲۳)

ترجمہ جو شخص کوئی بُرا کام کرے اس کو اس کے عوض سزا پائے گا۔

یعنی دنیا میں بدعملی پر اچھے بدلے کی توقع نہ کیجئے۔ جیسے اعمال اس دنیا میں کرو گے ویسی ہی جزا پاؤ گے۔

(۷) مضارب نے عرض کیا کہ ایک مثل ہے حین تقلی تدری جب تم کسی چیز سے نفرت کرو تو پھر وقت آئے گا کہ تم جان لو گے تمہارا اس سے دور رہنا کیسا تھا پھر تمہیں اس میں برائیاں ہی برائیاں نظر آئیں گی جو نظر نہیں آرہیں۔

شیخ حسن نے فرمایا اس مثل کی قرآنی اصل اس آیت میں موجود ہے :۔

وسوف یعلمون حین یرون العذاب من اضل سبیلا۔ (پ۱۹ الفرقان)

ترجمہ۔ اور (مرنے کے بعد) جلد ہی ان کو معلوم ہو جائے گا جب عذاب کا معاینہ کریں گے کہ کون شخص گمراہ تھا۔

یعنی دُنیا میں تم نے دینِ برحق سے اپنے دلوں میں نفرت پیدا کر لی تو اس کی ہر چیز تمہیں بُری نظر آنے لگی لیکن جب اس کی بتائی ہوئی حقیقتیں سامنے آئیں گی تو اس وقت ان کے اقرار پر مجبور ہوں گے لیکن اس وقت کا اقرار کارآمد نہیں ہوگا۔

(۸) مضارب نے پھر ایک اور سوال کیا کہ لا یلدغ المومن من جحر مرّتین (مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا) اس آیت کا قرآنی ماخذ کیا ہے؟

شیخ حسن نے فرمایا اس کا قرآنی ماخذ آیت ذیل میں موجود ہے:۔

هل امنکم علیه الا کما امنتکم علیٰ اخیه من قبل۔ (پ۱۳ یوسف ۶۴)

ترجمہ۔ پس رہنے دو) میں اس کے بارے میں بھی تم پر ویسا ہی اعتبار کرتا ہوں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسفؑ) کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں۔

یعنی یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ یوسفؑ کے بارے میں ایک بار میں تم پر بھروسہ کر چکا ہوں اور نتیجہ دیکھ چکا ہوں۔ اب دوسرے بیٹے بن یامین کے بارے میں تمہارا اعتبار کیسے کروں۔

(۹) مضارب نے عرض کیا کہ من اعان ظالمًا سلط علیه (جو کسی ظالم کی مدد کرتا ہے تو وہی ظالم اس پر بھی غلبہ پاتا ہے) کی قرآنی اصل ارشاد فرمائیے:۔

شیخ حسن نے فرمایا اس کی اصل اس آیت میں ہے:۔

کتب علیه انّه من تولّاه فانّه یضلّه ویهدیه الیٰ عذاب السّعیر (پ۱۷ الحج ۴)

ترجمہ۔ جس کی نسبت (خدا کے یہاں) یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ جو شخص اس سے (یعنی شیطان سے) تعلق رکھے گا (یعنی اس کا اتباع کرے گا) تو اس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اس کو (راہِ حق) سے بے راہ کر دے گا اور اس کو عذابِ دوزخ کا راستہ دکھائیگا۔

یعنی اللہ سے بے راہی اختیار کرنے والا ظالم ہے جو اس ظالم کی (شیطان) اطاعت کرے گا نتیجۃً وہ اسے بھی بے راہی پر لگا دے گا۔

(۱۰) پھر مضارب نے عرض کیا کہ ایک محاورہ ہے۔ لا تلد الحیّةُ الّا حیّةً (سانپ سے سانپ ہی پیدا ہوتا ہے کیا اس کا بھی کوئی قرآنی ماخذ ہے؟

شیخ نے فرمایا اس کے ماخذ کی جانب یہ آیت اشارہ کرتا ہے:۔

ولا یلدوا الّا فاجرًا کفّارًا۔ (پ۲۹ نوح ۲۷)

ترجمہ۔ اور (آگے بھی) ان کے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی۔

یعنی منتظر عام ان کفار کی اولادیں بھی کافر و فاجر ہی ہوں گی۔ کیونکہ آباء و اجداد کے افکار و اعتقادات وراثۃً اولاد میں منتقل ہوتے ہیں۔

(۱۱) مضارب نے ایک اور سوال کیا کہ اس ضرب المثل کی اصل کیا ہے؟ للحیطان اذان (کہ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں) شیخ حسن نے فرمایا یہ آیت اس کی اصل قرار پاسکتی ہے:۔

وفیکم سمّٰعون لھم۔ (پ۱۰ التوبہ ۴۷)

ترجمہ اور تم میں وہ بھی ہیں جو اوروں کے لیے سنتے ہیں۔

یعنی تم میں ان کے جاسوس موجود ہیں۔ تم میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ تم اُن پر اعتبار کر کے اپنے دروازے کھول دیتے ہو حالانکہ وہ دشمن ہوتے ہیں اور وہ تمہارے راز دار بن کر باعثِ نقصان بنتے ہیں ان سے بچیئے۔

(۱۲) مضارب نے اب ایک اور سوال کیا کہ اس مثل کی اصل کیا ہے؟ الجاھل مرزوق والعالم محروم (جاہل کو بسا اوقات بہت کچھ ملتا ہے اور عالم محروم رہ جاتا ہے) اس پر شیخ حسن بن مفضل نے فرمایا یہ مضمون اس آیت میں موجود ہے:۔

من کان فی الضّلالۃ فلیمدد لہ الرحمٰن مدًّا۔ (پ۱۶ مریم ۷۵)

ترجمہ۔ جو گمراہی میں پڑجاتا ہے تو اللہ اس کو اور ڈھیل دیتا ہے۔

یعنی کافر پر دنیوی مال و متاع کی فراوانی اتمامِ حجت کے لیے ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی اختیار کردہ بے راہروی کی زیادہ سے زیادہ سزا بھگتے۔

(۱۳) مضارب نے ایک اور سوال کیا اس مثل کی کوئی اصل قرآن کریم میں ملتی ہے کہ الحلال لایأتیك الا قوتًا والحرام لایاتیك الا جزافًا (حلال طریق پر تمہیں بقدر ضرورت ملتا ہے اور حرام طریقہ پر بے روک آتا ہے) نظامِ قدرت اس طرح نہ ہو تو یہ دنیا امتحان گاہ کیسے ٹھہرے۔

شیخ حسن نے جوابًا فرمایا کہ اس کی اصل بھی قرآن مجید میں موجود ہے اور وہ یہ ہے۔

اذ تاتیھم حیتانھم یوم سبتھم شرّعًا ویوم لا یسبتون لا تاتیھم۔ (پ۹ الاعراف ۱۶۳)

ترجمہ جب آنے لگیں ان کے مچھلیاں ہفتہ کے دن اُوپر تک اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا تو نہیں آتی تھیں۔

یعنی یہود (باشندگانِ ایلہ) پر ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار حرام تھا تو اس دن پانی کے اُوپر بے حد مچھلیاں آتی تھیں اور بعد کے دنوں میں شکار حلال تھا تو مچھلیاں بہت کم آتیں۔ انہوں نے ممنوعہ دنوں میں شکار شروع کر دیا تو بطریقِ حرام خوب مچھلیاں شکار کیں اور ایامِ غیر ممنوعہ میں بقدرِ ضرورت ہی ملتی تھیں۔

(۱۴) دو کمزور راوی جس بات پر متفق ہوں اور دونوں اپنے اپنے طور پر ایک ہی بات کہیں تو یہ روایتیں ایک صحیح روایت کے درجہ میں آجائیں گی۔ عدالتوں میں بھی اجتماعی گواہی کا اعتبار کیا جاتا ہے اور فقہاء بھی ایک راوی کا ضعف دوسرے متبادل راوی سے پُورا کر لیتے ہیں۔ کیا اس کی قرآن میں کوئی اصل ہے؟

ہاں لین دین کے مسئلے میں دو مرد گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہوں میں لی جاسکتی ہیں۔ یہ لطیف مضمون قرآن کریم میں اس طرح ہے:۔

فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشہداء ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخریٰ۔ (پ۳ البقرہ ۲۸۲)

ترجمہ: پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جس کو تم پسند کرو گواہوں میں تاکہ اگر ایک ان میں سے کچھ بھول جائے تو اسے دوسری یاد دلا دے۔

(نوٹ) معلوم ہوا کہ اگر دوسرے ضعیف بیان کرنے والے سے بھی وہ روایت ملے تو اس سے پہلے کا ضعف اُٹھ جاتا ہے اور اس کی روایت لی جاسکتی ہے۔ سو وہ لوگ جو ہر ضعیف روایت کو گو اس کی تائید اور روایتوں سے بھی ملے ضعیف کہہ کر رد کر دیتے ہیں وہ قرآن کریم کی یہ روشنی پالیں۔

(۱۵) حضرت مولانا محمد سالم قاسمی (دیوبند) نے ایک حجازی عالم کا واقعہ سُنایا کہ ایک عیسائی ڈاکٹر نے ان سے سوال کیا کہ قرآن مجید میں بجلی کی اس مخصوص لہر کی بھی نشاندہی موجود ہے کہ جس کے ذریعے دورِ حاضر کے ڈاکٹر مریض کے اندرونی حصوں کا پتہ لگا لیتے ہیں (یہ دورِ حاضر کے ایکسرے سسٹم کی طرف اشارہ ہے) اس عالم حجازی نے ڈاکٹر سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں بجلی کی اس لہر کی کیا کوئی خاص نوعیت ہے کہ جس کی بنا پر وہ اندرونِ بدن کے امراض کا انکشاف کرتی ہے۔ ڈاکٹر نے جواب دیا

جی ہاں اس کی نوعیت مخصوص ہے اور اس کو ہم عام الفاظ میں مخصوص آگ کی ایک لپٹ کہہ سکتے ہیں جو عام بجلی میں خاص آلات کی مدد سے پیدا کر کے استعمال میں لائی جاتی ہے۔

عالم حجازی نے فرمایا کہ بجلی کی نوعیت مخصوصہ کی جانب قرآن کریم کی اس آیت میں رہنمائی موجود ہے

نار الله الموقدة التى تطلع على الافئدة انها عليهم موصدة فى عمد ممدة (پ۳۰ الھمزہ)

ترجمہ۔ ایک آگ ہے اللہ کی سلگائی ہوئی، وہ جھانک لیتی ہے دلوں کو، ان کو اس آگ میں موند دیا ہے لمبے لمبے ستونوں میں۔

حجازی عالم کی زبان سے یہ قرآنی راہنمائی سن کر مسیحی ڈاکٹر نے غیر معمولی حیرانی کے ساتھ قرآن پاک کا اعتراف کیا۔ قرآن کریم کا موضوع گو ان حقائق کا انکشاف نہیں۔ یہ ایک کتاب ہدایت ہے لیکن خدا کا کلام خدا کا کلام ہے اس میں ضمنی طور پر بھی کئی ایسے گوشے کھلتے ہیں کہ طور بشر ویسی بات کہنے سے عاجز نظر آتا ہے ایک اور مثال لیجئے:۔

(۱۶) دھوئیں کو عربی میں دخان کہتے ہیں، اور حقہ یا سگریٹ وغیرہ کی صورتوں میں تمباکو نوشی یا دھواں اُڑانے کے لیے تدخین کا لفظ اہل عرب بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس کا عمومی رواج دسویں صدی ہجری کے اخیر سے ملتا ہے پہلے یہ دھواں دار صورتیں کہیں نہ تھیں نہ سگریٹ تھے نہ حقہ۔ چار سو سال پہلے ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

کسی عالم سے سوال کیا گیا کہ قرآن کریم نے کیا دُھواں اڑانے کے اس عالمگیر انسانی مرض کی جانب بھی کہیں کوئی اشارہ فرمایا ہے؟ اس عالم نے جواب دیا کہ تفکر و تدبّر کرنے والوں کو قرآن کریم مایوس نہیں کرتا۔ اور اس کے بعد انہوں نے قرآنی آیت کے یہ تین کلمات تلاوت کیے۔ یوم تاتی السماء۔ اس کا آگے جوڑ ہے کھلے دھوئیں سے۔ اس میں اشارہ ہے اس پوری آیت کی جانب کہ:۔

یوم تاتی السماء بدخان مبین۔ (پ۲۵ الدخان ۱۰)

ترجمہ۔ جس دن آسمان پھیلے دھوئیں سے بھر جائے گا۔

ایک عالم نے اس سوال و جواب کو ایک عربی قطعہ کی صورت میں پیش کرتے ہوئے اس تاریخی نکتہ کو کھولا ہے:

یا خلیلی عن الدخان اجبنی — ھل لہ فی کتابنا ایماء

قلت ما فرط الکتاب بشیء — ثم ارخت "یوم تاتی السماء"

ترجمہ: اے میرے دوست مجھے بتلاؤ کہ کیا ہماری کتاب قرآن کریم میں دھواں اڑانے کے انسانی مرض کی جانب بھی کوئی اشارہ ہے؟ تو میں نے کہا کہ اس کتابِ مقدس نے چھوڑا کسی بات کو نہیں اور پھر میں نے قرآنی الفاظ یوم تأتی السماء سے اسکی تاریخ نکالی۔

یوم تأتی السماء کے عدد از روئے ابجد کل ایک ہزار ہوتے ہیں اور آیت میں آگے لفظ دخان صراحتہً موجود ہے۔ یعنی یوم تأتی السماء بدخانٍ مبین (پ۲۵ الدخان ۱۰) جس سے بطور لطیفہ عملی یہ اشارہ نکل سکتا ہے کہ دسویں صدی ہجری سے علی الاعلان دھواں اڑانا لوگوں میں عام ہو جائے گا اور تاریخ سے اس اشارہ کو مزید تقویت حاصل ہوگئی کہ دھواں اڑانے کے رواج کی عمومی ترقی دسویں صدی ہی سے ملتی ہے۔ یہ بات یوم تأتی السماء کے بدخان مبین سے جوڑ کی وجہ سے معلوم ہوئی ورنہ آیت کا موضوع تو یہ نہ تھا۔

اسی طرح قرآن کریم میں ایک جگہ چاند کی قسم کھائی جب وہ بھر جائے (چودہویں رات اپنے کمال کو پہنچ جائے) پھر اس کے ساتھ ہی فرمایا۔

لترکبن طبقاً عن طبق فما لھم لا یؤمنون۔ (پ۳۰ الانشقاق ۲۰)

ترجمہ: البتہ تم ضرور چڑھو گے طبقہ بہ طبقہ۔ پھر ان کو کیا ہے کہ وہ یقین نہیں لاتے۔

مترجمین طبقہ بہ طبقہ کا ترجمہ سیڑھی بہ سیڑھی کرتے ہیں لیکن طبقہ کا حقیقی معنی تہ اور حلقہ کے ہیں طبقات الارض طبقات الجو طبقات السما، طبقات الامہ طبقہ صحابہ و تابعین یہ الفاظ آپ نے عام سُنے ہوں گے۔ انسان جب چاند میں پہنچا تو کتنے طبقوں کو عبور کر کے کیا یہ ہمارا موضوع نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ انسان طبقہ بہ طبقہ چاند پہ پہنچا۔ وہ بھرے چاند میں پہنچا یہاں (زمین پہ) تو چاند صرف ایک رات ہی پُورا دکھائی دیتا ہے جسے لیلۃ البدر کہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ چاند میں پہنچے وہاں پُورا چاند تھا۔ پورے چاند کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ تم آئندہ طبقہ طبقہ اُوپر چلو گے۔

فلا اقسم بالشفق واللیل وما وسق والقمر اذا اتسق لترکبن طبقاً عن طبق۔ (پ۳۰ الانشقاق ۲۰)

ترجمہ: سو قسم ہے شام کی سُرخی کی اور رات کی اور جو کچھ اس نے لپیٹا اور چاند کی جب وہ بھرے تم کو چڑھنا ہے طبقہ بہ طبقہ۔ سو کیا ہو گیا ان کو کہ پھر بھی یقین نہیں لاتے

سو جس طرح یوم تأتی السماء کا بدخانٍ مبین سے ایک جوڑ سمجھ میں آگیا اور اس عالم نے دھواں پھیلنے کی تاریخ نکال لی۔ سائنسدانوں نے چاند کے ساتھ طبقہ بہ طبقہ چڑھنے کا اشارہ پاکر خلا میں محنتیں شروع کردیں اور وہ چاند تک پہنچ گئے اور وہاں جا اُترے اب ان کے سامنے پُورا بھرا چاند تھا نہ کہ وہ اس کے کسی کنارہ پر تھے۔

اس آیت میں دُنیا کی زندگی کی ایک تمثیل ہے۔ دنیا کے بعد برزخ کے طبقہ میں جانا ہے۔ برزخ کے بعد عالم آخرت میں جانا ہے، جس میں جنت اور جہنم پہلے سے قائم ہیں۔ آفتاب کے غروب پر روشنی کی ایک تہ ختم شفق غروب ہونے پر دوسری بھی ختم اسی دوران پھر چاند ہے جس کی روشنی ہے ان مراحل کی قسم کھا کر فرمایا کہ تم طبقہ بہ طبقہ اوپر چڑھو گے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

تلاوتِ قرآن

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ امابعد :

تلاوت اس پڑھنے کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز پہلے پڑھے کے مطابق پڑھی جاتی ہے۔ چاند جب سورج کے پیچھے پیچھے چلتا ہے تو اس کی پیروی میں چلتا ہے۔ یہ پیچھے آنا اس کی تلاوت ہے۔

والشمس وضحٰھا والقمر اذا تلٰھا۔ (پ۳۰ الشمس)

ترجمہ: سورج کی قسم اور اس کی دھوپ کی اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے پیچھے آئے۔

قرآن کریم کی تلاوت خود ایک عمل ہے

قرآن کریم بے شک خود ایک کتاب ہدایت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ایک راہ ملتی ہے یہ ایک دعوتِ عمل ہے اور اس سے انسان عمل کی ایک پٹڑی پر آتا ہے مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم پڑھنا خود بھی ایک عمل ہے اور اس پر جزا مرتب ہوتی ہے۔ قرآن کریم اگر صرف ایک پیغام ہوتا تو امت کا یہ کثیر طبقہ جسے ہم سات قاریوں کے ذیل میں پیش کر آئے ہیں، قرآن کریم کے پڑھنے، اس کے حروف کے مخارج بتلانے اور اسے کھول کھول کر پڑھنے پر اس قدر محنت نہ کرتا پیغام عمل صرف آنکھوں سے پڑھ لیا جائے اور زبان پہ نہ بھی آئے نہ لایا جائے تو اپنا مقصد پورا کر دیتا ہے یہ پڑھنے کا اہتمام آخر کس لیے ہے؟ اس لیے نا کہ یہ خود ایک عمل ہے جہاں پڑھا جائے دنیا میں اس کی برکت اترتی ہے اور آخرت میں اس کی جزا ملتی ہے۔ آنحضرتؐ جب اسے پڑھتے تو اس کی مد و شد کا پورا لحاظ رکھتے اور اسے نہایت عمدگی سے حرف حرف کھول کھول کر پڑھتے۔ اب ظاہر ہے کہ آپ نے بھی اسے ایک عمل سمجھا تھا آج کون ہے جو اسے ایک عمل نہ سمجھے اور اسے محض ایک پیغام عمل کہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں رتل القرآن ترتیلا کہہ کر اسے ایک عمل قرار دیا ہے اور اس پر آخرت میں جزا مقرر کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا آخرت میں ترتیل

پر جزا مرتب ہوگی۔

یقال لصاحب القرآن اقرأ و ارتق و رتل کما کنت ترتل فی الدنیا فان منزلك عند اٰخر اٰیۃ تقرؤھا۔ [1]

ترجمہ: قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ترتیل سے پڑھ جس طرح تو دنیا میں پڑھتا تھا تیری منزل وہیں ہوگی جہاں تو آخری آیت پر ٹھہرے گا۔

یہ جس شخص کی زبان پر نہ چلے اور اسے مشقت سے اسے زبان پر لانا پڑے تو اللہ رب العالمین نے اس سے دُگنے اجر کا وعدہ کیا ہے اور ماہر بالقرآن تو سفرۃٍ کرامٍ بررۃ (فرشتوں) کے ساتھ جگہ پائے گا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

الماھر بالقرآن مع السفرۃ الکرام البررۃ والذی یقرأ القرآن و یتتعتع فیہ وھو علیہ شاقٌ لہ اجران۔ [2]

ترجمہ: قرآن کا ماہر ان نیک فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو قرآن کے سفیر رہے اور وہ شخص جو رک رک کر پڑھتا ہے اور اسے پڑھنا گراں ہے تو اسے دو اجر ملیں گے۔

مشقت سے بھی زبان سے ادائیگی ہو سکے تو ایک سعادت ہے اور اس پر زور اسی لیے دیا جا رہا ہے کہ اس کا پڑھنا خود ایک عمل تھا یہ صرف ایک پیغام نہیں اس کے لفظ لفظ اور حرف حرف میں برکت ہے۔

اسے پڑھنا اور پڑھانا بھی ایک عمل ہے اور اس کی تلاوت کرنا یہ ایک اور مستقل عمل ہے حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

افلا یغدو احدکم الی المسجد فیعلم او یقرأ اٰیتین من کتاب اللہ خیر لہ من ناقتین وثلث خیر لہ من ثلث۔ [3]

ترجمہ: تم میں سے کوئی مسجد کی طرف کیوں نہیں جاتا تاکہ دو آیتیں جان لے

---

[1] رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی [2] رواہ البخاری و مسلم [3] رواہ مسلم عن عقبہ بن عامرؓ

یا پڑھ لے یہ اس کے لیے دو اُونٹنیوں سے بڑی دولت ہے اور تین پڑھے تو تین سے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

من قرأ حرفًا من کتاب اللہ فلہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالھا۔ لا قول الم حرف الف حرف ولام حرف ومیم حرف۔[1]

ترجمہ جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اسے بھی ایک نیکی کا ثواب ملے گا اور ایک نیکی اپنے سے دس گنا تک جاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

معانی الفاظ کے ہوتے ہیں حروف کے نہیں۔ حروف مؤلفات ہوں یا مقطعات ان میں سے ایک ایک حرف پر اجر موعود ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا پڑھنا (قطع نظر اس سے کہ اس کے معانی کیا ہیں) بھی عبادت ہو — اسی لیے اس کے ایک ایک حرف پہ اجر کا وعدہ دیا گیا۔

قرآن کریم کو دیکھ کر پڑھنا اس کا درجہ زبانی پڑھنے سے زیادہ رکھا گیا یہ کیوں ؟ — یہ اس لیے کہ اس کے لفظوں اور حرفوں کو دیکھنا بھی ایک عبادت تھا۔ حضرت ام المؤمنینؓ کہتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

قرأۃ الرجل القران فی غیر المصحف الف درجۃٍ وقرأتہ فی المصحف تضعف علی ذٰلک الی الفی درجۃ۔[2]

ترجمہ۔ آدمی کا بغیر دیکھے قرآن پڑھنا ہزار درجے رکھتا ہے اور دیکھ کر پڑھنا اس سے کئی درجے آگے ہے اور یہ دو ہزار تک بڑھتا جاتا ہے۔

قرآن کریم خوش آوازی سے پڑھا جائے تو اس پہ اللہ تعالیٰ توجہ ڈالتے ہیں اور نبی جب خوش آوازی سے پڑھے تو اس پہ اللہ رب العزت کی ایسی توجہ ہوتی ہے کہ ویسی رحمت کی توجہ اور کسی کام پہ نہیں دیکھی گئی۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا :۔

---

[1] رواہ الترمذی [2] رواہ البیہقی

ما اذن اللہ لشیء ما اذن لنبی یتغنی بالقرآن [1]

ترجمہ: خدا نے کسی عمل پر اتنا نہیں دیا جتنا نبی کو خوش آوازی سے قرآن پڑھنے دیا ہے۔

قرآن کریم اگر صرف ایک پیغام عمل ہوتا تو اس کا تعلق صرف دنیا سے ہوتا اس کی تلاوت صرف یہاں اثر کرتی آخرت میں ذخیرہ اجر نہ بنتی۔ حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ ھ) کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

علیك بتلاوۃ القرآن فانه نور لك فی الارض وذخر لك فی السماء۔ [2]

ترجمہ: تجھ پر تلاوتِ قرآن لازم ہے وہ زمین میں تیرے لیے نُور ہے اور آسمان میں تیرے لیے ذخیرہ عمل ہے۔

قرآن پڑھو —— اسے تلاوت کرو —— اور یہ اس لیے بھی کہ تم اس پر عمل کرو —— پہلا درجہ اس کے علم کا ہے اور دوسرا درجہ اس کی تلاوت کا اور تیسرا درجہ اس کے اعمال کا —— حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

تعلموا القرآن فاقرأوہ فان مثل القرآن لمن تعلم فقرأ وقام به کمثل جراب محشوٍ مسکاً تفوح ریحه کل مکان ومثل من تعلم فرقد وھو فی جوفه کمثل جراب اوکی علی مسك۔ [3]

ترجمہ: قرآن سیکھو اور اسے پڑھو اس شخص کی مثال جس نے قرآن سیکھا اور پڑھا اور اسے اپنے عمل میں رکھا ایسے ہی ہے جیسے کستوری کی بھری بوری ہو اس کی خوشبو ہر جگہ پھیل رہی ہو اور اس کی مثال جس نے قرآن سیکھا اور پھر سو رہا اور وہ اُسے یاد ہے ایسی ہے جیسے کستوری کی بوری ہو جس کا منہ سختی سے اوپر سے بند کیا گیا ہو۔

قرآن پڑھنے سے برکات کا نزول

① قرآن کریم کی تلاوت سے زمین پر نُور پھیلتا ہے۔ حدیث علیك بتلاوۃ القرآن فانه

---

[1] رواہ البخاری [2] رواہ ابن حبان فی صحیحہ [3] رواہ الترمذی والنسائی

نورلك فى الارض آپ پڑھ آئے ہیں۔

(۲) تلاوت سے رزق میں برکت آتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

من قرأ سورة الواقعة فی کل لیلة لم تصبه فاقة ابدًا۔[1]

ترجمہ۔ جو شخص ہر شب سورۂ واقعہ پڑھے اسے کبھی فاقہ کی نوبت نہ آئے گی۔

(۳) ذکر آخرت سے غفلت دور ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

من قرأ عشر آیات فی لیلة لم یکتب من الغافلین۔[2]

ترجمہ۔ جو شخص ایک رات میں دس آیات پڑھ لے وہ غافلوں میں نہ لکھا جائے گا۔

(۴) مغفرت ملتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ان سورة فی القرآن ثلاثون آیة شفعت الرجل حتی غفرله وھی تبارك الذی بیده الملك۔[3]

ترجمہ۔ بے شک قرآن میں تیس آیتوں کی ایک سورت ہے وہ آدمی کی سفارش کرے گی یہاں تک کہ وہ بخش دیا جائے وہ سورۂ ملک ہے (پ ۲۹ کی پہلی سورۃ)

(۵) دن کے سارے کام چلتے ہیں۔ حضرت عطا بن ابی رباحؒ کی بلاغات میں ہے (یعنی یہ بات انہیں پہنچی ہے) کہ آنحضرتؐ نے فرمایا :-

من قرأ یٰسٓ فی صدر النهار قضیت حوائجه۔[4]

ترجمہ۔ جو صدر نہار میں سورۂ یٰسین پڑھ لے اس کی سب حاجات پوری ہوں گی۔

(۶) بیماروں کو شفا ملتی ہے۔

---

[1] رواہ البیہقی [2] رواہ الحاکم فی المستدرک [3] رواہ احمد وابوداؤد والنسائی
[4] رواہ الدارمی

فاتحۃ الکتاب شفاء من کل داء۔[1]

ترجمہ۔ قرآن کریم کا پیش لفظ (الحمد شریف) ہر بیماری سے شفا ہے۔

(۷) جب قرآن کریم کی تلاوت خود ایک عمل ہے اور ایک نیکی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا ایصال دوسروں کو بھی کیا جاسکتا ہے۔ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب مرحومین کو اسی طرح پہنچتا ہے جیسے صدقہ کہ کے اس کا ثواب کسی مرحوم کو پہنچایا جائے یا اس کے لیے کوئی صدقہ جاریہ چھوڑ دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوتِ قرآن، تسبیح وتکبیر (سبحان اللہ پڑھنے اور اللہ اکبر پڑھنے) اور صدقہ کرنے کو ایک ترتیب میں ذکر فرمایا ہے اور ان میں سب سے افضل تلاوتِ قرآن کو ٹھہرایا ہے ـــ ان میں اگر صدقے کا ثواب اموات کو دیا جاسکتا ہے تو تلاوتِ قرآن کریم کی نیکی انہیں کیوں ایصال نہیں کی جاسکتی۔ آپ نے فرمایا:۔

قرأۃ القرآن فی الصلوٰۃ افضل من قرأۃ القرآن فی غیر الصلوٰۃ وقرأۃ القرآن فی غیر الصلوٰۃ افضل من التسبیح والتکبیر والتسبیح افضل من الصدقۃ والصدقۃ افضل من الصوم والصوم جنۃ من النار۔[2]

ترجمہ۔ قرآن کو نماز کے اندر پڑھنا قرآن کو نماز کے باہر پڑھنے سے افضل ہے اور قرآن کو نماز سے باہر پڑھنا تسبیح وتکبیر پڑھنے سے افضل ہے اور تسبیح افضل ہے صدقہ کرنے سے اور صدقہ افضل ہے روزے سے اور روزہ جہنم کے سامنے ایک ڈھال ہے۔

سو تلاوتِ قرآن کی ساتویں برکت جہنم سے تخلصی ہے یہ خود کرنے سے ملے یا کسی کے ایصالِ ثواب سے جہنم سے آزادی اس پر مرتب ہو گی (بفضلہ وعمیم کرمہ)

قرآن کریم کو گانے کے طرز پر نہ پڑھا جائے

اس زمانے میں بعض خوش الحان نوجوان جو قاری نہیں ہوتے مگر اپنی خوش آوازی سے لوگوں میں قاری سمجھے جاتے ہیں قرآن کریم کو گانے کے طور پر پڑھنے لگے ہیں یہ جائز نہیں۔ گانا خود بھی حرام ہے اور قرآن کریم کو اس کے پیرائے میں لانا یہ اس سے بھی بڑھ کر ایک جرم ہے اور کلامِ الٰہی کی سخت بے ادبی ہے۔ شیخ الاسلام ابوطاہر احمد بن محمد اصفہانی (۵۷۶ھ) قاریوں کو نغمہ اور گانے

---

[1] رواہ الدارمی عن عبدالملک بن عمیر مرسلاً [2] رواہ البیہقی عن ام المؤمنینؓ

کی سی خوش الحانی کے ساتھ قرأت کرنے سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس طرح قرأت کرنا بدعت ہے۔ ترتیل کے ساتھ قرأت کرو اور اس میں بھی سادگی اور بے تکلفی چاہیے۔[1]

اس فن سے اشتغال ایسا نہ ہونا چاہیے کہ یہ فن ایک موسیقی Music بن کر رہ جائے اور قاری لوگ اسے کھیل بنالیں جو زیادہ کھیلے زیادہ جیتے۔ ایسے قاریوں کے یہ ڈرامے ان کے لیے آخرت میں ایک بار ہوں گے۔ حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

اقرؤا القرآن بلحون العرب واصواتها وایاکم ولحون اھل العشق و اھل الکتاب۔[2]

ترجمہ: قرآن کو عرب کے لہجوں اور ان کی آوازوں میں پڑھو۔ اہل عشق کے لہجوں سے اور اہلِ کتاب کے طریقوں سے بچو۔

قراء کے مقابلے کا لفظ بھی ذہن میں ساتھ رکھیے

الفاظ اپنے اضداد سے پہچانے جاتے ہیں سفیدی اور سیاہی ایک دوسرے کے مقابلے میں آکر اپنی جو وضاحت کرتے ہیں وہ ان اکیلے الفاظ سے نہیں ہوتی۔ حدیث میں قراء کا لفظ فقہاء کے بالمقابل آیا ہے اس سے قراء کا تعارف اس طرح سے ہوتا ہے کہ یہ لوگ قرآن کے صرف الفاظ اور ان کی ہیئات پر محنت کرتے ہیں۔ قرآن کے حقائق و معانی کی طرف ان کا دھیان نہیں ہوتا۔ اس حدیث میں قرآن سمجھنے کا شوق فقہاء کی ذمہ داری بتلایا گیا ہے۔ جس طرح قرآن کے بارے میں قراء اور فقہاء مقابلے کے الفاظ ہیں حدیث کے پیش نظر بھی محدثین اور فقہاء مقابلے کے الفاظ ہیں محدثین کی جو محنت الفاظ حدیث اور ان کی کمی اور بیشی پر ہوتی ہے وہ ان کے مطالب اور گہرائیوں پر نہیں ہوتی۔ الّا یہ کہ محدثین فقہ کی تعلیم بھی حاصل کریں فقہاء ہی دین کی سمجھ رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ اور قاری صاحبان لوگوں پر الفاظِ قرآن کی شوکت کے خیمے لگاتے ہیں اور بسا اوقات سر کو پکڑ کر قرأت کرتے ہیں۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے:۔

---

[1] دیکھیے تذکرۃ الحفاظ جلد ص [2] رواہ البیہقی فی شعب الایمان

اذا کثرت قراء کم و قلت فقہائکم و کثرت امراء کم و قلت امناء کم والتمست الدنیا بعمل الاخرۃ ..... الحدیث [۱]

ترجمہ: جب تمہارے ہاں قاری زیادہ بننے لگیں اور فقہ جاننے والے کم ہوتے جائیں اور امراء کی کثرت ہو اور امین لوگ کم ہوں اور دنیا آخرت والے اعمال سے کمائی جائے تو..... الحدیث (تم قیامت کا انتظار کرو کہ اب آخری گھڑی قریب آلگی ہے)

حدیث میں بے عمل قاریوں کے بارے میں پیشگوئی ان واضح الفاظ میں بھی موجود ہے:۔

ترجمہ: کچھ لوگ ایسے آئیں گے کہ قرآن پڑھیں گے اور ایسے درست حروف سے پڑھیں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا۔

اس امت میں خدا سے نہ ڈرنے والے ایسے قاری بھی گزرے ہیں کہ روایت حدیث میں کذب بیانی کرتے بھی انہیں کوئی ڈر محسوس نہ ہوتا تھا۔ محمد بن حسن نقاش بغدادی (۳۵۱ھ) کس پائے کے قاری تھے مگر حافظ ذہبی تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ روایت حدیث میں کذب بیانی کر جاتے تھے۔ [۳]

حُسنِ صَوت اور گانے کا فرق

گانے کے پیرائے میں قرآن نہ پڑھنے کے حکم سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن پڑھنے میں آواز کو خوب صورت بنانا بھی ناجائز ہو ایسا ہرگز نہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی ؒ فرماتے ہیں:۔

زینوا القرآن باصواتکم او نحوہ حدیث قولی (قرآن شریف کو اپنی آوازوں سے

---

[۱] سنن دارمی جلد ا ص۴۶ [۲] تفسیر مظہری جلد ۲ ص ۱۵۶ [۳] تذکرہ حفاظ جلد ص

مزین کرد) اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے اس عرض کرنے پر لو علمت انك لتستمع لقرأتي لحبرته تحبيرًا او نحوه حديث تقريري (اگر میں جانتا کہ آپ میری قرأت کو سن رہے ہیں تو میں اپنی قرأت کو اور سنوارتا) اس تحسین صوت بالقصد کی مشروعیت و مطلوبیت پر نص صریح ہیں اور یہ ہی وہ تغنی جس کا امر چند حدیثوں میں مروی ہے۔

اس میں اور گانے میں فرق ظاہر ہے یعنی گانے میں تو لہجہ مقصود اور دوسرے قواعد تابع ہیں اگر لہجہ کے بنانے میں قواعد جائیں تو پروا نہیں کی جاتی اور تحسین صوت میں قواعد مقصود اور حسن صوت تابع ہے یعنی اگر قواعد کو محفوظ رکھ کر خوش آوازی ہو سکے تو اس کی رعایت کی جاتی ہے ورنہ اس کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے۔

اور بلا قصد اگر کسی شخص کی قرأت کا کوئی جزء کسی قاعدہ موسیقی پر بھی طبیعت کے تناسب یا موزونیت کی وجہ سے منطبق ہو جائے تب بھی وہ گانے میں داخل نہیں جیسا کہ خود قرآن مجید میں شعریت کی نفی کی گئی ہے مگر بعض عبارات یقیناً اوزان شعر پر منطبق ہیں جیسے:۔

ثم اقررتم و انتم تشهدون ـــــ ثم انتم هؤلاء تقتلون (پ البقرہ ۸۳) فاعلاتن فاعلاتن فاعلات پر منطبق ہے مگر باوجود انطباق ہرگز اس کے پڑھنے والے کو شعر کا پڑھنے والا نہ کہا جائے گا۔

البتہ اگر بقصد تطبیق پڑھے گا تو اسے شعر پڑھنے والا اور قرآن میں ایسا کرنے سے ناجائز فعل کا ارتکاب کرنے والا کہا جائے گا بس یہی حالت لہجہ کی بالقصد تطبیق سے ہے۔

اس کوتاہی کی دو جانبیں ہیں۔ ۱. تفریط اور ۲. افراط ـــــ دونوں سے بچنا یہ وہ ہے جس کو لحون العرب و اصواتها فرمایا گیا ہے[1]

---

[1] اصلاح انقلاب امت جلد ا صد ۲۴ از حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اعجاز القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

اعجاز القرآن سے مراد قرآن پاک کی معجزانہ شان ہے مفردات الفاظ، ترکیب کلمات، اسلوب، خلوص مقاصد، جامعیت مضامین، ربط آیات، حقائق، انتہائے بلاغت، اخبار بالمغیبات، اثرات اور عدیم النظیر تحفظ وغیرہ جملہ وجوہ اعجاز سے فضلائے زمانہ، دانشورانِ عالم، عرب کے تمام فصحاء بلغاء اور جملہ قحطانی و عدنانی ادیب و خطیب اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں اور رہیں گے کیونکہ یہ کلام خالق ہے اس کا مقابلہ کرنے سے ساری مخلوق عاجز ہے۔

پیشتر اس کے کہ ان وجوہِ اعجاز کی تفصیل کی جائے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ معجزہ کیا ہے اور اعجاز کسے کہتے ہیں۔

معجزہ کیا ہے ؟

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی عام عادت دو الگ الگ حقیقتیں ہیں یہ کائنات جن اسباب پر قائم ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی عادتِ عامہ کے تحت ظہور میں آتے ہیں عادتِ عامہ کے خلاف کسی فعل کا اظہار رب العزت کی قدرت سے خارج نہیں اسباب کا سارا سلسلہ قدرت کے ماتحت ہے قدرت اسباب کے ماتحت نہیں اس ہمہ گیر قدرت[1] کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ کبھی کبھی ایسے فعل بھی صادر فرماتے ہیں جو عام اسباب کے خلاف ہوں یہی خرقِ عادت ہے جس میں عام عادت ٹوٹتی ہے۔ مثلاً آگ کی عادت ہے کہ وہ جلائے لیکن اگر کبھی اللہ تعالیٰ اسے ٹھنڈا بنا دیں[2] کہ آگ تو ہو مگر اس کی حرارت مسلوب ہو جائے تو یہ رب العزت کی ہمہ گیر قدرت کا اظہار ہو گا یہ امر قانون

---

[1] اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن لتعلموا ان اللہ علی کل شیء قدیر وان اللہ قد احاط بکل شیء علما۔ (پ ۲۸ الطلاق ۱۲)

[2] جیسا کہ نارِ نمرود صداقت ابراہیم کے لیے عادت عامہ کے خلاف ٹھنڈی کر دی گئی تھی۔

اسباب کے تو خلاف ہو گا لیکن قانونِ قدرت کے خلاف نہ ہو گا اسی اظہار قدرت کو معجزہ اور کرامت کہتے ہیں معجزے کا رُخ عموماً کفار کی طرف ہوتا ہے اور انہیں عاجز کرنا مقصود ہوتا ہے کرامت میں ولی کی عزت اور تکریم ہوتی ہے ولی کی طرف سے تحدّی اور دعویٰ نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے عام عادتِ اسباب کے خلاف بارہا اس طرح اظہار قدرت کیا ہے عام عادت کو کبھی کبھی توڑتے رہنا خود ایک قانونِ قدرت ہے اللہ تعالیٰ کے اس اظہارِ قدرت کو اس کی عادتِ خاصہ بھی کہہ دیتے ہیں جیسے وہ اپنے برگزیدہ بندوں کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے کبھی کبھی ظاہر فرماتے رہتے ہیں یہ عادت عامہ اور عادت خاصہ دونوں فطرت خداوندی اور سنّتِ الٰہیہ ہیں دونوں میں فرق نہ کر سکنے کی وجہ سے بعض لوگوں کو معجزہ کی حقیقت سمجھ میں نہ آسکی اور وہ معجزات کو فطرت اللہ اور قانونِ قدرت[1] کے خلاف سمجھنے لگ گئے یہاں تک کہ معجزات کا انکار کر دیا یا ان کے معنی بدل دیئے کیونکہ رب العزت کی عادتِ خاصہ ان کی سمجھ سے بالاتھی اور وہ اپنی سمجھ کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔

یاد رکھیئے کہ قانونِ قدرت کی صحیح تفہیم اور تعظیم اسی وقت ہوتی ہے جب خدا کی ہمہ گیر قدرت اسباب کے سہاروں سے بے نیاز ہو کر ظہور کرے پس معجزہ عادت عامہ کے خلاف قدرتِ خداوندی کا ایک ایسا اظہار ہے جو اپنے وقت کی تمام مخلوق کو عاجز کر دیتا ہے۔

کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے اُمور

دُنیا میں ہم اپنے گرد و پیش جن جن امور کو دیکھتے ہیں یا ہوا سُنتے اور پڑھتے ہیں وہ تین دائروں سے خارج نہیں، ۱. وقائع عادیہ ۲. صنائع عجیبہ ۳. قدرتِ الٰہیہ

① وقائع عادیہ

وہ امور ہیں جو عادی اور مادی اسباب سے وجود میں آتے ہیں ان اسباب اور ان سے

[1] ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عادت عامہ نہیں بدلتی اور خرق عادت امور ظاہر نہیں ہو سکتے ـــ سنّتِ الٰہیہ اللہ تعالیٰ کی عادت عامہ اور عادتِ خاصہ دونوں کو شامل ہے جو چیز نہیں بدل سکتی وہ سنّتِ الٰہیہ ہے نہ کہ فقط عادتِ عامہ۔

حاصل ہونے والے نتائج کو سب عام وخاص جانتے ہیں جب سے انسان دُنیا میں آیا اس وقت سے یہ وقائع عادیہ ساتھ ساتھ ہیں.

۲ صنائع عادیہ

وہ امور ہیں جن میں مادی اسباب اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج میں تعلق بہت لطیف اور مخفی تھا انسان تجربات میں آگے بڑھتا گیا اور اس نے اس لطیف اور مخفی ربط کا پتہ چلا لیا. عام لوگوں نے ان پیدا شدہ نتائج کو تو دیکھا لیکن اس لطیف اور مخفی تعلق کو ان خاص ماہرین فن کے سوا اور لوگ نہ جان سکے. عوام ہوائی جہازوں کو اڑتا تو دیکھتے ہیں لیکن انسان نے اتنے بڑے وزن کے ساتھ کس طرح ہوا پر قابو پایا. یہ بات اس لائن کے ماہرین کے سوا اور لوگ نہیں جانتے پھر چونکہ نتائج سامنے ہیں اس لیے انکار بھی نہیں کر سکتے.

وقائع عادیہ اور صنائع عجیبہ دونوں کے پیچھے مادی اسباب ہیں لیکن دُنیا میں کچھ ایسے کام بھی وقوع میں آتے ہیں جن کے پیچھے مطلقاً مادی اسباب نہ ہوں بلکہ ان کا ظہور صرف اللہ رب العزت کی مشیت اور اس کے براہ راست حکم سے ہو یہ اس کی شانِ تکوینی کا ایک جلوہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخفی قدرت کا ایک ظہور ہے.

۳ قدرتِ الٰہیہ

انسانی پیدائش عادۃً ماں باپ سے ہوتی ہے. دُنیا کی پہلی عورت حضرت حوا نے ایک مرد کے پہلو سے وجود پایا یہ اسباب کے تحت نہیں. قدرتِ الٰہیہ کے تحت ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں تلے آگ نے اپنی گرمی چھوڑ دی آگ تو تھی مگر اس میں حرارت نہ تھی یہ کوئی سائنس کی ترقی سے نہیں ہوا. قدرتِ الٰہیہ سے اس خاص جزئی میں عام عادتِ الٰہیہ ٹوٹی. عادت ٹوٹنے کو خرق عادت کہتے ہیں.

پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے دونوں طرف پانی کی دیواریں تھیں دریا دو ٹکڑے ہو چکا تھا اور درمیان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام گزر رہے تھے.

مادی علاج سے تو اندھے بینا ہو جاتے ہیں لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ پھیرنے سے کسی اندھے کی بینائی لوٹ آنا یہ عام ذرائع عادیہ کے خلاف ہے۔ زمین سے پانی نکلنا اور بادلوں کا پانی برسنا یہ تو دُنیا نے دیکھا اور ان کے پس وقوع مادی اسباب بھی دیکھے لیکن حضرت خاتم النبیینؐ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا یہ حیرت انگیز عمل دُنیا نے کبھی اور کہیں نہ دیکھا تھا۔ یہ سب قدرت الٰہیہ کے ظہورات ہیں اور یہ معجزات ہیں۔ انسان کوئی ایسا عمل بغیر اسباب وجود میں نہیں لا سکتا۔ معجزہ خدا کا فعل ہے انسان کا نہیں ــــ دُنیا میں وقوع پذیر ہونے والے ان امور کو ۱: عادیات ۲. عجائبات سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ عادیات وہ جن پہ زمانہ چل رہا ہے۔ عجائبات جو سائنس کے حیرت میں ڈالنے والے انکشافات ہیں اور جہاں عادت زمانہ اور سائنس کی پرواز دونوں عاجز آجائیں وہ معجزات ہیں۔

تختِ سلیمانؑ کے اُڑنے اور ہوائی جہاز کے اُڑنے میں فرق

ہوائی جہاز اور طیارے ایک مشینی نظام سے اُڑتے ہیں جو شخص ایسا نظام ترتیب دے لے وہ اپنا ہوائی جہاز اُڑا سکتا ہے وہ اس کام کی نقل سے عاجز نہیں لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت انسان کے مشینی نظام سے نہیں اللہ رب العزت کے مشیتی نظام سے اڑتا تھا۔ مشین اور مشیت میں فرق کیجیے مشین انسان کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور مشیت اللہ کے ہاتھ میں۔ اس کے تحت معجزات ظہور میں آتے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے نبی کا نہیں اور نہ نبی کے اپنے اختیار کو اس میں کچھ دخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں اسے ظاہر فرماتے ہیں ہاں جو معجزہ نبی کو اس کی نبوت کے نشان کے طور ملتا ہے اس کا اظہار نبی جب کرنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے وقوع میں لے آتے ہیں۔ معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے بخلاف استدراج کے کہ وہ بندے کا اپنا فعل ہوتا ہے۔

استدراج اور معجزے میں دوسرا فرق یہ ہے کہ استدراج انسان کے اپنے کسب اور محنت سے مشق اور تدریج کے ساتھ حاصل ہوتا ہے لیکن معجزے میں پیغمبر کے اپنے نظر و اکتساب

کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ اس کی پہلے کوئی مشق کی جاتی ہے یہ محض اللہ رب العزت کی ایک عطا ہے۔

جادو اور معجزے میں دوسرا فرق یہ ہے کہ جادو میں صرف صُورت بدلتی ہے معجزے میں حقیقت بدلتی ہے۔ فرعون کے جادوگر کی رسیاں صرف صورۃً سانپ بنی تھیں لیکن موسیٰ علیہ السلام کا عصا حقیقۃً اژدہا بنا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ تمام رسیوں کو کھا گیا تھا کیونکہ کھانا اسی جانور کا کام ہے جو حقیقۃً جانور ہو۔ جس کی صرف صُورت بدلی ہو اُس پر احکام صورت کے نہیں حقیقت کے نافذ ہوتے ہیں فرشتے انسانی شکل میں آنے کے باوجود کھانے پینے سے بے نیاز رہتے ہیں اُن کا تجسّد و تمثّل معجزے کے طور پر نہیں ہوتا تھا۔

خُدائی کام اور خُدائی کلام

جس طرح خدائی کام اور بندوں کے کام میں نمایاں فرق ہے اسی طرح خدائی کلام اور بندوں کے کلام میں بھی فرق ہے۔ انسان راکٹوں میں اڑنے خلاؤں میں تیرنے سیاروں میں اُترنے سمندروں کے نیچے سے گزرنے اور لاسلکی پیغامات کی حیرت انگیز ایجادات کے باوجود جَو کا ایک دانہ اور مچھر کا ایک پَر بنانے سے بھی عاجز ہے۔ سائنس کی تمام تحقیقات قدرت کی پیدا کی ہوئی طاقتوں کا ایک سراغ ہے۔ انسان کی اپنی تخلیق نہیں کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا انسان کے بس میں نہیں سائنسدان قدرت کے پیدا کیے ہوئے خزانوں کا ہی پتہ کرتے ہیں انہوں نے اس دور میں دریافت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایٹم atom میں کیا طاقتیں رکھی تھیں۔ آج سے کروڑوں سال پہلے بھی مادّے میں بے شک یہ طاقتیں موجود تھیں صرف ان کی دریافت نہ تھی اس ایٹمی دور کا انتہائے کمال صرف اُن کی discoveries اور اکتشافات ہیں اور جو ایجادات inventions ہیں وہ بھی ان اکتشافات پر ہی مبنی ہیں مستقل تخلیقات نہیں ان اکتشافات کے انتہائے کمال اور ایجادات کی انتہائے پرواز کے باوجود کوئی ایک دانہ اور مچھر کا ایک پَر پیدا نہیں کر سکتا یہاں پہنچ کر خدائی کام اور بندوں کے کاموں میں ایک نمایاں فرق سامنے آجاتا ہے اسی طرح خدائی کلام اور بندوں کے کلام میں نمایاں فرق ہے عرب کے فصحاء و بلغاء اور شعراء و خطباء سب اپنی

قادر الکلامی اور طلاقت اللسانی کے باوجود قرآن کی ایک سورت کی مثال پیش نہ کر سکے۔

فاتوا بسورۃٍ من مثلہ۔ (پ البقرہ)

ترجمہ تم بھی ایک سورت بنالاؤ (اگر تم اسے اپنا بنایا ہوا کلام سمجھتے ہو)

قرآن کی دس سورتیں مکمل ہونے کے بعد گیارہویں سورت میں پھر چیلنج دہرایا گیا:۔

قل فاتوا بعشر سورٍ مثلہ مفتریات۔ (پ ہود ۱۳)

ترجمہ آپ کہہ دیجئے کہ اگر یہ اپنی طرف سے گھڑا ہوا کلام ہے تو تم بھی ایسی دس سورتیں اسی طرز بیان میں گھڑ لاؤ۔

تاریخ عالم شاہد ہے کہ قرآن پاک کا یہ عالمگیر چیلنج آج تک لاجواب چلا آرہا ہے اور پھر یہ چیلنج ہی نہیں اس کا جواب نہ آنے کی پیشگوئی بھی کر دی گئی

قل لئن اجتمعت الجن والانس علیٰ ان یاتوا بمثل ھٰذا القراٰن لایاتون بمثلہ ولوکان بعضھم لبعضٍ ظھیراً۔ (پ بنو اسرائیل ۸۸)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں اگر تمام جن اور انسان اس پر جمع ہو جائیں کہ ایسا کلام بنا سکیں تو وہ ہرگز اس کی مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ سب ایک دوسرے کی مدد کریں۔

آپ اندازہ کریں کہ اپنی عربیت ادب شاعری فصاحت وبلاغت اور خطابت پر ناز کرنے والوں نے جب ایک اُمی کی زبان سے یہ چیلنج اور پھر اس پر یہ پیشگوئی سنی ہو گی یہ ان کی غیرت پہ کس زور کی گرج ہو گی اور اس نے ان کے معاندانہ جوش کو کس قدر بھڑکایا ہو گا۔ بایں ہمہ اگر وہ خاموش رہے اور قرآن کی نظیر نہ لا سکے تو کیا یہ قرآن کا ایک کھلا اعجاز نہیں۔

نامناسب نہ ہوگا کہ اگر ہم یہاں وہ چند شبے بھی نقل کر دیں جو مخالفینِ اسلام اس موقع پہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) بلغائے عرب اور فصحائے ادب ایسا کلام بنانے پر قادر تھے لیکن انہوں نے اس کی ضرورت نہ سمجھی۔ اس چیلنج کو کوئی اہمیت نہ دی۔

جواب: اتنی بڑی تحریک کہ پورا ملک اس کی سیاسی لپیٹ میں آرہا ہو اسے اہمیت نہ

دینا اور اس کا توڑ نہ کرنا شعر و ادب کی اس آماجگاہ میں جو عربوں میں ان دنوں قائم تھی ہرگز لائق پذیرائی نہیں یہ شبہ بالکل بے وزن ہے۔

② ممکن ہے اس وقت ان دانشوروں کے پاس اس کے مادی وسائل نہ ہوں کہ وہ اس چیلنج کے جواب میں جم کر کوئی کام کر سکیں؟

جواب: یہ انہیں ایک علمی میدان میں آنے کی دعوت تھی انہیں کسی مالی تجارتی منڈی میں برابر کی بولی دینے کے لیے نہیں بلایا جا رہا تھا کہ وہ کہیں ان کے پاس مالی وسائل نہ تھے انہیں لڑنے کے لیے بدر تک آنے کی ہمت تھی اور سامنے بیٹھ کر بات کرنے تک کی ہمت نہ تھی۔

③ ممکن ہے انہوں نے کوئی مقابلے کا کلام تیار کیا ہو اور وہ ہم تک نہ پہنچا ہو ملک کی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ میں ضائع ہو گیا ہو؟

جواب: مکہ پر قبضہ سیاسی اکھاڑ بچھاڑ سے نہیں ہوا تھا مکہ والوں نے بغیر لڑائی کے قبضہ دے دیا تھا اور بدر اور احد کی لڑائیاں مکہ سے کافی دور مدینہ کے قریب لڑی گئی تھیں۔ پھر اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کا کوئی جواب بھی اہل اسلام کے لٹریچر میں موجود ہوتا۔ فاتح قوم مفتوح قوم کے ایک ایک قدم کا تلاش کرتی ہے۔

④ کوئی سائنسدان کوئی ایجاد کرنے میں کامیاب ہو جائے اور دوسرا کوئی سائنسدان اس پائے کی کوئی اور دریافت نہ کر سکے تو کیا پہلے سائنسدان کا عمل معجزہ کہلائے گا؟

جواب: نہیں اسے معجزہ نہیں کہا جائے گا۔ یہ دوسرا سائنسدان گو اس پائے کی کوئی اور چیز ایجاد نہیں کر سکا لیکن وہ اس پہلے سائنسدان کی نقل میں اپنے مادی وسائل سے ایسی نئی کئی اشیاء بنا سکتا ہے۔ قرآن کی متبادل کتاب نہیں ان سے اس اس جیسی کتاب لانے کا مطالبہ تھا اور وہ نہ لا سکے اور انہیں ایک ہی سورت لانے کے لیے کہا گیا تھا۔

⑤ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ اپنی عربیت اور بلاغت میں اس درجہ فائق ہوں کہ کوئی دوسرا ان کی ہمسری نہ کر سکے؟

جواب: آپ کا یہ کمال چالیس برس کی عمر سے پہلے بھی کبھی ظاہر ہوا؟ اگر نہیں تو دنیا

میں اور کوئی ادیب و خطیب یا شاعر ایسا بھی کہیں گزرا ہے جس نے چالیس سال تک کی عمر تک کبھی اس باب میں نہ کوئی پیرا لکھا ہو نہ کبھی اس کے ہاتھ میں کاپی دیکھی گئی ہو اور وہ اپنے حلقوں میں اُمّی سمجھا جاتا ہو؟ اور پھر وہ ایک بے نظیر قطعہ کلام لا سکے۔

یہاں تک مستشرقین کے بے بنیاد شبہات کا جواب تھا۔ اب آیئے ذرا ان کے کچھ اعتراضات بھی سن لیجئے ایسے زیادہ اعتراضات انہوں نے ایران کے علامہ نوری کی کتاب فصل الخطاب اور اس جیسے دوسرے ملحدین کی کتابوں سے لیے ہیں۔ جو مسلمان کہلا کر قرآن میں تحریف کے قائل تھے۔

قرآن کریم کے وجوہِ اعجاز

① مفردات میں قرآن کریم وہ کلمہ اختیار فرماتا ہے جس سے زیادہ ترجمان مراد اور موقع کے مناسب اور کوئی کلمہ نہیں ہو سکتا۔

② قتل فی سبیل اللہ کے لیے شہادت کا لفظ پہلے سے موجود نہ تھا قرآن کریم نے اسے اس محل میں لا کر ایک بڑی حقیقت پر متنبہ کیا اس سے زیادہ اوفی بالمقام اور کوئی کلمہ نہ ہو سکتا تھا۔

③ پھر ایک اعمال کے لیے جو اعراض ہیں باقیات کا لفظ اختیار فرمایا اس سے بڑھ کر اوفی بالحقیقۃ اور کوئی لفظ نہ تھا۔

④ عورت انسان کے لیے غایت اتصال، پردہ پوشی، دفع مضرت آبرو اور زینت میں ایک نسبت رکھتی تھی اسے ایک لفظ سے بیان کر دیا۔ هنّ لباس لكم وانتم لباس لهنّ (پ البقرہ) اس میں سب مرادات آگئیں۔ یہاں لباس کے لفظ سے زیادہ اور کوئی لفظ اولیٰ بالمقام نہ تھا۔

⑤ قرآن کریم نے ایک مقام پر موت کی تعبیر ان الفاظ سے کی ہے۔

فمنهم من قضى نحبه۔ (پ۲۱ الاحزاب ۲۳)

ترجمہ۔ پس ان میں ایسے بھی ہیں جو اپنی ذمہ داری پوری کر چکے۔

موت کی اس تعبیر نے اسلامی تعلیمات کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سمو لیا ہے اور متنبہ کیا ہے کہ موت ایسی ہی مطلوب ہے۔

⑥ اللہ ربّ العزت نے آنحضرتؐ کا ہر گناہ سے تحفظ فرمایا ہے اسے قرآن کریم اس تعبیر

پیش فرماتا ہے :۔

ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئاً قلیلاً ۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل)

ترجمہ۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو قریب ہو جاتا کہ تو اُن کی طرف جُھک جائے۔

اب یہاں عصمناک یا حفظناک وغیرہ کے مقابلہ میں ثبتناک کی تعبیر جس ثابت قدمی اور عصمت کے تسلسل کو بیان کر رہی ہے اور کوئی کلمہ اس سے اوفیٰ بالحقیقت اور اس مقام کے لائق نہ تھا پُورے مضمون کو ایک لفظ تثبتنا سے بیان کر دیا۔

(۷) عورتوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے خاوند کے لیے الذی علیھا (جو اس پر حاکم ہے) کے الفاظ اختیار فرمائے۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف ۔ (پ۲ البقرہ ۲۲۸)

ترجمہ۔ اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ ان کا حق ہے جو اُن پر حاکم ہیں دستور کے مطابق۔

یہاں الذی علیھن کی تعبیر اختیار کر کے کس مسلّمہ پیرایہ میں خاوند کی بالادستی بیان کر دی۔

(۸) نفع کے مقابلے میں ضرر کا لفظ تھا قرآن پاک نے اس مقام پر ضرر کی بجائے اثم (گناہ) کا کلمہ نفع کے مقابلے میں اختیار فرمایا[1] اور اس حقیقت پر متنبہ کر دیا کہ اثم میں ضرر ہی ضرر ہے کتنی بڑی حقیقت ایک کلمہ میں بیان فرما دی۔

(۹) جاہلیت کے اعتقاد میں موت کے لیے توفی کا استعمال نہ تھا ان کے اعتقاد میں مرنے کے بعد کوئی زندگی نہ تھی[2]۔ توفی پُورا وصول کرنے کو کہتے ہیں ان کے عقیدہ میں موت توفی نہ ہو سکتی تھی۔ قرآن پاک نے موت پر توفی کا لفظ اطلاق کیا اور بتایا کہ موت سے وصول یابی ہوتی ہے یہ فنائے محض کا نام نہیں اس حقیقت کو ایک کلمہ سے ظاہر کر دیا اور کبھی اس لفظ کا اطلاق اپنے اصل معنوں میں جسد مع الروح کے وصول کرنے پر بھی کیا۔

---

[1] اثمھما اکبر من نفعھما (پ۲ البقرہ ۲۷) [2] ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما نحن بمبعوثین (پ۷ الانعام ۲۹، المومنون ۳۷)

یہ ہم نے چند مثالیں پیش کی ہیں۔ قرآن کریم نے اپنے مفردات میں بڑے بڑے عقلاء کو حیرت میں ڈال دیا ہے ان پر جوں جوں غور کرتے جاؤ قرآن کی شانِ اعجاز اور نکھرتی جاتی ہے۔ علمائے عربیّت نے اعجازِ قرآن کی اس جہت پر زیادہ زور نہیں دیا تھا مگر متاخرین میں امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس وجہِ اعجاز سے خوب نقاب کشائی کی ہے۔

۲ ترکیبِ کلمات

① قرآن کریم مشرکین کے شرک اور ان کی ذہنی پستی کو یوں بیان فرماتا ہے:۔

وجعلوا للہ شرکاء الجن۔ (پ الانعام ۱۰۰)

ترجمہ۔ اور ٹھہرائے انہوں نے اللہ کے شریک جن۔

ظاہر قیاس چاہتا تھا کہ عبارت یُوں ہوتی ۔وجعلوا الجن شرکاء للہ کہ انہوں نے جن اللہ کے شریک ٹھہرائے۔ لیکن یہاں مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ انہوں نے خدا کے شریک ٹھہرائے کوئی معمولی جُرم نہیں کیا اور وہ شریک بھی کون؟ جن۔ پس یہ مراد اسی ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہو سکتی ہے کہ الجنّ کا لفظ بعد میں ہو۔

② قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ سے پوچھیں گے کہ کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنالو حضرت مسیح علیہ السلام کہیں گے۔

سبحانک مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق۔ (پ المائدہ ۱۱۶)

ترجمہ۔ تُو پاک ہے مجھے لائق نہیں کہ کوئی بات خلاف حق کہوں۔

ظاہر قیاس یہ ہے کہ پہلے اپنی برئیت ہوتی کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کیا اس کے بعد اپنا عقیدہ بیان کرتے اور سبحانک کہتے۔ خدا کی پاکی کا بیان اس طرح ہو جاتا۔

لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ ربّ العزت اس سے پاک ہے کہ اس کا پیغمبر اس کے بارے میں ایسی بات کہے (یعنی وہ ایسے غلط انسان کو پیغمبر بنانے کے عیب سے پاک ہے) اور اس سے بھی پاک ہے کہ حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ اس کے شریک ہوں یہ مراد اسی ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہو سکتی تھی کہ سبحانک کا لفظ مقدم ہو پہلے ربّ العزت کی تنزیہہ ہو اور پھر

اپنی برتیت۔

③ رب العزت کفار کے اعمال کی مثال اس کھیتی سے دیتے ہیں جسے پالا لگ گیا اور وہ ضائع ہوگئی ہو اسی طرح کافروں کے اعمال بالکل بے ثمر ہیں۔

اصابت حرث قوم ظلموا انفسھم فاھلکتہ۔ (پ۴ آل عمران ۱۱۷)

ترجمہ۔ وہ ہوا کافر قوم کی کھیتی کو لگی پس اسے ضائع کر دیا۔

آندھی اور پالا جس طرح کافروں کی کھیتی کو برباد کر دیتا ہے اسی طرح مسلمانوں کے کھیت کو بھی تباہ کر دیتا ہے ظاہر میں یہ ظلموا انفسھم کی قید زائد ہے اس باب میں مومن اور کافر دونوں میں کوئی فرق نہیں آندھی اور پالے سے کھیتی دونوں کی برباد ہوتی ہے مگر رب العزت کافروں کے اعمال کو یہاں بالکل بے ثمر فرما رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ مسلمان کی کھیتی تباہ ہونے کی صورت بایں وجہ کہ اس کے گناہ جھڑتے ہیں یا سرمایہ آخرت میں اضافہ ہوتا ہے کُلّی طور پر تباہ نہیں ہوتی اگر یہاں جل بھی گئی تو اس کے اثرات بہرحال باقی ہیں یہ کافر ہی ہیں جن کی کھیتی کلی طور پر تباہ ہوتی ہے کیونکہ ان کے نقصانات کے آخرت میں کوئی اثرات نہیں۔

قرآن کریم کی یہ مراد انہی الفاظ سے بیان ہوسکتی تھی پس یہ قید زائد نہیں اتنی ادفیٰ بالحقیقت اور اوفیٰ بالمقام تعبیر اور کسی ترکیب الفاظ میں ممکن نہیں۔

④ قرآن کریم میں جہاں معاملات میں دو گواہوں کی ضرورت کا بیان ہے وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں بھی ان کے قائم مقام ہو سکتے ہیں دو عورتیں ایک مرد کے برابر اس لیے ہیں کہ اگر ایک بھول لے تو دوسری اسے یاد دلا سکے۔ اس پر قرآن کریم یہ ترکیب اختیار فرماتا ہے:۔

ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاُخریٰ۔ (پ۳ البقرہ ۲۸۲)

ترجمہ۔ ایک اگر ان میں سے بھول جائے تو اُسے دوسری یاد دلا سکے۔

ظاہر قیاس یہ ہے کہ عبارت یُوں ہونی چاہیئے تھی ان تضل احدٰھما فتذکرھا الاخریٰ لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ اگر دوسری بھُولنے لگے تو اُسے بھی پہلی واقعہ یاد دلا سکے اور روک سکے یہ مضمون اس طرح پُورا ہوتا تھا۔

ان تضل احدٰهما فتذکرھاالاخریٰ وان تضل الاخریٰ فتذکرھا الاولیٰ.

قرآن کریم نے کس نفیس اور عمدہ پیرائے میں دونوں باتوں کو یکجا کر دیا ہے اور فتذکر احدٰھما الاخریٰ کی تعبیر میں کتنا اونچا ایجاز فرمایا ہے اس تعبیر سے بہتر اور اوفیٰ بالمقام اور کوئی عبارت نہیں ہو سکتی. قرآن کریم وہ ترکیب پیش کرتا ہے کہ ثقلین اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتے.

⑤ جب بُرائی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف بڑھنا چاہتی تھی اور حضرت یوسفؑ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عصمت کا سایہ تھا چنانچہ وہ بالکل محفوظ رہے تو اس مقام پر قرآن کریم یہ نہیں کہتا کہ ہم نے یوسفؑ کو بُرائی سے دُور کیا بلکہ یہ تعبیر اختیار کرتا ہے کہ ہم نے بُرائی اور بے حیائی کو یوسفؑ سے پرے رکھا. جب دو میں کشمکش ہو تو ہٹایا اسے ہی جاتا ہے جو دوڑ دوڑ کر آگے بڑھے. یہاں بُرائی یوسف علیہ السلام کی طرف بڑھنا چاہتی تھی. حضرت یوسف علیہ السلام میں کوئی داعیہ پیدا نہ ہوا تھا معصومیت کی پوری شان جلوہ گر تھی.

کذالک لنصرف عنه السوء والفحشاء. (پ۱۲ یوسف ۲۴)

ترجمہ. یُوں ہی ہوا کہ ہم ہٹائیں اس سے بُرائی اور بے حیائی.

قرآن کریم کی یہ تعبیر کتنی اوفیٰ بالحقیقت اور حضرت یوسفؑ کی شان عصمت کے عین لائق ہے اس مضمون کی اس سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی کہ بُرائی ان کی طرف آنا چاہتی تھی ہم نے اسے روک دیا.

③ اسلوب

نزولِ قرآن کے وقت عربوں میں جو اسالیب کلام رائج تھے وہ نظم تھے یا نثر. نظم صدیوں کے ارتقاء کا نتیجہ تھا جس کے بڑے بڑے ابواب فخریہ، حماسہ، مدح و ہجو اور حکم و امثال وغیرہ تھے: نثر خطاباتِ عامہ کے لیے تھی اور یہی اظہارِ خیال کا ایک فطری ذریعہ تھا ایسے ماحول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پوری کی پوری کتاب عربوں کے سامنے پیش فرمائی جس کا اسلوب بالکل انوکھا تھا وہ نہ نظم تھی نہ نثر، ایک نیا طرزِ کلام تھا عربوں

میں اس کی کوئی نظیر پہلے[1] سے نہ تھی وہ اس نئے نمونہ کلام سے ششدر تھے اور وہ قوم جس کی سرزمین شعر و ادب کو اس طرح جنم دیتی تھی جیسے سبزہ برسات میں اُگتا ہے اس کے اسلوب کو سمجھنے میں یہاں تک بہک گئی کہ بعضوں نے اسے نظم سمجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہہ دیا اس پر انہیں یہ جواب ملا :۔

وما علمناه الشعر وما ینبغی له ان هو الا ذکر و قرآن مبین (پ۲۳ یٰسین ۶۹)

ترجمہ۔ اور ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر کہنا سکھایا ہی نہیں اور نہ یہ آپ کی شان کے لائق ہے سوائے اس کے نہیں کہ یہ ذکر ہے اور قرآن مبین ہے۔

اور جو لوگ سمجھتے تھے کہ اس کا اسلوب نظم نہیں وہ بھی اس کی لاثانی بندش اور بے مثل روانی کو دیکھ کر اسے نثر کہنے سے جھجکتے تھے یہ ایک نیا اسلوب کلام تھا جس نے پوری قوم کو حیران کر رکھا تھا آیت مذکورہ میں بھی شعر کے مقابلے میں قرآن کا نام لیا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا ایک اپنا اسلوب ہے کیونکہ اسلوب کا مقابلہ اسلوب ہی سے ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کریم کو ایک نرالے اسلوب میں پیش کرنا اور پورے عرب کو اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کر دینا پھر پوری قوم عرب کا اس کے اسلوب کے تعین میں سرگرداں ہونا قرآن کے معجزہ ہونے کی وہ تاریخی شہادت ہے کہ اس کے سامنے مخالفین اسلام اب تک سربکف ہیں۔

ایک سوال

جس طرح نظم و نثر میں بعض اہل کمال امام فن ہوتے ہیں اسی طرح حضورؐ کو اس نئے اسلوب کا امام اور بانی کیوں نہ سمجھ لیا جائے نیا اسلوب پیش کرنے سے یہ کیسے لازم آیا کہ قرآن کریم

---

[1] مخالفین اس سلسلہ میں قیس بن ساعدہ اور امیہ بن ابی الصلت کے جن خطبات اور اشعار کو اس دور کے قرآنی اسلوب کے طور پر پیش کرتے ہیں وہ سب وضعی روایات ہیں جو بعد کے ادیبوں اور شاعروں نے قرآنی اسلوب کی پیروی میں کہہ کر قدیم شعرائے عرب کی طرف منسوب کر دی ہیں ان خطبات و اشعار کا جاہلی ہونا ہمیں تسلیم نہیں اس کی تحقیق اسلوب القرآن کے مضمون میں آگے آئے گی۔

معجزہ ہے آپ کی اپنی تصنیف نہیں۔

جواب: نظم ونثر کے اسلوب صدیوں کے ارتقاء کے بعد اپنے کمال کو پہنچے پس یہ نیا اسلوب بھی اگر انسانی فکر کی پیداوار ہوتا تو اس کی بھی پہلے سے کوئی تمہید ہوتی کیونکہ قرآن اس اسلوب کا مقام کمال اور اس کی انتہائی منزل ہے اور اگر یہ اس اسلوب کی بالکل ابتدا تھی تو ضروری تھا کہ اس کی ارتقائی منازل اور بعد کے مقاماتِ کمال اسے بالکل پسِ پشت ڈال دیتے۔

پس جب کہ یہ دونوں صورتیں منتفی ہیں نہ اس انوکھے اسلوب کی کوئی پہلے تمہید تھی اور نہ اس کا کوئی بعد میں ارتقاء ہوا بلکہ اس کی ابتداء ہی اس کی انتہا ہے اور وہ اپنی نظیر خود آپ ہی ہے تو یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ یہ کسی انسان کی تصنیف نہیں بلکہ اس ذاتِ برتر کا کلام ہے جس کی ذات ہر قسم کی تمہید وارتقا سے پاک ہے۔

④ مقاصد میں وجہ اعجاز

قرآن کریم کسی فوق الفطرت مسئلے کو موضوع نہیں بناتا اس کے مباحث ہمیشہ عملی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں ان میں معاش ومعاد کی اصلاح اور دنیا وآخرت کی فلاح ونجاح کے سبق ہوتے ہیں مسئلہ نبوت کو ہی لیجئے یہ خدا اور بنی آدم کے مابین ایک برزخی مقام ہے جس کی کنہ انسانی فکر کی پرواز سے بالا ہے یہاں مسئلہ ذات سے نکل کر صفات میں آجاتا ہے اور قرآن کریم نبوت کا تعارف ذات کی بجائے صفات سے کراتا ہے ان صفات کا تعلق نسل آدم کی فلاح و ہدایت سے ہے۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم
یتلوا علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (پ ۴ آل عمران ۱۶۴)

یہاں نبوت کی حقیقت پر بحث کرنے کی بجائے اس تعلق اور رابطے کو بیان کیا جا رہا ہے جو نبی اور امت کے مابین ہونا چاہیئے۔ نبوت کا تعارف ذات کی بجائے صفات سے ہو رہا ہے پھر نبوت تو ہمارے لیے غیر مدرک بالکنہ ہے لیکن نبی کی ذات محسوسات میں پوری طرح عیاں ہے

قرآن پاک ویدوں کی طرح ایسی ربانی ہستیاں پیش نہیں کرتا جن کا محسوسات میں کوئی تعین ہی نہ ہو سکے۔ قل انما انا بشر مثلکم کے بعد نبوت کا امتیاز یوحیٰ الیّ کی صفت سے قائم کیا جاتا ہے۔ کنہ نبوت کو موضوع بحث نہیں بنایا جاتا ہے آگے اعتقادی اصلاح کے لیے الٰھکم الٰہ واحد کے بعد فوراً عملی زندگی پر متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ فلیعمل عملاً صالحًا اور وہ بھی اس لیے کہ عقیدہ توحید کا اثر عملی زندگی پر ضرور پڑنا چاہیئے۔

قرآن پاک اپنے مقاصد کو ہر موضوع میں عزیز رکھتا ہے یہ قرآن کی وہ شانِ اعجاز ہے جس کے سامنے ویدوں اور اوستا کے تمام فوق الفطرت اور اُلجھے ہوئے مباحث یکسر ماند پڑ جاتے ہیں۔

قرآن کریم میں جہاں کہیں کائنات کے بارے میں کچھ بتایا گیا ہے یا زمین و آسمان اور شمس و قمر کے کچھ حالات مذکور ہیں وہاں یہ مراد نہیں کہ کائنات کی حقیقت اور زمین و آسمان کی ہیئت و حرکت وغیرہ کے متعلق تحقیقی اور علمی معلومات مہیا کیے جائیں قرآن ان مباحث کو اگر موضوع بنا لے تو اپنے مقاصد سے نکل جائے گا۔ قرآن کریم ان چیزوں کو اگر کہیں ذکر کرتا ہے تو ان سے استدلال کر کے انسانی ذہن کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے روح کے متعلق پوچھا گیا تو قرآن کریم نے اس کی حقیقت پر بحث کرنے کی بجائے اس کے متعلق انسانی علم کی کمزوری کو انسانی بے چارگی اور درماندگی کی دلیل بنا لیا۔ سوال کے متعلق اتنی بات ہی کہی قل الروح من امر ربی اور پھر اپنے مقصد کو یوں بیان کر دیا وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً۔

یہ بات قرآن کریم کا ایک معجزہ ہے کہ اس کے مضامین بیشتر مقامات پر ان کائناتی چیزوں کو چھوتے ہوئے گزرتے ہیں اور معاش و معاد کی فلاح و نجاح کے لیے ان سے سبق لیا جاتا ہے لیکن ان ضمنی تذکروں میں بھی کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی جسے بعد کے سائنسی معلومات اور انسانی تحقیقات نے غلط ثابت کر دیا ہو۔ قرآن ان کائناتی حقیقتوں سے اس طرح گزرتا ہے کہ آج کے لوگ اور آج سے ہزار سال پہلے کے نظریات کے لوگ ان تذکروں سے برابر کے لطف اندوز ہوتے ہیں ان ضمنی بیانات سے جس طرح وہ ذہن مطمئن تھے جو فلسفہ یونان کے دلدادہ تھے اسی طرح آج کے وہ لوگ بھی جو سائنسی اکتشافات اور مادی تحقیقات میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔

قرآن کے کائناتی تبصروں پر انگلی نہیں رکھ سکتے۔ انسانی تحقیقات کہاں سے کہاں تک نکل جائیں لیکن قرآنی بیانات اور قرآنی دلائل پہلے سے بھی زیادہ روشن ہوتے چلے جائیں گے۔ قرآن پاک کی یہ شانِ اعجاز ہے کہ وہ کائناتی حقیقتوں کو اس انداز میں چھوتا ہے کہ کسی دور کی کوئی تحقیق اس کے خلاف نہیں پڑتی اور اس پر جتنا غور کیا جائے یہ یقین اور بڑھتا جاتا ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔

قرآن ایک دعوتِ عمل ہے یہ فلسفے کا الجھاؤ نہیں زندگی کے مسائل کو افراد کی بجائے اصولوں میں پیش کرتا ہے۔ خلافت نبوت پر غور کیجئے قرآن عزیز اسے کسی خاص نسل و رنگ سے وابستہ کرنے کی بجائے ایمان اور عملِ صالح[1] پر مبنی قرار دیتا ہے اور پھر اس منصب امامت کو کسی ایک خاندان میں محدود رکھنے اور فوق الفطرت اسرارِ الٰہیہ کے روپ میں پیش کرنے کی بجائے وہ مقاصد خلافت کو پیش کرتا ہے جن پاک انسانوں کے ہاتھوں یہ مقاصد پورے ہوں وہ صحیح معنوں میں منصب امامت پر فائز ہوں گے خلافت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ خدا کی زمین میں اسلام کا رعب و دبدبہ اور حق کی حکومت قائم کر کے انسانیت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں خلفاء راشدینؓ خدا کے قانون کو نافذ کر کے اس کے جلال و جمال کے مظہر بنیں۔ قرآن عزیز خلافت کی ذات سے بحث کرنے کی بجائے خلافت کا تعارف اس کی صفات اور اس کے نتائج کے ساتھ کراتا ہے یہ مقاصد کے اعتبار سے قرآن کی شان اعجاز ہے۔

⑤ اخبار بالمغیبات

آنحضرتؐ نے قرآنی ارشاد کی روشنی میں اعلان فرمایا کہ علم غیب اللہ رب العزت کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ۔ (پ۲۰ النمل ۶۵)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔

---

[1] وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض۔ (پ۱۹ النور ۵۵)

وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا ھو۔ (پ الانعام ۵۹)

ترجمہ۔ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں ان کو اس کے سوا کوئی جاننے والا نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ اپنا یہ دعوے تھا کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ آپ نے کہانت یا عرافت کے کہیں تجربات کیے تھے بلکہ اپنے دائرہ ارشاد میں ہمیشہ ان باتوں سے نفرت دلاتے رہے۔ آپ کی سیرت طیبہ میں رمل و نجوم کی کوئی کھلی آلائش نہیں ہے۔

ان واقعات کی روشنی میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے کئی وقائع ماضیہ اور کئی آیندہ ہونے والی باتوں کی خبریں دیں اور یہ وہ امور تھے جن کا علم آنحضرتؐ کو علم غیب، کہانت، عرافت رمل یا جفر یا نجوم وغیرہ کسی طریق سے حاصل نہ تھا لیکن جب وہ اخبار غیبیہ حرف بحرف پوری ہوئیں تو اس سے پتہ چلا کہ ان سب خبروں کی بنیاد علم وحی پر تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ آنحضرتؐ نے جن جن مغیبات کی خبر دی آیندہ کے انکشافات اس کے کسی پہلو کو غلط ثابت نہ کر سکے اور جو کچھ آیندہ کے لیے بتایا گیا حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔

مثلاً خبر دی گئی:۔

الٓمٓ ۝ غُلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون ۝

فی بضع سنین ۝ (پ۲۱ الروم)

ترجمہ۔ قریب کے ملک (فارس) میں رومی مغلوب ہو جائیں گے لیکن اپنے مغلوب ہونے کے بعد پھر اہل روم اہل فارس پر غالب آجائیں گے۔ یہ نو[1] سال کے اندر ہو کر رہے گا۔

عجم پر رومیوں کے غالب آنے کے متعلق جس امر کی خبر جتنے زمانہ کے ساتھ مقید کر کے قرآن نے پیش کی حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔ عین بدر کے دن جب مسلمان فتح و نصرت کی خوشیاں منا رہے تھے یہ خبر پہنچی کہ رومی اہل کتاب دوبارہ ایران کے مجوسیوں پر غالب آگئے۔ رومیوں کی مغلوبیت

---

[1] لغت اور حدیث میں لفظ بضع کا اطلاق تین سے نو تک پر ہوا ہے ہم نے ترجمے میں نو کی صراحت کر دی ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمانوں کی طرف سے اس کے ظہور کی مدت چھ سال مقرر کی تھی پھر حضورؐ کے ارشاد کے مطابق اس میں ترمیم کر کے نو سال کی شرط قائم کی (دیکھیے مستدرک حاکم جلد ۲ تفسیر سورۃ الروم)

بعثت نبوی کے پانچ سال بعد واقع ہوئی تھی اس کے بعد ٹھیک نو سال کے اندر اندر قرآن کریم کی مذکور پیش گوئی چمکتے ہوئے آفتاب کی صورت میں صداقت کے مطلع اعجاز سے چمکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی ایسی خبریں دینا اور پھر ان سب کا حرف بحرف پورا اترنا قرآن کریم کی ایک مستقل وجہ اعجاز ہے۔

گبن اپنی مشہور کتاب "تاریخ زوال روما" کی تیسری جلد میں لکھتا ہے:۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایرانی فتوحات کے عین شباب میں پیشگوئی کی کہ چند سال کے اندر اندر رومی جھنڈے دوبارہ فتح کے ساتھ بلند ہوں گے جب یہ پیش گوئی کی تو اس وقت اس سے زیادہ بعید از قیاس کوئی بات نہیں کی جا سکتی تھی۔[1]

جب یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی تو حضرت صدیق اکبرؓ جنہوں نے مسلمانوں کی طرف سے مشرکین کے ساتھ پیمان باندھا تھا اور اس کے پورا ہونے پر قسم اٹھائی تھی پھولے نہ سماتے تھے اور مدینہ کے بازاروں میں بلند آواز سے الٓمٓ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون کی تلاوت کرتے گزرتے تھے۔

اثرات میں وجہ اعجاز

قرآن کریم ایک ایسے زمانے میں نازل ہوا جب کہ ساری دنیا ایک عجیب روحانی سکتے کی حالت میں تھی اور آنحضرتؐ ایک ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں کوئی باقاعدہ تمدن نہ تھا اس قوم کے پاس کوئی تہذیبی ورثہ بھی نہ تھا لیکن قرآن پاک نے ایک نہایت قلیل عرصے میں ایک ایسا محیر العقول انقلاب پیش کیا کہ عوام وخواص، حکماء وخطباء، فصحاء وبلغاء بڑے چھوٹے جوان بوڑھے آقا وغلام بدوی وشہری سب اس ریلے میں بہہ گئے اور قرآن نے ہر ایک کے دل میں اس کے ظرف اور مزاج کے مطابق وہ تبدیلی پیدا کی کہ صدیوں کے بھٹکے ہوئے خدا کی راہ پر چل نکلے جو بت پرست تھے بت شکن ہو گئے۔ حمیت و وحشت کی جگہ صبر و تحمل آ گیا بربریت کی جگہ

---

[1] تاریخ زوال روما ص

فکر و تدبر نے لی اور پشتینی عداوتوں سے لبریز سینے چند سالوں کے اندر پیغام رحمت بن گئے اتنے قلیل عرصے میں اتنے عظیم اثرات اور ہر کہ و مہ پر اتنی روشن انقلابی تاثیرات قرآن کریم کی شان اعجاز کے وہ تاریخی شواہد ہیں کہ کوئی مبصر انہیں عادی اور مادی اسباب کے تحت تصور نہیں کر سکتا۔

عدیم النظیر تحفظ میں شانِ اعجاز

انسانیت کی پوری تاریخ میں اگر کوئی کتاب اتنی ضخامت کے باوجود ابتدائے ظہور سے آخر تک ایک جم غفیر کے سینوں میں محفوظ رہی ہے تو وہ صرف قرآن کریم ہے جس طرح اس مقدس کتاب نے علم و ادب کے بڑے بڑے نمایندوں کو اپنی نظیر پیش کرنے سے عاجز کر دیا۔ اسی طرح اس کی بے مثل حفاظت بھی تاریخ کو اپنی مثال پیش کرنے سے عاجز کرتی ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کی پیشگوئی تاریخ کے ہر دور میں داد تصدیق حاصل کرتی رہی ہے اور آج بھی ربع مسکون کا کوئی ایسا قطعہ نہ ہوگا جہاں اس امانت الہیہ کا کوئی نہ کوئی امین موجود نہ ہو۔

ایک دلچسپ سوال

یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم اپنے مفردات، ترکیب کلمات، نرالے اسلوب، خلوص مقاصد اور انقلابی اثرات میں انتہائے بلاغت پر ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس سے آگے نکلنا طوق بشر سے خارج اور انسانی پرواز سے باہر ہے لیکن دنیا میں کئی اہل کمال بھی تو ایسے گزرے ہیں کہ ان کا مقابلہ ان کے فنی کمالات میں ایک مدت تک کسی سے نہ ہو سکا ان سب قرآنی کمالات کو آنحضرتؐ کے کمال و قابلیت کا بے نظیر نمونہ کیوں نہ سمجھا جائے اگر کوئی شخص اس بے نظیر کتاب کی مثل نہیں لا سکا تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکل آیا کہ یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے یہ نتیجہ کیوں نہ نکالا جائے کہ حضور پیغمبر اسلام جیسی اور کوئی شخص تصنیف نہیں کر سکا۔

قرآن کے آنحضرتؐ کی تصنیف نہ ہونے کے شواہد

(۱) جس نبی امی نے قرآن کو دنیا کے سامنے پیش کیا اس نے نہ کسی کالج اور مدرسہ میں تعلیم پائی

بھی نہ کسی پرائیویٹ اتالیق کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا نہ کسی لائبریری کا مطالعہ کیا تھا اور نہ اس کے گرد و پیش کوئی علمی ماحول تھا کہ قرآن پاک جیسی لاجواب کتاب آپ کا نتیجہ فکر ہوتی اور اُسے آپ کی تصنیف کہہ سکتے. قرآن پاک میں خود اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:۔

وماكنت تتلوا من قبله من كتاب ولا تخطّه بيمينك اذا لارتاب المبطلون. (پ۲۱ العنکبوت ۴۸)

ترجمہ. نہ تو آپ قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ دائیں ہاتھ سے کچھ لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو بے شک باطل پرستوں کے لیے شک و شبہ کی گنجائش تھی.

(۲) بے شک دنیا میں کئی ایسے اہلِ کمال گزرے ہیں کہ ان کا مقابلہ ان کے فنی کمالات میں کسی سے نہ ہو سکا لیکن ایسا صاحبِ کمال کوئی دیکھنے میں نہیں آیا کہ اس کے فن کی جملہ شاخیں اس کے دامنِ قابلیت میں سمٹتی چلی آئی ہوں. تاریخ عالم کوئی ایسا انسان پیش نہیں کر سکتی جسے ہر مضمون پر برابر کی قدرت حاصل ہو. عربی ادب نے جن با کمال شعراء کو بطور نمونہ پیش کیا ہے ان میں امرؤ القیس، زہیر، نابغہ اور اعشٰی سرفہرست نظر آتے ہیں لیکن ہر ایک، ایک خاص مضمون میں ممتاز ہے۔ یہ نہیں کہ ان میں کوئی ہر قسم کے مضمون پر برابر کا قادر ہو امرؤ القیس جس طرح گھوڑوں کی تعریف کرتا ہے اور ان کا سماں باندھتا ہے دوسرے اس کی برابری نہیں کر سکتے. زہیر رغبت و رجاء اور حکمت و فکر میں اچھا لکھتا ہے. نابغہ خوف و خشیت میں اچھا چلتا ہے اور اعشٰی شراب کی مستی میں بہت آگے نکل جاتا ہے۔ فارسی ادب میں فردوسی سعدی حافظ اور قاآنی کو دیکھ لو. فردوسی جس طرح رزم میں چلتا ہے بزم میں آ کر خاموش ہو جاتا ہے۔ سعدی پند و نصائح میں تفوق رکھتا ہے لیکن اگر کہیں جنگ کا موضوع آجائے تو ساری جولانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ حافظ اگر غزل کا امام ہے تو قصیدہ نگاری میں ہم اسے دوسری صف میں بھی تلاش نہیں کر سکتے. قاآنی بے شک روانی میں سب سے آگے ہے لیکن تخیل کی پرواز میں اسے تیسری صف میں بھی جگہ نہیں ملتی۔

اسی طرح انشاء پردازان نثر اور ماہرین خطابت کا حال ہے۔ اگر الفاظ کا معیار ملحوظ نظر ہے تو معانی کی سطح کم نظر آتی ہے اور اگر مطالب گہرے ہیں تو الفاظ مبتذل ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی ایجاز پر قادر ہے تو اسے اطناب پہ قدرت نہیں اور اگر کوئی اطناب میں پھیلتا ہے تو ایجاز سے قاصر ہے ترغیب میں لکھنے والا ترہیب سے پیچھے ہے اور ترہیب کا ماہر ترغیب میں پیچھے رہ جاتا ہے۔

Pessimism اور optimism کی علیحدہ علیحدہ اصطلاحیں ادب کے طلباء سے مخفی نہیں۔

ان واقعات کی روشنی میں جب ہم قرآن پاک کو دیکھتے ہیں تو باوجودیکہ مضامین مختلفہ کی رو بہہ رہی ہے کوئی مضمون دوسرے مضمون سے مغلوب نہیں ہوتا ہر مضمون اپنے موضوع میں انتہائے بلاغت پہ ہے اور الفاظ و معانی کا معیار ایک جیسا بلند رہتا ہے۔

انسان جب ایک قسم کا مضمون بیان کرتا ہے تو عین اس حالت میں اس کے برابر والے مضمون پر اچھی طرح نہیں چل سکتا یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے جس سے گریز ممکن نہیں اگر کوئی غصے سے بھرا ہوا کلام کرتا ہے تو بالکل اسی وقت وہ شفقت و محبت کا اظہار نہیں کر سکتا حاکمانہ انداز کلام کے ساتھ رحمت و رأفت کے مضمون ہمکنار نہیں ہو سکتے ایک ہی وقت میں متضاد عنوانوں پہ انسانی دلوں میں اترنا اور مساویانہ توازن قائم رکھنا انسانی حدِ پرواز سے بہت بلند ہے یہ صرف رب العزت کی ہی شان ہے جس کی کوئی صفت دوسری صفت سے مغلوب نہیں ہوتی وہ بیک وقت متقابل صفات سے متصف اور متضاد صفات سے موصوف ہے۔

قرآن میں اگر اخلاق و حکمت، تہذیب و تمدن اور تزکیہ نفس کے اسباق ہیں تو نظم و سیاست جہاد و شجاعت، غیرت و عزت اور ملّی خودی کے مضامین بھی موجود ہیں۔ لڑائی کے نقشے کھینچے جاتے ہیں تو شفقت و رحمت کے درس بھی دیئے جاتے ہیں، سنین ماضیہ سے عبرت کی داستانیں لائی جاتی ہیں تو نظریات و عقائد پر پُرلطف مناظرے اور معقول و محکم دلائل بھی موجود ہیں رب العزت کے کلام میں رحمت کے ساتھ غضب، وعدہ کے ساتھ وعید، جمال کے ساتھ جلال، بشارت کے ساتھ نذارت اور اُمید کے ساتھ خوف، ترازو کے دو پلڑوں کی طرح برابر رہتے ہیں سارے کلام کی یکسانیت اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں اور نہ اسے کسی ایک کمیٹی کی مشترک

کوشش کا نتیجہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ مختلف ذہنوں کا پیرایہ بیان اور نتیجۂ فکر جب یکجا سامنے آئے تو لازمی طور پر کسی نہ کسی سے آپس میں ٹکرا جاتا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ کا لطیف ربط اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کے اطراف مختلف ذہنوں کی طرف نسبت کیے جا سکیں۔

(۳) تلاوتِ قرآن کا آنحضرتؐ پر نفسیاتی اثر۔

جب آنحضرتؐ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے یا اسے کسی دوسرے سے سنتے تو آپ خود بھی اس قدر متاثر ہوتے کہ خود اپنے کلام یا اپنی تصنیف سے اس قدر متاثر ہونا عادۃً ممکن نہیں آپ کا چہرہ مبارک خشیت سے متغیر ہو جاتا آنکھیں بہنے لگتیں اور قیام تہجد میں بعض اوقات یہاں تک بڑھتے چلے جانے کہ پاؤں مبارک میں ورم آجاتا۔ بعض اوقات آپ دوسروں سے قرآن کی تلاوت سنتے اور اس کلام کی لذت سے لطف اندوز ہوتے۔ ایسی کیفیات کا ورود ان اثرات کا ظہور اپنے ہی کلام اور اپنی ہی تصنیف سے ہرگز ممکن نہیں۔

سنن ابن ماجہ میں ہے:۔

عن حذیفة رضؓ ان النبیؐ صلّی فکان اذا مر بایة رحمةٍ سال واذا مر بایة فیها تنزیه لله سبّح۔[1]

ترجمہ: آنحضرتؐ جب نماز پڑھتے تو جہاں کہیں کسی آیتِ رحمت سے گزرتے تو آپ کے آنسو مبارک بہنے لگتے اور جب کبھی کسی آیت عذاب کا ذکر ہوتا تو آپ پناہ مانگتے اور جس آیت میں اللہ کی تقدیس کا بیان ہوتا آپ اس سے گزرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہنے لگتے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ ایک رات آنحضرتؐ نماز کے لیے اٹھے اور آپؐ نے ایک ہی آیت[2]

---

[1] سنن ابن ماجہ صـ۹۷ دہلی [2] جامع ترمذی جلد ا صـ۱۴۶ لکھنؤ۔ اس روایت میں آیت کی نشاندہی نہیں لیکن یہی حدیث جب ابن ماجہ نے روایت کی ہے تو اس آیت کی نشاندہی بھی کر دی ہے ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزیز الحکیم۔ اسے امام نسائی، محمد بن نصر مروزی اور امام طحاوی نے بھی روایت کیا ہے۔ (فتح الملہم جلد ۲ صـ۳۱)

پر صبح کر دی آپ اسے بار بار پڑھتے تھے اور اسی طرح صبح ہوتی چلی گئی۔

ایک دفعہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ انہوں نے سورۃ نسا تلاوت کی جب وہ اس آیت پر پہنچے۔ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شہیدا[1] تو اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں:-

فرفعت رأسی فرأیت دموعہ تسیل[2]

ترجمہ: میں نے اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کے آنسو بہہ رہے ہیں۔

ان کیفیات اور واقعات کو نفسیات کی روشنی میں سوچئے کیا اپنی ہی تصنیف کے اپنے پر ایسے اثرات ہو سکتے ہیں؟ پھر ان اثرات میں ایسا تسلسل اور تواتر ہے کہ کوئی مسلم یا غیر مسلم مؤرخ ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

(۴) آنحضرتؐ جس طریق سے قرآن پاک امت کے سامنے پیش فرماتے اس میں وقتی حوادث اور ضرورات کی ترتیب ہوتی تھی اور قرآن پاک عموماً اسی طرح نازل ہوتا رہا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاتبین کرام سے اسے کسی اور ترتیب سے لکھواتے اسی دوسری ترتیب سے خود نمازوں میں پڑھتے اور اسی ترتیب سے دوسروں کو یاد کراتے ترتیب نزولی اور ترتیب رسولی کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ قرآن پاک آپ کی تصنیف ہرگز نہ تھا اگر یہ آپ کا اپنا کلام ہوتا تو اس کی ہر دو ترتیبیں مختلف نہ ہوتیں کہ ان ترتیبوں میں آج تک کوئی مفسر یا مفکر کوئی ربط نہیں دکھا سکتا یہ کتاب عزیز یقیناً رب العزت کا کلام ہے جس میں آنحضرتؐ کے اپنے خیالات کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔

---

[1] ترجمہ۔ پھر کیا حال ہوگا جب ہم بلاویں گے ہر امت سے اس پر ایک سوال کہنے والا اور تجھ کو بلائیں گے ان لوگوں پر ان کے احوال کہنے کے لیے [2] صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۲ دہلی

امام العصر علامہ انور شاہ صاحب محدث کشمیریؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

قرآن پاک کا اعجاز[1] مفردات، ترکیب، ترتیب کلمات اور مقاصد وحقائق کی جملہ وجوہ سے ہے:۔

(۱) مفردات میں قرآن کریم وہ جملہ اختیار فرماتا ہے جس سے اوفیٰ بالحقیقت اوفیٰ بالمقام ثقلین نہیں لا سکتے۔ مثلاً جاہلیت کے اعتقاد میں موت پر توفی کا اطلاق درست نہ تھا ان کے اعتقاد میں نہ بقاء جسد تھی نہ بقائے روح۔ توفی وصول کرنے کو کہتے ہیں ان کے عقیدہ میں موت توفی نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم نے موت پر توفی کا اطلاق کیا اور بتایا کہ موت سے وصول پائی ہوتی ہے نہ فنا محض۔ اس حقیقت کو ایک کلمہ سے ظاہر کر دیا اور کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصل معنوں میں جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا۔

(۲) ترکیب و ترتیب کلمات جیسے وجعلوا للہ شرکاء الجنّ والانعام۔ (پ الانعام ع) ظاہر قیاس یہ تھا کہ عبارت یوں ہوتی وجعلوا الجنّ شرکاء للہ لیکن مراد یہ ہے کہ انہوں نے

---

[1] قرآن پاک کے اعجاز کی معرفت میں شیخ عبد القاہر جرجانی (مصنف دلائل الاعجاز) اور علامہ جار اللہ زمخشری (صاحب کشاف) امام فن کا درجہ رکھتے ہیں یہ دونوں بزرگ اعرج تھے اہل علم میں یہ جملہ مشہور ہے۔ لم یدر اعجاز القرآن الا الاعرجان احدھما من زمخشر و الاخر من جرجان ان کے ساتھ تیسرا نام امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری کا ہے جن کا ذوق عربیت اور ادراکات کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کم ترک الاول للاٰخر کتنے ہی وہ گوشہائے کمال ہیں جو پہلے پچھلوں کے لیے چھوڑ جاتے ہیں اس صدی کے علماء مصر میں سے شیخ مصطفےٰ الرافعی مرحوم (مصنف اعجاز القرآن) بھی اس باب میں بلند پایہ ادراک رکھتے ہیں۔

متقدمین میں سے ابوعثمان الجاحظ (متوفی ۲۵۵ھ صاحب نظم القرآن) شیخ ابوعبداللہ الواسطی المعتزلی (متوفی ۳۰۶ھ صاحب اعجاز القرآن) شیخ ابوبکر الباقلانی القاضی (متوفی ۴۰۴ھ صاحب اعجاز القرآن) اور امام رازی (متوفی ۶۰۶ھ صاحب نہایۃ الایجاز نے اس موضوع پر نہایت کامیاب قلم اٹھایا ہے۔

علامہ محمود آلوسی نے بھی روح المعانی میں قرآن پاک کی شان اعجاز کو بہت دفعہ موضوع بنایا ہے اردو میں اس باب کی کامیاب ترین تالیف شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتاب اعجاز القرآن ہے ہم نے ان ذخائرِ علمیہ سے حسبِ بساط استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء

خدا کے شریک ٹھہرائے اور کوئی معمولی جرم نہیں کیا اور وہ شریک بھی کون؟ جن۔ پس یہ مراد اسی ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہو سکتی ہے۔

(۳) مقاصد سے میری مراد مخاطبین کو سبق دینا ہے جیسا کہ علمائے کرام نے اسماء حسنیٰ کی شرح میں لکھا ہے مقاصد قرآن کریم کے وہ ہونے چاہئیں جن سے مبدء و معاش و معاد اور فلاح و نجاح دنیا و آخرت وابستہ ہو۔

(۴) حقائق سے میری مراد وہ امور غامضہ ہیں جن سے عقول و افکار قاصر رہیں اور تجاذب جواب اور نزاع عقلاً باقی رہے جیسے مسئلہ خلق افعال عباد کہ عبد کا ربط اپنے فعل سے کیا ہے اور کیسے ہے اور اس فعل کا ربطِ قدرت ازلیہ سے کیا ہے۔ قرآن کریم ایسے مقام پر وہ تعبیر اختیار فرمائے گا کہ اس جیسی ادنیٰ بالحقیقت طوقِ بشر سے خارج ہو۔

رأس المتکلمین حضرت علامہ رحمتُ اللہ الکیرانوی ثم المکی قدس سرہ العزیز اپنی مایہ ناز اور نادر علمی کتاب ازالۃ الشکوک میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

قرآن پاک کی شانِ اعجاز پر لفظی و معنوی صنائع و بدائع بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ ابن ابی الاصبع نے اعجاز القرآن کے موضوع پر سو قسم کے صنائع و بدائع نقل کیے ہیں ان کے مطالعہ سے نکتہ دان طبیعت پھڑک اُٹھتی ہے اور صاحبِ نظر انسان اسلوب قرآن کی دور رس گہرائیوں میں کھو جاتا ہے۔

قرآن کریم ان امور کے بیان پر مشتمل ہے جو حقیقت میں مفاد دارین (دنیا و آخرۃ) کا لب لباب ہیں۔ گویا انبیاء علیہم السلام کے ارسال سے وہ امور غرض اصلی اور علت غائی ہیں۔ قرآن کریم کا کوئی رکوع اور کوئی بڑی آیت ایسی نہیں کہ اس میں ان امور میں سے کسی امر کا بیان نہ ہو اور وہ اُمور یہ ہیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا بیان جیسے اللہ تعالیٰ واحد۔ قدیم۔ قدیر۔ حکیم خبیر۔ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا۔ عالم۔ سمیع۔ بصیر۔ متکلم۔ رازق۔ رحمٰن۔ رحیم۔ حلیم۔ صبور۔ عادل اور سب سے زبردست اور مقدس اور زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کہ وہ جمیع معائب و نقائص سے جیسے حدوث، تغیر، عجز،

جہل، ظلم، جسمیت اور جہت وغیرہا سے پاک ہے۔

(۳) توحید خالص کی طرف دعوت اور شرک و تثلیث سے کھلی روک ٹوک۔

(۴) انبیاء علیہم السلام کا ذکرِ خیر۔

(۵) انبیاء کرام کی گوسالہ پرستی، بُت پرستی، سحر اور افعال قبیحہ سے برأت۔

(۶) ان لوگوں کی تعریف جو انبیاء پر ایمان لائے۔

(۷) انبیاء کے مخالفین کی مذمت۔

(۸) سب انبیاء پر ایمان لانے کی تاکید۔

(۹) اس امر کا وعدہ کہ انجام کار انبیاء پر ایمان لانے والے ان کے منکرین پر غالب ہوں گے۔

(۱۰) قیامت کی حقیقت اور جزا سزا۔

(۱۱) جنت اور جہنم کا ذکر۔

(۱۲) اس عالمِ فانی کی بے ثباتی کا ذکر

(۱۳) عالمِ بقاء (اگلے جہان) کی بہتری اور پائیداری کا ذکر

(۱۴) اشیاء کی حلت و حرمت

(۱۵) تدبیرِ منزل کے احکام

(۱۶) سیاستِ مدنی کے احکام

(۱۷) اللہ اور اللہ والوں کی محبت پر تحریص

(۱۸) معرفت اور حقیقت کی باتیں جو وصول الی اللہ کا ذریعہ ہیں۔

(۱۹) فاسقوں اور بے ادبوں کی صحبت اور ہم نشینی پر تہدید۔

(۲۰) عبادات مالی اور بدنی میں نیت خالص رکھنے کی تاکید

(۲۱) ریا اور سمعہ پر تہدید (روک ٹوک)

(۲۲) اخلاق کی تہذیب کے لیے مجملاً اور مفصلاً تاکید

(۲۳) بُرے خلقوں پر مفصلاً اور مجملاً تہدید

(۲۴) اخلاقِ حسنہ مثل علم، تواضع، کرم وشجاعت اور عفت وغیرہ کی ستائش۔

(۲۵) بُرے خلقوں مثل غضب، کینہ، بخل اور ظلم وغیرہ کی مذمت۔

(۲۶) تقوٰے کی نصیحت۔

(۲۷) ذکرِالٰہی اور عبادت کی ترغیب۔

اس میں شک نہیں کہ یہ سب امور عقلاً اور نقلاً محمود ہیں اور قرآن میں ان کا بار بار ذکر آتا ہے اور اکثر مقامات پر انہیں براہینِ عقلیہ اور نقلیہ سے مدلل کیا ہے حالانکہ یہ علوم ومعارف عربوں کے پاس نہ تھے اور نہ ان کے پاس حکمت اور نبوت کی کوئی کتاب تھی[۱]

شاہ صاحب بھی فرماتے ہیں کہ مقاصد قرآن حکیم کے وہ ہونے چاہیئں جن سے مبدء ومعاش ومعاد اور فلاح ونجاح دنیا اور آخرت وابستہ ہو۔

---

[۱] ازالۃ الشکوک جلد ا صـ۱۳۱ و صـ۱۳۲ علامہ رحمت اللہ کیرانوی طبع ۱۳۲۶ھ

حکیم الاسلام حضرت العلام قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند اسے کلامی معجزہ کے عنوان سے اس طرح بیان کرتے ہیں :-

ہر ایک کلام کا مرتبہ اس کے متکلم کے مرتبہ سے قائم ہوتا ہے جس درجہ کا متکلم ہوگا اسی درجہ کا اس کا کلام سمجھا جائے گا اور اسی حد تک اس کی طرف ذہنوں اور عقلوں کی توجہ سے اس کی عظمت و اطاعت کے جذبات موجزن ہوں گے مثل مشہور ہے۔ قدر الشہادۃ قدر الشہود۔ شہادت کا درجہ شاہدوں کے درجہ کی قدر ہوتا ہے۔

متکلم میں کون سی صفات دیکھی جاتی ہیں

غور کیا جائے تو متکلم کی حیثیت پانچ باتوں سے قائم ہوتی ہے جو اس کے کلام میں اہمیت اور مقبولیت پیدا کرتی ہیں۔ عقل و فہم، علم و خبر، منصب و مقام، صدق و صفا اور تاثیر و تصرف۔

(۱) عقل و فہم

اگر کوئی متکلم عقل ہی نہ رکھتا ہو یا کھو بیٹھا ہو یا ناقص العقل ہو یا ناتمام عقل کا درجہ لیے ہوئے ہو تو اس کا کلام ناقابلِ التفات بلکہ قابلِ مضحکہ سمجھا جاتا ہے۔ مجنون کی باتوں پر سب ہنستے ہیں کہ وہ مسلوب العقل ہے جس سے اس کے کلام میں عاقلانہ انداز نہیں ہو سکتا کہ عقلمندوں کی توجہات کو کھینچ سکے۔ بچوں کی طفلانہ باتوں کو پیار سے سُنا جاتا ہے مگر قابلِ التفات نہیں سمجھا جاتا کہ ان میں مادہ عقل گو موجود ہوتا ہے مگر فی الحال ناتمام اور نارسیدہ ہوتا ہے۔ عورتوں کے کلام کو دلداری کے مد میں رد نہیں کیا جاتا مگر مدارِ کار نہیں بنایا جاتا کہ وہ ناقص العقل ہوتی ہیں۔ نوجوانوں کی باتوں کو سُنتے ہیں اور اس پر توجہ بھی دیتے ہیں مگر دستور العمل نہیں بناتے کہ عقل اور فہم تو ان میں پورا ہوتا ہے مگر اس میں پختگی گہرائی اور تجربہ کاری نہیں ہوتی جس سے وہ بالغ نظر کہلائیں اور کلام میں مقبولیت پیدا ہو۔ لیکن بوڑھوں کے کلام کو کمال توجہ سے سُن کر دستور زندگی بنا لیا جاتا ہے خواہ وہ اہلِ علم میں سے نہ ہوں کہ ان کا تجربہ وسیع، عقل تام اور فہم پختہ ہوتا ہے وہ جس دائرہ کی بات کہتے ہیں، جچی تلی کہتے ہیں جس کے پیچھے ایک تاریخ اور پختہ کاری حجت ہوتی ہے جس سے واضح ہے کہ کلام کی مقبولیت

اور گہرائی کا سب سے پہلا معیار عقل و فہم ہے.

۲ علم و خبر

دوسرے معیار کے تحت جاہلوں کی بات پر کوئی کان نہیں دھرتا کہ انہیں کسی معاملہ کی صحیح نوعیت کا اندازہ ہی نہیں ہوتا جب کہ ان کے کلام میں علم کی روح دوڑی ہوئی نہیں ہوتی جو کلام میں وزن پیدا کرتی ہے. پھر کسی فن کے مبتدی کے کلام کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی کہ وہ فن اس کے علم پر حاوی نہیں ہوتا کہ اس کی بات فنی جامعیت لیے ہوئے ہو اور سُنی جائے. اسی طرح ادھورے اور ادھ کچرے عالم کی علمی بات بھی ادھوری اور ناتمام ہوتی ہے. اس لیے علم و فضل والوں کے یہاں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی جب کہ اس سے حقیقت و اصلیت کا پورا پتہ نہیں لگتا. ہاں پورے عالم کی بات پر ہر شخص توجہ کرتا ہے. اسے پلے باندھتا ہے اور دنیا میں وہ بطور ضرب المثل کے زبانِ زد ہو جاتی ہے کہ وہ کمالِ علم کے سبب پتہ کی بات ہوتی ہے اور اصلیت کی نشاندہی کرتی ہے. نیز اس کے کلام میں جزئیت اور تنگی نہیں ہوتی جس سے صرف ایک بولا ہوا مسئلہ ہی حل ہو جائے بلکہ وسعتِ علم کی قدر جامعیت حکمت اور ربط کے تمام پہلوؤں کی رعایت ہوتی ہے جس سے اس نوع کے تمام مسائل کا فیصلہ اسی ایک بات سے ہو جاتا ہے جو درحقیقت جزوی صورت میں ایک جامع اصول ہوتی ہے جس سے واضح ہے کہ کلام کے رتبہ کا سب سے بڑا معیار علم و خبر ہے.

۳ منصب و مقام

تیسرے معیار کے ماتحت بات خواہ بذاتہ اہم بھی نہ ہو لیکن منصب کی بلندی کے سبب قدرتاً بلند اور باحیثیت بن جاتی ہے. ایک ہی بات ایک عامی اور معمولی آدمی کہتا ہے تو ناقابلِ توجہ ہوتی ہے اور وہی بات کسی قومی کونسل کا صدر یا کسی ملک کا سربراہ کہہ دے تو اس سے بساطِ سیاست اُلٹ جاتی ہے. معاملات کی دنیا میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور یہ فقرہ قوموں اور ملکوں کی توجہات کا مرکز بن جاتا ہے جس پر اہم اور دُور رس نتائج مرتب ہوتے لگتے ہیں. اس سے واضح ہے کہ کلام کو پستی سے اٹھا کر رفعت و بلندی پر پہنچا دینے کا ایک اہم معیار، منصب و مقام بھی ہے.

④ صدق وصفا

ان ساری باتوں کے ساتھ کلام کی مقبولیت و تاثیر اور اس کے قابلِ التفات و توجہ ہونے کے لیے متکلم کی سچائی غیر مشتبہ دیانت اور بے لاگ خلوص بھی لازمی ہے جو کلام کی مقبولیت کا ایک زبردست معیار ہے کلام کتنا ہی فاضلانہ ہو لیکن کہنے والا خود غرض اور منافق ہے تو اس کا کلام کبھی بھی دل کی گہرائیوں میں نہیں اتر سکتا۔ اور کلام معمولی ہو، مگر خلوص و صداقت کی روح لیے ہوئے ہو تو کبراء وسلاطین بھی اس کے سامنے جھک جاتے ہیں جس سے واضح ہے کہ کلام مقبولیت و تاثیر کا اہم معیار صدق وصفا بھی ہے۔

⑤ تاثیر و تصرّف

پھر کلام کے پرکھنے کا ایک بڑا معیار تاثیر و تصرف بھی ہے جس کا تعلق اندرونی صفائی اور لطافت سے ہے۔ صاف باطن اور پاک ضمیر لوگوں کے کلام میں قدرتی تاثیر ہوتی ہے بے ضمیر انسان کی بات خواہ کتنی ہی فصیح و بلیغ ہو شاعری سمجھی جاتی ہے جس کا اثر قبول کرنے کو کوئی تیار نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں کوئی وزن ہوتا ہے۔ اصولاً یہی پانچ معیار ہیں جن سے کلام کے وزن، مقبولیت اور اس کے محمود و مستحسن ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

غور کیجیے کہ اگر کسی کے کلام میں یہ پانچوں معیار جمع ہوں اور جمع ہی نہ ہوں بلکہ انتہائی کمال کے ساتھ موجود ہوں اور نہ صرف موجود ہی ہوں بلکہ لامحدود اور لامتناہی ہو کر پائے جاتے ہوں اور نہ صرف اتنا ہی ہو بلکہ وہ ذات ان کمالات کا سرچشمہ اور خزانہ بھی ہو کہ اس کے سوا کسی اور میں ذاتی طور پر پائے بھی نہ جاتے ہوں اور اگر کہیں کسی حد تک پائے بھی جاتے ہوں تو صرف اسی کے طفیل اور پرتو سے ظہور پذیر ہوتے ہوں تو اندازہ کیجیے کہ اس کا کلام کتنا بلند، کتنا جامع، کتنا موزوں اور کتنا مؤثر ہو گا کہ اس کی بلندی جامعیت مقبولیت اور تاثیر و نصرت کی نہ کوئی حد ہو گی نہ نظیر۔

ذاتِ باری تمام کمالات کی اصل ہے

سو ظاہر ہے کہ خدا کی ہستی سے بڑی کوئی ہستی ہو ہی نہیں سکتی کہ وہی منبع کمالات اور سرچشمہ

خیرات و مبرات ہے۔ پس جہاں تک عقل و فہم کے کمالات کا تعلق ہے عقل و فہم اس سے ہے وہ عقل و فہم سے نہیں عقل و فہم کا کوئی مقام اس سے کٹ کر نہیں کہ وہی معیار عقل و خرد اور وہی عقل و خرد کا خالق ہے اور عقل و فہم اس کی پیدا کردہ اور مخلوق اپنی راہ پیمائی اور راہنمائی میں اسی کی دریوزہ گر ہے۔

عقل و فہم اس کی پیدا کردہ

اوّل ما خلق اللہ العقل۔ [۱]

ترجمہ: سب سے پہلی چیز جو خدا نے پیدا کی وہ عقل ہے۔

ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدیٰ۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۵۰)

ترجمہ: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شئے کو اس کی خلقت (وجبلت) عطا کی۔ پھر اسے (حواس و عقل و خرد اور علم و ہنر سے) راہ سجھائی۔

علم و خبر کی انتہا اسی پر

جہاں تک علم و خبر کا تعلق ہے سو وہی منشاء علم و خبر بھی ہے۔ اسی کا علم ہر شئے کو محیط، دلوں کی ہر کھٹک پر حاوی اور ایک ایک ذرّہ پر چھایا ہوا ہے۔

(۱) عالم الغیب والشھادۃ وھو الحکیم الخبیر۔ (پ۷ الانعام ۷۳)

ترجمہ: کھلے اور چھپے کا جاننے والا اور وہی ہے حکمت والا خبردار۔

(۲) واحاط بکل شیء علماً۔ (پ۲۸ الطلاق ۱۲)

ترجمہ: اور وہ گھیرے ہوتے ہے ہر چیز کو اپنے علم سے۔

(۳) وھو علیم بذات الصدور۔ (پ۲۷ الحدید ۶)

ترجمہ: وہی جاننے والا ہے سینوں کی کھٹک کا۔

(۴) یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم۔ (پ۳ البقرہ ۲۵۵)

ترجمہ: جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔

---

[۱] مرعلیہ علی القاری فی المرقات جلد ۱ صفحہ ۱۶۷

⑤ یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا۔ (پ۲۷ الحدید ۴)

ترجمہ۔ (باہر) نکلتا ہے اور جو آسمان سے اُترتا ہے (جیسے پانی) اور جو اس میں چڑھتا ہے (جیسے بندوں کے نیک اعمال وغیرہ)

منصبِ عالی اسی کا

پھر جہاں تک منصب و مقام کا تعلق ہے سو الوہیت کے آگے کون سا مقام ہے جس کی کوئی بُود و نمود ہو؟ پس وہی سر رشتہ منصب و مقام ہے کہ وہ الٰہ و معبود ہے اور معبودیت سے آگے کوئی مقام نہیں وہی سر مخزن قدرت و اقتدار ہے کہ جہانوں میں اسی کی بادشاہی ہے، اسی کا نام چلتا ہے اور اسی کا حکم جاری ہے۔ اسی کے کلمہ سے جہان بنتے اور بگڑتے ہیں۔

① انی انا اللہ لا الٰہ الا انا۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۱۴)

ترجمہ۔ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔

② وھو علیٰ کل شیء قدیر۔ (پ۲۷ الحدید ۲)

ترجمہ۔ اور وہی ہے ہر چیز پر قادر ہے۔

③ لہ ملک السموات والارض۔ (پ۲۷ الحدید ۲)

ترجمہ۔ اسی کی ملک ہیں سارے آسمان و زمین۔

④ ملک النّاس الٰہ النّاس۔ (پ۳۰ النّاس ۲)

ترجمہ۔ بادشاہ ہے لوگوں کا، معبود لوگوں کا۔

⑤ عند ملیک مقتدر۔ (پ۲۷ القمر ۵۵)

ترجمہ (حقیقی لوگ ہوں گے باغوں اور نہروں میں) پاس وسیع ملک والے بادشاہ کے۔

⑥ وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا۔ (پ۹ الاعراف ۱۸۰)

ترجمہ۔ اور اللہ ہی کے ہیں پیارے نام، سو انہی سے اسے پکارو۔

⑦ فعال لما یرید۔ (پ۳۰ البروج ۱۶)

ترجمہ. کڑا لینے والا ہے جو بھی ارادہ فرمالے۔

⑧ اذا اراد شیئًا ان یقول له کن فیکون۔ (پ۲۳ یٰس ۸۲)
ترجمہ. جب کسی شئے (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کرتا ہے تو فرمادیتا ہے ہوجا
تو وہ ہوجاتی ہے۔
بہرحال ہر پاک منصب و مقام اسی کا ہے۔

ساری سچائیوں کا مخزن اسی کی ذات

پھر جہاں تک صدق مقال اور صفائی معاملہ کا تعلق ہے تو وہی ذات بابرکات ساری سچائیوں اور صداقتوں کا مخزن بھی ہے کہ سچائیوں کو تولنے والا اور کھولنے والا اس سے زیادہ کون ہے. سچائی سچائی ہی اسی سے ہوئی ہے اور جو کچھ وہ فرمادے اور جو کچھ وہ کہہ دے وہی حق و صداقت ہے۔

① قوله الحق وله الملك۔ (پ۷ الانعام ۷۳)
ترجمہ. قول سچا ہے تو اس کا اور ملک ہے تو اس کا.

② ومن اصدق من الله قیلًا۔ (پ۵ النساء ۱۲۲)
ترجمہ. اور کون ہے اللہ سے زیادہ سچے قول والا؟

③ ومن اصدق من الله حدیثًا۔ (پ۵ النساء ۸۷)
ترجمہ. اور کون ہے اللہ سے زیادہ سچی بات والا.

تاثیر و تصرّف کا حقیقی سرچشمہ

اور اسی لیے تاثیر و تصرف کا بھی حقیقی سرچشمہ ہے اور اسی کا ہر کلمہ و کلام عین تاثیر و تصرف ہے کہ اس سے زیادہ پاک باطن لطیف و ستھرا اور بے لوث کون ہوسکتا ہے؛ اسی لیے اس کا ایک ایک حرف تاثیر و تصرف کا سرچشمہ ہے جس سے پتھروں کے کلیجے بھی شق ہوجائیں اور انسان تو انسان متمرد جنات بھی رام ہوجائیں اگر حقیقتاً سن لیں ..

لو انزلنا هذا القرآن علیٰ جبل لرأیته خاشعًا متصدّعًا من خشیة الله۔ (پ۲۸ الحشر ۲۱)

ترجمہ. اگر ہم اتار دیتے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو دیکھتا کہ وہ لرز جاتا ہے اللہ کے ڈر سے.

انا سمعنا قرانا عجبًا یھدی الی الرشد فامنّا بہ. (پ۲۹ الجن ۲)

ترجمہ. (جنّات نے کہا) ہم نے ایسا عجیب قرآن سُنا جو بزرگی کی راہ دکھلاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے.

کلامِ خداوندی سے بڑھ کر کوئی کلام نہیں

اور ظاہر ہے کہ جب خدائے متکلم کلامی کمالات کے سارے ہی معیاروں عقل و خرد، علم و خبر، منصب و مقام، صدق و صفا اور تاثیر و تصرف کا سرچشمہ ہے تو کلام خداوندی سے بڑھ کر کسی کا کلام نہیں ہو سکتا پس اس سے بڑھ کر نہ کسی کلام میں عقل و خرد اور دانائی ہو سکتی ہے نہ اس سے زیادہ کسی کے کلام میں علم و خبر کے ذخیرے ہو سکتے ہیں نہ اس سے بڑھ کر کسی کے کلام میں منصب و مقام کی بلندیاں پائی جا سکتی ہیں. نہ اس سے زیادہ کسی کے کلام میں صدق و صفا اور حق صداقت ہو سکتی ہے اور نہ اس سے زیادہ کسی کے کلام میں تاثیر و تصرف ممکن ہے. ظاہر ہے کہ ایسا ہی کلام ہر حال کے مقتضار کے مطابق اور ہر قسم کی پیچیدگی اور پریشانیت سے پاک، مبرا اور منزہ بھی ہو سکتا ہے. اور وہی انتہائی سلاست، انتہائی فصاحت و بلاغت اور انتہائی شیرینی و حلاوت کا مجموعہ بھی ہو سکتا ہے تو وہ کلام جو ان ساری کلامی خوبیوں کا مجموعہ ہونے کے سبب سے بے مثل و مثال اور ناممکن النظیر ہے وہی قرآن کریم ہے جو حکمت والے خدا کا کلام ہے. اسی کا اتارا ہوا بول ہے. اس کا پڑھا ہوا قرآن ہے اور اسی کی اندرونی صفات کمال کا پاک مظہر ہے جس میں اس کی پاکیاں جھلکتی ہوئی نظر آتی ہیں اور اس کی خوبیاں چمکتی ہوئی صاف دکھائی دیتی ہیں.

قرآن کریم میں کلام کے یہ پانچوں معیار

پس قرآن کو پڑھو تو یہ پانچوں معیار اس میں منہ سے بولتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں چنانچہ وہ محض نقل و خبر یا احکام ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ عقل و حکمت اور فرزانگیوں کا بہتا ہوا سمندر بھی ہے اس کا

کوئی حکم نہیں جس میں حکمت نہ ہو، کوئی نقل نہیں جس میں عقل نہ ہو اور کوئی ہدایت نہیں جس میں فلسفہ نہ ہو اس لیے اس میں تدبر اور تفکر کا امر کیا گیا کہ بغیر غور و فکر کے اس کے عقلی حقائق واشگاف نہیں ہو سکتے اور عقلی حقائق اس میں تھے تو غور و فکر کا بھی حکم دیا گیا۔ اس لیے وہ کلام ہی نہیں حکمت بھی ہے جو عقل و خرد کا نچوڑ ہے۔

(۱) ذٰلک مما اوحی الیک ربک من الحکمۃ۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۳۹)
ترجمہ (یہ قرآن) ان حکمت کی باتوں میں سے جس کی ہم نے اے پیغمبر تمہاری طرف وحی کی ہے۔

(۲) کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا اٰیتہ ولیتذکر اولوا الالباب۔ (پ
ترجمہ۔ کتاب برکت والی جسے ہم نے تمہاری طرف اے پیغمبر اُتارا تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں تدبر سے کام لیں اور عقل والے اس سے (بھولا ہوا سبق) یاد کریں۔

(۳) ان فی ذٰلک لاٰیٰت لاولی النھٰی۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۵۴)
ترجمہ۔ بلاشبہ قرآن کی (ان تعلیمات میں) البتہ بڑی نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے۔

(۴) ان فی ذٰلک لاٰیات لقومٍ یعقلون۔
ترجمہ۔ اس میں نشانیاں ہیں عقل والی قوم کے لیے۔

(۵) وما یذّکّر الا اولوا الالباب۔
ترجمہ۔ اس قرآن سے وہی نصیحت پکڑ سکتے ہیں جو گہری عقل والے ہیں۔

قرآن جملہ دوائرِ حیات میں ہدایت بخشتا ہے

پھر اس قرآن کے علم و خبر کا یہ عالم ہے کہ زندگی اور موت کا کوئی شعبہ نہیں جس کے بارے میں فطری ہدایتوں کے بے شمار ذخیرے اس میں موجود نہ ہوں۔ اور علم جامع پر مشتمل اخبار و احکام نہ بتائے گئے ہوں۔

(۱) تبیانا لکل شیءٍ وھدًی ورحمۃ وبشرٰی للمسلمین۔ (پ۱۴ النحل ۸۹)
ترجمہ۔ (یہ قرآن) کھلا ہوا مدلل بیان ہے ہر شئے کے لیے اور ہدایت و رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔

(۲) وھوالذے انزل علیکم الکتاب مفصلاً۔ (پ الانعام ۱۱۴)

ترجمہ. وہ (اللہ) وہ ہے جس نے تمہاری طرف یہ مفصل کتاب (قرآن) نازل کی۔

پھر یہی قرآن سب مناصب و مقامات رفیعہ والے خالق و مالک اور ملیک و مقتدر کا کلام ہے. تو اس کی رفعت و بلندی اور بلحاظ منصب و مقام عظمت بھی انتہائی ہے اور اس کی یہ دلیل کافی ہے کہ وہ اس رفیع المنزلت کا نازل کردہ کلام ہے۔

(۱) تنزیلا ممن خلق الارض والسموات العلیٰ۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۴)

ترجمہ. یہ قرآن نازل کردہ ہے اس کی طرف سے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔

(۲) تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم۔ (پ۲۶ الاحقاف ۲)

ترجمہ. یہ قرآن نازل کردہ ہے اللہ عزت والے حکمت والے کی طرف سے۔

(۳) وانہ لتنزیل رب العالمین۔ (پ۱۹ الشعراء ۱۹۲)

ترجمہ. اور یہ قرآن نازل کردہ ہے جہان کے پالنہار کی طرف سے۔

(۴) تبارک الذے نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعلمین نذیرا الذے لہ ملک السموات والارض۔ (پ۱۸ الفرقان ۱،۲)

ترجمہ. برکت والی ہے وہ ذات جس نے فرقان (قرآن) اپنے بندے پر اُتارا تاکہ وہ (پاک بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جہانوں کا ڈرانے والا ہو جس کا ملک ہے ملک آسمان و زمین کا۔

اور اسی لیے اسے عظیم کہا گیا:۔

(۵) ولقد اٰتینٰک سبعًا من المثانی والقراٰن العظیم۔ (پ۱۴ الحجر ۸۷)

ترجمہ اور ہم نے تمہیں عطا کی بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں اور قرآن جو عظمت اور بڑائی والا ہے۔

قرآن پاک اَبدی سچائیوں کا حامل ہے۔

جس سے واضح ہے کہ یہ کتاب مبین سارے ہی مناصب جلیلہ کے آثار سے مملو اور بھرپور ہے پھر یہ قرآن چونکہ انتہائی سچے کا کلام ہے اس لیے یہ کلام بھی بے انتہا سچا حق وصداقت میں بے نظیر اور صدق وصفا میں بے مثال ہے۔

(۱) لیعلمون انه منزل من ربك بالحق ۔ (پ الانعام ۱۱۴)
ترجمہ۔ جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) اتارا گیا ہے تیرے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ۔

(۲) انا انزلنا الیك الکتاب بالحق ۔ (پ النساء ۱۰۵)
ترجمہ۔ ہم نے تم پہ نازل کی کتاب حق وصداقت کے ساتھ۔

(۳) وبالحق انزلناہ وبالحق نزل ۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۱۰۵)
ترجمہ۔ اور حق (وصداقت) سے ہم نے اسے اتارا اور حق وصداقت ہی سے وہ اترا ہے۔

(۴) نزل علیك الکتاب بالحق مصدقًا لما بین یدیه ۔ (پ آل عمران ۳)
ترجمہ۔ اُتاری تم پہ کتاب (قرآن) حق کے ساتھ، جو تصدیق کرنے والی ہے تمہارے سامنے (والی سچائیوں کی)۔

(۵) بل جاء بالحق وصدق المرسلین ۔ (پ۲۳ صافات ۳۷)
ترجمہ۔ بلکہ (یہ قرآن) حق کے ساتھ آیا اور اس نے (پچھلے سب) رسولوں کی تصدیق کی۔

چنانچہ اس غیر معمولی سچائی کی وجہ سے یہ کلام ہر قسم کے تعارض وتناقض سے پاک اور متضاد باتوں سے بری ہے کہ سچائیوں میں کبھی تعارض نہیں ہوسکتا۔

ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیه اختلافًا کثیرًا ۔ (پ النساء ۸۲)
ترجمہ۔ اور اگر کہیں (یہ قرآن) غیر اللہ کے پاس سے آتا تو اس میں بہت سارے اختلافات ہوتے۔

ظاہر ہے کہ ایسے کلام سے بڑھ کر مؤثر اور اعجازی طور پر دلوں پر اتر جانے والا اور کون سا کلام ہو سکتا ہے؟ اس لیے اسے مؤثر ہی نہیں عین تاثیر و تصرف کہا جائے گا۔ جیسا کہ سطور بالا میں آیاتِ خداوندی سے واضح کیا جا چکا ہے۔ بلاشبہ ایسا ہی کلام فصاحت و بلاغت میں بے مثال اور اسلوب بیان میں بے نظیر بلکہ ناممکن النظیر ہوگا جس کی مثال لانے سے ہر بندہ بشر عاجز رہ جائے گا۔ کیوں کہ فصاحت و بلاغت اور سلاست کلام تابع ہے۔ باطن کی قوت موزونیت یعنی جمال باطنی اور مقتضیات احوال علم و معرفت کے تابع ہے۔

قرآن کریم کی شانِ اعجاز

تو کون ہے جو اس سے زیادہ مقتضائے احوال کا جاننے والا ہو؟ اور اس لیے اس کے کلام کا ایک ایک گوشہ فصاحت و بلاغت کی حدِ اعجاز پر بھی پہنچا ہوا ہونا چاہیے جس کی مثال لانے سے ساری دُنیا عاجز رہ جائے۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھٰذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرًا۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۸)

ترجمہ۔ فرما دیجیے (اے پیغمبر) کہ اگر جن اور انسان سب کے سب بھی اس پر ایکا کر لیں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں گے تو اس کا مثل نہیں لا سکتے اگرچہ بعض بعض کے مددگار ہو جائیں گے۔

خلاصہ یہ کہ یہ قرآن حکیم کلامی معجزہ ہے جس کی بلاغت بیانی کے سامنے باوجود کھلے کھلے چیلنجوں کے دنیا نے سپر ڈال دی اور اس کی مثال لانے سے تھک کر رہ گئی جس سے اس کلام کی ہر خوبی بے مثال اور ناممکن النظیر ثابت ہوتی ہے۔ بالخصوص فصاحت و بلاغت کا جواب لانا غیر ممکن واضح ہو جاتا ہے۔

پھر صفاتِ خداوندی کے معیار سے بھی اگر غور کیا جائے تب بھی یہ کلام بلاغت نظام فصاحت و بلاغت کا معجزہ ہی ثابت ہوگا کیونکہ صفاتِ الٰہیہ میں سے جن جن صفات میں سے انسان کو حصہ ملا ہے ان میں سے ہر ایک صفت میں ایک حد اعجاز نکلتی ہے جہاں پہنچ کر انسان عاجز رہ جاتا ہے

انسان کو علم دیا گیا ہے اسے ہزاروں باتیں معلوم ہوں یا دس بیس ہزار، مگر بالآخر ایک حد نکلے گی کہ اس کے علم کا دائرہ وہاں پہنچ کر ختم ہو جائے گا اور صرف خدا ہی کا علم رہ جائے گا۔ انسان کو قدرت ضرور ملی ہے کہ وہ من دو من دس من وزن اٹھالے گا لیکن بالآخر ایک حد پر پہنچ کر اس کی قدرت جواب دے دے گی اور وہاں صرف خدا ہی کی قدرت نظر آئے گی۔

صفات میں کہاں ایک حد آتی ہے

انسان کو بلاشبہ سمع و بصر عنایت ہوئی ہے۔ وہ میل دو میل دس میل ہزار میل کی چیزیں واسطہ یا بلا واسطہ دیکھ سکتا ہے اور آوازیں سُن سکتا ہے لیکن بالآخر اس مادی جہان کی وسعتوں میں ہی ایک حد پر پہنچ کر اس کی سمع و بصر عاجز آجائے گی اور خدا ہی کی بے مثال اور لامحدود سمع و بصر کام کرے گی اس لیے قدرتی طور پر کلام کی صفت میں بھی جس سے انسان کو حصہ ملا ہے ایک حدِ اعجاز نکلنی چاہیئے جہاں پہنچ کر انسان سپر ڈال دے اور اپنے عجز و قصور کا اعتراف کرے کہ خود ویسا کلام ہی لا سکے اور نہ ویسی فصاحت و بلاغت پیش کر سکے۔ پس کلام کی وہی اعجازی حد اور وہی معجزانہ فصاحت و بلاغت خدائی کلام کا حصہ ہوگی جہاں بشر کی قوتِ کلام تھک کر درماندہ اور عاجز رہ جائے گی اور اس کا یہ عجز ادراک ہی اس کی دلیل ہوگا یہ خدا کا کلام ہے اور یہ صرف اس کی ادا کردہ فصاحت و بلاغت ہے جو حیطۂ بشری سے خارج ہے۔

انسانی افعال کی تنگ دامانی

انسان زمین و آسمان نہیں بنا سکتا، خود انسان کو انسان نہیں بنا سکتا۔ اس میں ظاہری و باطنی قوتیں علم و احساس اور عرفان و ادراک پیدا نہیں کر سکتا۔ اور پھر بھی اسے اور اس میں یہ قوتیں پیدا شدہ دیکھتا ہے تو یقیناً اسے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ سب چیزیں اس خدا کی بنائی ہوئی ہیں جس کا نہ کوئی مثل ہے نہ نظیر ہے نہ مماثل ہے نہ مساوی۔ اس لیے کوئی اس کی بنائی ہوئی چیزوں کی بھی مثل و نظیر نہیں لا سکتا۔ اسی طرح جب ایک ایسا کلام سامنے آئے جو چیلنج کرتا آرہا ہو کہ کسی میں ہمت و طاقت ہو تو اس جیسا کلام بنا لائے۔ پُورا نہ سہی دس سورتیں ہی سہی۔ دس نہ سہی ایک ہی سورت بنا لائے خواہ

وہ چھوٹی سے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ ایک سورت نہ سہی اس جیسی ایک بات، ایک آیت اور ایک جملہ ہی بنا لائے۔ لیکن اس چیلنج پر بھی اگر کوئی کچھ نہ لا سکے تو بلاشبہ یہ اسی کی دلیل ہوگا کہ یہ اللہ کا کلام ہے جس کے اسلوب بیان اور جامعیت و ہدایت، منصب و مقام، تاثیر و تصرف اور دانائی و حکمت کی نظیر بنا لانا ممکن نہیں۔ اس لیے قرآن حکیم نے منکرین قرآن سے چیلنج کا جواب نہ پاکر دھمکی آمیز لہجہ میں انہیں ڈرایا کہ :-

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة

اعدت للکافرین۔ (پ البقرہ ۲۴)

ترجمہ: پس اگر تم نہ کر سکو (یعنی اس کے کل یا جزء کا مثل نہ لا سکو) اور ہرگز نہ لا سکو گے تو پھر اس آگ (عذاب جہنم) سے ڈرو جس کا ایندھن (مجرم) انسان اور پتھر ہوں گے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے واسطے۔

قرآن کریم کے مختلف وجوہِ اعجاز

بہرحال قرآن کریم ترکیبِ الفاظ، اسلوب بیان، جامعیت معانی اور استیفا، ہدایت وغیرہ ہر لحاظ سے معجزہ ہے۔ اور جن و بشر مل کر بھی اس کی نظیر لانے سے عاجز ہیں جس کی وجہ وہی ہے کہ وہ کلام خداوندی ہے۔ سو جیسا متکلم ہے ویسا ہی اس کا کلام بھی ہے جیسے ذات کی نظیر یا مثل محال ہے ایسے ہی اس کی صفات اور ان میں سے صفتِ کلام کی نظیر بھی ناممکن اور محال ہے

اس لیے جس پہلو سے بھی اسے دیکھا جائے اس کی کلامی حیثیت ہر گونہ بے مثل بے مثال اور ناممکن النظیر ثابت ہوتی ہے جو کلامِ الٰہی کے شایانِ شان ہے۔

اس عظیم کلام کے تحمل کے لیے بڑا حوصلہ چاہیئے

اب ظاہر ہے کہ اتنے بلند پایہ جامع عقل و خرد، جامع علم و خبر، جامع منصب و مقام، جامع تاثیر و تصرف، جامع صدق و صفا۔ اور ادب سے بے مثل و بے مثال اور معجزہ کلام کے مضمرات اور حقائق کو کھولنا اور اس کے مفہوم و مراد کو تشخیص کے ساتھ نمایاں کرنا جسے تعبیر کہتے ہیں، ہر ایک کا حوصلہ

نہیں ہو سکتا.

مہبط وحی کی شان وعظمت

یہ کام اس کا ہو سکتا ہے جو خود اس کلام کو متکلم سے سُنے۔ اس کا حقیقی مخاطب ہو اور ساتھ ہی خود ان تمام صفات اور شئون و احوال کا جامع بھی ہو۔ جو شئون و احوال اس کلام الٰہی میں سمائی ہوئی ہیں بالفاظِ دیگر قرآن کا ایک ایک گوشہ اس کی ذات کے ایک ایک گوشہ میں ذوق وعمل بن کر سمایا ہوا ہو۔ حتیٰ کہ اس کی طبیعت ہی قرآنی ہو جس سے قرآن نے بایں جامعیت و اعجاز اس کے قلب پاک کو اپنا مورد اور ظرف منتخب کیا ہو. سو ظاہر ہے کہ وہ ذات قدسی صفات سوائے ذاتِ با برکات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسری نہیں ہو سکتی جن پر قرآن اُترا، جن کی زبان میں اُترا، اور جن کے اخلاق وکمالات اور جن کی فطری استعداد کو اس کا ظرف بننے کے لیے ازل سے چُنا گیا۔ اس لیے قرآن کو قرآنی ذوق سے یا جس حد تک آپ سمجھ سکتے تھے طبعاً دنیا میں کوئی بھی اتنا نہیں سمجھ سکتا تھا. بالخصوص جب کہ آپ کو سمجھانے والا بھی براہِ راست وہی تھا جو اس قرآن کو آپ پر اُتارنے والا خود صاحبِ کلام تھا یعنی ذاتِ اقدس واطہر باری سبحانہ وتعالیٰ.

وانه لتنزيل رب العلمين. نزل به الروح الامين. علىٰ قلبك لتكون من المنذرين. بلسان عربي مبين. (پ۱۹ الشعراء ۱۹۲ تا ۱۹۵)

ترجمہ. اور بلاشبہ (یہ قرآن) نازل کردہ ہے رب العالمین کا ــــ جسے لے کر اُترے روح الامین آپ کے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) قلب پر تاکہ آپ ہوں (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والوں میں. واضح عربی زبان میں.

اس لیے قرآن حکیم کی اصل تفسیر تو اقوال و افعال و احوال نبوی ہی ہو سکتے ہیں جن کو حدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہی قرآن کی اولین تفسیر ہے جس کو دوسرے لفظوں میں خدائی تفسیر کہنا چاہیئے اور جس کو قرآن نے بیان سے ذکر کیا ہے.

ثم ان علينا بيانه. (پ۲۹ القيامه ۱۹)

ترجمہ. پھر ہم ہی پر اس کا بیان ہے.

ظاہر ہے کہ اس اصول پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کلام خداوندی اور اس کی تعبیر (حدیث نبوی) کے مقاصد و مرادات کو اپنے ذوقِ صافی سے سمجھنے والے پھر وہ حضرات ہو سکتے ہیں جن کی تربیت براہِ راست بارگاہِ رسالت سے ہوئی ہو اور جن کے بارے میں قرآن حکیم ہی نے یہ شہادت دی کہ:۔

(۱) اولئك هم الراشدون. (پ۲۶ الحجرات ۷)

ترجمہ۔ یہ لوگ (صحابہؓ) ہی بزرگ لوگ ہیں۔

(۲) اولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى. (پ۲۶ الحجرات ۳)

ترجمہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے تقویٰ (اور پرہیزگاری) کو اللہ نے جانچ لیا ہے۔

(۳) فعلم ما فی قلوبهم فانزل السكينة عليهم (پ۲۶ الفتح ۱۸)

ترجمہ۔ سو اللہ نے جان لیا جو (پارسائی اور علم و معرفتِ الٰہی وغیرہ) ان کے دلوں میں ہے تو اس نے ان پر سکون و اطمینان اُتارا۔

(۴) رضی الله عنهم ورضوا عنه. (پ۱۱ التوبہ ۱۰۰)

ترجمہ۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

کے مقدس خطابات والقابات دے کر من حیث الطبقہ ان کی تقدیس و تطہیر کی ہے۔ یہی طبقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے جن نے براہِ راست بارگاہِ نبوت سے استفادہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہو کر دیدارِ جمال اور مشاہدہ کمال سے مشرف ہوا۔ پھر اس نے پیغمبر سے نہ صرف قرآن ہی لیا بلکہ قرآنی ذوق بھی حاصل کیا۔ ظاہر ہے کہ ذوقِ نبوت کو جس حد تک یہ طبقہ سمجھ سکتا تھا اور کوئی طبقہ اس مقام پر قدرتاً نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس لیے امت کا کوئی طبقہ بھی قرآن فہمی میں اس دورِ خیر کے ان مقدس افراد سے نہ آگے بڑھ سکتا ہے نہ ان سے کسی حالت میں مستغنی ہو سکتا ہے۔

راسخین فی العلم کون ہیں؟

پھر اسی مذکورہ اصول پر صحابہؓ کے بعد تفسیر کلامِ الٰہی کا حقدار اور خدمت گذار وہ طبقہ ہو سکتا ہے

جس نے اکابر عن اکابر خلفاً عن سلف قرآن اور اس کے مذاق کو سلسلہ بہ سلسلہ اور سند بہ سند ان صالحین سے حاصل کیا اور توارث کے ساتھ ان کی صحبت و معیت اور ملازمت میں رہ کر تزکیہ بہ تزکیہ قرآن، قرآنی دین اور قرآنی مذاق کو اپنے اندر سمویا اور اپنی عمریں ان کے سمجھنے سمجھانے میں صرف کر دیں جس سے قرآن کے یہ علوم شرعیہ ان کے حق میں علوم طبعیہ بن گئے اور وہ راسخین فی العلم کہلائے ظاہر ہے کہ ہر قرن میں ایسے لوگوں کا وجود ضروری تھا جب کہ قرآن حکیم دوامی کتاب ہے جو کسی ایک دور کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اس کی اور اس کی تفسیرات بھی تا قیام قیامت مسلسل ہیں جو کسی ایک دور پر مختتم نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے ہر دور میں ہوتے رہنے اور امت کو نبوت کی میراث پہنچا پہنچا کر اسے سنّتِ نبوی کے رنگوں سے رنگتے رہنے کی خبریں دی گئی ہیں جو علم اور عمل دونوں راستوں سے امت میں آتے رہیں گے عمل کے لحاظ سے ارشادِ نبویؐ جسے حضرت ابو سعید الخدریؓ نے نقل کیا ہے اس طرح وارد ہے۔

من اکل طیباً وعمل فی سنة وامن الناس بوائقه دخل الجنة فقال رجل یارسول اللہ ان هذا الیوم الکثیر فی الناس قال سیکون فی قرون بعدی[1]

ترجمہ: جس نے حلال کھایا اور عمل کیا سنّت کے مطابق اور لوگ اس کی ایذا سے محفوظ رہے تو وہ جنت میں داخل ہوا۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ آج تو ایسے بہت ہیں فرمایا۔ بعد کے زمانوں میں بھی ایسے لوگ ہوں گے۔

جس سے واضح ہے کہ عمل بالقرآن جو عمل بالسنۃ ہے کبھی منقطع نہ ہوگا۔ پھر علم کے لحاظ سے بھی ایسے مبصر افراد کے پیدا ہوتے رہنے کی خبر دی گئی ہے

یحمل هذا العلم من کل خلف عُدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین[2]

ترجمہ: تحمل کرتے رہیں گے اس علم کا (سلف سے) نیک خلف جو دین سے غلو کرنے والوں کی تحریف کو دفع کرتے رہیں گے اور باطل پرستوں کی دروغ بافیوں کو دور کرتے رہیں گے اور جاہلوں کی رکیک تاویلات کو کھول کر ان کا پردہ چاک کرتے رہیں گے

---

[1] رواہ الترمذی جلد ۲ ص۷۵ [2] مشکوٰۃ ص۳۶

نسخ فی القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

علم قرآن میں ناسخ و منسوخ کی بحث ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ قرآن کریم کا مفسر وہی ہو سکتا ہے جو اس مبحث پر پورا عبور رکھتا ہو۔ ناسخ و منسوخ کو جانے بغیر جو شخص قرآن کی تفسیر کرے گا اس کا قدم کبھی صحابہؓ کے قدم پر نہ چل سکے گا ۔۔۔ احادیث میں بھی ناسخ و منسوخ کی بحث بہت اہمیت رکھتی ہے اور ائمہ کے حدیث میں اختلافات زیادہ اسی محور کے گرد گھومتے ہیں۔

قرآن کریم میں نسخ کی بحث میں جانے سے پہلے ہمیں کچھ مطلق نسخ پر گفتگو کرنی ہوگی۔ اہل کتاب مطلق حکم الٰہی میں نسخ کے قائل نہیں ۔۔۔ عیسائی قومیں شریعت موسیٰ کو پرانا عہد کہنے کے باوجود اسے اپنے نئے عہد testament سے چمٹائے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں کتاب مقدس اس پورے مجموعے کا نام ہے اہل اسلام سے ان کا ایک اضافی موضوع یہ بھی ہے کہ آیا حکم خداوندی میں تبدیلی ہو سکتی ہے یا نہ ؟ ان کا اس میں جواب انکار کا ہوتا ہے اور اہل اسلام کو اُن کے سامنے پہلے مسئلہ نسخ رکھنا پڑتا ہے۔

نسخ کیا ہے ؟

جو لوگ حکم الٰہی میں نسخ کے قائل نہیں وہ اس پہلے سے سوچتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک حکم دے اور پھر اسے ایک مدت کے بعد واپس لے لے ۔۔۔ کیا اسے پہلے پتہ نہ تھا کہ یہ حکم بعض لوگوں کے حسب حال نہ ہوگا اور اسے ایک دن واپس لینا پڑے گا ۔۔۔ علم الٰہی میں کیا اس طرح کا تغیر و تبدل جگہ پا سکتا ہے ؟

ہم کہتے ہیں اس نسخ کی وجہ علم الٰہی میں تغیر و تبدل نہیں۔ لوگوں کے حالات میں تغیر و تبدل ہے۔ قوموں کے حالات تبدیلی وقت سے بدلتے رہتے ہیں۔ بدلے حالات میں ان کے مناسب حال جو نیا حکم آئے وہ ان احکام کو جو پچھلے حالات کے مناسب تھے بدل دیتا ہے ایسا ہونا خالق کے علم میں

تغیر کے باعث نہیں. مخلوق کے حال میں تغیر کے باعث ہوتا ہے ـــــ اللہ رب العزت کو تو پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ پہلا حکم کچھ عرصے کے لیے دیا جا رہا ہے. جب وہ مدت انتہا کو پہنچی تو نیا حکم آ گیا علماء اصول نے نسخ کے معنی انتہا امر الحکم کسی حکم کی مدت کے انتہا کو پہنچنے کے کیے ہیں. جب وہ مدت اپنی انتہا کو پہنچی تو نیا حکم آ گیا.

نسخ کے دو مفہوم

فقہا کی اصطلاح میں نسخ کا اطلاق دو طرح سے ہوتا ہے :۔

(۱) کسی پہلے حکم کو کسی نئے حکم کی بنا پر سرے سے ختم کرنا.

(۲) کسی پہلے عام حکم کو کسی دوسری نص کے تحت خاص کر دینا یا کسی مطلق حکم کو کسی اور نص کے تحت مقید کر دینا.

لفظ نسخ کے ان دو طرح کے اطلاقات کے باعث منسوخ آیات یا منسوخ احکام کی گنتی میں خاصا اختلاف ہو گیا ـ گو ہر اطلاق اپنی جگہ حق اور درست ٹھہرے ـــ اس اشتباہ سے نکلنے کے لیے نسخ کی اس دوسری قسم کو بعض علماء نے تخصیص العام یا تقیید مطلق کا نام دیا ہے.

کسی حکم کے سرے سے ختم ہونے کی مثالیں

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات امت میں پانچ نمازیں قائم کرنے کا حکم ملا. اگلے دن حضرت جبریل آئے اور انہوں نے نماز کے اوقات اور اس کی اوضاع بھی بتلائیں. اُن میں قبلہ بیتُ المقدس تھا جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو نمازیں بیتُ المقدس کی طرف رُخ کر کے ہی پڑھتے تھے.

پھر حکم آیا کہ نماز میں رُخ کعبہ کی طرف کریں اور پہلا حکم سرے سے بدل گیا اس میں اتنی مہلت بھی نہ ملی کہ وہ نماز جو بیتُ المقدس کی طرف رُخ کر کے شروع کی گئی تھی اسے مکمل کر لیا جائے اتنا بھی نہیں آپ بحالتِ نماز ہی اُدھر پھر گئے.

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ تمہارا ادھر منہ کر کے نماز پڑھنا غلط تھا بلکہ فرمایا ہر جہت

خدا کے لیے ہے۔ مشرق و مغرب دونوں خدا کے ہیں جسے چاہے ہمیشہ رہنے والی راہ کی ہدایت بخشے۔ مسلمان پہلے جس قبلے پر تھے اسے اب دوسرے قبلہ سے بدلا گیا۔ اس نسخ پر اعتراض کرنا کسی عقلمند کا کام نہیں خدا جو چاہے حکم دے۔ مگر بیوقوفوں کو نسخ سمجھ میں آجائے یہ بڑا مشکل مسئلہ ہے:-

سیقول السفہاء من الناس ما ولٰهم عن قبلتهم التی کانوا علیها قل للہ المشرق والمغرب یهدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔ (پ۲ البقرہ ۱۴۲)

ترجمہ۔ بے وقوف کہیں گے مسلمانوں کو کس چیز نے اس قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ پہلے تھے آپ کہہ دیں مشرق اور مغرب دونوں خدا کے لیے ہیں وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔

(۲) قرآن کریم میں حکم تھا کہ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آئے تو وہ والدین اور اقربین کے لیے وصیت کرے:-

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین۔ (پ۲ البقرہ ۱۸۱)

ترجمہ۔ تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت (کا وقت) آجائے تو وہ وصیت کرے اگر وہ مال چھوڑ رہا ہے والدین کے لیے اور دوسرے اقربین کے لیے جانے پہچانے طریقے سے۔ یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے کے لیے وصیت کرنا فرض ہے جب آیت میراث اُتری جس نے وارثوں کے حصے خود مقرر کر دیئے تو اب والدین اور اقربین کے لیے حکم وصیت جاتا رہا، وہ آیت جس نے وارثوں کے حصے مقرر کر دیئے ہیں وہ ناسخ ہوگی اور یہ آیت وصیت منسوخ ہوگی۔ اس آیت وصیت کی ناسخ آیت یہ ہے:-

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ (پ۴ النساء ۱۱)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کا حق دو لڑکیوں کے برابر ہو۔

اب اس حکم کے ہوتے ہوئے فوت ہونے والے کے لیے وصیت کرنے کا کیا موقعہ رہا۔

(۴) پہلے حکم تھا کہ کفار اپنے سے دس گنا بھی ہوں تو اپنے میں صبر کی صفت پیدا کر کے ان سے لڑ جاؤ — ایسے بیس دو سو پر غالب آئیں گے۔ یہ بشارت بھی سُنا دی:۔

یا ایها النبی حرض المؤمنین علی القتال. ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائة یغلبوا الفًا من الذین کفروا بانهم قوم لا یفقهون۔ (پ۱۰ الانفال ۶۵)

ترجمہ۔ اے نبی شوق دلا لوگوں کو جہاد کا۔ اگر ہوں تم میں سے بیس مرد صبر کرنے والے وہ غالب آئیں گے دو سو پر اور اگر ہوئے تم سو تو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر اس لیے کہ یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں نرمی فرمائی اور پہلے تخاطب کو بدل دیا اور کہا:۔

الآن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفًا فان یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین۔ (پ۱۰ الانفال ۶۶)۔

ترجمہ۔ اب اللہ تعالیٰ نے بوجھ ہلکا کر دیا ہے تم پر اور اس نے جانا کہ تم میں سستی ہے سو اگر ہوں تم میں سے سو شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب آئیں گے دو سو پر اللہ کے حکم سے اور اللہ بے شک صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

الآن خفف اللہ عنکم کے الفاظ پہلے اطلاق کے منسوخ ہونے پر صریح دلالت کرتے ہیں۔ یہ سوال کہ اب پہلا حکم قرآن پاک میں موجود کیوں ہے سو اس میں بھی ایک حکمت ہے ذرا اس پر غور کریں۔

قانون کا اپنا ایک ارتقا ہے جو فطرت اور حالات کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ پہلے مسلمان بہت کم تھے ان کا حوصلہ اتنا اونچا رکھنا ضروری تھا کہ اپنے سے دس گنا زیادہ سے بھی لڑنا پڑے تو لڑ جائیں لیکن جب ان میں قرار آنے لگا اور تعداد بڑھنے لگی تو اب اسباب و وسائل کو ساتھ لینا اور حالات کا جائزہ لینا بھی ان کے لیے ضروری ہو گیا۔ قوموں کی تربیت میں اس اصول کو زیادہ دیر

تک نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سو ارتقاء کا تقاضا تھا کہ اب کار کردگی میں کچھ نرمی کی جائے۔

اب دونوں آیتوں کا ساتھ ہونا بتلاتا ہے کہ اسلام میں تمدن اور فطرت انسانی کو کس طرح ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اگر پچھلے انبیاء کے واقعات مذکور ہو سکتے ہیں تو اس امت کے پہلے دور کے حالات اور واقعات کا ذکر کیوں نہیں ہو سکتا؟ مسلم معاشرہ کس طرح ارتقاء کو پہنچا ہے یہ اس کی ایک تاریخ بھی ہے۔

(۴) احادیث میں بھی اس طرح بعض احکام کے منسوخ ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها۔[1]

ترجمہ: میں تمہیں پہلے قبروں پر جانے سے روکتا تھا اب یہ نہی نہیں رہی۔ تم جا سکتے ہو۔

یہ چار مثالیں پہلے حکم کے اصلاً اٹھ جانے کی ہیں تین قرآن قرآن کریم سے ہیں اور ایک حدیث سے ہے۔ اب ہم نسخ کے دوسرے اطلاق کی بھی چند مثالیں آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

کسی حکم کے عموم کا نسخ

(۱) قرآن میں حکم دیا گیا:۔

والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلثة قروء۔ (پ۲ البقرہ ۲۳۰)

ترجمہ۔ اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے لیے انتظار کریں تین پیریڈز کی عدت۔

یہ حکم بظاہر ان طلاق شدہ عورتوں کو بھی شامل ہے جو ابھی خاوندوں کے پاس بسی نہیں اور ان کو بھی شامل ہے جو بسی ہیں اور حاملہ ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ تین ماہ نہیں۔ لیکن یہ آیت اپنے عموم سے سب کو شامل ہے۔ سو جب تک ان دو طرح کی مطلقات کا حکم علیحدہ موجود نہ ہو یہ حکم سب طرح کی مطلقات کو شامل سمجھا جائے گا۔

---

[1] رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ صد ۱۵۴

پھر یہ حکم نازل ہوا :۔

واذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسّوھن فما لکم علیھن من عدّۃ تعتدّونھا۔ (پ۲۲ احزاب ۴۹)

ترجمہ. جب تم عورتوں سے نکاح کرو اور پھر ان کو لبانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان کے ذمہ کوئی عدت نہیں جسے تم شمار میں لاؤ.

اس آیت نے ازواج مدخولہ بہا کو اس پہلے عموم سے نکال دیا یہ اصل حکم کا نسخ نہیں اس کے عموم کا نسخ ہے.

اور یہ بھی فرمایا :۔

واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یُسرًا۔ (پ۲۸ الطلاق)

ترجمہ. اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے ان کی عدت یہ ہے کہ وہ بچہ جن لیں اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے گا اس کے کام کو آسان.

سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم نکاح والی عورتوں کے بارے میں ہے وہ طلاق کی صورت میں بچہ جننے تک عدت گزاریں گی.

سورۃ الاحزاب اور سورۃ الطلاق کی ان آیات نے سورۃ البقرہ کی مذکورہ بالا آیات کا عموم باقی نہ رہنے دیا بعض علماء اسے بھی نسخ سے تعبیر کرتے ہیں.

اب ایک اور مثال لیجئے :۔

(۲) جو لوگ کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائیں ان کی سزا قرآن پاک میں اسّی دُرّے ٹھہرائی گئی ہے :۔

والّذین یرمون المحصنٰت ثم لم یأتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃً ولا تقبلوا لھم شھادۃً ابدًا واولٰئك ھم الفاسقون (پ۱۸ النور ۴)

ترجمہ. اور وہ لوگ جو نکاح میں آئی عورتوں پر تہمت لگائیں اور (اس پر) چار گواہ نہ لاسکیں تو انہیں اسّی کوڑے (قذف کی حد) لگاؤ اور پھر آئندہ ان کی گواہی

کہیں قبول نہ کرو وہ اللہ کے ہاں فاسق ہو چکے۔

یہ حکم ہر تہمت لگانے والے کے لیے عام تھا وہ کسی اور نکاح والی عورت پر الزام لگائے یا اپنی بیوی پر تہمت لگائے ۔۔۔ مگر قرآن پاک کی اگلی آیت نے اس تہمت لگانے والے کو جو اپنی بیوی پر تہمت لگاتا ہے اس آیت کے عموم سے نکال دیا اور اس کی ایک اور صورت بھی نکل آئی اب یہ حکم اس پہلے حکم کے عموم کا نسخ ہو گا۔

والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشہادۃ احدھم اربع شہادات باللہ انہ لمن الصادقین والخامسۃ ان لعنۃ اللہ علیہ انہ کان من الکاذبین۔ (پ۱۸ النور ۶، ۷)

ترجمہ۔ اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ان میں سے ایک کی گواہی کہ وہ سچا ہے (چار دفعہ دینے سے) چار شہادتیں شمار ہوں گی اور پانچویں دفعہ وہ یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت آئے۔

اس سے پتہ چلا کہ قرآن میں دیئے گئے بعض عموم قرآن کی دوسری آیات سے منسوخ بھی ہوئے ہیں ۔۔۔ اب ایک اور مثال لیجیے :۔

(۴) مسلمانوں کو جن چیزوں کے کھانے سے منع کیا گیا اس فہرست میں مطلق خون کا بھی ذکر ہے۔

حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ ۔۔۔۔ الایۃ

(پ۶ المائدہ ۳)

ترجمہ۔ تم پر مردار، خون، لحم خنزیر اور وہ (حلال) جس پر اللہ کے سوا کوئی نام پکارا گیا تم پر یہ سب حرام ٹھہرائے گئے ہیں۔

قرآن کریم میں یہی حکم دوسرے مقام پر آیا اور خون کے ساتھ بہتے ہوئے کی قید لگا دی اب اس سے مطلق خون کے حرام ہونے کا حکم اُٹھ گیا :۔

قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس۔ (پ۸ الانعام ۱۴۵)

ترجمہ. آپ کہہ دیں میں اس وحی میں جو مجھ پر آئی ہے کسی چیز کو کسی کھانے والے
پر حرام نہیں پایا مگر یہ کہ وہ چیز مُردار ہو یا خون ہو جو بہتا ہو یا گوشت سؤر کا کہ وہ
ناپاک ہے یا وہ ناجائز ذبیحہ جس پر پکارا گیا اللہ کے سوا کوئی اور نام.

بہتا ہوا خون تو یقیناً حرام رہا لیکن جمے ہوئے خون کا کیا حکم ہے؟ یہ ہڈی کے اوپر جما نظر آئے ـــ پھر کلیجی اور تلی (کبد اور طحال) بھی تو جمے خون ہیں ان کی آگے تفصیل ہے اور ان کے اپنے احکام ہیں.

یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ایک آیت میں مطلق خون کو حرام بتلایا اور دوسری میں اس میں قید آگئی جس سے پہلا اطلاق جاتا رہا یہ بھی ایک طرح کا نسخ ہے.

نسخ کی دوسری قسم میں دو اہم باتیں

① تخصیصِ عام یا تقیید مطلق سے عموم یا اطلاق میں جو چھوٹ ملی اسے نسخ کہنا چاہیئے. یا اسے صرف ان اصطلاحوں سے ذکر کیا جائے اس میں علماء کے اپنے اپنے مختارات ہیں جنہوں نے اسے نسخ کہا ان کے ہاں منسوخ آیات کی تعداد کہیں بڑی ہو گئی اور جو اسے نسخ نہیں کہتے ان کے ہاں منسوخ آیات بہت کم رہیں گے ـــ سو منسوخ آیات کی گنتی میں اختلاف ان مختلف پیرایوں کے باعث ہوا نفس مسئلہ میں سب کے سب متفق رائے ہیں.

② سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں تخصیص عام اور تقیید مطلق واقع ہے لیکن اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ ہمیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ.

① ان آیات کے نزول میں مقدم اور موخر کون سی آیت ہے.

② ان دونوں میں موخر آیت پہلی آیت سے کتنا بعد نازل ہوئی اور

③ دوسری آیت کے نازل ہونے سے پہلے پہلی آیت کا فقہی حکم اب کیا ہے؟

جامعہ مصر کے شیخ الفقہ علامہ محمد خضری بیگ نے یہاں ایک نہایت مفید لوٹ دیا ہے.

دین و شریعت کے مکمل ہو جانے کے بعد عام اور ان آیتوں کی حیثیت ایک ہی
نص کی ہو جاتی ہے جن میں کوئی استثناء پایا جاتا ہو. یہی وجہ ہے کہ اب اللہ

تعالیٰ نے اس بات کی کہیں نشاندہی نہیں فرمائی کہ ان میں سے کون سی آیت پہلے نازل ہوئی اور کون سی بعد میں — اور علماء نے بھی یہ بات جاننا کوئی ضروری نہیں سمجھا۔ کیونکہ مآل کار یہ دونوں آیتیں ایک ہی آیت کے حکم میں ہیں[1]
نسخ کی پہلی قسم کہ کوئی حکم سرے سے اُٹھ جائے قرآن پاک میں موجود ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو وہ آیتیں کتنی ہیں، اور کیا ان میں بھی کوئی دُور کا ایسا پہلو باقی رہا ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن پاک میں باقی رکھی ہیں ان پر ہم انشاء اللہ آگے چل کر بحث کریں گے یہاں صرف مفہوم نسخ بیان کرنا تھا جس کے لیے ہم نسخ کی دونوں قسموں سے کچھ کچھ باتیں طلبہ کے سامنے پیش کر دی ہیں۔

ہم پہلے وضاحت سے کہہ آئے ہیں کہ نسخ میں خالق کے علم میں تغیر کا کوئی پہلو نہیں مخلوق کے حال میں تغیّر کے باعث کوئی حکم اٹھتا ہے اور کوئی نیا حکم آتا ہے اور تکمیلِ شریعت کے دوران ان احکام کی بہت وسعتیں ہیں۔

نسخ میں عیسائیوں کا اختلاف

اہل اسلام اصولاً احکامِ الٰہی میں نسخ کے قائل ہیں۔ قرآن کریم اپنے بعض احکام یا اپنی بعض آیات کو منسوخ کرتا ہے یا نہیں یہ مسلمانوں کا اپنے اندر کا اختلاف ہے۔ تاہم اس پر سب اہل اسلام متفق ہیں کہ قرآن پاک نے اپنے سے پہلی کتابوں کو منسوخ کیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے مختلف وقتوں میں مختلف احکام اُتارتے رہے ہیں اور اس کا احکام کو بدلنا لوگوں کے بدلے احکام کی وجہ ہوتا رہا ہے۔

اہل کتاب اصولاً احکامِ الٰہی میں نسخ کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں خدا اپنے کسی حکم کو بدلے اس سے وہم ہوتا ہے کہ علم الٰہی میں تغیّر ہوا اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔
ہم اس نسخ پر پہلے اپنی اندرونی شہادتیں پیش کرتے ہیں اور پھر ہم نئے عہد نامے سے پُرانے عہد نامے کے بعض احکام کا نسخ بھی بتلائیں گے۔ والتوفیق بیدہ اللہ تعالیٰ۔

---

[1] تاریخ التشریع الاسلامی صہ

حضرت عیسیٰؑ کی آمد سے بعض احکامِ تورات کا نسخ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے شریعت تورات چلی آرہی تھی حضرت موسیٰؑ کے بعد آنیوالے سب نبی اس کے مطابق فیصلہ دیتے تھے اس وقت تک تورات میں نورِ ہدایت موجود تھا:۔

انّا انزلنا التوراۃ فیھا ھدًی ونور یحکم بھا النّبیّون۔ (پ۶ المائدہ ۴۴)

ترجمہ بے شک ہم نے تورات اتاری اس میں ہدایت تھی اور روشنی بھی (آئندہ آنے والے) نبی اس کے مطابق فیصلہ دیتے رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو آپ نے فرمایا:۔

ومصدّقًا لما بین یدیّ من التوراۃ ولاحلّ لکم بعض الّذی حرّم علیکم۔ (پ۳ آل عمران ۵۰)

ترجمہ۔ اور میں تصدیق کرتا ہوں تورات کی جو میرے سامنے ہے اور میں حلال کرتا ہوں بعض ان چیزوں کو جو تم پر پہلے حرام کی گئی تھیں۔

یہ ایک پیغمبر کی بات ہے سو یہاں تحلیل باذنِ الٰہی مراد ہے اور تحریم بھی وہی جو پہلے خدا کی طرف سے تھی۔ اللہ رب العزّت کا حق ہے جسے پچھلے حالات کے مناسب حرام کیا گیا تھا اب ان نئے حالات میں اسے حلال کرے یہ نسخ بھی اب اسی کی طرف سے ہے۔

نئے عہد نامے سے پُرانے عہد کے بعض احکام کا نسخ

متی باب پنجم میں روایت کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:۔

تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پہ نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔

یہ دوسری بات کہ کسی دوسری عورت کو بدنظری سے دیکھنا شریعتِ تورات میں حرام نہ تھی نئے عہد نامے میں اسے حرام ٹھہرایا گیا۔ کیا یہ نسخ نہیں؟

پھر متی یہ بھی روایت کرتا ہے کہ آپ نے کہا۔

یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔

اس سے صاف واضح ہے کہ اپنے حالات کے تحت بیوی کو طلاق دینے کی اجازت تھی اب اسے صرف زنا سے خاص کرنا کیا اس عموم کو توڑنا نہیں جس کی اب تائید کی جا رہی ہے۔ اور سُنیئے :۔

پھر تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ جھوٹی قسم نہ کھانا..... لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ تم شریر کا مقابلہ نہ کرنا۔

تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ.... اپنے دشمن سے عداوت رکھ لیکن میں تم سے کہتا ہوں اپنے دشمن سے محبت رکھ۔ [1]

اب نئے عہد نامے کے حاملین کو تو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ آسمانی کتابوں میں کسی قسم کے نسخ کا بھی اقرار نہ کریں۔

بنی نوع انسان کے تہذیبی ارتقاء سے قانون میں تدریج ضروری ہے

قانون حالات کے ساتھ ساتھ مرتب ہوتے ہیں۔ حالات کے بدلنے سے قانون میں تدریج آتی ہے۔ قوموں میں تہذیبی ارتقا ایک فطری عمل ہے۔ پھر اس کے مطابق قانون میں تبدیلی ایک اصولی تقاضا ہے۔ اہل اسلام اسے ہی نسخ کہتے ہیں اور عیسائیوں کا اس سے اختلاف قانونِ فطرت سے ایک انحراف ہے۔ رہا ان کا یہ اعتراض کہ اس سے علم الٰہی میں تبدیلی کا گمان پیدا ہوتا ہے ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ محض گمان کسی فیصلے تک پہنچنے کے لیے کافی نہیں ہوتا۔

ان الظنّ لا یغنی من الحق شیئا۔

---

[1] نیا عہد نامہ انجیل متی باب ۵ ورسز

نسخ میں ہرگز علم الہٰی میں کسی تبدیلی کا گمان نہیں. عیسائیوں کو اثنا عشریوں کے عقیدہ بداء سے یہ وہم ہوا ہے. ہمارے نزدیک نسخ تخصیص اور بداء میں فرق ہے. یہ بداء ہے جس میں علم کا ایک نیا پہلو ظہور کرتا ہے. نسخ میں صرف پہلے حکم کی مدت پوری ہوتی ہے.

نسخ۔تخصیص اور بداء

نسخ اور تخصیص میں کوئی عیب کا پہلو نہیں. خدا کا کوئی حکم کسی خاص وقت تک کے لیے ہو اور اس وقت کے منتہی ہونے پر وہ حکم باقی نہ رہا، اس سے علم الہٰی پر کوئی حرف نہیں آتا — اسی طرح کسی حکم الہٰی میں کوئی بات پہلے سے مراد الہٰی نہ تھی لیکن اسے واضح نہ کیا گیا تھا اب اس کا بیان ہو گیا. اور اس حکم میں تخصیص آگئی. یہ دونوں باتیں نسخ ہو یا تخصیص کسی پہلو سے شان الہٰی کے خلاف نہیں.

ہاں بداء ایک دوسری بات ہے اس میں دوسری بات کا پہلی بات سے ایک برابر کا ٹکراؤ ہے اس سے دوسری بات سرے سے سامنے نہیں آتی جب تک پہلی بات کی غلطی سامنے نہ آجائے. نسخ میں پہلی بات کے غلط ہونے کا کوئی پہلو نہیں ہوتا — سو بداء شان الہٰی کے یکسر خلاف ہے خدا کی کسی بات کو غلط کہنے کی (وہ پہلی ہو یا پچھلی) کوئی مومن جرأت نہیں کر سکتا.

ملا نظام الدین اپنے رسالہ علم الہدیٰ فی تحقیق البداء میں بداء کے یہ معنی لکھتا ہے:

یقال بدا له اذا ظهر له رای مخالف للرای الاوّل [1]

ترجمہ. جب کوئی دوسری رائے پہلی رائے کے خلاف سامنے آئے تو اسے بداء کہتے ہیں یعنی یوں ظاہر ہوا.

یعنی حقیقت یوں نکلی پہلے والی بات صحیح نہ تھی.

ملا نظام الدین لکھتا ہے کہ شیخ الطائفہ محمد بن حسن ابو جعفر الطوسی اور شیخ ابوالفتح کراچکی کا یہی مذہب ہے. طوسی نے عدۃ میں اور کراچکی نے کنز الفوائد میں بداء کے یہ معنی لکھے ہیں. خدا کے لیے بداء تجویز کیا جائے تو اس میں بے شک علم الہٰی میں تغیر کا ایک کھلا ایہام پیدا ہوتا ہے لیکن نسخ اور تخصیص میں یہ بات نہیں ہے.

---

[1] علم الہدیٰ فی تحقیق البداء ص

اثنا عشریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق کے بعد خدا نے ان کے بیٹے اسمٰعیل کو امام بنایا لیکن جب وہ والد کی زندگی میں فوت ہو گیا تو پھر خدا نے امام جعفر صادق کے دوسرے بیٹے امام موسیٰ کاظم کو ان کا جانشین بنایا۔ ایسا کیوں ہوا؟ خدا کو بداء ہوا تھا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس سرخی کے تحت لکھتے ہیں :-

بداء اور نسخ میں اشتباہ کا ازالہ

نسخ حقیقت میں اسے کہتے ہیں کہ ایک حکم کا زمانہ آخر ہو جائے۔ مثلاً رمضان میں روزے رکھنے کا حکم ہے جب عید آئی تو وہ زمانہ آخر ہوا اور افطار کا زمانہ آگیا یوں نہیں کہتے کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی ...... بداء کی صورت یہ ہے کہ رمضان کے مثلاً روزے رکھنے کا حکم دیا اور کوئی نقصان اس میں معلوم نہ ہوتا تھا اس لیے یوں نہ ٹھہرایا کہ یہ حکم فلاں وقت تک رہے گا پھر یکایک یہ سوجھی کہ مصلحتِ وقت اس کے خلاف میں ہے اس لیے اس کو بدل دیا[1]

بدا فی العلم ہو یا فی الارادہ بات ایک ہے۔ بدا فی الارادہ کو بھی بدا فی العلم لازم ہے۔ یہ عقیدہ صرف ایک فرقے کے ہاں مجمع علیہ ہے۔ جمہور اہل اسلام نسخ و تخصیص کے تو قائل ہیں مگر بدا کے قائل نہیں کہ خدا نے امام جعفر صادق کے بعد پہلے اسماعیل کو امام مقرر کیا ہو اور پھر اس کی وفات کے بعد امام موسیٰ کاظم کو امام ٹھہرایا۔ اب اسمٰعیل کی امامت کے قائل اسمٰعیلی کہلاتے ہیں اور موسیٰ کاظم کی امامت کے قائلین کو اثنا عشری کہتے ہیں۔ اسمٰعیلی امام حاضر کے قائل ہیں اور اثنا عشری امام غائب پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ اثنا عشری کہتے ہیں کہ اسماعیل کو امام مقرر کر کے خدا کو بدا ہو گیا تھا معاذ اللہ ان کے ہاں عقیدہ بدا خدا کی شان کے خلاف نہیں۔

عقیدہ بدا کا تاریخی پس منظر

ائمہ اہلبیت میں سے یہ عقیدہ کسی کا نہ تھا اس کا اصل موجد مختار ثقفی ہے۔ مختار ثقفی ایک

---

[1] ہدایۃ الشیعہ صد ۱۱۲

جھوٹا مدعی نبوت ہوا ہے۔ وہ آئندہ ہونے والے بہت سے امور بتلانے کا شعبدہ باز تھا اور انہیں ہی وہ اپنے معجزات بتلاتا تھا اگر اس کی وہ بات واقعہ کے مطابق اُترتی تو اس کی بات چل جاتی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کہتا خدا نے اب اس کا ارادہ بدل لیا ہے اسے بدا ہوا ہے اس لیے اب اس نے پہلے کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ حلقہ اسلام میں عقیدہ بدا اس کی ایجاد ہے۔ اثنا عشری علماء نے خواہ مخواہ اسے اہل بیت کی طرف منسوب کر دیا اور اب کتابوں میں یہ عقیدہ انہی کے نام سے چل رہا ہے۔

یہود کا انکار نسخ

یہود کے انکار نسخ کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ نسخ اور بدا میں فرق نہ کر سکے۔ بدا کے غلط نتائج سے بچنے کے لیے انہوں نے نسخ کا بھی انکار کر دیا۔ عیسائیوں کے انکار نسخ کی وجہ تو یہ تھی کہ وہ حضرت مسیح کے بعد کسی نبی کے آنے کے قائل نہ تھے اور خود ان کے پاس اپنی کوئی شریعت نہ تھی سو انہیں بطور تاریخ پرانے عہد نامے کو ساتھ رکھنا ضروری تھا لیکن یہود اس کے اسی لیے قائل نہ ہو سکے کہ وہ نسخ اور بدا میں فرق نہ کر سکے تھے۔

لبنان کے مشہور فاضل ڈاکٹر صبحی صالح اپنی کتاب علوم القرآن میں لکھتے ہیں:۔

نسخ اور بدا کے مابین فرق اور امتیاز

منکرین نسخ یہ بھول گئے یا انہوں نے دانستہ اس حقیقت کو فراموش کر دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی نیا حکم دے کر پُرانے حکم کو منسوخ کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کو کوئی ایسی بات سوجھی جو اسے پہلے معلوم نہ تھی..... حکم و مصالح لوگوں کے بدلتے رہتے ہیں اور مخصوص ظروف و احوال کے پیش نظر ان میں تبدیلی آجایا کرتی ہے.... اس کے پیش نظر نسخ اور بدا باہم مشتبہ نہیں رہ سکتے۔ [1]

---

[1] علوم القرآن ص ۳۸۸

ڈاکٹر صاحب موصوف پہلے صاف لفظوں میں بتلا چکے ہیں:۔

نسخ فوائد و مصالح پر مبنی ہے اور عقیدہ بدا کی اساس قبح و فساد پر رکھی گئی ہے۔[1]

نسخ فی الاحکام اور نسخ فی الاخبار

نسخ فی الاحکام تو سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی حکم کسی خاص وقت تک کے لیے ہو اور جب وہ وقت آ لگے تو وہ وقت اُٹھ جائے لیکن نسخ فی الاخبار کسی طرح سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ پھر خبریں بھی دو طرح کی ہوتی ہیں ایک وہ جو ماضی اور حال کی ہوں اور دوسری وہ جن کا تعلق مستقبل سے ہو۔ اللہ کی دی ہوئی خبریں خلاف واقع نہیں اُترتیں۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے ۱۸۸۸ء میں خبر دی کہ حضرت عیسیٰ بن مریم زندہ ہیں اور مرزا غلام احمد نے اسی طرح اس عقیدے کو بیان کر دیا۔ پھر مرزا غلام احمد نے میں کہا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں — اور وہ اب فوت نہیں ہوئے بلکہ قرآن پاک میں ان کی وفات واقعہ مذکور ہے۔ قادیانی مبلغ یہاں نسخ کی بحث چلاتے ہیں اور کہتے ہیں جس طرح آنحضرتؐ نماز میں پہلے بیت المقدس کا رُخ کرتے رہے اسی طرح مرزا غلام احمد حضرت عیسیٰ کو زندہ سمجھتے رہے۔

ہم کہتے ہیں نسخ احکام میں ہوتا ہے اخبار میں نہیں ہوتا۔ یہاں یا پہلی بات غلط ہے یا پچھلی بات — یہ نہیں ہو سکتا کہ مرزا غلام احمد کی یہ دونوں باتیں صحیح ہوں۔ ہاں حضرت عیسیٰ نے ۱۸۸۸ء کے بعد کسی وقت وفات پائی ہو تو البتہ دونوں باتیں اپنے اپنے وقت میں صحیح ہو سکتی ہیں اور یہ نسخ فی الاخبار نہیں ہوگا۔

مرزا غلام احمد نے پہلے جب حضرت عیسیٰ کے زندہ ہونے کی خبر دی اس وقت بھی وہ بقول خود ملہم ربانی اور مامور یزدانی تھا۔ پھر اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت عیسیٰ پر وفات آ چکی ہے اور یہ بات قرآن کریم کی تیس آیات سے ثابت ہے۔ اب قادیانی مبلغین کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب کا پہلا عقیدہ منسوخ ہو چکا ہے اور یہ اسی طرح ہے جس طرح مسلمانوں کا پہلا قبلہ منسوخ ہوا اور اب بیت اللہ

---

[1] علوم القرآن ص۳۸۶

کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو یہ بات ہرگز صحیح نہیں ـــــ یہ اس لیے کہ نسخ فی الاحکام تو حق ہے ہم یہ نسخ فی الاخبار کیسے مان لیں حکم وقت بدلنے پر بدل جاتا ہے لیکن خدا کی دی ہوئی خبریں خصوصًا جو ماضی سے متعلق ہوں کبھی نہیں بدلتیں۔ اگر ایسا ہو تو اس کا نام کھلے لفظوں میں جھوٹ ہو گا ـــــ اعاذنا اللہ منہ۔

کتاب مقدس میں نسخ کے شواہد

ہم اہل کتاب سے عرض کرتے ہیں بہن بھائی کا نکاح عہد آدم میں درست تھا جن سے آگے بے شمار مرد و عورت پیدا ہوئے۔ پھر آگے صرف اخیافی بہن بھائیوں میں نکاح رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ حضرت ابراہیم کی علاتی بہن تھی (تورات سفر تکوین باب ۲۰) کیا پھر یہ نکاح جائز رہا؟

شریعت تورات میں بہن بھائیوں کا آپس میں نکاح حرام ہے (تورات سفر احبار باب ۱۸) کیا یہ نسخ نہیں؟

کن کن جانوروں کا کھانا حلال ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے لیے تمام جانور جو زمین پر چلتے ہیں حلال تھے (سفر تکوین باب ۹) مگر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں کئی جانور حرام ہو گئے خنزیر کی حرمت بھی سفر احبار کے باب ۱۱ میں مذکور ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے وقت میں دو بہنیں ایک نکاح میں جمع ہو سکتی تھیں خود ان کے نکاح میں ان کے ماموں کی دو بیٹیاں لیا اور راحیل تھیں۔ (سفر تکوین باب ۲۹)

موجودہ عیسائیت پولوس Paul سے چلی ہے اس نے جو احکام بدلے ہم اسے نسخ نہیں تحریف دین میں لاتے ہیں تاہم پادریوں کو حق ہے کہ وہ اس کا کوئی اور نام رکھیں

(۱) ختنہ کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں ایک ابدی حکم تھا (سفر اخبار باب ۱۲) خود حضرت مسیح کا ختنہ ہوا (انجیل لوقا باب ۲) لیکن پولوس نے اس حکم کو بالکل روک دیا۔ اس نے جو خط غلاطیوں کو لکھا اس کے پانچویں باب میں یہ منع مذکور ہے اور عیسائی قومیں اب تک اس نسخ پر عمل پیرا ہیں وہ مختون نہیں ہوتیں۔

(۲) شریعتِ تورات میں بہت سے جانور حرام تھے پولوس نے ان سب کو حلال کر دیا طیطوس کو اس نے لکھا کہ پاکوں کو سب چیزیں پاک ہیں باب اول کو دیکھ لیجئے۔

(۳) تورات کی رو سے ہفتہ کے دن کی تعظیم واجب تھی جو اس روز چھٹی نہ کرے گردن زدنی سمجھا جاتا تھا (سفر تکوین باب ۲ سفر خروج باب ۲۰) پولوس نے اہلِ رومہ اور طیطوس کو جو خط لکھے ان میں اس نے اس حکم کو بالکل منسوخ کر دیا۔

(۴) حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے شریعتِ تورات کے چار احکام حرمت باقی رکھے۔ ۱۔ ذبیحہ صنم۔ ۲۔ دم مسفوح۔ ۳۔ مختنقہ۔ ۴۔ زنا (حواریوں کے اعمال باب ۱۵) پولوس نے پہلے تین منسوخ کر دیئے اور زنا پر بھی کوئی سزا معین نہ رکھی۔ گویا کل شریعت ہی گئی۔

شریعت پر عمل کرنے کو پولوس نے لعنت کا نام دیا اور مذاہب کی دنیا میں ایک نئی فکر ایک نئی لائن داخل کی کہ تم خون مسیح کے وسیلہ سے جنت میں داخل ہو گے۔[۱]

شریعت کی راہ سے نہیں کیا یہ خدا تک پہنچنے کی پہلی راہ میں ایک کھلی تبدیلی نہیں؟

مذہب کے اس غلط تصور میں عیسائی کہاں تک بھٹکے اسے مارٹن لوتھر کی زبان سے سنیئے:۔

خوب دلیری سے گناہ کرو اور ایک دن میں ہزار دفعہ حرام کاری اور خون کرو
مگر ایمان رکھو تمہارے لیے ایسی نجات یقینی ہے جس طرح کہ مسیح کے لیے۔[۲]

پادری حضرات بعض اوقات لاجواب ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ پولوس کی تبدیلیوں سے نسخ کی راہ نہیں کھلتی وہ پیغمبر تو نہیں تھا ہم کہتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام نے خود بھی تو اپنا زادِ راہ سفر میں ساتھ رکھنے کا حکم بدلا تھا۔ لوقا آپ سے بلاسند متصل روایت کرتا ہے:۔

کچھ اسبابِ سفر ساتھ نہ لو (باب ۹) اور پھر کہا اسبابِ سفر ساتھ لے لو (باب ۲۲)

پھر اہلِ اسلام احکامِ الٰہی میں نسخ سے منکر نہیں۔ نئے دور کے نئے نئے احکام بھیجنا خدا کی شان کے خلاف نہیں ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ پہلا حکم غلط تھا — نہیں وہ حکم جتنے وقت کے لیے تھا اب زمانہ اسے عبور کر گیا ہے نسخ انتہا امر الحکم کو کہتے ہیں کہ وہ حکم اپنی مدت کی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔

---

[۱] پولوس کا خط اہلِ غلاطیہ کے نام باب ۳ [۲] مرآۃ الصدق صفحہ ۳۳ مصنفہ پادری بیڈ لے مطبوعہ ۱۸۵۱ء بحوالہ مقدمہ تفسیر حقانی

اسلامی احکام میں سختی نہیں

وہ روحانی سختیاں جن سے موت کے قدموں کی آہٹ نہایت قریب سے سنائی دینے لگے اور وہ زبردست مہلک مجاہدے اور مراقبے جو نفس کشی تک جا پہنچیں، اسلام نے لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا کہہ کر ان سب کی راہ بند کر دی۔ فطرت انسانی کا احترام کیا اور لوگوں کو دنیا میں رہ کر خدا کے تابع رہنے کے آداب سکھلائے۔

(۱) روزہ جو تزکیہ نفس اور اپنے ناجائز دلی جذبات کو تابع رکھنے کی بہترین تربیت ہے اس کے بارے میں صاف کہہ دیا کہ اگر طاقت نہ ہو تو چند مساکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ سفر کی صعوبت سامنے ہو تو روزہ دوسرے دنوں سے بدل کر رکھ لیں اس میں پہلے عام حکم کی تنسیخ نہیں، روزہ کی فطرت انسانی سے رحمدلانہ تطبیق ہے۔

(۲) اسلام میں پہلے رمضان کی راتوں میں عورتوں کے پاس جانے کی ممانعت تھی قرآن کریم میں اس حکم کی منسوخی کا بیان ہوا، پہلا حکم قرآن کریم میں صرف کما کتب علی الذین من قبلکم کی تاریخ میں لپٹا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اتنے حصے کو منسوخ کر دیا اور اب رمضان کی راتوں میں عورتوں کے پاس جانا جائز ٹھہرا۔ ارشاد ہوا :-

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نساءکم ھن لباس لکم وانتم لباس لھن۔

(پ۲ البقرہ ۱۸۷)

ترجمہ: حلال ہوا تم پر روزہ کی راتوں میں اپنی بیویوں سے بے حجاب ہونا وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی۔

حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں :-

حکم سابق منسوخ فرما کر آئندہ کو اجازت دے دی گئی کہ تمام شب رمضان میں صبح صادق سے پہلے کھانا وغیرہ تم کو حلال ہے[1]

اس میں کما کتب علی الذین من قبلکم کے اطلاق کو منسوخ کیا گیا ہے۔

---

[1] موضح القرآن ص۳۶

قرآن کریم میں نسخ کے اندرونی دلائل

مانسنخ من آیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا الم تعلم انّ اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر. (پ البقرہ ۱۰۶)

ترجمہ: جو منسوخ کر دیتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں اسے تو بھیج دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس جیسی، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں، اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب منسوخ ہوئی اس عیب کی خبر کیا خدا کو پہلے سے نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عیب نہ پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں لیکن حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے اس وقت وہی مناسب تھا اب دوسرا حکم مناسب ہے۔[۱]

نوٹ: مثلیت سے مراد تعداد میں مثلیت نہیں، مثلیت کسی بھی پہلو سے ہو سکتی ہے اور ایک آیت سے کئی آیات بھی منسوخ ہو سکتی ہیں۔

(۲) واذ بدّلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر.

(پ۱۴ النحل ۱۰۱)

ترجمہ: اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت اور اللہ خوب جانتا ہے وہ کیا اتارتا ہے تو کہنے لگتے ہیں تو خود بات گھڑتا ہے۔

یہ بات نہیں مگر اکثروں کو ان میں خبر نہیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

پورا قرآن ایک مرتبہ تو نازل ہوا نہیں، موقع بہ موقع آیات نازل ہوتی تھیں ان میں بعض وقتی احکام بھی آتے تھے۔ پھر دوسرے وقت حالات تبدیل ہونے پر

---

[۱] موضح الفرقان صفحہ ۲

دوسرا حکم آجاتا تھا مثلاً ابتدا میں قتال سے ممانعت اور ہاتھ روکے رکھنے کا حکم تھا ایک زمانہ بعد اجازت دی گئی۔ ابتدا میں حکم تھا قم اللّیل الّا قلیلا نصفہ تھوڑی مدّت کے بعد مکہ میں ہی یہ آیات نازل ہوئیں علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرء وا ماتیسّر من القرآن۔ کفار ایسی چیزوں کو سُن کر اعتراض کرتے کہ یہ خدا کا کلام کیسے ہوسکتا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ نے معاذ اللہ پہلے بے خبری سے ایک بات کا حکم دیا تھا پھر خبر ہوئی تو دوسرا حکم اتارا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام آپ خود بناتے ہیں ورنہ خدا کے احکام ایسے نہیں ہوسکتے کہ ایک دن کچھ دوسرے دن کچھ۔ اس طرح کے شبہات و وساوس ممکن تھا شیطان بعض مسلمانوں کے دلوں میں القا کرے اس کا جواب دیتے ہیں کہ تمہارا یہ اعتراض محض جہالت سے ہے تم کو اگر نسخ کی حقیقت معلوم ہوتی تو کبھی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالتے نسخ کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ایک میعادی حکم کی میعاد پورا ہونے پر دوسرا حکم بھیجا جائے [۱]

(۳) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا آپ ہمارا پڑھایا قرآن وہیں سے بھولیں گے جس حصے کا نسخ ارادہ الٰہی میں ہوگا ورنہ ہمارا پڑھایا آپ کبھی نہ بھولیں گے :۔

سنقرئك فلا تنسیٰ الّا ما شاء اللہ۔ (پ۳۰ الاعلیٰ ۶،۷)

ترجمہ: البتہ ہم پڑھائیں تجھ کو ایسا کہ پھر تو نہ بھولے گا مگر وہی جب چاہے اللہ۔

حضرت شیخ الاسلام ؒ لکھتے ہیں :۔

تم کو آہستہ آہستہ کامل قرآن پڑھا دیں گے اور ایسا یاد کرا دیں گے کہ اس کا کوئی حصہ بھولنے نہ پاؤ گے بجز ان آیتوں کے جن کا بھلا دینا ہی مقصود ہو گا کہ وہ بھی ایک قسم نسخ کی ہے [۲]

یہاں نسخ کی بات قرأت سے متعلق کی گئی ہے قرأت قرآن پڑھنے کا نام ہے اور اس میں نسخ واقع ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جن آیات کی یاد آپ کے حافظہ سے اُٹھالیں سمجھیں کہ

---

[۱] فوائد قرآن صفحہ ۲۶ [۲] ایضاً صفحہ ۷۷۲

وہ آیات منسوخ التلاوۃ ہوگئیں۔

④ پہلے دو بہنیں ایک مرد کے نکاح میں جمع ہو سکتی تھیں۔ لیا اور راحیل دو حقیقی بہنیں تھیں دونوں حضرت یعقوب کے ماموں لابن کی بیٹیاں تھیں اور دونوں حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں تھیں تورات میں ہے:۔

لابن نے کہا ہمارے ملک میں یہ دستور نہیں کہ چھوٹی کو پلوٹھی سے پہلے بیاہ دلویں اس کے ساتھ ایک ہفتہ پورا کر۔ ... ہم اسے بھی تجھ کو دیں گے۔

(کتاب پیدائش پ ۲۹)

پھر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں یہ جواز منسوخ کر دیا گیا۔ تورات میں ہے:۔

اور تو کسی عورت کو اس کی بہن سمیت جورومت کرنا کہ اس کی بھی برہنگی ظاہر کرے پہلی کے جیتے جی کہ یہ اس کا جلانا ہے۔

(کتاب احبار باب ۱۸ آیت ۱۵)

قرآن کریم میں بھی جمع بین الاختین کو منع کیا گیا۔ شریعت محمدی میں اسے اتنی وسعت دی گئی کہ پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی بھی ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں کی سکتیں۔ قرآن کریم میں جہاں حرمت کے دوسرے رشتے بیان فرمائے۔ وہاں یہ بھی فرمایا:۔

وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف۔ (پ۴ النساء ۲۳)

ترجمہ۔ اور حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک کے نکاح میں جمع کرو مگر یہ کہ جو پہلے ہوتا رہا۔

یہ الا ما قد سلف میں بتا دیا گیا کہ قدیم الایام میں اگر ایسا ہوتا رہا ہے تو وہ منع میں نہیں تھا لیکن اب کے بعد دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

⑤ اسلام میں پہلے مظلومیت میں دینا ہی دینا تھا:۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ (پ۱۷ الحج ۳۹)

ترجمہ۔ اذن دے دیا گیا ہے ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں (لڑنے کا) اس لیے کہ ان پر ظلم کیا جاتا رہا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی امداد پر قادر ہے۔

یہ آیت یہ بھی بتلاتی ہے کہ اس سے پہلے ظالموں سے لڑنے کی اجازت نہ تھی لیکن اب وہ پہلا حکم کہ دبتے رہو اور ظلم سہتے رہو منسوخ ہو گیا۔

(۶) پہلے دور میں مسلمان بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے حضورؐ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا قبلہ (کعبہ ابراہیمی) مسجد حرام ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

قد نریٰ تقلّب وجھك فی السماء فلنولّینّك قبلةً ترضاھا فولّ وجھك شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولّوا وجوھکم شطرہ۔ (پ۲ البقرہ ۱۴۴)

ترجمہ بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار تیرے چہرے کا اٹھنا آسمان کی طرف، سو البتہ ہم پھیر دیں گے تجھے اس قبلہ کی طرف جسے آپ چاہتے ہیں، سو پھیر لیجیے اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف اور جس طرف بھی مسلمانو تم ہوا کرو اپنا رُخ (نماز میں) اسی طرف کیا کرو۔

یہ قبلہ کے تعین میں دو جہات کیوں رکھیں؟ پہلے سے ہی مسلمانوں کو کعبہ ابراہیمی پر کیوں نہ لگا دیا؟ یہ اس لیے کہ قبلہ اس رسول کی اتباع میں اپنایا جائے۔ بیت المقدس پر لگے لوگ اب محض اس رسول کی پیروی میں مسجد حرام پر لگیں جس کے دل میں بیت المقدس بسا ہوا ہو، اب وہ کب اس رسول کی پیروی میں مسجد حرام پر آئے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:

وما جعلنا القبلة التی کنت علیھا الّا لنعلم من یتّبع الرسول ممّن ینقلب علیٰ عقبیه۔ (پ۲ البقرہ ۱۴۳)

ترجمہ۔ اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر کہ تو پہلے تھا مگر اس لیے کہ (بالفعل) معلوم کریں کون تابعداری کرتا ہے اس رسول کی (بمقابلہ اس کے) جو پھر جاتا ہے اپنی ایڑیوں پر، اور بے شک یہ بڑا بھاری مرحلہ ہے مگر ان پر جنہیں اللہ تعالیٰ ہدایت پر لگا چکے۔

(۷) حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں:

ابتداء میں چونکہ روزہ کی بالکل عادت نہ تھی اس لیے ایک ماہ کامل پے در پے روزے رکھنا ان کو نہایت شاق تھا تو ان کے لیے سہولت فرما دی گئی کہ اگرچہ

تم کو کوئی عذر مثل مرض یا سفر کے پیش نہ ہو مگر طاقت نہ ہونے کے سبب روزہ تم کو دشوار ہو تو اب تم کو اختیار ہے چاہے روزہ رکھو چاہو روزے کا بدلہ دو۔ ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ۔

فمن کان منکم مریضًا او علیٰ سفرٍ فعدّۃ من ایامٍ اُخر وعلی الّذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین۔ (پ۲ البقرہ ۱۸۴)

ترجمہ۔ سو جو کوئی تم میں بیمار ہو یا سفر پر جائے تو اس پر روزوں کی گنتی ہے دوسرے دنوں سے ہے۔ اور جن کو طاقت ہے روزہ کی وہ دے سکتے ہیں (روزہ کے عوض) ایک مسکین کا کھانا (دو وقت کا)

اس آیت میں روزہ چھوڑنے اور اس کا فدیہ دینے کی عام اجازت دی گئی تھی اسے بعد میں منسوخ کر دیا گیا اب جو بھی اس مہینہ کو پائے روزہ رکھنا اس کے ذمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

فمن شھد منکم الشّھر فلیصمہ ومن کان مریضًا او علیٰ سفرٍ فعدّۃ من ایامٍ اُخر۔ (پ۲ البقرہ ۱۸۵)

ترجمہ۔ سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو اس کے روزے ضرور رکھے اور جو کوئی ہو بیمار یا مسافر تو اس پر گنتی ہے دوسرے دنوں سے۔

پہلے جو تین باتیں کہی گئی تھیں ان میں سے پہلی اجازت منسوخ ہو گئی اور دوسری دو بدستور باقی رکھی گئیں اب اس آیت نے روزہ کی طاقت رکھنے والے کو روزے کا فدیہ دینے کی اجازت منسوخ کر دی۔

(۸) پہلے بیوہ عورت کو ایک سال تک اپنے مرحوم خاوند کے گھر میں رہنے کا حق تھا اس کے بارے میں قرآن کریم میں اس طرح کہا گیا تھا:۔

والّذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا وصیّۃ لازواجھم متاعًا الی الحول غیر اخراج۔ (پ۲ البقرہ ۲۴۰)

ترجمہ۔ اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور چھوڑ جائیں عورتیں تو وہ وصیت

کر جائیں اپنی بیویوں کے حق میں خرچہ ایک سال تک کا بغیر نکالنے کے گھر سے۔

اس آیت کی رو سے ان بیوہ عورتوں کا ایک سال کا خرچہ گھر والوں کے ذمہ ہوا اور یہ بھی کہ ان کو گھر سے نہ نکالیں (وہ خود چلی جائیں تو اور بات ہے)

جب آیت میراث اُتری اور شریعت نے خود سارے وارثوں کے حصے مقرر کر دیئے تو اب مرنے والے کے ذمہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کرنا نہ رہا۔

حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں:۔

جب آیت میراث نازل ہوئی اور عورتوں کا حصہ بھی مقرر ہو چکا ادھر عورت کی عدت چار مہینے دس دن ٹھہرادی گئی تب سے اس آیت کا حکم موقوف ہوا۔

نسخ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

علومِ اسلامی میں ناسخ و منسوخ کی بحث ایک بہت لطیف اور پیچیدہ موضوع ہے اس کی تعریف اور تعیین میں علماء نے بڑی موشگافیاں دکھائی ہیں اور حق یہ ہے کہ اصولاً اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا یہ قرآن کریم میں واقع ہے اور اپنی ذات میں یہ کوئی عیب نہیں۔

(۱) نسخ کے لغت میں معنی زائل کرنے اور دور کرنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان۔ (پ۱۷ الحج ۵۲)

ترجمہ۔ سو اللہ تعالیٰ اس بات کو مٹا دیتے ہیں جو شیطان دل میں ڈالتا ہے۔

نسخت الشمس الظل۔ سورج نے سائے کو زائل کر دیا۔

نسخ الشیب الشباب۔ بڑھاپے نے جوانی کو زائل کر دیا۔

نسخت الریح آثار القوم۔ ہوا نے قوم کے نشان مٹا دیئے۔

(۲) نسخ بمعنی نقل کرنا۔ عربی میں کہتے ہیں:۔

نسخت الکتاب۔ میں نے کتاب نقل کرلی۔

کتاب کو نسخہ اِسی لیے کہتے ہیں کہ وہ اصل کی ایک نقل ہے۔

قرآن کریم میں ہے:۔

اناکنا نستنسخ ماکنتم تعملون. (پ۲۵ جاثیہ ۲۹)

ترجمہ. ہم ساتھ ساتھ لکھتے جاتے تھے جو تم عمل کرتے رہے تھے.

(۳) نسخ تحویل کے معنی میں بھی آتا ہے. علم وراثت میں تناسخ مواریث ایک اصطلاح ہے اس کی رو سے وراثت ایک شخص سے دوسرے کو منتقل ہو جاتی ہے.[1]

(۴) نسخ بمعنی تبدیل

قرآن کریم نے جس طرح ماننسخ من ایۃ اوننسہا (پ البقرہ ۱۰۶) میں ایک آیت کا دوسری سے نسخ میں آنا بیان کیا ہے دوسرے مقام پر اسے لفظ تبدیل سے بھی ذکر کیا ہے.

واذا بدلنا ایۃً مکان ایۃٍ. (پ۱۴ النحل ۱۰۱)

ترجمہ. اور جب ہم بدل دیں کسی آیت کو کسی دوسری آیت کے بدلے.

ان دونوں آیتوں میں لفظ آیت وارد ہے. لفظ آیت نشان اور دلالت کے معنی میں بھی آتا ہے.

وفی کل شیءٍ لہ ایۃ تدل علی انہ واحد

ترجمہ. اور اللہ تعالیٰ کا ہر چیز میں ایک نشان ہے جو پتہ دے رہا ہے کہ واقعی ایک ذات ہے وحدہ لاشریک ہے.

لفظ آیت جب کسی پیغمبر کی طرف نسبت ہو کر آئے جیسے وان یروکل ایۃ لایؤمنوا بھا (پ الانعام) واذا جاءتھم ایۃ (پ الانعام) واذا راوا ایۃ یستسخرون (پ۲۳ الصافات) تو اس سے مراد معجزہ اور نشان کے ہیں لیکن قرآن کریم کی نسبت جب یہ لفظ وارد ہو تو اس سے قرآن کریم کی آیات مراد ہوتی ہیں حکم فقہی میں بھی آیت سے قرآنی آیت ہی مراد لی جاتی ہے.

نسخ کی جامع اصطلاحی تعریف

کسی حکم شرعی سے کسی پہلے دینی حکم کا اٹھ جانا تاریخ میں نسخ کہلاتا ہے. نسخ وہ امر ہے جو

[1] دیکھئے البرہان جلد ۲ صہ ۲۹

کسی حکم کی انتہائے مدت پر دلالت کرے

نوٹ: ہم نے یہاں حکم شرعی کے الفاظ استعمال کیے ہیں قرآن کریم کا لفظ تخصیص سے نہیں لکھا کیونکہ نسخ جس طرح قرآن کریم میں ہے اس طرح احادیث میں بھی ہے اور پھر علماء کا ایک گروہ نسخ القرآن بالسنہ کا بھی قائل ہے ہم نے ان تمام اختلافات کو لپیٹتے ہوئے نسخ کی جامع اصطلاحی تعریف لکھ دی ہے۔

نسخ السنّۃ بالسنّۃ

(۱) آنحضرتؐ کا حکم تھا کہ قبروں پر نہ جایا کرو پھر آپ نے اجازت دے دی کیونکہ اُن سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے پہلے روکنے میں حکمت یہ تھی کہ قبروں پر نوحہ خوانی آہ وفریاد اور شرک کی رسمیں راہ نہ پا سکیں جب امت میں کچھ پختگی ہوئی آپ نے ایک اور بہتری کی خاطر اس کی اجازت دے دی:

عن بریدۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا[1]

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں تمہیں زیارتِ قبور سے روکا کرتا تھا۔ اب اجازت ہے تم قبروں پر زیارت کے لیے جا سکتے ہو۔

اس پر امام نووی لکھتے ہیں:

ھذا من الاحادیث التی تجمع الناسخ والمنسوخ وھو صریح فی نسخ نھی الرجال عن زیارتھا[2]

ترجمہ: یہ ان احادیث میں سے ہے جن میں ناسخ اور منسوخ دونوں جمع ہیں یہ اس بات میں صریح ہے کہ مردوں کا زیارت کے لیے قبروں کی طرف نہ جانے کا حکم اب منسوخ ہو چکا۔

(۲) پہلے آنحضرتؐ نماز میں بین السجدتین بھی رفعیدین کرتے تھے۔ حضرت مالک بن حویرثؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے اندر چار مقامات پر رفعیدین کرتے ہوئے پایا ہے۔

---

[1] رواہ مسلم جلد ۱ ص ۳۱۴ مشکوٰۃ ص ۱۵۴

رفع یدیہ فی صلوٰتہ اذا رکع واذا رفع رأسہ من الرکوع واذا سجد و اذا رفع رأسہ من السّجود۔[1]

ترجمہ: آنحضرتؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ ۱۔ جب رکوع کیا اور ۲۔ جب رکوع سے سر اٹھایا اور ۳۔ جب سجدہ کیا اور ۴۔ جب سجدہ سے اپنا سر اُٹھاتے تھے آپ ہاتھ اپنے کانوں کی لَووں تک اُٹھاتے تھے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سجدہ کے وقت اور سجدہ سے اٹھتے وقت کا رفعیدین کرنا چھوڑ دیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں:۔

یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ واذا رکع واذا رفع وکان لا یفعل ذٰلک فی السّجود۔[2]

ترجمہ: آپ ہاتھ اٹھاتے جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے اُٹھتے اور سجدوں میں آپ رفعیدین نہ کرتے تھے۔

اس دوسری روایت پر امام نسائی نے ترکِ رفعیدین کا باب باندھا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ نماز میں پہلے رفعیدین کرنا جائز تھا بعد میں یہ منسوخ ہوا۔

نماز اذکار اور حرکات کا ایک مجموعہ ہے اسلام کی تدریجی حکمت رہی کہ اذکار زیادہ ہوں اور حرکات کم ہوتی جائیں سو رفعیدین منسوخ ہوا۔ یہ جو رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت کا رفعیدین ہے اس پر امام نسائی نے سنن جلد ۱ صـ۱۱ پر ترکِ ذٰلک کا باب باندھا ہے اس سے احادیث میں ناسخ و منسوخ کی بحث چلتی ہے سو اسلام میں احکام میں نسخ واقع ہے (وہ قرآن کریم میں ہوں یا احادیث میں)

(۳) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

توضؤا مما مسّت النّار۔[3]

ترجمہ: جس چیز کو آگ نے چھوا اس سے (اس کے کھانے سے) وضو کرو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے گوشت تناول فرمایا اور وضو نہ کیا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں:۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ صـ۲۳ [2] ایضاً صـ۲۱ [3] ایضاً صـ۲۲

شهدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل خبزًا ولحمًا ثم قام الی الصلوٰۃ ولم یتوضا۔ [1]

ترجمہ۔ میں حضورؐ کے پاس موجود تھا آپ نے روٹی اور گوشت کھایا، پھر آپ نماز کے لیے آئے اور (تازہ) وضو نہ کیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:۔

کان اٰخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما مست النار۔ [2]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ سے جو چیز آخری درجہ میں منقول ہے وہ یہ ہے کہ پکی چیز سے وضو لازم نہیں آتا۔

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:۔

ھٰذا اٰخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان ھٰذا الحدیث ناسخ للحدیث الاول حدیث الوضوء مما مست النار۔ [3]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ سے منقول ہونے والی باتوں میں یہ آخری ہے اور یہ حدیث پہلی حدیث کی ناسخ ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو لازم ہے۔

(۴) پہلے انسانی کلام سے نماز نہ ٹوٹتی تھی اب آپ نے اس سے منع کر دیا۔ حضرت زید بن ارقمؓ (۶۶ ھ) کہتے ہیں:۔

کان الرجل یکلم صاحبہ فی الصلوٰۃ بالحاجۃ علیٰ عہد رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی نزلت ھٰذہ الاٰیۃ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین فامرنا بالسکوت۔ [4]

ترجمہ۔ حضورؐ کے زمانے میں ایک شخص نماز میں اپنے ساتھی سے بات کر لیتا تھا پھر یہ آیت اتری کہ نمازوں کی اور خاص طور پر درمیانی نماز کی حفاظت کرو، ہمیں حکم دیا گیا کہ نماز میں خاموشی اختیار کریں۔

---

[1] سنن نسائی جلد ا صفحہ ۲۲ [2] ایضاً [3] جامع ترمذی جلد ا صفحہ ۲۷ [4] سنن نسائی جلد ا صفحہ ۱۳۶

یہ نسخ السنۃ بالسنۃ کی چند مثالیں ہیں۔ اگر دو متعارض حدیثیں ملیں اور تقدیم و تاخیر معلوم نہ ہو تو پھر صحابہؓ کے عمل سے پتہ چلے گا کہ منسوخ کون سی چیز ہے اور ناسخ کون سی ہے۔ امام ابو داؤد (۵۲۷۵ھ) فرماتے ہیں :۔

اذا تنازع الخبران عن رسول اللہ ﷺ نظر الی ما عمل بہ اصحابہ من بعدہ۔[1]

ترجمہ: جب آنحضرتؐ سے دو حدیثیں پہنچیں جو آپس میں ٹکرا رہی ہوں تو دیکھا جائے گا کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہؓ کا عمل کس پر تھا۔

حضورؐ کے عمل سے صرف وہی حدیث منسوخ ہو سکے گی جو آپ کی وحی غیر متلو پر مبنی نہ تھی جو بات آپ کی وحی غیر متلو پر مبنی نہ ہو آپ اسے اپنے اجتہاد سے منسوخ نہیں کرتے۔ ہاں وحی غیر متلو پہلی وحی غیر متلو کو منسوخ کر سکتی ہے اور اجتہاد پہلے اجتہاد کو منسوخ کر سکتا ہے۔

وانما یوخذ من امر رسول اللہ بالآخر فالآخر۔[2]

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ آنحضرتؐ کے آخری عمل کو ہی بطور شریعت لیا جائے گا پھر اس کے بعد جو آخری ہو اسے لیا جائے گا۔

نسخ القرآن بالحدیث

جمہور علماء اس کے قائل نہیں وہ اس کے لیے دار قطنی کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :۔

کلامی لا ینسخ کلام اللہ وکلام اللہ ینسخ کلامی وکلام اللہ ینسخ بعضہ بعضا۔[3]

ترجمہ: میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کر سکتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کر سکتا ہے اور کلام اللہ میں ناسخ و منسوخ دونوں ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نے ناسخ و منسوخ قرآن اور حدیث دونوں میں تسلیم کیے گئے ہیں :۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احادیثنا ینسخ بعضھا بعضا کنسخ القرآن۔[4]

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۵۶ [3] مشکوٰۃ ص ۳۲ [4] ایضاً

بعض علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں مثلاً

(۱) قرآن کریم کا حکم ہے:۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون۔ (پ۹ الاعراف ۲۰۴)

ترجمہ۔ اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کی طرف کان دھرو اور چپ رہو۔ ہو سکتا ہے تم پر رحم کی گھڑی آپہنچی ہو۔

یہ حکم عام ہے اور نماز کو بھی شامل ہے یہ حضرات ایک حدیث سے اس کے عموم کو توڑتے ہیں اس حکم سے سورۂ فاتحہ کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ امام جب قرآن پڑھے تو تم چپ ہونے کی بجائے اپنی سورۃ فاتحہ پڑھ سکتے ہو اس سلسلے میں حضورؐ کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے آپ نے فرمایا تم میرے پیچھے سورۃ فاتحہ کے سوا کوئی حصہ قرآن نہ پڑھو۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو یہ حدیث نسخ القرآن بالحدیث کی ایک مثال ہوگی۔

ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ شریعت امام کو تو کہے کہ تو بلند آواز سے فاتحہ پڑھ اور مقتدی کو کہے تم نے سننا نہیں تم اپنی فاتحہ پڑھو۔ اگر مقتدیوں نے اسے نہیں سننا تو وہ بے عقل اونچا کیوں بول رہا ہے اور پھر سارے اپنی اپنی فاتحہ پر آمین کہیں اب یہ سارے امام کی آمین پہ آمین کیسے کہہ رہے ہیں یہ ایک غور طلب بات ہے۔

نسخ القرآن بالقرآن

ناسخ و منسوخ کی اس بحث میں اصل موضوع بحث نسخ القرآن بالقرآن ہے معتزلہ اس کے قائل نہیں۔ سب سے پہلے محمد بن بحر ابو مسلم اصفہانی (۳۲۲ھ) نے اس کا انکار کیا لیکن کلیۃً اس نے بھی انکار نہیں کیا اس نے نسخ کی بجائے اسے تخصیص کا نام دیا ہے وہ کہتا ہے کہ پہلے حکم عام میں وہ حصہ مرادِ الٰہی تھا ہی نہیں جسے دوسرے مقام پر ہم اس حکم سے خارج دیکھتے ہیں اس دوسرے مقام نے پہلے حکم کی وضاحت کی ہے اس کے کسی حصے کو منسوخ نہیں کیا۔ لیکن علماء اہل السنۃ نسخ اور تخصیص میں فرق کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں عام اصل میں اپنے سب افراد کو شامل ہوتا ہے اور یہی اس کے حقیقی معنی ہیں

جب وہ بعض افراد کے ساتھ مخصوص ہو تو وہاں اس کا قرینہ ہوتا ہے عام اگر اپنے بعض افراد کے ساتھ مخصوص ہو تو یہ صرف بطریق مجاز ہو گا۔

جو چیز منسوخ ہوتی ہے وہ بھی پہلے اپنے اصل معنی (موضوع لہ جس کے لیے بنی ہو) میں قائم ہوتی ہے اور اس کا یہ عام حکم ایک خاص حکم تک قائم رہتا ہے اس کو اب ایک ناسخ ہی بے کار کر سکتا ہے جس کی بنیاد اس حکمت الہیہ پر ہوتی ہے جو صرف اللہ رب العزت کو ہی معلوم ہو۔

نسخ و تخصیص میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ نسخ اخبار میں نہیں ہو سکتا البتہ ان میں تخصیص ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک جگہ خدا یہ کہہ دے۔

انا خلقنا الانسان من نطفه امشاج (پ۲۹ الدہر ۲)

اور دوسری جگہ یہ کہہ دے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صرف ماں تھی ان کا باپ کوئی نہ تھا۔ اسی لیے انہیں عیسیٰ بن مریم کہتے ہیں اس دوسرے موضوع سے پہلے حصے میں جو تخصیص ہو گی وہ ایک خبر میں تخصیص ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دوسرا موضوع پہلے ہی اس عموم میں شامل نہ تھا حضرت عیسیٰ ان میں داخل نہ تھے جنہیں قرآن کریم نطفہ امشاج سے پیدا مانتا ہے۔ یہ تخصیص ہمیں دوسرے قرائن سے معلوم ہو سکتی ہے۔

تخصیص لانے کی مختلف راہیں

یہ تخصیص کبھی عام فطرت اور حس و دانش سے بھی محسوس کی جا سکتی ہے مثلاً کہتے ہیں چوری چوری ہے خواہ تنکے ہی کی ہو۔ اب قرآن کریم کا حکم کہ چور کے ہاتھ کاٹ دو مطلق چور پر نہیں اس کے کسی خاص معنی پر بولا جائے گا کہ جو اس خاص درجے کا چور ہے فطرت کا تقاضا ہے کہ مواخذہ اس کی اس حد سے شروع ہو۔ قرآن کریم میں ہے۔

والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما۔ (پ۶ المائدہ ۳۸)

ترجمہ۔ اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت سو کاٹ دو ان کے ہاتھ سزا ہیں اس کی جو انہوں نے کیا۔

اس میں چوری کی کوئی حد مقرر نہیں کی جس پر بھی چوری کا لفظ آئے گا وہ یہ سزا پائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عام حکم کی تخصیص ان لفظوں میں کردی۔

لا قطع الا فی ربع دینار۔

ترجمہ: چوتھائی دینار کی مالیت کی چوری پر یہ سزا ہے اس سے کم پر ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

یہ قرآن پاک کی آیت کا نسخ نہیں عام کی تخصیص ہے اس باب کی کوئی تخصیص بہرحال ضروری تھی اور اس کا جو حصہ تخصیص میں آیا وہ پہلے بھی حکم کے معنی مراد میں داخل تھا۔ فطری تقاضوں اور عقلی ضرورت کے سہارے کوئی تخصیص تو کی جا سکتی ہے لیکن کسی شرعی حکم کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔

منسوخ آیات کی تعداد میں اختلاف

تخصیص اور نسخ کے اس غیر محتاط اختلاط کے باعث علماء میں منسوخ آیات کی تعداد میں خاصا اختلاف ہو گیا۔ بعض جگہ نہ نسخ کی گنجائش ہے نہ تخصیص کا کوئی پہلو —— ذرا سی مناسبت سے لوگوں نے نسخ کا دعویٰ کر دیا۔ مثلاً قرآن کریم میں لوگوں کا ایک وصف لکھا ہے ومما رزقناهم ينفقون (پ البقرہ) اور حکم بھی دیا ہے وانفقوا مما رزقناکم (پ۱۳ الرعد ۱۳) اس کا حکم زکوٰۃ سے نہ کوئی ٹکراؤ ہے نہ کوئی خلاف —— زکوٰۃ تب ہے کہ تمہارے جمع شدہ مال پر ایک سال گزرے اور انفاق کی صفت مومنوں میں کسی حال اور وقت سے مقید نہیں۔ یہ مومن کی عام صفت ہونی چاہیئے اور وہ مومنوں کا فرضی نصاب درجہ فرض میں ہے اب یہ کہنا کہ اس حکمِ زکوٰۃ سے وہ حکم انفاق منسوخ ہو گیا یہ تبھی ہے کہ لفظ نسخ کو کسی ادنیٰ مناسبت سے ہم ہر جا اور بے جا موقع پر لے آئیں۔ عبدالرحمن بن محمد الدمشقی (ھ) نے منسوخ آیات کی فہرست بہت لمبی دی ہے۔

قاضی ابوبکر بن العربی نے یہاں نوٹس لیا اور فرماتے ہیں لوگ اکثر آیات کو یونہی نسخ میں لے آئے ہیں۔ لکم دینکم ولی دین (تمہارے لیے تمہارا دین میرے لیے میرا) کو آیاتِ جہاد سے منسوخ کر دیتے ہیں۔

علامہ سیوطی الاتقان میں لکھتے ہیں کہ ۴۳ سورتوں میں نہ کوئی ناسخ آیت ہے نہ منسوخ اور ۲۵ سورتوں میں ناسخ و منسوخ دونوں طرح کی آیتیں ہیں۔ ۶ سورتوں میں کچھ آیات ناسخ ہیں ان میں کوئی منسوخ نہیں اور ۴۰ سورتیں ایسی ہیں ناسخ آیتیں تو موجود ہیں مگر ان میں منسوخ آیت کوئی نہیں

یہ کل ۱۱۴ سورتیں ہیں۔

امام سیوطی نے ان پر غور و فکر کر کے اپنے استقراء سے بتلایا ہے کہ قرآن کریم میں صرف ۲۱ آیات منسوخہ ہیں۔ بعد میں آنے والے علمائے محققین نے اس عدد سے بھی اتفاق نہیں کیا اور منسوخ آیات کی گنتی اور کم کی ہے۔ بارہویں صدی کے مجدد شاہ ولی محدث دہلوی پانچ آیات کے نسخ تک پہنچے ہیں اور پھر مولانا عبیداللہ سندھیؒ ایک آیت تک آ گئے

ناسخ و منسوخ کے اختلافات کا ایک منظر

علماء میں ناسخ و منسوخ کی کس طرح بحثیں چلی ہیں اس کی ایک جھلک بیان ذیل میں دیکھئے:۔

(۱) اللہ رب العزت فرماتے ہیں:۔

ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ (پ۱۵ الاسراء ۱۵)

ترجمہ: اور کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

اور پھر دوسری جگہ فرمایا:۔

ولیحملنّ اثقالھم واثقالاً مع اثقالھم۔ (پ۲۰ العنکبوت ۱۳)

ترجمہ: اور البتہ وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے اور بوجھ اپنے بوجھوں کے ساتھ اور البتہ ان سے پوچھ ہوگی قیامت کے دن۔

یہ وہ دوسروں کا بوجھ ہے جو انہوں نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا جھوٹے پیر اپنے مریدوں کو عام کہتے ہیں کہ ہم تمہارے بوجھ اٹھالیں گے یہ تو اٹھائیں گے ہی مگر ان اصل مجرمین سے ان کے گناہ نہ اٹھیں گے وہ بھی اپنے ان پیروں کے ساتھ سزا پائیں گے۔

یہ صورت اس آیت سے ملتی ہے:۔

لیحملوا اوزارھم کاملۃ یوم القیٰمۃ ومن اوزار الذین یضلونھم۔

(پ۱۴ النحل ۲۵)

ترجمہ: تاکہ اٹھائیں اپنے بوجھ پورے کے پورے قیامت کے دن اور ان کے بھی جن کو وہ بسبب علم نہ ہونے کے گمراہ کرتے رہے خبردار برا بوجھ ہے وہ جو اٹھاتے ہیں۔

کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا بایں طور کہ وہ بوجھ اس سے اٹھ جائے وہاں ان کی سزا کے ساتھ وہ لوگ بھی سزا یافتہ ہوں گے جو انہیں گمراہ کرتے رہے ان کا بوجھ جو ان پر آئے گا وہ بھی تو انہوں نے خود کمایا ہوا ہے اور ان کے اعمال میں شمار ہے۔

(۲) آپ مکہ میں تھے کہ آپ نے فرمایا:۔

قل ما کنت بدعًا من الرسل وما ادری مایفعل بی ولا بکم ان اتبع الا

مایوحیٰ الی وما انا الا نذیر مبین۔ (پ۲٦ الاحقاف ۹)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں میں کوئی نیا رسول نہیں آیا اور میں نہیں جانتا میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا میں تو اسی پر چلتا ہوں جو مجھے حکم آتا ہے میرا کام ڈر سنا دینا ہے کھول کر۔

اس وقت تک آپ کو اپنے اور ان کے انجام کی پوری تفاصیل نہ بتائی گئی تھیں یہاں تک کہ پھر آپ کو مدینہ میں سورۃ الفتح میں آپ کو اپنے اپنے اس مشن کے انجام کی خبر دے دی گئی —— اس کے ان مختلف جملوں پر غور کریں کیا اس میں مسلمانوں اور کافروں دونوں کا انجام نہ بتلا دیا گیا؟

انا فتحنا لک فتحًا مبینًا۔

وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا۔

لتدخلن المسجد الحرام۔

لیظھرہ علی الدین کلہ

لیعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت منھم مغفرۃ واجرًا عظیمًا۔ (پ۲٦ الفتح)

یہ چھ اقتباس مسلمانوں کو ان کے انجامِ خیر کی خبر دے رہے ہیں اور کل سورت کا مضمون اس سے بھی وسیع ہے۔

(۱) ہم نے فیصلہ کر دیا آپ کے لیے فتح مبین کا

(۲) وعدہ کیا اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا جو تم لوگے۔

(۳) تم ضرور داخل ہو کر رہو گے مسجد حرام میں

④ آپ اس لیے ہیں کہ اپنے دین کو غالب کر دیں سب پر

⑤ اسلام کا پودا اپنے تال پر کھڑا کھیتی والوں کو اچھا لگ رہا ہے اور کافر اس سے جلے جا رہے ہیں اور آخرت کے لیے بھی ایمان والوں سے وعدہ ہے مغفرت اور اجر عظیم کا۔

علامہ ابن السلامہ (ھ) اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں لکھتے ہیں کہ پہلی آیت (سورۂ احقاف کی ذیلی آیت) کو سورۃ الفتح نے منسوخ کر دیا ہے لیکن آیت مذکورہ کے صرف دوسرے حصے (مایفعل بی ولا بکم) کو پہلا حصہ محکم ہے (قل ماکنت بدعًا من الرسل) اس سے پتہ چلا کہ نسخ کا مفہوم اتنا عام ہو چکا تھا کہ بعض آیات کے صرف بعض حصوں کو منسوخ سمجھا گیا اور اس میں ایسے مضامین بھی تھے جو آخر تک محکم رہے اور ہیں بعض اوقات علماء آیت کے ایک حصے کے نسخ پر بھی آیت کو منسوخ آیات کی فہرست میں لے آئے ہیں۔

مکہ میں رہتے ہوئے آپ کو صبر و تحمل کا حکم تھا کافروں سے قتال جائز نہ تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :۔

ثم یحرم لھذہ الامۃ قتال الکفار فی اول الامر ولم یکن حینئذ ھناک جند ولا خلافۃ ثم لما ھاجر النبی وتاب المسلمون وظھرت الخلافۃ وتمکنوا من مجاھدۃ اعداء اللہ انزل اللہ تعالیٰ۔[1]

ترجمہ: شروع میں اس امت کے لیے کافروں سے لڑنا جائز نہ تھا اور اس وقت مسلمانوں کے پاس کوئی لشکر بھی نہ تھا اور نہ خلافت نہ تھی پھر جب آپ نے ہجرت کی اور آپ کی سلطنت قائم ہو گئی اور مسلمان اللہ کے دشمنوں کے ساتھ پنجہ آزائی کے لائق ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر۔ (پ۱۷ الحج ۳۹)

ترجمہ۔ اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں کہ ان پر ظلم ہوا ہے (اب وہ مقابلہ کریں) اور بیشک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قدرت رکھنے والے ہیں۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص

یہ الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ پہلے انہیں نہ لڑنے کا حکم تھا اب نئے ظروف و احوال میں مظلوم رہنے کی اجازت نہیں. اب مقابلے میں اُٹھنے اور خدا کے بندوں سے ظلم روکنے کے لیے انہیں لڑنے کا حکم (اذن) دیا گیا ہے. یہ قرآن کریم میں نسخ کی کھلی دلیل ہے. ہم اسے پہلے بھی مجملاً ذکر کر آئے ہیں.

پہلی شرائع میں مالِ غنیمت مجاہدین کے لیے جائز نہ تھا اس امت کے لیے غنیمتیں حلال کردیں:

وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونہا (پ۲۶ الفتح ۲۰)

ترجمہ. وعدہ کیا اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا کہ تم انہیں لوگے.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ تم مال غنیمت کے حق دار ٹھہروگے سو یہ ضرور ہوگا کہ پہلے جو صبر کرنے اور دَب کر رہنے کا حکم تھا وہ اب منسوخ ہوگیا.

فضّلتُ علی الانبیاء بستّ اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم.[1]

ترجمہ. مجھے دوسرے انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی. مجھے جوامع الکلم دیئے گئے رعب سے میری مدد کی گئی اور غنائم میرے لیے حلال ٹھہرائے گئے.

علماء نے مندرجہ ذیل دو آیتوں کو بھی نسخ کے ضمن میں پیش کیا ہے — ہم ان کا حاصل پہلے ذکر کر آئے ہیں:-

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا یتربصن بانفسہنّ اربعۃ اشہرٍ و عشرا فاذا بلغن اجلہن فلاجناح علیکم فیما فعلن فی انفسہنّ بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر. (پ۲ البقرہ ۲۳۴)

ترجمہ. اور جو لوگ تم میں مرجائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو چاہیئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن. اور جب پورا کرلیں وہ اپنی عدت تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ کریں وہ اپنے حق میں کوئی فیصلہ قاعدے کے مطابق اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے.

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۹۹

اگر وہ عدت گزرنے پر نہ نکلیں اور نکاح نہ کریں تو کم از کم سال تک تم انہیں ہینے دو اپنے اور ان کے اخراجات کا بذریعہ وصیت تکفل کرو۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا وصیّۃ لازواجھم متاعًا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن من معروف واللہ عزیز حکیم۔ (پ۲ البقرہ ۲۴۰)

ترجمہ۔ اور جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وصیت کر جائیں ایک سال تک کے خرچہ کی اور انہیں نکالا نہ جائے ہاں وہ خود (عدت گزار کر) نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ کریں وہ اپنے حق میں فیصلہ قاعدے کے مطابق اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا۔

یہاں بحث نسخ کی دو جہتیں ہیں :۔

(۱) دو آیتوں میں دو مختلف عدتیں۔ ایک میں چار ماہ اور دس دن اور دوسری میں ایک سال۔ یہ دراصل عدتوں کا تعارض نہیں عدت وہی چار ماہ اور دس دن ہیں۔ عدت کے دنوں کے علاوہ کچھ اور خرچہ بھی بیوہ کو اپنے خاوند کے مال سے ملنا چاہیئے۔ اس کے لیے حکم ہوا کہ ایک سال تک انہیں گھر سے کوئی نہ نکالے اور اپنے اعزہ کو وصیت کر جاؤ کہ وہ انہیں خرچہ دیتے رہیں۔ اگر عدت ایک سال مراد ہوتی تو اس کے بعد یہ نہ ہوتا کہ اگر وہ اس پہلے گھر سے نکلیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ سو یہاں وصیت بیوہ کے لیے خاوند کے مال میں اس کا حصہ ہے۔ پہلی آیت میں حکم عورتوں کے لیے ہے اور دوسری میں مردوں کے لیے اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۲) نسخ کی دوسری بحث ان آیتوں میں آپس کی نہیں بلکہ حکم وصیت کا ٹکراؤ آیت میراث سے ہے جب آیت میراث نے بیوہ کو خاوند کے ترکہ سے چوتھائی یا ثمن (آٹھواں حصہ) دے دیا تو اب اس کے لیے ایک سال تک کے خرچہ کی وصیت ضروری نہ رہی تو اس جہت سے یہ سال تک کے لیے وصیت کرنے کا حکم منسوخ سمجھا جائے گا۔ تاہم عدت کے بعد اس کا کہیں نکاح کرنے کا حق قائم رہے گا۔

اب قرآن پاک میں اس منسوخ آیت کا ہونا خاوند کے مال میں بیوہ کے حق کی ارتقائی تاریخ معلوم کرنے کے لیے بہت مفید ہے۔ آیت میراث سے پہلے اسلام نے کس طرح بیواؤں کے فطری حق کا احترام کیا اور انہیں انسانی بنیادوں پر پوری سہولت دی کہ بعد انقضائے عدت وہ جہاں چاہیں دوسرا نکاح کر سکتی ہیں۔

قرآن کریم کی آیت وصیّت

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیر الوصیّۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقًا علی المتقین فمن بدّلہ بعد ما سمعہ فانّما اثمہ علی الذین یبدّلونہ ان اللہ سمیع علیم۔ (پ۲ البقرہ ۲۲)

ترجمہ۔ تم پر فرض کیا گیا جب تم پر موت کا وقت آئے اگر کچھ مال چھوڑ جائے تو وصیت کرنا ہے والدین کے لیے اور دوسرے اقربین کے لیے یہ حق ہے ڈرنے والوں پر۔ سو جس نے اس وصیت کو بعد اس کے کہ اس نے سن لی تھی بدل ڈالا تو اس کا گناہ ان پر ہوگا جو اسے بدلتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں سننے والے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرنے والے کے لیے وصیت کرنا فرض ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حکم کا تقاضا جاہلیت کی اس رسم کو توڑنا تھا جس کی رو سے مرنے والے کا سارا مال اس کی بیوی اور اولاد لے جاتی تھی۔ والدین اور دیگر اقربا کسی جہت سے بھی اس میں حصہ نہ رکھتے تھے اسلام نے والدین اور اقرباء کا فطری حق مانا اور مرنے والے کو وصیت کا مکلف کیا تاکہ اس کے ترک سے معاشرے میں کوئی فساد نہ اُبھرے۔

جب آیت میراث اُتری اور سب وارثوں کے حصے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کیے تو اب یہ وصیت فرض نہ رہی۔ اب اس کا درجہ صرف استحباب کا رہا اور اس میں بھی وصیت وارث کے بارے میں نہ ہو سکے گی۔ آیت میراث کی رو سے جسے حصہ نہ ملتا ہو اس کے بارے میں وصیت ہو سکتی ہے اور مرنے والا اپنے مال میں ایک تہائی سے زیادہ کے بارے میں اس کے لیے بھی

وصیت کرنے کا مجاز نہیں۔

آیت میراث جس میں سب وارثوں کے حصے طے کر دیئے ہیں سورۃ نسار میں موجود ہے۔

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ (پ۴ النسار ۱۱)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ وصیت کرتے ہیں تمہیں اپنی اولاد کے بارے میں لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوگنا ہے۔

آیت وصیت پر عمل کرنے کی باقی صورتیں

آیت میراث نے آیت وصیت کے جس حصے کو منسوخ نہیں کہا اس میں غیر مسلم والدین آ سکتے ہیں جن کا سنبھالنے والا کوئی نہ ہو۔ آیت میراث میں سب حصے مسلمانوں کے لیے ہیں۔ کوئی کافر مسلمانوں کا وارث نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلم قرابت داروں کو کچھ دینا چاہے تو اسے وصیت کے ذیل میں لا کر دے۔ سو آیت وصیت بھی من کل الوجوہ منسوخ نہ ہوئی۔ کوئی ایک جہت پھر بھی لائق عمل رہی۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم کی کوئی آیت بھی من کل الوجوہ منسوخ نہ ہوئی اور جن علمار نے قرآن کریم میں بعض آیات کے بعض حصوں پر حکم نسخ لگایا ہے ان میں بھی ان کی تلاوت کو منسوخ نہیں کہا۔ ان کے پڑھنے میں بھی اتنا ہی ثواب ہے جتنا دوسری آیات کی تلاوت پر۔

منسوخ التلاوت آیات کا حکم

البتہ کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہوئی وہ قرآن پاک میں موجود بھی نہیں مگر ان کا حکم باقی ہے اور وہ حکم بھی شریعت میں تواتر کا حکم رکھتا ہے ان آیات کو منسوخ التلاوت باقی الحکم کہتے ہیں۔

ان آیات کے حکم کو باقی رکھنے میں ایک اور اصول نکھر کر سامنے آتا ہے جسے بعض علمار نے پہلی کتابوں کے بعض احکام کو باقی رکھنے کے بارے میں اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلی شرائع کے وہ احکام جنہیں ہماری شریعت نے منسوخ نہیں کیا اب بھی باقی سمجھے جائیں۔ بشرطیکہ ہماری ان احکام پر اطلاع کسی یقینی واسطے سے ہو ہمارے اپنے پیغمبر کے واسطے سے ہو۔ اہل کتاب کی ان دستاویزات

سے نہ ہو جو عام انسانی ہاتھوں تحریفِ لفظی کا شکار ہو چکیں۔ ان احکام کو شریعت تسلیم کرنے میں واسطہ علم معصوم ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

نسخ وحی متلو اور وحی غیر متلو دونوں میں رہا

شریعت اپنی تکمیل میں ناسخ و منسوخ کے بہت سے مباحث سے گزری ہے ہم نے اس مضمون میں بہت سی آیات اور احادیث آپ کے سامنے رکھ دی ہیں جن میں صریح طور پر یہ دونوں فاصلے مذکور ہیں بعض لوگ اسے عظمتِ قرآن کے خلاف سمجھتے ہیں کہ اس میں ناسخ و منسوخ کی بحث چلے اگر اس بات کو کچھ بھی وزن دیا جائے تو پھر یہ مباحثِ حدیث میں بھی عظمت رسالت کے خلاف دکھائی دیں گے جس طرح وحی متلو کی عظمت ابدی ہے وحی غیر متلو کی عظمت بھی اپنی جگہ ابدی ہے اہلِ حق عظمتِ قرآن اور عظمتِ رسالت میں سے کسی کو بھی مجروح ہونے نہیں دیتے۔ اگر قرآن میں نسخ آنے سے عظمتِ قرآن مجروح ہوتی ہے تو حدیث میں نسخ آنے سے عظمتِ رسالت کیوں مجروح نہ ہوگی۔

آنحضرتؐ کے اپنے آخری وقت میں امت کو دونوں کی یکساں نصیحت فرمائی ہے۔

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما۔

ترجمہ۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان سے سہارا لو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

اسکی رو سے قرآن کریم اپنے آخری پیرایہ میں اور آپ کی سنت اپنے آخری نکھار میں اپنی ابدیت میں دو برابر کے ماخذ علم ہیں۔ اب نہ اس قرآن سے اور نہ آپ کی سنت سے کسی اعتبار سے کسی حکم کے منسوخ ہونے کا کوئی احتمال ہے۔ ناسخ و منسوخ کے گذشتہ مباحث سے عظمت قرآن اور عظمت رسالت میں سے کسی پر حرف نہیں آتا۔

جس طرح شریعت میں ابد الآباد تک کسی کمی کا کوئی احتمال نہیں اس میں کسی اضافے کی بھی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ جس طرح پادریوں کی کونسل ہر دس سال بعد بائبل میں کمی بیشی کرتی ہے اسلام میں اب کتاب و سنت میں کسی کمی اور زیادتی کا کوئی احتمال نہیں۔ کتاب و سنت کی تاریخ میں ناسخ و منسوخ کے مباحث ہرگز ان کی عظمت میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس امت کے مجددین

نے قرآن کریم میں برابر نسخ کا اقرار کیا ہے، اور اسے کتاب و سنّت کی عظمت کے منافی کبھی نہیں سمجھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس کی ضمنی اصطلاحات پر عبور پاتے ہوئے قرآن کریم کی منسوخ الحکم آیات میں بہت کمی کی ہے۔ تاہم وہ پانچ آیتیں جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ہاں منسوخ الحکم ہیں یہ ہیں:۔

(۱) کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترك خیر الوصیة للوالدین والاقربین۔

(پ۲ البقرہ ۱۸۰)

ترجمہ: تم میں سے جب کسی پر موت کا وقت آئے تو اس پر لکھ دیا گیا ہے کہ اگر مال چھوڑے تو وصیت کرے والدین اور اقربین کے لیے معروف طریق سے

یہ آیت منسوخ ہے آیت میراث سے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (پ۴ النساء ۱۱) جس میں وارثوں کے حصے خود خدا نے مقرر کر دیئے ہیں حدیث لا وصیة لوارث کہ جو شرعًا وارث ہے اس کے لیے وصیت نہیں ہے اسی نسخ کو بیان کرتی ہے۔

(۲) والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجًا وصیة لازواجھم متاعًا الی الحول غیر اخراج۔ (پ۲ البقرہ ۲۴۰)

ترجمہ۔ اور جو لوگ تم میں وفات پائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں اپنی بیویوں کے لیے ایک سال کے خرچے کا اور یہ کہ وہ گھر سے نکالی نہ جائیں۔

یہ آیت بھی آیت میراث سے منسوخ ہے عورت اپنا حصہ لینے کے بعد (وہ چوتھا ہو یا آٹھواں) اب سال تک کا نان ونفقہ اپنے شوہر کے گھر سے لینے کی حقدار نہیں۔ رہی رہائش تو وہ بھی شوہر والوں کے ذمہ نہ رہی۔

(۳) ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا الفًا من الذین کفروا (پ۱۰ الانفال ۶۵) اپنے بعد والی آیت ان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن سے منسوخ ہوئی۔

اس پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

"میں کہتا ہوں نہ بے شک منسوخ ہے۔" [1]

---

[1] الفوز الکبیر ص۳۱

(۴) اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقه ذٰلک خیر لکم واطہر.

(پ ۲۸ المجادلہ ۱۲)

ترجمہ: جب تم رسول سے تنہائی میں کوئی بات کرو تو اپنے مشورہ کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے لیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور زیادہ پاک۔

یہ آیت اپنے اگلے حصے سے منسوخ ٹھہری۔ فان لم تجدوا فان اللہ غفور رحیم۔ اگر تمہارے پاس یہ مال نہ ہو تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اس پر بھی حضرت شاہ ولی اللہ رح لکھتے ہیں:-

"یہ اپنے بعد والی آیت سے منسوخ ہے۔ یہ قول ٹھیک ہے۔"[1]

(۵) قم الّیل الا قلیلاً۔ (پ ۲۹ المزمل)

ترجمہ: آپ تھوڑے سے حصہ کے بغیر رات قیام میں رہا کریں۔

یہ حکم سورۃ کی آخری آیتوں سے منسوخ ہوا۔ واللہ یقدر الّیل والنہار علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم۔ اب اس میں تاکید کا نسخ کر کے استحباب غیر مؤکد کو باقی رکھا گیا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے جو آیات متاخرین کی رائے پر منسوخ بتلائی ہیں، وہ شیخ محی الدین ابن عربی کے موافق تحریر کردہ ہیں اور بیس آیتیں ہوتی ہیں۔[2]

ان کے بارے میں حضرت شاہ صاحب رح لکھتے ہیں:-

فقیر کو ان بیس میں اکثر کی نسبت کلام ہے ..... میں کہتا ہوں ہماری تحریر کے موافق پانچ آیتوں میں آیتوں میں نسخ ثابت ہو سکتا ہے۔[3]

ان پانچ آیتوں میں سے چار کے بارے میں مولانا عبید اللہ سندھی نے کچھ مزید تفصیل فرمائی ہے اور پہلی آیت میں نسخ کو تسلیم کیا ہے پھر اس میں بھی یہ راہ نکلی ہے کہ اگر کسی کے والدین اور اقربین غیر مسلم ہوں اور وہ مسلمانوں کی وراثت نہ پا سکتے ہوں تو ان کے لیے وصیت کر کے اب بھی اس آیت پر عمل ہو سکتا ہے اور اس پہلو سے یہ بھی من جمیع الوجوہ منسوخ نہیں رہتی یہ کلام الٰہی کا اعجاز ہے کہ ہم اسے کلیۃً کہیں منسوخ نہیں پاتے یہ کلام اپنی شانِ اعجاز میں خود بولتا ہے۔

---

[1] الفوز الکبیر ص ۲۷ [2] ایضاً ص ۲۸ [3] ایضاً

تاثیرُ القرآن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

قرآن کریم اپنے اندر ایک عجیب شان تاثیر رکھتا ہے۔ یہ تاثیر اپنے ظاہری اثرات بھی رکھتی ہے اور باطنی اثرات بھی۔ اس کی تلاوت اور سماعت خشیتِ الٰہی اور خوفِ خدا کی دولت بخشتے ہیں کیا مسلمان اور کیا غیر مسلم جو بھی اسے سُن لیں اثر قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ قرآن کریم ایک عجیب انداز میں آخرۃ کی فکر دلوں میں اُتارتا ہے اور جو بھی اسے سُن لے اپنے دل میں ایک عجیب کیفیت محسوس کرتا ہے خود قرآن میں اس کے نفسیاتی اثرات کا یہ تذکرہ ہے :۔

تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم وقلوبھم الیٰ ذکر اللہ۔ (پ۲۳ الزمر ۲۳)

ترجمہ۔ بال کھڑے ہوجاتے ہیں اس سے کھال پر اُن لوگوں کے جو خدا سے ڈرتے ہیں پھر نرم پڑ جاتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں :۔

اللہ کی یاد ان کے بدن اور روح دونوں پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے یہ حال اقویائے کاملین کا ہوا اگر کبھی ضعفاء و ناقصین پر دوسری قسم کی کیفیات و احوال طاری ہوجائیں مثلاً غشی یا صعقہ وغیرہ تو اس کی نفی آیت سے نہیں ہوتی۔

قرآن کریم کی عجب شانِ تاثیر کے سینکڑوں عجیب واقعات ہیں یہاں ہم اسلاف کے ان اثرات کی چند حکایات لکھتے ہیں :۔

پہلی حکایت

ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضورؐ کے حکم سے حبشہ کو ہجرت کی مشرکین نے وہاں شاہِ حبشہ کے دربار تک اپنی باتیں پہنچائیں اور اسے اسلام کے بارے میں بدگمان کرنا چاہا۔ نجاشی

شاہ حبشہ نے بہت سے پادریوں اور راہبوں کو اپنے دربار میں جمع کیا اور ان مسلمانوں کو جو وہاں ہجرت کر گئے تھے بُلا کر حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت ان کا عقیدہ دریافت کیا۔ اس پر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے سورۃ مریم کی تلاوت کر دی۔ بادشاہ نفیس اور سب راہب درویش سُن کر بہت روئے۔ قرآن کریم نے ان پر ایک عجیب حال پیدا کر دیا۔ بادشاہ نے اقرار کیا کہ یہ واقعی اللہ کا کلام ہے اور مسلمان ہو گیا اور کہا کہ بے شک حضورؐ وہی نبی ہیں جن کی حضرت مسیح علیہ السلام نے خبر دی تھی۔ پھر حضورؐ نے بھی اس کے ایمان کی یہاں تک شہادت دی کہ جب وہ حبشہ میں فوت ہوا تو آپ نے مدینہ منورہ میں اس کی نمازِ جنازہ ادا کی۔[1]

دوسری حکایت

ہجرت کے کئی سال بعد ایک وفد جو ستّر آدمیوں پر مشتمل تھا حضورؐ کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ نجاشی کے بھیجے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ یٰسین ان کے سامنے پڑھی وہ کلام الٰہی سُن کر بے اختیار رو پڑے اور وقف گریہ و بکا ہو گئے۔ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر ربنا اٰمنّا (اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے) کے الفاظ جاری تھے۔ ستّر کے ستّر مسلمان ہو گئے۔[2] ساتویں پارے کی ابتدائی آیات انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں :۔

واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینهم تفیض من الدّمع ممّا عرفوا من الحق۔ (پ المائدہ ۸۳)

ترجمہ: اور جب سنتے ہیں اسے جو اُترا رسول پر تو دیکھے گا انہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔

تیسری حکایت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جنوں کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہو جاتی تھیں۔ جب حضورؐ پر وحی آنی شروع ہوئی تو وہ سلسلہ تقریباً بند ہو گیا۔ جنوں کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی نیا واقعہ رُونما

[1] فوائد القرآن للعلامۃ العثمانی ص ۱۹۵ [2] ازالۃ الشکوک للعلامہ رحمۃ اللہ الکیرانوی ثم المکی ص ۱۳۵ مطبوعہ مدراس

ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمانی خبروں پر سخت پہرے بٹھلا دیئے گئے ہیں اس جستجو میں جنوں کے مختلف گروہ مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔ ایک جماعت بطن نخلہ کی طرف سے گزری وہاں حضور پُرنورؐ اپنے چند اصحاب کے ساتھ نماز فجر ادا کر رہے تھے۔ قرآن کی آواز ان جنوں نے سُنی اور وہ ان کو بہت عجیب مؤثر اور دلکش معلوم ہوئی اس کی عظمت اور ہیبت ان کے دلوں پر چھا گئی اور وہ قرآن کی آواز پر فریفتہ ہو کر اسی وقت ایمان لے آئے۔ اور اپنی قوم سے جاکر یہ سارا ماجرا بیان کیا۔

انا سمعنا قرآناً عجباً یھدی الی الرشد فاٰمنّا بہ (پ۲۹ الجن)

ترجمہ: ہم نے سُنا ہے عجیب کلام جو نیک راہ سمجھاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔

قرآن کی عجیب قوت تاثیر۔ شیریں بیانی اور حسن اسلوب نے ان کے لیے اسی وقت ہدایت کی راہیں کھول دیں۔ آئے تھے تجسس کے لیے مگر اللہ تعالیٰ نے ایمان سے مالا مال کر دیا کس کی تاثیر تھی؟ قرآن کریم کی۔

چوتھی حکایت

مُلّا علی قوشجی ماوراء النہر کے ایک بہت بڑے عالم تھے ایک دفعہ وہ روم گئے اور وہاں کے ایک یہودی عالم سے صداقت اسلام پر گفتگو کی۔ ایک مہینے کے قریب ہر روز گفتگو جاری رہی مگر وہ یہودی قائل نہ ہوا۔ ایک دفعہ وہ یہودی گفتگو کے لیے ملّاجی کے پاس آ رہا تھا۔ صبح کا وقت تھا اور ملّاجی قرآن پڑھ رہے تھے انہیں یہودی کے آنے کی کوئی خبر نہ تھی۔ وہ یہودی ٹھہر گیا اور بڑی توجہ سے قرآن سنتا رہا اس کے بعد وہ مُلّاجی کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے مسلمان بنالو ملّاجی نے تعجب سے پوچھا کہ میری ایک ماہ کی گفتگو تو تم پر اثر نہ کر سکی اب فوراً کون سی چیز ہے جس نے تجھے متاثر کر دیا ہے۔ اس یہودی نے جواب دیا کہ میں نے عمر بھر تجھ سا کوئی بدآواز نہیں دیکھا مگر اس کے باوجود آج صبح جب تم قرآن رہے تھے میں چپکے سے اُسے سُن رہا تھا تو اس نے میرے دل پر ایک عجیب اثر کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ کلام الٰہی ہے اور میں مسلمان ہو گیا۔ [۱]

---

[۱] اس واقعہ کو قاضی نور اللہ شوستری دفین آگرہ نے اپنی تفسیر میں اور علامہ رحمۃ اللہ کیرانوی نے ازالۃ الشکوک میں نقل کیا ہے۔

پانچویں حکایت

حضرت جبیر بن مطعم رضؓ کہتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے سے ایک دن پہلے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ مغرب میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سُنا جب میں نے یہ آیات سُنیں تو میرا دل میرے اختیار میں نہ رہا۔ قرآن کی یہ عجیب وغریب تاثیر میرے ایمان لانے کا سبب ہوگئی۔ وہ آیاتِ مبارکہ یہ تھیں :-

ام خلقوا من غیر شیءٍ ام ھم الخالقون ام خلقوا السمٰوات والارض بل لا یوقنون ام عندھم خزائن ربّکَ ام ھم المصیطرون۔ (پ۲۷ طور ۳۵)

ترجمہ۔ کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں بنانے والے۔ کیا انہوں نے ہی آسمان اور زمین بنائے ہیں۔ کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے۔ کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہ ہیں ان کا پہرہ دینے والے۔

چھٹی حکایت

حضرت عمرؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے کفر کی ایک بڑی طاقت تھے۔ حضورؐ کی مسلسل دُعا تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اسلام کو غلبہ دے۔ آپؓ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلے۔ رستے میں کسی نے بتایا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ اس غصے میں اپنی بہن کے گھر گئے وہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہی تھیں۔ بھائی کو دیکھ کر انہوں نے جلدی سے وہ اوراق کہیں رکھ دیئے۔ آپ نے کہا پڑھو تم کیا پڑھ رہی تھیں۔ بہن نے اوراق کھولے اور سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی :-

طٰہٰ ما انزلنا علیکَ القراٰن لتشقٰی الا تذکرۃً لمن یخشٰی تنزیلاً ممّن خلق الارض والسمٰوات العلٰی۔ (پ۱۶ طٰہٰ)

ترجمہ۔ طٰہٰ ہم نے قرآن آپ پر اس لیے تو نہیں اُتارا کہ آپ سختیاں دیکھیں مگر یہ نصیحت ہے، اس کے لیے جو (خدا سے) ڈرتا ہو۔ اُتارا ہوا ہے اس کا جس نے زمین بنائی اور آسمان اُونچے بنائے۔

حضرت عمرؓ پر ان آیات کا ایسا اثر ہوا کہ تاریخ ایک نئے موڑ پر آگئی۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو شکار کرنے نکلے تھے خود شکار ہو گئے۔ مرادِ رسول جن کے لیے آپؐ مدت سے دعائیں کر رہے تھے اب آپ کے قدموں میں تھی۔ آپ کا اسلام لانا قرآن کی عجب شان تاثیر کا ایک بڑا نشان ہے۔

ساتویں حکایت

حضرت عثمان بن مظعونؓ کہتے ہیں کہ میں اسلام کے بارے میں متردّد تھا دل اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ سورۂ نحل کی یہ آیت نازل ہوئی:-

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینہیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون۔ (پ۱۴ النحل ۹۰)

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں عدل و احسان کا۔ اہلِ قرابت کو دینے کا اور روکتے ہیں بے حیائی سے۔ بُرائی سے اور سرکشی سے۔ نصیحت کرتے ہیں تاکہ تم یاد رکھو۔

یہ آیات سُنتے ہی اسلام میرے دل میں اُتر گیا اور میں حضورؐ کی خدمت میں جا کر مسلمان ہو گیا پھر میں نے اس آیت کو ولید بن مغیرہ کے سامنے پڑھا اس نے سن کر کہا اے میرے بھتیجے! پھر پڑھ میں نے پھر پڑھی۔ اس نے کہا:-

واللہ انّ لہ لحلاوۃً وان علیہ لطلاوۃً وانّ اعلاہ لمثمر وانّ اسفلہ لمغدق وما ھو بقول البشر وان یعلوا ولا یعلی۔

ترجمہ۔ بخدا یہ کلام بڑا میٹھا ہے اور بے شک اس پر تازگی ہے اس کا اُوپر کا حصہ پھلدار ہے اور نچلا سیراب کرنے والا ہے اور نہیں یہ کسی انسان کا کلام۔ یہ غالب ہو کر رہے گا اور کبھی مغلوب نہ ہو گا۔

عرب کا مشہور حکیم اکثم بن صیفی بھی اس آیت کی فصاحت اور بلاغت سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا تھا۔ یہ آیت باوجود کمال اختصار کے عقائد و اعمال اور اخلاق دین کی ہر نوع کو شامل ہے۔ حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر و شر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کر دیا ہے گویا کوئی عقیدہ، خلق، نیت، عمل، معاملہ اچھا یا بُرا ایسا نہیں جو امراً و نہیاً اس کے تحت میں داخل نہ ہو گیا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ قرآن میں اگر کوئی دوسری آیت نہ ہوتی تو تنہا یہی آیت تبیاناً لکل شیءٍ کا ثبوت دینے کے لیے کافی تھی۔

آٹھویں حکایت

اُبو عبید لغوی کہتا ہے کہ ایک اعرابی نے ایک شخص کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سُنا:۔

فاصدع بما تؤمر۔ (پ۱۴ الحجر ۹۴) تو سُنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا ہے۔

وہ یہ آیت سُنتے ہی سجدے میں گر گیا جب اس سے پُوچھا کہ تم نے سجدہ کسے کیا اس نے کہا "اس کلام کی فصاحت کو"

قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری

حقیقت شناس لوگ اس کی حقیقتوں پر مطلع ہوئے اہل دانش اس کے معنی و مطالب سے متأثر ہوئے اور اہل ادب و عربیت نے اس کی فصاحت و بلاغت کے آگے گھٹنے ٹیکے۔ خدا کو سجدہ انہوں نے بعد میں کیا۔ پہلے وہ اس کلام کے آگے سجدہ ریز ہوئے۔

نویں حکایت

عتبہ بن ربیعہ ایک دن قریش کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ اس نے حضورؐ کو ایک گوشے میں تنہا بیٹھے پایا۔ عتبہ نے اپنی قوم کو کہا کہ میں ابھی اس شخص کے پاس جاتا ہوں اور اسے مال و دولت کا لالچ دے کر اسے اس نئی تحریک سے روکتا ہوں۔ وہ حضرت کے پاس آیا اور مال و دولت کی پیشکش کی۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ پہلے میں جو کچھ کہوں وہ سُنو۔ اس کے بعد اپنی کہنا۔ اس کے بعد حضورؐ نے سورۂ حم سجدہ (پ۲۴) کی تلاوت شروع کی۔ عتبہ سُنتے ہی حیرت زدہ اور مدہوش ہو گیا اور حضورؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ اپنے کام میں مشغول رہیں اور کسی سے نہ ڈریں۔ مگر افسوس کہ برادری کے تعلق نے اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق نہ دی۔ تاہم اس نے اپنی قوم کو آکر کہا:۔

بخدا میں نے وہ کلام سنا کہ دنیا کبھی نہ سنا تھا بخدا وہ شعر نہیں اور نہ کہانت ہے. اے گروہِ قریش! تم اس کو اس کے کام سے نہ روکو. بخدا اس کلام کو بڑی شان ہوگی اور تم جانتے ہو کہ وہ جو کچھ تمہارے بارے میں کہتا ہے جھوٹ نہیں کہتا اور جو دعا کرتا ہے وہ رد نہیں ہوتی. اب خوف یہ ہے کہ کہیں تم پر عذاب نہ آجائے.

یہ بات وہ اپنی صف سے کہہ رہا ہے سو یہ کوئی جانبدارانہ شہادت نہیں ہے.

دسویں حکایت

ابن مقنع جو اپنے وقت کا ایک بڑا بلند پایہ ادیب گزرا ہے اس نے دعویٰ کیا کہ قرآن بے شک فصاحت اور بلاغت کی انتہا پر ہے لیکن میں بھی اس طرز کا کلام لکھ سکتا ہوں اس نے اپنی کافی عمر اسی خیالِ خام میں ضائع کی اور اپنے خیال میں کچھ اس طرز پر لکھا بھی. ایک روز اسے ایک مکتب کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا. وہاں ایک لڑکا سورۂ ہود کی یہ آیتِ مبارکہ پڑھ رہا تھا.

وقیل یا ارض ابلعی ویا سماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی وقیل بعدًا للقوم الظالمین. (پ۱۲ ہود ۴۴)

ترجمہ. اور حکم آیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور سکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹھہری. اور حکم ہوا دوری ہے ظالم قوم کے لیے.

ابن مقنع سنتے ہی حیرت زدہ اور مدہوش ہوگیا اور گھر آکر اپنے سب لکھے کو مٹا دیا اور قسم کھا کر کہا کہ اس کلام کا کوئی معارضہ نہیں کر سکتا اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں —— من الشیخ رحمۃ اللہ قدس سرہٗ —— اس آیت کی وجوہ فصاحت میں سے بعض وجوہ علامہ زمخشری نے کشاف میں اور قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں خوب بیان کیے ہیں.

پھر جب یہ کام ہو چکا اور حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی سے اترنے کا حکم ہوا اور اللہ تعالیٰ نے

اپنی طرف سے عام سلامتی کی خبر دی کہ اب ساری نوعِ انسانی پر قیامت سے پہلے ایسی عام ہلاکت نہ آئے گی تو اس موقع پر قرآن کا پیرایہ بیان دیکھئے ۔

قیل یا نوح اھبط بسلام منا و برکات علیک و علیٰ امم ممن معک و امم سنمتعھم ثم یمسھم منا عذاب الیم ۔ (پ۱۲ ہود ۴۸)

ترجمہ ۔ حکم ہوا اے نوح اتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف اور برکتوں کے ساتھ ۔ تجھ پر اور ان قوموں پر جو تیرے ساتھ رہیں اور ایسی قومیں بھی ہوں گی جنہیں ہم کچھ وقت تک متاع دیں گے پھر انہیں پہنچے گا ہماری طرف سے عذاب دردناک ۔

ان عربی الفاظ کو پڑھیئے اور الفاظ کی شکوہ اور صولت پر غور کیجیے ۔ اوّل تو ان کا پڑھنا بھی خاصی ہمت سے ہوتا ہے اور پڑھ بھی لے تو پڑھنے والے ان الفاظ میں کھو کر رہ جاتے ہیں ۔

آنحضرتؐ پر قرآن کا اثر

قرآن کریم باوجودیکہ حضورؐ پر اترا لیکن آپ پر بھی اس کے ایسے اثرات ہوتے تھے کہ آپ کبھی بے اختیار ہو جاتے اور اسے بار بار پڑھ کر ایک عجیب کیف محسوس فرماتے ۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ ایک رات آنحضرتؐ نماز کے لیے اٹھے اور آپ نے ایک ہی آیت پر صبح کر دی ۔ آپ اسے بار بار پڑھتے تھے اور اسی طرح صبح ہوتی چلی گئی ۔ وہ آیت یہ تھی ۔

ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم ۔

(پ۷ الانعام ۱۱۸)

ایک دفعہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ انہوں نے عرض کی کہ حضرت آپ مجھ سے کیا سنیں گے یہ تو آپ پر نازل ہوا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ میں اسے دوسرے سے سننا چاہتا ہوں ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورت نساء پڑھنی شروع کی ، جب اس آیت پر پہنچے ۔ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علیٰ ھؤلاء شھیدا تو حضور اکرمؐ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں

کہ آپ کے آنسو بہہ رہے ہیں[1]

یہ قرآن پاک کے نفسیاتی اور طبعی اثرات کا بیان تھا یہ چند حکایتیں بطور نمونہ مشتے از خروارے ہیں۔ ورنہ تاثیرِ قرآن کے اتنے واقعات اور عجائب وغرائب ہیں کہ اس مختصر مضمون میں اُن کی گنجائش نہیں۔

ان کے علاوہ قرآن کریم کے کچھ ایسے باطنی آثار بھی محسوس کیے گئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ کلام بہت قلبی امراض کی طرح بہت سے بدنی امراض کے لیے بھی عجیب نسخہ شفا ہے۔

وننزل من القراٰن ما ھو شفاء و رحمۃ للمومنین۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۲)

ترجمہ۔ اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں وہ جس سے کئی روگ دفع ہوں اور رحمت ایمان والوں کے لیے۔

قرآن کریم کا نسخہ شفا ہونا گو اصالۃً روحانی بیماریوں کے لیے ہے لیکن ضمنی طور پر اس کے آثار بدنی صحت کا بھی بار ہا سبب ہوئے ہیں۔ ایسے اثرات قرآن پاک کے عجیب اسرار ہیں۔

شیخ الاسلام رح لکھتے ہیں:۔

قرآن کی آیات سے جو بتدریج اترتی رہتی ہیں روحانی بیماریاں دُور ہوتی ہیں۔ دلوں سے عقائد باطلہ اخلاقِ ذمیمہ اور شکوک وشبہات کے روگ مٹ کر صحت باطنی حاصل ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات اس کی مبارک تاثیر سے بدنی صحت بھی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ روح المعانی اور زاد المعاد وغیرہ میں اس کا فلسفہ اور تجربہ بیان کیا گیا ہے۔[2]

تاثیر القرآن کی اس فصل کو ہم علاج بالقرآن کے نام سے ایک مستقل عنوان کے تحت ذکر کریں گے۔ یہاں ہم صرف اس کے چند آثار اعمال القرآن کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ یہ مستقل مضمون انشاء اللہ العزیز دوسری جلد میں آئے گا۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۷۰ دہلی [2] فوائد القرآن صفحہ ۳۸۴

اعمالُ القرآن

حضرت ابُوسعید خُدریؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے کچھ حضرات کسی عرب قبیلہ کے پاس سے گزرے۔ اتفاق سے قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ قبیلے والوں نے صحابہ کرامؓ سے پُوچھا کیا تم میں سے کوئی اس کا دم جانتا ہے اس پر ایک صحابی نے سورتِ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اپنا لعاب دہن زخم پر لگایا اسے شفا ہوگئی۔ پھر انہوں نے یہ سارا واقعہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا اور حضورؐ کی اجازت سے بکریوں کی صورت میں اس کا ہدیہ بھی قبول فرمایا۔[1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ۔

اذا رای احدکم شیئًا یکرہ فلینفث حین یستیقظ ثلٰث مرات ویتعوذ من شرھا فانھا لا تضرہ۔[2]

ترجمہ۔ جب تم میں سے کوئی بُرا خواب دیکھے تو جاگتے وقت تین دفعہ دم کرلے اور اس کے شر سے پناہ مانگے اس صورت میں وہ خواب اُسے ضرر نہیں دیگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی تکلیف ہوتی تو آپ اپنے اوپر قرآن کی سُورتیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب النّاس پڑھ کر دم کرلیا کرتے تھے۔[3]

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک عورت کو جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دم کر رہی تھی فرمایا:۔

ارقیھا بکتاب اللہ۔[4]

ترجمہ۔ اسے قرآن کے ساتھ دم کرو۔

محدثِ جلیل علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ جو دم اسمائے الٰہی اور اس کی صفات کے بغیر ہوں وہ مکروہ ہیں۔ دم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ دم کی قطعیت کا یقین بھی مکروہ ہے جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہیں اس میں تاثیر نہیں آسکتی جن

---

[1] بخاری جلد ۲ ص۸۵۴ [2] بخاری جلد ۲ ص۸۵۵ [3] بخاری جلد ۲ ص۸۵۷ [4] موطا امام مالک ص

احادیث میں دم نہ کرنے کی مدح کی گئی ہے ان میں وہی دم مراد ہیں جو کتاب اللہ کے بغیر ہوں اور ان کی تاثیر قطعی یقین کی جائے۔ دم کی وجہ سے ظاہری علاج میں سستی نہ آنی چاہیئے۔

قرآن پاک کی آیات اور سورتوں کے اسرار شفا انہی لوگوں پہ کھلتے ہیں جو انہیں اُن کے مخصوص طریق سے اس کے مناسب اوقات میں عمل کے لیے پڑھتے ہیں۔ ان اعمال کی کچھ شرائط ہوتی ہیں جو تجربہ کاروں سے ہی معلوم ہو سکتی ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اعمالِ قرآنی کے نام سے ایک مستقل کتاب ترتیب دی ہے جس کے ٹائیٹل پر لکھا ہے فیہ شفاء للناس۔

پیشِ نظر رہے کہ آیاتِ قرآن سے یہ حصول شفا قرآن پاک کی برکات میں سے ہے لیکن یہ برکت قرآن پاک کے مقاصد اور حقوق میں سے نہیں۔ قرآن کریم کا پیغام معاش و معاد کی اصلاح و فلاح دارین ہے۔ قرآن کریم کے جن حقوق کے بارے میں ہم سے آخرت میں سوال ہوگا یہ تبرک اور روحانی تاثیرات ان کا جزو نہیں۔ علامہ اقبال نے اس ذہن کی یوں نشاندہی کی تھی ؎

با آیاتش ترا کارے جز ایں نیست   کہ از یٰسین او آساں بمیری

اس میں شک نہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نزع کے وقت سورت یٰسین کی تلاوت کی جائے۔ علامہ اقبال یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ ان خاص مواقع کی تلاوت نزول قرآن کا بنیادی موضوع نہیں محض برکت اور تبرک ہے۔ قرآن پاک کے حقوق جن کے بارے میں مسلمان آخرت میں مسئول ہوں گے۔ وہ یہ ہیں :-

(۱)۔ قرآن کریم کی تصدیق

اسے دل سے ارشادِ الٰہی یقین کرنا اور زبان سے اس کا اقرار

(۲)۔ قرآن کریم کا ادب و احترام

اسے رکھنے، لکھنے، چھونے، پڑھنے اور دیکھنے میں اس کی تعظیم و تکریم اور اکرام و اجلال۔

(۳)۔ قرآن کریم میں تذکّر و تدبّر

لہ ھم الذین لا یتطیرون ولا یسترقون ولا یکتوون علیٰ ربھم یتوکلون۔ بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۵۶

کتاب ہدایت میں غور اور فکر کر کے زندگی کی راہیں دریافت کرنا۔

④ قرآن کریم کے احکام پر عمل

عمل بالقرآن سے اپنے اخلاق و معاشرے کی اصلاح اور آخرت کی فلاح حاصل کرنا۔

⑤ قرآن کریم کی تبلیغ و تبیین

اسے آگے پہنچانا اور اس کی مرادات کو کھولنا۔

قرآن کریم کے ارشادات اور رسالت مآب کی تعلیمات میں کہیں یہ منقول نہیں کہ یہ اعمال و تاثیرات بھی قرآن کریم کے مقاصد میں شامل ہیں۔ ہاں اخیار امت نے عملاً ان کے بہت سے ثمرات دیکھے ہیں اور قرآن کی ان روحانی تاثیرات سے انکار ممکن نہیں۔ ہاں قرآن کریم کے مقاصد اور ہیں وہی قرآن پاک کے حقوق ہیں جو مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں اور ان کی تعمیل نے ہی قرآن کریم کو ایک انقلاب آفریں کتاب ثابت کیا تھا۔

اگلی جلد میں ہم مغرب کے چند غیر مسلم مستشرقین کی آراء پیش کریں گے جو ان کے نقطۂ نظر سے قرآن کریم کی عظمت و جامعیت کا اقرار واضح ہے۔

ے ومليحة شهدت لها ضرّاتها
والفضل ما شهدت به الاعداء

تم الجلد الاوّل ويتلوه الثاني ان شاء الله العزيز واوّله ایک قرآن

دار المعارف
الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور